UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188735

UNIVERSAL
LIBRARY

TEXT CUT BOOK

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٩٩٣٥٩٤١ Accession No. ٥٠٩٤

Author ٢٠ ٣ ٣ ٣٣٣

بعونہٖ تعالیٰ

سیرۃ الرّسول

یعنی

حضور انور رسول خدا ہاشمی نبی فخر دو جہان محبوب خدا رحمۃ اللعلمین

خاتم النبیّن محمدؐ عربی اُمی نبی کی سوانح عمری

مرتّبہ

مرزا حیرت مترجم قرآن مجید و مالک و مدیر

اخبار کرزن گزٹ دہلی

بار ثالث

کرزن پریس دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴۶۷۸

سیرۃ الرسول

پہلی جلد

حضور انور محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری

یکم شوال المکرم **تمہید** سنہ ۱۳۳۲ ہجری

آج عید کا دن ہے دنیا کے کل مسلمان خوشی منا رہے ہیں مگر معزز ناظرین کے لئے دوہری خوشی کا دن ہے ادھر تو عید اور اُدھر سے اُنکے حقیقی نجات دہندہ ان کے آقائے نامدار اور انکے شہنشاہ کے واقعات زندگی شروع ہوتے ہیں اور یہ ایسے واقعات زندگی ہیں جنکا نظیر تمام دنیا میں نہیں ملتا ان واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ایک زبردست پوشیدہ قوت ہے جو کام کر رہی ہے اور تمام کائنات پر محیط ہے بغیر اسکی مدد کے ذرہ بھر کامیابی نہیں ہو سکتی اور وہ ذات وحدہ لاشریک بیشک انسان کی رگ شریاں سے کہیں زیادہ اُس سے قریب ہے۔ ہمارا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا سونا۔ پینا۔ باتیں کرنا غرض کوئی بات اس عالم الغیب سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اسکی دانائی اور علم کا ہماری عقلیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور اس کے رازوں کو ہماری جستجوئیں نہیں پا سکتیں جتنا اس نے ہمیں بتا دیا ہے۔ ہم اسی قدر جان سکتے ہیں باقی ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ ہماری زبان کی طرح ہماری عقل بھی محدود ہے۔ ہم جب کھٹاس مٹھاس کی کیفیت کو اپنے الفاظ میں ظاہر کرنے سے عاجز ہیں۔ پھر ہم کیا خاک اسکی بزرگی۔ قدرت۔ کے رازوں اور جلال کا پتہ لگا سکتے ہیں؟

جو کچھ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنی آیات بینات کا اظہار فرمایا ہے وہ ہماری زبان میں اور ان ہی محدود الفاظ میں ہے جو ہماری زبان میں بولے جاتے ہیں اس لئے ہم اپنی فہم کے مطابق اسیقدر سمجھ سکتے ہیں جتنی ہماری زبان ہمیں مساعدت دیتی ہے۔ اس سے زیادہ سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے ؛

اس وقت خدا کے فضل سے آٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں آباد ہیں لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے افسوس ہے کہ انکے شہنشاہ اور بچے آقا کی سوانح عمری ابھی تک ایسی نہیں لکھی گئی کہ انہیں ان کے روزمرہ کے کاموں میں مدد دے اور انہیں معلوم ہو کہ ہمارا نجات دہندہ کون تھا اُسنے محض ہماری اصلاح کے لئے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں اور ۲۳ سال کی لگاتار کوشش کے بعد دنیا کو ادھر سے اُدھر کیونکر پلیٹ دیا۔

اسکے مبارک ہاتھوں میں کونسا زور پوشیدہ تھا اور کونسی عظیم الشان قوت اسکی کلائیوں میں دبکی تھی جسنے اُس گرہ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھالیا اور علی الاعلان یہ دعوے کیا۔

"اگر منکرین اسلام میرے داہنے ہاتھ پر گرہ آفتاب رکھدیں اور بائیں "

"ہاتھ پر گرہ ماہتاب اور مجھ سے یہ کہیں کہ جو کچھ تو کر رہا ہے اس سے باز آجا "

"میں ہرگز نہیں ماننے کا۔ جبتک جو کام کہ میں نے اٹھایا ہے وہ پورا نہ ہوجائے"

"یا میں اسی کام میں اپنی جان نہ دیدوں ؛ "

آخر اس صاحب شان و جلال کمل پوش شہنشاہ میں کونسی قوت تھی جس سے اس نے دنیا کے گرہ کو اُدھر کر لیا تھا اور پھر اسکی یہی ہمت تھی کہ چاند اور سورج کے دو لوکر ہے اٹھانے کو تیار تھا تم نہیں سمجھ سکتے۔ معمولی معمولی باتوں میں جب عقل چکر میں آجاتی ہے تو اتنی بڑی بات سمجھنا کارے دارد۔

چٹانی اور سنگلاخی بنجر بے آب و گیاہ سرزمین میں قریشوں کے ایک خاندان میں ایک بچہ کا پیدا ہونا پھر بہت جلد اسکا یتیم و یتیم ہوجانا اور چند روز کے بعد بالکل تنہا رہجانا اور اسی تنہائی میں اپنے سرکش و دجری جدال و قتال کرنیوالے ہموطنوں کے سامنے کہڑے ہوکر للکارنا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اچھا نہیں ہے تمہارے معبود جھوٹے ہیں نہ وہ کھا سکتے ہیں نہ پی سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں تمہاری باتوں کا جواب دیسکتے ہیں پھر پہلا تمہارے مشکلکشا کیسے بن سکتے ہیں انہیں توڑ کے پھینک دو کیسی عزت کی

اس سے بڑھ کر کیا ہے تم خود اشرف المخلوقات ہو۔ بائیں ان ہاتھ کے بنے ہوئے لکڑی اور پتھر کے دیوتاؤں کی پرستش سے تمہیں کیا فائدہ پہونچے گا تمہارا خالق تو وہ ہے جسنے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمام آسمان و زمین کا مالک ہے اس سے کیوں انکار کرتے ہو تمہاری زندگی موت۔ بہبودی اور بیماری سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہیگا کرے گا ؛

بس اپنی نادانی سے باز آؤ میرا کہنا مانو۔ دین و دنیا تمہارے ہیں یہ سنتے ہی اسکے خلاف قوم کی قوم کا بگڑ اٹھنا اور تعجب سے دیکھنا کہ اس بچہ نے ہم ہی میں پرورش پائی ہم ہی میں بڑا ہوا اور ہم ہی میں اس نے بود و باش رکھی۔ کسی نے کہا ہمارا بھتیجہ ہے کسی نے کہا ہمارا چچازاد پھوپھی زاد بھائی ہے یا خالہ کا بیٹا ہے ؛

نہ تو اس کے پاس دولت ہے نہ آدمیوں کی جمعیت یہ ہم پر حکومت کرنی چاہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو ہمارے سامنے فرضی اور لغو بتاتا ہے اور ہمارے آگے کا بچہ ہو کے ہم ہی سے کہتا ہے کہ ہماری اطاعت کرو

یہ خیال آتے ہی جوشیلے عربوں کا آپے کے باہر ہو جانا اور ایک تنہا بے یار و مددگار کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور پھر اسی تنہا ذات کا نہ صرف اپنی قوم کو بلکہ قریب قریب تمام دنیا کی اقوام کو زیر کرنا ایسی کونسی عظیم قوت اسمیں ودیعت ہوئی تھی جس نے تمام انبیا علیہ السلام سے زیادہ اسے کامیابی کا تاج پہنایا اور یہ اسی نمونہ قدرت انسان کا کام ہے کہ جون جوں صدیاں گزرتی جاتی ہیں اس ذات اقدس و اطہر کی محبت مومنین کے دلوں میں بڑھتی جاتی ہے ایک آگ ہے کہ کروروں کے دلوں میں روشن ہے اور ایک زنجیر ہے کہ جس نے دنیا کو اپنی لڑیوں میں جکڑ رکھا ہے

ایک حد تک اس عجیب حیرت انگیز قوت کی تشریح ہو گی اپنی عقل کی بساط کے مطابق کچھ کچھ چھپی ہوئی چیزوں کا پتہ لگایا جائیگا۔ روح القدس کی مدد سے بہت سے واقعات ایسے صحیح کر کے رکھ دئے جائیں گے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں ؛

غلط اور موضوع روایتوں کا کوڑا کرکٹ بیچ میں سے صاف کر دیا جائیگا اور مسلمانوں کو اس کے اصلی شہنشاہ کے حالات ایسے صاف طریقہ سے سمجھائے جائینگے کہ انکی خود بخود تسکین ہو جائے گی مخالف اور متعصب بشرطیکہ انصاف سے نظر کرینگے پھر آئندہ حضور انور کے کسی واقعہ زندگی سے خفیف سا بھی اختلاف نہیں کرینگے۔ ہاں ہاں روح القدس کی تائید اور خداوند تعالےٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہر واقعہ زندگی کو آنکھوں سے (سچا کرکے) دکھا دونگا اسکی قوت اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمائی ہے جسکے لیے میں سجدہ کرتا ہوں اور اسکی حمد پڑھتا ہوں حضور انور کے واقعات زندگی لکھنا جیسا مبارک کام ہے ایسا مشکل اور نازک ہے کیونکہ حضور انور کروڑوں بندگان خدا کے پیشوا ہیں اور اسوقت چوتھائی دنیا کی نجات کا باعث اسی ذات پاک کو سمجھا گیا ہے اسکی اہمیت ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کہ حضور انور کی سوانحعمری لکھنے بیٹھ جائے ✦

تیرہ سو برس گزشتہ کے حالات ہونگے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے صرف کتابوں میں دیکھے ہیں ایک شخص جو ان کتابوں پر ایمان نہیں رکھتا اس کو واقعات کے تسلیم کرنے میں تامل ہے وہ مشاہدہ کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے جن اصول پر تاریخ کا دارومدار ہے وہ سب ظنی اور بودے ہیں جنکی کوئی وقعت نہیں اسلئے میں قطعی یقین اور مشاہدہ کو چھوڑ کے ظن کیطرف نہیں جانا چاہتا ایسی طبائع کے اشخاص کو منانا پڑا اور مشاہدہ کرا دیا جائیگا کہ حضور انور موجود ہیں اور یہ واقعات جو ہم لکھ رہے ہیں تو آپ سے خود دریافت کرلے ✦

طرز استدلال اور ادب میں بڑا تغیر واقع ہو چکا ہے جو طرز تحریر ایک یا دو صدی پہلے مقبول تھی وہ اب نفرت سے دیکھی جاتی ہے واقعات کی ترتیب اور مضامین کا سلسلہ جیسا گزشتہ زمانے میں پسند تھا اب اس مذاق کی بالکل کساد بازاری ہوگئی ہے وہ مافوق الفطرت باتیں جنکا ثبوت نص سے ہے اور نہ صحیح احادیث سے بہت شوق کیساتھ بیان کیجاتی اور تحریر میں آتی تھیں اور سامعین یا ناظرین بغیر کسی چون وچرا کے انہیں قبول کرلیتے تھے اور مقرر یا مصنف صاحب کی واہ واہ ہوجاتی تھی مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا موجودہ تعلیم نے یہ سکھایا ہے کہ ہر ایسا دعوے لغو یا کم از کم بودا ہے جسکے لئے دلیل کی ضرورت ہو اور ہر ایسی بات جو قانون قدرت کے خلاف ہو تسلیم کرنیکے قابل نہیں ہے اور ظنی واقعات جو رسوخ سے بیان کئے جاتے ہیں لغو اور مہمل ہیں مشاہدہ کی ضرورت ہے اور ظن و تشابہ پر کبھی غالب نہیں آسکتا ہر ایک بات جو بیان کیجاتی ہے اس کے دیکھنے کی آرزو سننے والا خود کر بیٹھتا ہے طبائع مذبذب اور شکی ہوگئی ہیں سائنس نے اپنے جدید معبود بنائے ہیں اور موجودہ مذاق ان ہی معبودوں کیطرف کھینچے لئے چلا جاتا ہے اور موجودہ نسلیں اسی پر زیادہ جھکی ہوئی ہیں بعض افراد نے الگ معبود برحق تسلیم کرلیا بعض مذبذب ہیں اور بعض امروز و فردا میں پھنس رہی ہیں ان جدید معبودوں کی

چمک روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور قدیم معبودوں یعنی مافوق الفطرت خیالات کے دیوتاؤں کی پرستش کا جوش و سرد ہوتا جاتا ہے۔

اسوقت کرۂ باد میں آزادی بھری ہوئی ہے زندگی کے میدان میں ہر شخص خود مختار بنا کے چھوڑ دیا گیا ہے اور اسے بالکل اختیار ہے خواہ جو کچھ عقائد اپنے رکھے سوائے مسیحی مذہب کے اور کسی مذہب کی ہندوستان میں اسوقت حکومت کیطرف سے سرپرستی اور نگرانی نہیں ہوتی اگرچہ یہ سرپرستی اور نگرانی بہت ہی خفیف ہے تو بھی ایک حد تک اس مذہب کو بہت مدد ملتی ہے۔

اب رہا اسلام اور ہندوستان کے قدیم مذاہب یہ بالکل آزاد چھوڑ دئے گئے اور موجودہ حکومت نے ان مذاہب سے کچھ سروکار نہیں رکھا نہ عیسائیت کی اتنی دیکھ بھال کیجاتی ہے۔ سب دست و گریبان ہو رہے ہیں اور ہر مذہب مخلوق خدا کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے لڑائی صرف دو کی ہے عیسائیت اور اسلام کی ہندوستان کے قدیم مذاہب نے کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ مدید یا اپنے روز پیدائش سے دوسروں کے لئے دروازے بند کر رکھے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان قدیم مذاہب میں روح نہیں ہے جو مطلق ترقی نہیں کر سکتے اور نہ اپنا گرویدہ کسیکو بنا سکتے ہیں۔ قدیم مذاہب کے دیوتاؤں نے علی الاعلان کہدیا ہے کہ ہماری پرستش کرنیوالے جو اسوقت موجود ہیں وہی کافی ہیں۔ ہم زیادہ تعداد بڑھانا نہیں چاہتے ان دیوتاؤں کے معتقد اچھے ہوں یا برے بیچاروں کو ان ہی پر قناعت ہے اور یہ اپنی خوش وضعی کو بنا ہے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسلام اور عیسائیت کی ابھی پیاس نہیں بجھی ہے۔ اور وہ اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ کہ دوسروں کو اپنا گرویدہ بنائیں۔

ایسی رستخیز حالت میں خیالات کی ایسی حدت اور تاریخ پڑھاؤ میں علوم جدیدہ کے خوشنما دیوتاؤں کے دائرہ میں طبائع کے ایسے تذبذب میں فنی علوم کی ایسی بے مذاقی میں بانی اسلام کے واقعات زندگی سے بحث کرنا اور تیرہ صدی کے واقعات کو آنکھوں سے دکھانا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسقدر مشکل ہے اگر غور اور بے تعصبی سے نظر کیجائیگی تو معلوم ہو گا کہ اسوقت کی آب و ہوا مزاج بوم تمدن، معاشرت، اخلاق اور مذہبی مذاق میں ایک عظیم تبدیلی واقع ہو گئی ہے کوئی زمانہ تھا کہ فضیلت اور انسانی بندگی کا دار و مدار محض شہ زوری پر تھا پھر جسمانی طاقت فنون حرب کے آگے حقیر سمجھی

جانے لگی پھر فنون حرب کی بھی کساد بازاری ہوگئی اور علم کے سر پر فضیلت کا عمامہ باندھا گیا مدت تک علم نے اپنا سکہ چلایا آخر کار بزرگی کا سہرا دولت کے سر رہا اب نہ لیاقت علمی کو پوچھا جاتا ہے اور نہ ہنر کو نہ حسب و نسب کو صرف دولت کو دریافت کیا جاتا ہے اور ایسے شخص کو آنکھیں بند کر کے بزرگ تسلیم کر لیا جاتا ہے جو دولتمند ہے وہ قوم سرتاج گنی جاتی ہے جو زیادہ دولتمند ہے مفلس کو خواہ کیسا ہی شریف اور ہنرمند ہے عزت کی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا ایک مشرقی شاعر نے اس اصول بزرگی کو اچھی طرح سمجھ کے اور زمانہ کی آب و ہوا کا پورا علم حاصل کر کے کیا خوب کہا ہے ؎

خرس باش و خوک باش و یا سگ مرا باش ہر چہ باشی باش لیکن اندکے زر دار باش

اب زمانہ نے تو دولت کو کل بزرگیاں سونپ دیں پھر ایسے افراد اور اقوام کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے جو دولتمندی کے لحاظ سے بالکل گری ہوئی ہو جیسی کی موجودہ سلطنتیں بھی مفلس ہوں جس کا ہر فرد کنگال اور نان شبینہ کو محتاج ہو دولت نے جس سے منہ پھیر لیا ہو اور جس قوم میں مفلسی کے کل عیوب موجود ہوں جس کے اخلاق انحطاط پر ہوں وہ اس مذہب کو کیونکر ترقی دے سکتی ہے جو روز ازل میں اسکی تقدیر میں لکھا جا چکا ہو اور جس کو بغیر اس مذہب کے چارہ نہ ہو یہ واقعی ایک حیرت انگیز امر ہے کہ باوجود مسلمانوں کے ضعیف ہونے کے مذہب اسلام ترقی کرتا جاتا ہے اور اس وقت ایک ایسے مذہب سے مقابلہ کر رہا ہے جو دولتمند بھی ہے اور صاحب حکومت بھی ہے ؎

ہمیں ان سازوں کا پتہ لگانا ہے اور اسکی گہرائی تک پہونچنے کے لئے بہت کچھ سامان کرنا ہے ہمیں دکھانا ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت بسا غنیمت ہے اس سے پہلے اسلام سخت سخت آزمائشوں سے آزمایا جا چکا ہے مسلمانوں پر دنیا کے تمام ممکن الوقوع مصائب توڑے جا چکے ہیں بڑی بڑی مزاحمتوں کے بعد اسلام اپنا راستہ عام شاہراہوں میں کر چکا ہے اور اب اُسے اتنی مشکلات نہیں ہیں جتنی گزشتہ زمانے میں اٹھانی پڑی تھیں ؎

وہی کتاب بلا تغیر و تبدل ہمارے پاس موجود ہے جو حضور انور کے پاس آسمان سے نازل ہوئی تھی وہی احادیث اسوقت بھی ہم رکھتے ہیں جو ایک زمانہ میں کروڑوں مسلمانوں کا دستور العمل رہ چکی ہیں انہیں کتابوں کے ہم مالک ہیں جنہوں نے ایک زمانہ تک یورپ کو علم سکھایا ہے سرمایہ اگرچہ پرانا ہے لیکن قیمتی زیادہ ہے اور ایسا قیمتی ہے جسکی ابھی تک تلاش چلی جاتی ہے وہی مذہب ہے

جو مسیح ابن مریم کے کئی صدی بعد دنیا میں جلوہ افروز ہوا تھا وہی عقائد ہیں جنکا تطابق ہزار ہا سال پہلے کے ابراہیمی مذہب سے ہوتا ہے ان قدیم عقائد پر قایم رہنا فی الحقیقت ایک راز ہے جسکے پتہ لگانے کی ہمیں حضور انور کی اس سوانح عمری میں کوشش کرنی پڑیگی اور یہ دکھایا جائیگا کہ کس چیز نے اسمیں ابھی تک اتنی صدیاں بلکہ ہزار ہا سال گزرنے کے بعد بھی جان ڈال رکھی ہے اور کیا وجہ ہے کہ تمام علوم جدیدہ کے صعود اور انکی چمک دمک اس پرانی روشنی کو خیرہ نہیں کر سکتی ؛

میں نے ایک مشکل کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اللہ میری اسمیں مدد کرے گا۔ اس سے پہلے اپنے بہت ہی ابتدائی زمانہ میں سیرۃ محمدیہ تالیف کی اگرچہ وہ امید سے زیادہ مقبول ہوئی لیکن بہت سی باتوں کی اسمیں کمی ہے اول تو طرز تحریر یعنے اردو کے علم ادب میں بہت بڑا فرق ہوگیا ہے اسکی عبارت میں لفاظی شوکت سے زیادہ کام لیا گیا ہے اور طرز استدلال وہی قدیم طرز کا ہے مگر میری موجودہ اردو زبان ان سب عیبوں سے پاک ہے اسمیں نہ صفت موصوف کا زیادہ خرچ ہے نہ بیہودہ اضافتوں اور نہ استعارات کا اور نہ جملوں کی خبر جو صفحہ دو صفحہ کے بعد نکلتی ہے ایک جملہ لکھا ہے ساتھ خبر موجود ہے اور اسکے ساتھ ہی نتیجہ نکالدیا طرز استدلال پرانی طرز کا نہیں ہے کیونکہ وہ عام فہم نہیں ہوسکتا بلکہ علما اس سے لطف اٹھا سکتے ہیں اسلئے میں نے جدید طرز استدلال اختیار کیا ہے یعنے وہیں دعوے وہیں دلیل اور دو چار الفاظ کے بعد نتیجہ امید ہے کہ یہ طرز خاص طور پر بھی اور عام طور پر بھی زیادہ دلچسپ ثابت ہوگی ؛

چونکہ عربی زبان کا علم ہم میں مفقود ہوتا جاتا ہے اور عربی ادب کو ہم نے بالکل بھلا دیا ہے اسلئے ہماری اردو کی تحریریں بھی بہت کمزور ہوتی ہیں ہم میں کے بڑے بڑے مصنف دعوے اور دلیل ہی میں فرق نہیں کر سکتے اور اگر کسی نے فرق کیا تو وہ آگے اخذ نتائج میں سر کے بل گر پڑتا ہے اور پھر اسے سنبھلنے کا ہوش نہیں رہتا آپ ہندوستان کے مشہور مشہور مصنف کی کتاب یا کوئی مضمون اٹھا کے دیکھئے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ مصنف جبکہ تمہید واقعات۔ دعوے۔ دلیل۔ نتیجہ اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں کرتا اسکی ایسی شہرت کیسے ہوگئی اسکا جواب اسکے سوا کیا دیا جا سکتا ہے کہ "اندھوں میں کانے راجا" میں کسی خاص مصنف کی نسبت نہیں کہتا آپ جس بڑے سے بڑے مصنف کی کتابوں کو جا میں اٹھا کر دیکھیں سب میں یہی عیب نقص پایا جائیگا بہرحال جو کچھ ہو چکا ہے اسکا ذکر

جانے دیجئے اور کوشش میں اگر میں کامیاب ہوگیا تو میں اپنے کو بڑا خوش قسمت سمجھونگا

ہندوستان میں لاکھ دو لاکھ یا کروڑ دو کروڑ ہی نہیں بلکہ آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں اور ان مسلمانوں میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں عالم بھی ضرور ہیں اور وہ مصنف بھی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک حضور پرنور کے جوان سب مسلمانوں کے ہادی برحق ہیں کوئی کامل سوانح عمری نہیں لکھی گئی یوں مختصر طور پر شارح روز محشر کے اکثر حالات مختلف کتابوں میں شائع ہوئے ہیں مگر ایسے حالات سے اس عظیم الشان پیغمبر کے واقعات زندگی کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔

مولودوں کی کتابوں میں سوائے خال وخط کی بحث کے اور کچھ نہیں درج کیا جاتا اور جو اشعار کسی خوبصورت عورت کی تعریف میں زیادہ موزوں ہوتے ان سے حضور انور کے واقعات زندگی حل کرنیکی کوشش کیجاتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا مذاق کیسا ادنے درجہ کا ہے اور حضور انور کی اصلی وقعت اور محبت کا ان کے دلوں میں نام ونشان تک نہیں رہا کہ وہ ایسے اشعار کو جو درحقیقت توہین ہیں حضور انور کی اعلے عظمت خیال کرتے ہیں۔ افسوس۔

جو کتابیں حضور انور کے حالات زندگی میں یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں ان پر ایک عام نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا بالکل ناکافی ہے اور ابھی مزید لکھنے کی گنجایش ہے انگریزی زبان میں گو متعدد کتابیں حضور انور کے واقعات زندگی میں لکھی گئی ہیں۔ مگر سب سے زیادہ بسیط کتاب جو چار جلدوں میں ہے سر ولیم میور صاحب نے لائف آف محمدؐ کے نام سے لکھی ہے اس کتاب میں مؤلف نے اپنی پوری قابلیت اور ذہانت سے کام لیا ہے اور ہمیں کچھ شک نہیں کہ علامہ مصنف نے اس کمی کو پورا کر دیا جو انگریزی علم ادب میں بہت دنوں سے محسوس ہو رہی تھی اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مؤلف نے روایتوں اور واقعات کے انتخاب میں معیار سے مطلق کام نہیں لیا ہے جو علماء اسلام کئی صدی پہلے سے قایم کر چکے ہیں اور ابھی تک اسلامی دنیا میں وہی معیار مقبول اور معتبر گنا جاتا ہے حالانکہ سر ولیم میور کو بحیثیت غیر مسلم ہونیکے یہ حق نہیں تھا کہ وہ اس معیار کی پابندی نکرتے جو مسلمانوں نے قایم کیا تھا انھوں نے کسی سینٹ وغیرہ کی سوانح عمری نہیں لکھی ہے کہ انہیں اصول اسلام سے کچھ سروکار نہ رہتا

اسیطرح اگر ہم حضرت مسیح کی سوانحعمری لکھیں تو ایک حد تک عیسائیوں کے اصول سے قطع

ہم پر لازم آتے گا۔ انھوں نے اپنے مقدمہ الالف میں ایک عام رائے اسلامی تواریخوں احادیث پر دی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ صحیح بخاری کی کوئی حدیث قابل تسلیم نہیں سے وہ سب سے زیادہ ابن اسحٰق کی تاریخ کو معتبر بتاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ تاریخ انہیں نہیں ملی۔ پھر ابن ہشام کی تعریف کی ہے اور اسکو تمام اسلامی دنیا کے مقابلہ میں زیادہ معتبر تسلیم کرتے ہیں مگر فاضل علامہ نے معتبر تسلیم کرنیکے وجوہات مطلق نہیں بیان کئے ابوالفدا وغیرہ کا ذکر ہی نہیں کرتے حالانکہ انکے الف لیلہ میں اکثر مقامات میں ابوالفدا سے بہت کچھ اخذ و اقتباسات کئے گئے ہیں سر ولیم میور کا بہت بڑا مقصد صحیح احادیث کو غلط ثابت کرنے کا ہے مگر خوشی کی بات ہے کہ فاضل مورخ کو اسمیں کامیابی نہیں ہوئی ؛

سرسید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں سر ولیم کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے مگر وہ جوابات ایسے پیرایہ میں لکھے گئے ہیں کہ بہت سی نکتہ چینیاں قبول کر لی گئی ہیں کیونکہ مرحوم سید کیا تو سر ولیم کی دیکھا دیکھی یا پہلے ہی سے احادیث کو نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے بہت سی باتیں تسلیم کر لیں جس سے کہ مسلمانوں کو افسوس ہوا ؛

چونکہ احادیث کے ماننے سے بہت سی مذہبی پابندیاں کرنی پڑتی ہیں بعض مسلمانوں نے نہ صرف مرحوم سرسید بلکہ سر ولیم کا بڑے جوش سے خیر مقدم کیا اور خوش ہونے لگے کہ بہت سی مذہبی قیود سے انکو آزادی مل گئی ؛

احادیث نہ ماننے کی زہریلی ہوا ابھی تک چل رہی ہے اور روز بروز نئے نئے گروہ پیدا ہو رہے ہیں اور انہوں نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے اور جو اپنے کو اہل قرآن نہیں کہتے وہ بھی احادیث پر سرمار رہے ہیں اور انہیں کوئی چارہ نہیں ورنہ صاف کہہ دیتے کہ ہم بھی گروہ اہل قرآن کے ہم خیال ہیں اہل قرآن کا جملہ محض گھڑا ہوا ہے اہل قرآن کوئی خاص گروہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کل اہل اسلام اہل قرآن ہیں۔ وہ کا حق رکھتے ہیں ؛

احادیث کیطرف سے سوظنی رکھنا نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ نفس اسلام کو بہت سخت نقصان پہنچا رہا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ لوگ مسلمان ہو کے کیوں اقوال رسول مقبول سے منہ پھیر لیتے ہیں کہنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ لوگ جو تعلیم یافتہ ہیں جب کسی کسی پادری کی تحریر دیکھتے ہیں تو بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں اور جہاں انھوں نے کسی مطرب سر ولیم کی تقریر دیکھی بس اوندھے منہ

گر پڑے اور ایمان لے آئے۔ بعض تو یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اگر انگریزی حروف میں کوئی تحریر نہیں ہوتی تو سکا بھیجنا بھی فضول خیال کرتے ہیں

یہ جنون روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور اس نفاق کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں اپنے باپ دادا کی تعلیم کو کوششوں کو مٹاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ دینی علوم بالکل اٹھ جائیں اور پھر نماز روزہ کا چرچا جواب کسیقدر پایا جاتا ہے لوگوں کے ذہن سے فراموش ہو جائے ؛

خدا سر سید مرحوم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور انکی خطاؤں کو بخشے وہ آزادی اور ناپاک آزادی کا ایسا بیج بو گئے ہیں جو اسلام کے لئے زہر ہلاہل ہے اور مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے تھوڑی دیر کے لئے اگر فرض کر لیا جائے کہ مرحوم سر سید کے متبعین جنہیں عام طور پر نیچری کہا جاتا ہے ہندوستان کی کل آبادی ہو جائے یا کل مسلمان وہ اہل قرآن بن جائیں جنہوں نے حدیثوں کو پس پشت ڈالدیا ہے تو کیا اتنے بڑے ملک میں کسی مسجد سے بھی اذان کی آواز بلند ہو سکتی ہے ؟ کیا قرآن کی جلدیں کہیں ڈھونڈے سے بھی مل سکتی ہیں ؟ کوئی شخص بھی ایسا نکلے گا جو سجدہ کرتا ہوا ملے اور کوئی بھی یہ جان سکیگا کہ رمضان شریف کب آیا اور کب ختم ہو گیا۔ ؟

فرقہ نیچریہ ہو یا بگڑے ہوئے سنے ہیں گروہ اہل قرآن ہو اسلام اور مسلمانوں کے لئے دونوں مضر ہیں اور یہ بات آگے چل کے ماننی پڑیگی کہ اس لوگوں نے جتنا نقصان قوم کو پہنچایا ہے اور کسی غیر مسلم جماعت نے نہیں پہنچایا ؛

محض اسوجہ سے کہ اسوقت اسکا چرچا بہت ہو رہا ہے کہ نیچری اور اہل قرآن بہت اودھم مچا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بہت پریشان کر دیا ہے اور اس وجہ سے کہ میری اس کتاب کا ماخذ زیادہ تر قرآن مجید اور احادیث ہونگی مثلاً صحیح بخاری۔ صحیح مسلم کو یا بالفاظ دیگر نفس احادیث کی نسبت ذرا وضاحت سے بحث کرنا چاہتا ہوں اس بحث میں کل اصول حدیث بھی بیان ہونگے اور نفس واقعات پر بھی بحث کی جائیگی اور اگر ممکن ہوا تو حدیثوں کے جانچنے کا موجودہ زمانہ کے مذاق کے مطابق ایک معیار بھی بنا دیا جائے گا تاکہ اچھی طرح سے ہر واقعہ کو جانچ لیا جائے ؛

یہ بحث کوئی معمولی بحث نہیں ہے بلکہ اس پر مسلمانوں اور اسلام کی قسمت بلکہ زندگی کا دارو مدار ہے پورے طور پر سمجھا جائیگا کہ قرآن کے سمجھنے یا اس پر ایمان لانیکے یہ معنے ہیں کہ احادیث کو مانا جائے

اور اقوال نبی معصوم و برحق کی توہین نہ کی جائے اگرچہ حدیثوں کے نہ ماننے سے مسلمان کافر تو نہیں ہو سکتا مگر یہ بات ضروری ہے کہ حضور انور سے سرکش ضرور ہو جائیگا اور حضور انور کبھی خوش نہ ہونگے اور میرے خیال میں اس سے زیادہ اور کسیکی اہانت نہیں ہو سکتی کہ اس کے اقوال کو نہ مانا جائے۔ بلکہ الٹا ان کا مضحکہ اڑایا جائے ؛

ہماری قوم کی اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم شوق اور ذوق سے ناول۔ اور فسانے پڑھتے ہیں اور متعصب آدمیوں کی کتابیں دیکھتے ہیں مگر حدیثوں کی کتابوں سے منہ بچا لیتے ہیں بلکہ ان کتابوں کو اپنے پاس رکھنا بھی تہذیب کے خلاف جانتے ہیں ؛

یاد رکھئے کہ ہماری تہذیب و تمدن کا اگر اول سرچشمہ قرآن ہے تو دوسرے درجے میں احادیث ہیں اور یقیناً ہم ایسے شخص کو سخت بے ادب اور سرکش خیال کرینگے جسکے آگے بیان کیا جائیگا کہ یہ قول رسول ہے اور وہ کہدے کہ ہم نہیں مانتے ؛

میں چاہتا ہوں کہ احادیث کے متعلق پہلے بالتفصیل بحث کروں اسکے بعد حضور انور کے واقعات زندگی شروع کروں۔ خداوند تعالےٰ میری مدد کرے اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں آمین ثم آمین

مقدمہ

احادیث رسول مقبول کے اقسام

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا ہے اسکو دو قسمیں ہیں اول وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے پیغمبر جو تمہیں اسکی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اس سے باز آؤ "مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" اس آیت ربانی سے اتنا پتہ تو ضرور چل گیا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی رسول مقبول کی ہدایتیں ہونگی جن پر عمل کرنا ہمیں لازم اور واجب ہے۔

اب نام نہاد اہل قرآن کے اس خیال کی کہ احادیث کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور سب کچھ قرآن میں موجود ہے تکذیب ہو گئی ؛

خاص احکام ضرور ایسے تھے جنکی نسبت لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم رسول کا کہا مانو اور پھر اور مقامات پر جو صاف طور پر خداوند تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول مقبول کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن پر ایمان لاؤ اور حدیثوں کو مانو۔ خداوند تعالیٰ کی اطاعت سے غرض کیا ہے محض یہی کہ اُس کے احکام کو مانا جاوے اور اسکے احکام کامل طور پر اگر مل سکتے ہیں تو صرف قرآن مجید میں قرآن مجید کے احکام یا فرامین پر عملدرآمد کرنا خدا کی اطاعت ہے اور صحیح احادیث کو ماننا اور اُنپر عملدرآمد کرنا اطاعت رسول ہے ہمارے استدلال سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کرے گا۔

اس بات کا تو فیصلہ ہو گیا کہ احادیث ماننی چاہئیں اور صحیح احادیث قابل عمل بھی ہیں صرف اس بات کی تحقیق رہ گئی کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ باتیں صحیح بھی ہیں

وہ امور جن میں معاد اور عالم ملکوت کا حال ہے بواسطۂ وحی کے ہوتے ہیں ان میں حضور انور کے اجتہاد کو کچھ دخل نہیں ہے ان ہی امور میں ایک حصہ احکام شرعی عبادات اور منافع کا ہے ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حضور انور کے اجتہاد سے لیکن علماء امت نے حضور کے اجتہاد کو وحی کے درجے میں رکھا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ حضور کا اجتہاد کسی فقیہ کا اجتہاد نہیں ہے جس میں خطا کا احتمال ہو سکے۔

اسرار شریعت کی توضیح میں حضور انور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے بے انتہا ادب سے قبول کرنے کے قابل ہے اور جو شخص قبول کرنے سے چون وچرا کرے اس کو زیادہ بے ادب اور کون ہو سکتا ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور انور کسی امر منصوص سے حکم منضبط کر کے اجتہاد نہیں فرمایا کرتے تھے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ نے آپکو شرع کے مقاصد اور وہ قوانین تعلیم کئے تھے جن سے حکم شرعی یا آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو ان سے مستحکم فرما سکتے تھے ان ہی قوانین سے آپ اُن مقاصد کی توضیح فرما دیا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپکو حاصل ہوتے رہتے تھے

تبلیغ رسالت کے ان ہی اُمور سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید لکھی گئی ہیں انکا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا نہ انکی حدیں بیان کی گئی ہیں جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے اسطرح کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو تدابیر کے قوانین تعلیم کئے ان ہی سے آپنے کسی حکمت کو اخذ فرما کے اس سے کوئی کلیہ بنا لیا اور ان ہی امور میں سے ایک حصہ اعمال کا، خرچون

اوسان اعمال کے کار بند ہونیوالے کے مناقب اور اوصاف کا بیان ہے انمیں سے بعض امور بوحی الٰہی معلوم ہوتے ہین اور بعض اجتہادی ہیں ہم اس حصہ کی تشریح اور انکے مقاصد کا بیان کرینگے ۔

(۲) قسم آن امور کی وہ ہے جنکو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسکی نسبت حضور انور کا ارشاد ہے "میں ایک انسان ہون جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اسکو اختیار کرو۔ اور جو بات میں اپنی رائے سے کہون پس میں ایک انسان ہون انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیئ من رأیی فانما انا بشر

حضور انور کا یہ قول اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے اور احکام بھی حضور انور نے ارشاد فرمائے تھے کیونکہ یہاں قرآن مجید کیطرف اشارہ نہیں ہے ۔ قرآن مجید پر ایمان لانیکے متعلق اسی پاک کتاب میں بوضاحت احکام موجود ہیں اگر ہم غور کرکے دیکھیں گے ۔ تو احادیث سے کسی طرح پہلو نہیں بچا سکتے ۔

اس میں کلام نہیں کہ قرآن مجید میں کل احکام موجود ہیں اور مسلمانوں کے لئے محض قرآن مجید پر ایمان لانا بس کرتا ہے ۔ مگر شریعت کے احکام اور کلام خدا کی آیتوں کے اسرار کا پتہ بغیر احادیث یا اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیونکر لگ سکتا ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ابہام نہیں استعارے نہیں معمے نہیں ہے ایک صاف اور روشن کتاب ہدایت کی ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے پھر ضرورت کیا ہے کہ اسکی آیتوں کی توضیح کرنے کے لئے احادیث کو لایا جائے اس خیال میں سخت غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے ۔ قرآن مجید کی آیتوں کا مطلب تو سب سمجھ سکتے ہیں لیکن اس مطلب سے استخراج نتائج کرنا یہ آسان کام نہیں ہے اسمیں اعلیٰ درجہ کی عربی دانی کی ضرورت ہے اور ان کتابوں کے دیکھنے کی ضرورت ہے جو قرآن مجید پر ابھی تک لکھی جا چکی ہیں ایک جاہل اور عربی علم ادب اور صرف و نحو سے بے بہرہ کیونکر اہل قرآن بن سکتا ہے آیتوں کی تفسیر اور انکے مطالب کی توضیح میں بڑے بڑے علمائے محققین کھائی ہیں اکثر آیات میں خالص عربی اسلوب و امثال مضمر ہیں جنہیں معمولی عقول نہیں سمجھ سکتیں احادیث کا واجب الاحترام دفتر قلم انداز کر دینے سے ہرگز قابل نہیں ہے یہ وہ دفتر ہے جسکے جمع اور ترتیب کرنے میں ہمارے پیشواؤں نے عمریں صرف کر دی ہیں اور خداوند تعالیٰ نے اس دفتر کی یہ توقیر قائم کی کہ کروڑوں مسلمانوں کا دستور العمل بنا دیا آج تک صدی بلکہ آغاز اسلام سے کروڑوں مسلمان

احادیث رسول کو مقبول کو مانتے چلے آئے ہیں اور مسلمانوں کے کسی فریق نے اس خبر و جفی سے کام نہیں لیا جو آجکل بعض مسلمان کام لے رہے ہیں ؛

حضور انور نے صاف طور پر ارشاد کیا ہے کہ انما ظننت ظناً فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ یعنے میں نے صرف گمان کیا تھا اور تخمینی بات کا مجھ سے مواخذہ نہ کرو ہاں اگر میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اسکو اختیار کرو اسلئے کہ میں خدا پر جھوٹ نہیں بولتا ہوں" حضور انور نے نخلے کے معاملہ میں یہ ارشاد کیا تھا "فی الواقع اس قسم کی کاشت وغیرہ کے امور کو دین اور اصول دین سے کوئی تعلق نہیں ہے" اسی کا اشارہ یہاں بھی موجود ہے۔ مگر حضور انور کا یہ فرمانا مدعو کچھ میں خدا کیطرف سے کہوں یعنی دین کی بات کہوں اسکو ضرور مانو کیونکہ میں خدا پر طوفان نہیں اٹھاتا" قابل غور ہے احادیث میں بہت سی اس قسم کی حدیثیں ہیں کہ انپر عمل کرنا کچھ لازمی نہیں ہے مثلاً وہ احادیث جو علم طب اور روزمرہ کی معاشرت کے متعلق ہیں مثلاً حضور انور نے ارشاد کیا ہے کہ گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو اس صفت کا گھوڑا رکھنا نہ واجب ہے نہ سنت ہے ۔ پھر حدیث ام ذریع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں ؛

اسی قسم کے امور اکثر آپ محض عادتاً یا اتفاقیہ بلا قصد کرتے تھے لیکن مستقل طور پر انہیں عمل میں لاتے تھے اور ان ہی میں وہ امور ہیں جنکو بسبیل تذکرہ بیان فرماتے تھے یعنی اکثر ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں آپ بھی فرمانے لگے اسی کے متعلق زید بن ثابت نے فرمایا ہے چند لوگ آئے میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کچھ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم سے بیان کیجیے۔ حضرت زید نے کہا۔ میں حضور انور کے ہمسائیگی میں رہتا تھا جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضور انور مجھے بلا بھیجتے تھے میں اس وحی کو لکھدیا کرتا تھا۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرنے لگتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ وہی ذکر کرنے لگتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کا تمھارے سامنے تذکرہ کروں ؛

ایسے ہی بعض امور وہ ہیں جنمیں حضور انور کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی لیکن وہ تمام امت کے لئے حتمی نہ تھے اسکی مثال یہ ہے مثلاً کوئی بادشاہ فوجوں کی ترتیب کے قاعدے بجا دکرتا ہے اپنی

سلطنت کی کوئی علامت قرار دیتا ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ہم کو رمل (طواف) میں سینہ تاننے سے کیا علاقہ ہم جنکو یہ حالت دکھایا کرتے تھے انہیں خداوند تعالیٰ نے ہلاک کر دیا ہے اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مثل کا کوئی اور سبب نہ ہو۔

اسی حصہ میں آپکے احکام اور فیصلے ہیں دلائل اور قسموں سے جیسا ثابت ہوتا تھا ویسا ہی آپ حکم فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ حضور انور نے حضرت علیؓ سے فرمایا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھتا سکو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقعہ پر موجود ہو۔ اَلشَّاہِدُ یَرٰی مَا لَا یَرَی الْغَائِبُ

نفس احادیث کے متعلق دو امر غور طلب ہیں اول یہ کہ آیا یہ اقوال حضور انور ہی کے ہیں یا نہیں اور جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ ان اقوال کا تعلق نفس اصول اسلام سے کیا ہے میرے خیال میں وہ چند آدمی جو اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں شاید یہ سوال کرتے ہونگے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اقوال رسول اکرم ہی کے ہیں اور انہیں راویوں کی کچھ تراش خراش نہیں ہے کیونکہ ایک زمانے میں جبکہ فی حدیث ایک اشرفی کا اشتہار سلطنت کی طرف سے دیا گیا تھا کتنی حدیثیں موضوع ہو گئی ہونگی اور انمیں سے کتنی حدیثیں موجودہ کتب احادیث میں درج ہونگی شیعی اور خارجی اور سنی متعنی حدیثیں پیش کرتے ہیں انمیں سے کس کو سچا تسلیم کریں اور کیونکر مانیں کہ ان ہزارہا احادیث میں خالص طور پر حضور انور کے اقوال کتنے ہیں ان مختلف گروہوں نے حدیثوں کے جانچنے کا معیار کیا مقرر کیا ہے یہ سوالات ہیں جو حدیثوں کے نہ ماننے والوں یا ایک محقق کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں

ان سوالات کے علاوہ جتنے اعتراضات سر ولیم میور نے احادیث نبویہ پر کئے ہیں ان سے زیادہ سخت اعتراض نہ سر سید مرحوم کے ماننے والے کر سکتے ہیں نہ وہ گروہ جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان اعتراضوں کو نقل کر دیں اور پھر جوابات دیں کیونکہ اگر ہم محض جواب پر اکتفا کرتے ہیں تو فیصلہ کرنیوالے اور سننے والے کو لطف نہیں آ سکتا۔

یہ بحث سب سے زیادہ دلچسپ ہے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ سوائے چند آدمیوں کے مسلمانوں کے ہر گروہ کا دار و مدار احادیث پر ہے اور یہی حدیثیں ہیں جو کروڑہا مسلمانوں کا صدیوں سے دستور العمل چلی آتی ہیں اور ان ہی احادیث پر انکے عبادات معاملات عادات اخلاق کا دار و مدار ہے اور انکا مستحکم عقیدہ ہے کہ قرآن مجید قول خدا ہے اور احادیث رسول مقبول

کے اقوال ہیں اپنے دینی اور دنیاوی ہر ایک معاملہ کے ہر جزوی سے جزوی امر میں وہ احادیث ہی سے کام لیتے ہیں قرآن مجید میں جتنے امور قصہ طلب بیان ہوئے ہیں انکی تفسیر بھی احادیث میں پائے گئے قرآن مجید میں جس واقعہ کا اشارہ ہے اور تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے وہاں اس واقعہ کی پوری شرح کرنے اور اس واقعہ کے متعلق کل امور بیان کرنے کے لئے حدیثیں موجود ہیں مثلاً قرآن مجید میں جنگوں کا ذکر آیا ہے اگر ہمیں ان جنگوں کی مفصل کیفیت دیکھنی ہو اور نام بنام شرکاء کا حال جاننا ہو تو حدیثوں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔

حدیثوں ہی سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کون تھے۔ نبی کے ساتھ انکا کیا تعلق تھا۔ غار ثور میں کس سے خطاب کیا گیا تھا کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اللہ تمہارے ساتھ موجود ہے حضرت عمر کون تھے اور اسلام کو ان سے کیا تقویت حاصل ہوئی اسیطرح حضرت عثمان اور حضرت علیؓ سے کیا تعلقات تھے اور انہوں نے اسلام کی کیا کیا خدمات انجام دیں قرآن مجید کو ان اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا سمجھا تھا اور مختلف آیات کے کیا معنے لگائے تھے۔

حضرت بی بی فاطمہؓ خاتون محشر کون تھیں اور اہلبیت کس سے مراد ہیں؟ آپ کی ازواج پاک کون تھیں آپ نے انہیں کیا تعلیم کیا زید و زینب کے قصہ کا جو نہایت ہی اختصار کے ساتھ جیسا کہ شایان تھا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے اسکی اصلی حقیقت کیا تھی زید کون تھے۔ زینب کون تھیں اور یہ اصل واقعہ کیا تھا جس کا اشارہ قرآن مجید نے کیا ہے اسکے بعد ملاحظہ ہوں۔

سر ولیم میور کے اعتراضات حسب ذیل ہیں نقل میں ہماری طرف سے کچھ کمی بیشی نہیں کی گئی

اب ہم مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ پر بحث کرنے اور اسے مستند بنانے کے لئے اپنا قدم بڑھاتے ہیں نبی کی سوانح عمری کے مصالحہ کی ایک ضروری اور خاص صورت ہے یہ ممکن ہے کہ ہم قرآن سے نبی کی زندگی کے واقعات کا ایک نقشہ کھینچ لیں۔ لیکن احادیث ہمیں صرف اس قابل بناتی ہیں کہ ہم ان کا باہمی تعلق کا علم حاصل کر سکیں۔ اور متوسط معاملات کی گونا گونی میں ہم انہیں داخل کریں۔

مسلمانوں کی روایت میں نبی کے صحابہؓ کے آثار بھی شامل ہیں جو راویوں کے بیانی سلسلہ سے اسوقت تک جب تک ان کا انضباط کیا گیا چلے آئے اور انکی تقسیم عمل میں آئی طریقہ بلوغ

احادیث یا آثار کا زبانی ہے جس کا خلاصہ اس طرح سے مفصلہ ذیل کھینچا جا سکتا ہے

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپکے صحابہ کا بڑا کام ستیاروں سے رہا ہے خوشی اور شادمانی کا تعاقب اور باضابطہ بندہی انضرام اور انجام دہی نے علمی زندگی کے عرصہ کو بھر کر دیا۔ لیکن ضمیری اعلے جوہروں کے اظہار میں زیادہ تر ضلالے اپنا گھر کر رکھا تھا۔ ناگوار اور طولانی سفروں اور باہمی خونریزیوں نے بے غرضانہ طور پر انھیں نصف وحشی قوم ثابت کر دیا انکی طبائع میں اس بات کا عجیب جوش پیدا ہوا کہ جس عجیب و غریب شخص نے (مراد نبی اکرم سے ہے) انھیں قوم فاتح بنا دیا اسکے اقوال۔ اور اعمال اور اقوال کا پورا علم حاصل کریں جو ہماری دینی اور دنیاوی نجات کی کنجی یا سرچشمہ ہے۔

اس طرح نبی کے پیروان کو اپنے نجات دہندہ کے حالات کی بابت تفتیش ہونے لگی آپ کی عادات و صفات کی تکمیل اور جاہ و جلال نے غور و تامل کے بعد بڑائی حاصل کی اور جوں جوں وقت گزرتا گیا اسکا نقشہ مضبوطی سے جمتا گیا اور اس اشتیاق نے قاصد ان خدا سے تعارف اور آمد و رفت کا سلسلہ قائم کیا جو نہایت گہرا ہوتے ہوئے عجیب مقداروں پر جا پہونچا۔

ضمیر نے اکثر و بیشتر مسلمانی طبائع کو یہانتک ابھارا کہ وہ اپنے نبی کو مافوق العادت قوتوں کی بازگشت تسلیم کرنے لگے اور انہیں اسکا یقین واثق ہو گیا کہ آپ کو مافوق الفطرت آبیتیاں گھیرے رہتی تھیں یہاں سے احادیث نے بافراط تمام نشو و نما پائی جبکہ واقعات کی جانچ کرنیکا کوئی مستقل آلہ نہ تھا اور یہ خیالی رویتیں بے ضبط کوششوں سے کہاں کی کہاں بڑھی چلی گئیں اور جوں جوں دن گزرتے گئے یہ خیالی باتیں فوقیت حاصل کرتی گئیں۔

فطری طور پر یہ نتیجہ ہے جو صحابہ کے آثار ضمائر اور سرگزشتوں پر عاید ہوتا ہے خصوصاً ان صحابہ کے آثار پر کہ جو اپنے آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت نوجوان تھے اور جو دوسری نسل میں مدت تک زندہ رہے۔

اور پھر دوسری نسل پیدا ہوئی جس نے کبھی اپنے نبی کو نہیں دیکھا اور جنکی نظر میں مافوق الفطرت ادب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصروں پر پڑنے لگی تھیں اور وہ ہمہ تن گوش ہو کے اسطرح اپنے نبی کے واقعات سنتے تھے۔ جیسے کہ عالم ارواح کے قاصد کی باتیں گوش گزار کرتے ہیں۔

کوفہ کی مسجد میں ایک پاکباز مسلمان نے حذیفہؓ سے یہ سوال کیا "کیا یہ صحیح ہے اے ابو عبداللہ کہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا افتخار رکھتا تھا؟" کیا تو نے درحقیقت نبی کو دیکھا ہے؟ اور تو نے آپ سے گفتگو کی ہے؟ (اس نے جواب دیا) اے میرے چچا کے بیٹے جو کچھ تو کہتا ہے وہ صحیح ہے (پھر اس نے سوال کیا) کہ تو نبی کی کس طرح خدمت کرتا تھا اس نے جواب میں کہا یقیناً ہم نبی اکرم کے خوش کرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیتے تھے یہ سنکے پرشوق سامع بولا۔ واللہ کاش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتا تو کبھی انکے مبارک قدموں کو زمین پر نہ رکھنے دیتا اور جہاں وہ جاتے انھیں اپنے کندھوں پر لئے پھرتا۔

دوسرے موقع پر نوجوان عبیدہ نے ایک صحابی کو مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں یہ بیان کرتے سنا کہ حج میں آپ نے اپنے بال کیونکر منڈوائے تھے اور یہ وہ بال آپ کے پیروان میں تقسیم ہو گئے تھے۔ جوان کی آنکھ متکلم سے برابر لڑ رہی تھی آخر اس سے نہ رہا گیا اور وہ آگے بڑھکے بولا کاش اُن مبارک بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہوتا میں اُسے ہمیشہ دل میں جگہ دیتا اور میں اُسے دنیا کی تمام دولت سے بیش قیمت اور غنیمت جانتا۔

یہ فطری احترام اور اعتصام تھا جو صحابہ کے بعد کی نسل اپنے نبی کا کرتی تھی اور انکے نام پہ اپنا دین تن من دھن سب کچھ لٹا دینا اپنی نجات دارین خیال کرتی تھی۔

اس طرح صحابہ کے آثار حب انکے پیروان نے اپنے دل میں نقش کر لئے اور آپ اور یہی زمانہ گزرا اور اس اعتقاد کی دلربائی بڑھتی گئی جبکہ ایک زندہ دل ایمانداری پر جوش خیال بہت جلد مافوق الفطرت سرچشمہ الاعتقادی میں جاکے متبدل ہو گیا یہ دوسری نسل عرب کی زبان اور اس کے علم و فضل کیطرف مائل ہوئی اور انکی تعلیم صحابہ دیتے تھے پہلی صدی کے اختتام پر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی صحابی تعلیم دیتا رہا ان کے پہلے جانشینوں نے جو اسی پیمانہ کے تھے جس پیمانہ کے کہ اُن کے معاصر تھے۔ اس صدی کے نصف آخری حصہ میں نشو و نما پائی اور چند صحابہ دوسری صدی میں بھی تعلیم دینے اور احادیث بیان کرنے والے موجود تھے ف

ف علی بن طالب کے نے صحابہ کی عمر ساتویں صدی کے ابتدائی حصہ تک بڑھ سکتی ہے اسطرح خیال کیا جاتا ہے کہ ایک صحابی ۱۰ھ میں نبی ۳۰ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے یہ صحابی زمانہ خاتم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۰ برس کے

اس زمانہ میں ایک نیا مذہب نکل رہا تھا اور اسی سے صحابہ کے حالات کو ایک تازہ اور نامور شہرت حاصل ہوئی۔ اہل عرب نے جو ایک سیدھی سادھی اور بے آلائش قوم تھی قرآن میں بحرت اپنے معاملات کے انصرام تدبیر۔ تمدنی اور ملکی امور کا خزانہ پایا لیکن اسلام کے سفر نے بہت جلد ایک قومی تغیر حاصل کیا ابھی نبی کی وفات ہی ہوئی تھی کہ آپ کے پیروان دیہاں جزیرہ نما سے قرآن کو جو اخلاق ہاتھ میں لیکر نکلے دنیا کی تمام قوموں میں اسلام پھیلانے لگے پہلی ہی صدی اول ہی قدم میں انھوں نے عالم کو پامال اور مطیع بنالیا اور انہوں نے وہ ملک جو دریائے جیحون کے دریا پار تھے آناً فاناً میں فتح کر لئے اور بہت جلد شمالی افریقہ کے کناروں تک جا پہنچے اور لوگوں کے ایک بڑے گروہ کو قرآن کا معتقد بنا دیا یہ وسیع سلطنت بنی کے زمانہ میں ملک عرب سے بالکل جدا تھی اور جو حصہ ملک عرب ابتدائی اہل عرب کی مشاغلانہ سادگی کے لئے بہت کافی تھا اب انکی اولاد کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے آگے یہ زمین غیر کفتی ثابت ہوئی۔ کوفہ اور دمشق جیسے شہروں نے اپنے لئے مکمل قوانین کی ضرورت ظاہر کی وسیع شدہ ملکی تعلقات نے مختلف قوموں میں عدل گستری کے سلسلہ کا مطالبہ کیا۔ ہمالیق کا منصوبہ جسکے آگے لٹریچر نے اپنے دونوں بازو کشادہ کر رکھے ہوں اور تفصیل اصول کے لکھنے پر ایک شایق جماعت کی محنت و شنید یا رو و کد تنگ حدود میں پابند ہونے سے بے صبری کی حالت میں تھی سبب و ذریعہ کر رہے تھے کہ قرآن شریف کے اصول کو وسعت دیجائے اور اسکے ابتدائی اور اخلاقی قانون کی کشادگی ہو۔

اس پر ابھی تک صرف قرآن ہی علم الٰہی اور سیاست و قانون کا اصل الاصول تھا جس کے وسیلہ سے محمد خود حکمرانی کرتے تھے قرآن کی تلاوت کی بزرگی آپنے اپنی تلقینات میں ہمیشہ بیان فرمائی قرآن ہی سے آپ اپنی رائے طلب کرتے تھے اور اسی پر اپنے فیصلہ جات کا دارومدار رکھتے تھے جب خود ہی بنی اللہ اور بانئے دین اسلام آن آسمانی وحیوں میں محدود تھے پھر کسطرح آپکے جانشین اس سے قدم آگے بڑھاتے لیکن نئی اور نادیدہ حالتیں علی التواتر ترقی پذیر تھیں جنکے لئے قرآن کوئی مقنا نہ رکھتا تھا اُسنے زیادہ معاملات کے اصلی یا مفہوم کی تسلی نہیں کی یہ کوتاہیاں اور کمیابیاں کیونکر پوری ہوتیں (دقیقہ صفحہ گزشتہ) اور زمانہ ہجرت میں اس کی عمر صرف دس برس کی ہوگی

صفحہ برسوں کا دس یا بارہ برس کا حاشیہ غیر ملکی یا وہ بڑی عمر کے کچھ پڑھا جا سکتا ہے والا وطنہ زیادہ کا

اس شکل نے مسلمانوں کی توجہ [illegible]
ہوا یہاں سوانح عمری حضرت نے ایک گرانقدر حیثیت حاصل کی [illegible]
بات نہیں کہی جبتک خدا کی وحی ذریعہ نہ ہوتی تھی [illegible]
تسلیم کیا کہ آپ کا ہر لفظ اور ہر کام آسمانی [illegible]
قانون کے دباؤ سے حدیث ایجاد ہوئی یہ اصول [illegible]
کے حدیث بیان کرنے والے اصلیت کے [illegible]

اختراع کی ہوئی حدیثوں کی جب کثرت ہوئی تو [illegible]
فہم کی حکایت کی خواہ وہ جعلی ہو یا اصلی مگر اس کا تعلق نبی سے [illegible]
پہلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے صحیح حدیث کی تلاش میں اور بھی سرگرمی پائی گئی اور حاصل کلام یہ ہے کہ جامع احادیث اس تلاش کی ضرورت نے نئے نئے پیدا کر دئے۔ لوگوں نے اپنی جانیں اس نیک کام پر قربان کر دیں وہ تمام اسلامی دنیا میں شہر شہر اور گروہ بہ گروہ سفر کرنے لگے اور ذاتی تحقیق سے انھوں نے نبی کی سوانح عمری کی علامتوں کا جو بنو صحابہ اپنے جانشینوں اور ماتحت اولاد میں چھوڑ آئی تھیں کھوج لگایا اور جو مصالحہ انہیں بلا دہ انھوں نے فکبند کر لیا انھوں نے اور یہی تمام بڑے بڑے شہروں میں حدیث خوانی کے مدرسے قائم کئے اور جو حدیثیں انہوں نے جمع کی تھیں اور انکی صحت کے جو پیمانے انھوں نے مقرر کئے تھے سب لوگوں کے آگے دہرائے شاگردوں کے ہر دائرہ نے اپنے استاد کی زبانی جو حدیثیں سنیں انھیں ازبر کر لیا اور اسطرح حدیثوں کا ترتیب دیا ہوا دفتر محفوظ کر لیا گیا اور اسکی اشاعت دنیا میں کر دی گئی ؛

مجھے ضرورت ہے کہ میں دوسری نوعیت کی احادیث کیطرف اپنی توجہ مبذول کروں اور وہ حدیثیں وہ ہیں جو متضمن بہ تذکرہ اولیا کہانیوں کا اپنے ساتھ انبار رکھتی ہیں اور جنہیں حکایت گو ادھر ادھر کہتے پھرتے ہیں اس نوعیت کے اشخاص ہمیشہ مشرق میں پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں اور اسلامی ممالک دنوں میں انھیں منادی کرنے کیلئے خاص موقعے حاصل تھے ؛

جب اس نوعیت کا ہر شخص شہر شہر سفر کرتا اور گاؤں گاؤں وہ لگاتا تو اسکے گرد ایک مجمع ہو جاتا اور نبی کے حالات سننے کا شایق دکھائی دیتا پھر وہ شخص نہایت چٹکیلے الفاظ میں نبی کی زندگی

کے حالات، آپ کی پیدائش پر آسمانی منظر اور چاند بدر کی حکایتیں بیان کرنا ان لوگوں نے واقعات
[illegible] اور سیاق کی جانچ دینے میں بڑی مہارت پیدا کی اور جگا مطلب صرف ایک ہی
[illegible] اور ترقی دین دیانت دینے سے تھا۔

[illegible] اسلامی دنیا میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ
[illegible] اور [illegible] اب تک ماہ ربیع الاول کے پہلے دس دن میں محمد صلی اللہ
[illegible] بیان کی جاتی ہیں اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ
[illegible] کا اضافہ کر دیا ہے۔

اس بات کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان تمام حکایتوں میں تاریخی مادہ بالکل نہیں ہے یہ جلدی سے دریافت کر لیا گیا کہ صحیح احادیث کے جمع کرنے اور ترتیب دینے نے عامہ خلائق پر قابل تعریف اثر کیا اور سلطنت کا سیاسی منظر بالکل ذاتی جوش اور خانگی ذمہ داری پر چھوڑ دیا گیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سو برس کے بعد خلیفہ عمر ثانی نے مروجہ احادیث کے باضابطہ جمع کرنے کے لئے احکام صادر کئے یہ کام اس طرح شروع ہوا اور بشدت جاری رہا لیکن ابتدائی ترتیب احادیث کا کوئی بقیہ بہ نسبت دوسری صدی کے اختتام یا وسط کے ہمارے پاس نہیں ہے۔

تاہم یہی بہت مصالحہ جمع ہو گیا اور وہ ہم تک دونوں صورتوں مثلاً سوانح عمریوں اور عام اجتماع سے پہونچا ہے اور وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عادات و صفات کے ہر نکتہ پر مبنی ہے اور ان میں آپ کی زندگی کے جزوی حالات بیان ہوئے ہیں۔

یہ سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو احادیث ہمارے پاس ہیں یہ صدی کے بڑے حصہ تک غیر منضبط ذخیرہ کی شکل میں رہیں اس بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے چند مقربوں کے لئے گئے تھے اور اس سلسلہ سے وہ نقل بھی کئے گئے اور بعد ازاں انکی اشاعت بھی کی گئی لیکن دفتر احادیث کے لئے جو شہادت کہ ہمیں ملتی ہے۔ وہ کمزور ہے شبہ ہے۔ اور متناقض بھی ہے۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر نبی کی زندگی میں آپ کے مقولے معرض تحریر میں آنے کا رواج ہوتا تو ضرور ہی اکثر واقعات کی علامتیں ہمیں ملتیں ان میں پھلنے والوں کے حالات ہوتے نظرت مضامین اور

اُن کے متعلق اطلاعات کے خاص اصول تھے لیکن ایسے حوالے کہیں بھی نہ پائے۔

یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اہل عرب ایسے کامل طور پر اپنی یادداشت پر بھروسہ رکھتے تھے کہ انہیں اپنے زبانی بیان کا ایسا پاس و لحاظ تھا جیسے اپنے پاس تحریری واقعات کا دفتر رکھتے ہیں اور اس لئے انکی توجہ قلمبند کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو قرآن کی بابت بھی خوف تھا جس کو وہ ربانی سمجھتے تھے اور انکا ایسا ایمان تھا کہ اسکی آسمانی حفاظت کیجاتی ہے پھر بھی اگر آدمی کی یادداشت پر چھوڑا گیا تو نامکمل اور ناقص رہے گا (پھر آگے چلکے سید لکھتا ہے)

اس کے خلاف یہ بات بہت ہی کم وزن رکھتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو اس بات سے روکا کہ وہ آپ کے الفاظ معرض تحریر میں لائیں مگر یہ دیکھنا آسان ہے کہ ان کا یہ کہنا کیونکر رواج کیونکر ہو گیا۔ کیا نبی کے اقوال باضابطہ طور پر لوگ تحریر کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ پہلی صدی کے مقولے لکھنے کی رسم جاری نہ تھی اور حدیثوں کے لکھنے کے لئے مزاحمت کرنے کی روایت گو جعلی اور بناوٹی ہے تسلیم راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا تو یہ قول ہے کہ نبی اس لئے اپنے اقوال قلمبند کروانے سے مانع آتے تھے کیونکہ آپ کو پہلے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بہت سی افتراءی روایات کی نشو و نما ہو گی اور لوگ ان جھوٹی روایتوں کے پیچیدہ مجموعہ میں پھنسکر قرآن کو باطل کرنے لگیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت دن بعد تک احادیث کی مقدار اس کی قیمت سے کم درجہ خیال کی گئی تھی۔

لیکن پھر بھی اس قبول کرنے کے بعد جو کچھ گزر گیا اس سے زیادہ اور نہیں ثابت ہوتا کہ ان احادیث میں صحابہ کے وہ اقوال ہیں جو انہوں نے نبی سے سن کے یاد رکھے تھے اب بجز اس کے یہ ممکن تھا کہ ایسی سنی ہوئی احادیث ایسی یادداشت سے جمع کی جاتیں اور نگاہ میں انکی وقعت زیادہ ہوتی لیکن وہاں تک میں جانتا ہوں یہ بات نہیں ہے کوئی ایسی حدیث یا احادیث کا دفتر جو اب موجود ہے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی یادداشت سے نقل نہیں کی گئیں اور نہ کسی طریقہ سے ان کا اس سلسلہ سے اخذ کیا گیا اس سبب سے اس ثابت کرنے کے لئے کہ چند حدیثیں اس وقت قلمبند کر لی گئی تھیں یہ بات ہمیں اس علم کی مدد نہیں کرتی کہ آیا کوئی بھی ایسی حدیث باقی ہے نہ ہم کوئی ایسی حدیث ان احادیث کی جو زبانی روایت پر مبنی ہیں اس نوعیت کی امتیاز کر سکتے ہیں ہمارے مقدمات صغریٰ و کبریٰ کا صاف طور پر یہ تقاضا ہے کہ احادیث کا موجودہ مجموعہ ہمارے پاس ہے ان میں چند ایسی احادیث بھی ہیں کہ

جو تحریری انضباط پیدا ہو سکتی ہوں اور معرض تحریر میں آگئی ہوں لیکن اس نوعیت کی ایک حدیث کے کھوج لگانے میں ہم بالکل ناقابل ہیں احادیث کا قدیم اور وسیع انبار اسی بے تحقیق اصول پر مبنی ہے اور کسی حصہ کی بے اعتباری یا سوا اس حصہ کے جس کی صحت پر اندرونی شہادت سے یقین غالب ہو سکتا ہے تمام ذخیرۂ احادیث کی ایک ہی قیمت ثابت کرتا ہے۔ نہیں کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جو پہلی صدی کے اختتام پر معرض تحریر میں آئی ہو اور باقاعدہ اسکا انضباط رہا ہو بیسویں صدی کے یہ کہنا بالکلیہ احادیث کا ذخیرہ مفروضہ بیان لوگوں کی یادداشت پر مبنی رکھا گیا ہے جو اسکے راوی ہیں جو بیشتر صورتوں میں زبانی ہی نقل ہوتی رہیں اور سب کا انحصار بالکل راویوں کے تیقن اور تجویز بالغوز پر ہے منضبط تحریر کے آگے انسانی یادکی بے اعتباری ایسی علانیہ طور پر کمزور ہے کہ جسمیں کوئی بھی حرف زنی نہیں کر سکتا اور وہ غلطیاں جو قدرتی پر زبانی بیان کرنے والوں کے بیان میں واقع ہوتی ہیں وہ ناگزیر ہیں ؛

مسلمانوں کی احادیث کی بالکل یہی کیفیت ہے اور اس لئے ان احادیث میں جعلی اور بناوٹی احادیث کا ایک انبار لگ گیا ہے اور ان میں ہر جگہ ہمیں خمیر اگرچہ کمزور لیکن قوی اور خوفناک اثر تخفی سازش یا رجحان کا پایا جاتا ہے جس نے اپنے بنی کی تمام ان حکایتوں کی رنگ آمیزی کی اور انکی نئی شکل پیدا کر دی جسکا خزانہ مومنین کے حافظہ میں محفوظ تھا ؛

پھر بھی مسیحی مؤرخ لکھتا ہے حدیث کی خامی اور قیمت کی ایک کافی شکل کا ادراک کرنا بالکلیہ اپنی فطرت اور وسیع اثرات میں مضمر ہے اس مطلب کے لئے یہ ضرور ہے کہ ناظر کے پاس سلطنت اسلام کے سیاسی منظر کا بنی کی وفات سے اس زمانہ تک جب سے کہ ہمارے اسلامی مورخ اور محدث شروع ہوتے ہیں پورا خاکہ کھینچا جائے ایسے خاکے کے مہیا کرنے کی اب میں کوشش کرتا ہوں ؛

محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے واقعہ کے بعد دس برس تک حیات رہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے دنوں میں توسیع سلطنت نے اس حکمرانہ جوش میں کہ تمام دنیا کو مطیع اسلام بنا دیا جائے زبردست قوت پیدا کی اور ابھی تک اس عجیب جوش میں کسی قسم کا خلل نہ پڑا تھا وہ خاص اللہ جیسے احادیث میں خوفناک رخنہ ڈالا ان مہیب ملکی لڑائیوں کا قریب قریب جو بہانے میں بھی نہیں اور جنہوں نے ایک غضب برپا کر دیا تھا ان ہی جنگوں کے عقائد کے ذخیرہ میں بھی بال آیا

اور آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مافوق الفطرت قوتوں کی بازگشت بنا دیا حضرت عثمان کی کمزوری اور متزلزل سلطنت نے حضرت علیؓ اور آپ کے گروہ میں منصوبہ باندھنے اور سازش کرنے کا مادہ پیدا کر دیا ؛

بڑے شہزادہ کی (مراد حضرت عثمان سے ہے) شہادت پر حضرت علیؓ نے سلطنت کی تکہتی کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دئے اور اسلام کی اخوت اور یک تنی کے پیراہن کو بالکل پھاڑ ڈالا اور خلافت کے نئے دعویداروں کے لئے سلطنت اسلام کو مثل ایک شکار کے چھوڑ دیا اس پھوٹ کا فی الفور اثر حدیث کی تاریخانہ قیمت پر نامساعد نہ پڑا اسواسطے اگرچہ ہر گروہ کا میلان خاطر اپنی حفظ کردہ احادیث کو اپنے موافق رنگ آمیزی کرنے کا زور بڑھا ہوا تھا لیکن پھر بھی مخالفانہ نکتہ چینیوں کے خوف سے وہ زیادہ زیادتی یا کمی اصلیت میں نہیں کر سکتے تھے اور جبکہ ابھی وہ لوگ زندہ تھے جنہوں نے نبی اکرم کو بچشم دیدار رہے اپنی آنکھیں منور کی تھیں اور جو نبی کے افعال کے گواہ معائنہ تھے تو ایسی حالت میں اگرچہ حد شئیں گھڑی جاتیں تو ضرور ہے کہ باہم وہ لوگ ایک دوسرے کی تردید کرتے ؛

حضرت علیؓ ساڑھے چار برس کی تکلیف دہ اور مشتبہ خلافت کے بعد شہید کئے گئے اور نبی امیہ کا مخالفانہ گروہ لاکلام پر شان خلافت کا مالک بنگیا اس خاندان کی طولانی سلطنت میں جو نسوا برس تک قائم رہی حکمرانہ قوت کے اثر نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متوسلین کے مافوق الفطرت اصول کو روکے رکھا اس نسل کا اصول جس کا سلسلہ ابوسفیان سے چلا تھا جو نبی کا مدت تک تلخ تر دشمن بنا رہا یہ رہا کہ وہ ان احادیث کو جو ان کے بزرگ کی نسبت نہیں قائم کر دیا ہو اور ساتھ ہی اسکے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نجیبانہ صفات میں ہم آہنگی کو کام فرمایا ہو ؛

ف حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ حکم نافذ فرمایا تھا کہ کوئی شخص اس حدیث کو نبی اکرم کیطرف منسوب کرے کہ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیان کی گئی ہو اور یقیناً کوئی چیز مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ بیان کرنے میں نہیں روکتی بجز اسکے کہ رسول مقبول کے صحابہ میں ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جس کی قوت یاد اور حافظہ قوی ہو اور جو اپنی یاد کی سلامتی پر بھروسہ کرتا ہو لیکن جب میں نے نبی اکرم کو یہ خود فرماتے سنا ہے جو شخص میرے نام سے وہ قول بیان کرے جو میں نے نہیں کہا ہے اس کی جگہ دوزخ ہوگی ؛

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے صاف طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے بعض حدیثیں آپ کا حق خلافت متزلزل کرنے کے لئے مخالفین کیطرف سے گھڑی جاتی تھیں اسلئے آپ اس طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں کو روکدیا کہ جو حدیثیں رسالتمآب صلعم کے وقت میں بیان کی گئیں ان کے سوا وقت کوئی حدیث بیان کرے (رپورٹ خود ابوہریرہ)

ایک طرف تاویلی جعل اور بناوٹین محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور آپ کی اولاد کا استحقاق خلافت ربانی طور پر ثابت کرنے میں کی گئیں تراش خراش کرنے کا الیچ دونوں میں پک رہا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے حیات جاودانی کی برکتیں ان پر نثار کردیں اور ان ہی کے کام سپرد کردئے اور وہ مافوق العادت باتیں انکی طرف منسوب کیں گویا وہ مرکز ہی تمام کاموں کا انصرام دیتے ہیں

وقت کے دباؤ نے حضرت علیؓ داماد نبی مقبول اور آپ کے چچا حضرت عباس کے گھرانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے ربانی استحقاق قایم کرنے کے لئے یہ یہ تدبیریں کریں اور ایسی ایسی باتیں گھڑیں ابتدائی حصہ یعنے آغاز سلطنت بنی امیہ میں ایسی بے سر و پا باتوں کا بہت ہی کم چرچا ہوا تھا اور ایسے خیالات عالم بطون سے صفحۂ ظہور پر جلوہ پذیر نہ ہوئے تھے۔ ربانی استحقاق خلافت کا افسانہ جو اس وقت ایجاد ہوا تھا اور جس نے پوری شہرت حاصل کی تھی ہوتے ہوتے یہانتک بڑھ پکڑ گیا کہ ابتدائی مسلمان اسکی تائید کرنے لگے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے جگری دوستوں کا غیر محدود اور نامشروط مخالفانہ مقابلہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا استحقاق خلافت ربانی طور پر یہ لوگ کس درجہ تسلیم کرتے تھے اور اسکا مطلق لحاظ نہ تھا۔

گروہ خوارج نے جو بنی امیہ کا جانی دشمن تھا حضرت علیؓ کو سخت حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا اور اس نہتک آمیز گناہ پر ملامت کرتا تھا کہ انھوں نے حضرت معاویہ سے صلح کی کیوں گفت و شنید کی۔

اب یہاں سے یہ بین طور پر ثابت ہے کہ بنی امیہ کے زمانے میں حضرت علی اور حضرت عباس کے خاندان کے متجاوز دعوائے خلافت مطلق نہ چلے اور کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہیں کی ان کے خیالات خلافت ایک خواب تھا جو بنی امیہ کے زمانہ میں آرہا تھا۔

اس زمانہ میں احادیث کی کثرت سے ساخت ہوئی اور پھر ہوتے ہوتے انکی مستقل صورت قائم ہوگئی اس زمانے کے اختتام پر تمام مروجہ حدیثیں سلسلہ وار تلاش کی گئیں اور پھر انھیں تحریری طور پر انضباط میں لایا گیا۔

متاخرین محدثوں نے احادیث کے اسی بے پایان دفتر سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی

سیدصاحب کی کتب خانہ

الگ کرنا چاہا۔ مگر یہ کوشش کو ممکن بنانا کہ وہ اس میں کامیاب ہوتے جبکہ یہ کل حدیثیں بنی امیہ کے شہزادوں کے دوران سلطنت میں جمع کی گئیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انھیں اپنی کوشش میں جزوی کامیابی شاید ہوئی ہو ؛

اس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط و خال اور سیرت کو مافوق الفطرت رنگ آمیزیوں اور پرشکوہ الفاظ سے رنگین کیا ہے تاہم آپ کے صحابہ و پیروان کی عادات و صفات اور ابتدائی اسلام کے واقعات بلاشبہ قابل تعریف صحت اور درستی میں ضبط کئے گئے اور اس طرح تاریخانہ مسیحائی کا ایک وسیع اور چوڑا مضمون ہمیں دستیاب ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کا آخری حصہ جواب ہمارے آگے ہے ہزار ہا گہڑی ہوئی روایتوں سے پردہ کہانی دیتا ہے حضرت علیؓ کی اولاد نے جو متواترانہ مخالفتیں بنی امیہ کو خلافت سے معزول کرنے کی کیں اور بدقسمتی سے میدان کارزار میں سب کو مات ملی تو پھر ان کا رجحان دوسرے سوا قع کیطرف ہوا اور اب ان کا اصل الاصول بانی استحقاق خلافت قرار پاگیا اور روحانی اور دنیاوی سلطنت کے شوق نے انہیں ابھارے رکھا انہوں نے پوشیدہ مجلسیں قائم کیں اور چھپواں مخبر بنی امیہ کی سلطنت میں روانہ کئے کہ یہ لوگ غاصب ہیں اور حق خلافت حضرت علی کی اولاد کو پہنچتا ہے۔

خلافت کے یہ دعوے اس رازدارانہ رپورٹ سے کہ حضرت علیؓ کی نسل میں سے ایک امام مہدی پیدا ہوگا اور وہ تمام دنیا کو فتح کریگا روز بروز قوت پکڑتے گئے۔ اس قسم کی کوششوں نے سوائے سرکشیوں اور بغاوت کے تسلسل کے اور اچھے نتیجے پیدا نہیں کئے۔ خونریزیاں اور قتل اور غارت بیفائدہ لڑائیاں واقع ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ دوسرے گروہ نے ان خونی جھگڑوں میں ساٹھ باٹھ اختیار کی ؛

یہ لوگ عباسی تھے جنہوں نے اپنے استحقاق قائم کر کے تخت پر قدم بڑھایا۔ اور جو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد تھے ؛

انہوں نے حضرت علی کی اولاد کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلی اور اسبات کو جتایا کہ موجودہ حکمران خاندان غاصب ہے جو خاندان کو خاندان قریش ہی سے نکلا تھا لیکن بنی ستہ اس کا بہت دور دراز کا رشتہ تھا تو ہم دونوں مل کے اس سے مقابلہ کریں ؛

جو حضرت علیؑ کو انسانی مخلوق میں افضل نہ سمجھے ایسی حالت میں یہ محض ناممکن تھا کہ ذرا بھی تفریق روا رکھی جاتی اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ اور ان کے جانشینوں کو ذرہ برابر بھی امتیازیہ درجہ دیا جاتا"۔

لیکن علاوہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ان سولہ نخ عمری لکھنے والوں کے عام احادیث کے جامعین نے بھی اسی زمانہ میں نشو و نما حاصل کی وہ بھی عباسیہ اثر کے دائرے میں آگئے اور ان میں سے بعض براہ راست ماموں کی مربیانہ سرپرستی میں کام کرتے تھے۔ اس گروہ نے جس کا اوپر بیان ہوا تمام سلطنت کا گشت لگایا۔ اور ہر قسم کی احادیث کی جو نبی کے نام سے مشہور تھیں تلاش کی اس بے نظیر تلاش اور محنت سے بے تعداد حدیثیں جمع کی گئیں۔ اور اب اُن کی جانچ سخت طریقہ سے شروع ہوئی کہ کونسی حدیث موضوع ہے اور کونسی صحیح ہے۔ انھوں نے راویوں کے اس سلسلہ کا پتہ لگایا جو نبی تک پہنچتا تھا۔ مگر احادیث کا یہ مجموعہ جامعوں کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔ لیکن ایسے مجموعے تاریخی اور سولہ نخ عمری کی کتابوں سے زیادہ پسندیدہ شمار ہوئے بالجملہ وہ اسلام کے مختلف علم الٰہی کے مدارس کے اصل الاصول قرار پائے اور اب تک اسی طرح ہیں۔

ان کے جاری ہوتے ہی عام طور پر ان کا مطالبہ ہونے لگا۔ شہرت پکڑتے پکڑتے انھوں نے ایسا مقبولیت کا جامہ پہنا کہ آج صحیح اور حقیقی صورت میں بدل گئیں اُن کی نقلیں کثرت سے اسلامی ممالک میں پہنچا دی گئیں جہاں ابتدائی سولہ نخ عمری نہیں پھیلی تھی اور اگر پہنچ بھی گئی تھی تو بڑی دقت سے دستیاب ہوتی تھی۔

سنیوں کے مجموعے کی چھ کتابیں خلفائے عباسیہ کی سلطنت میں بلا شرکت غیرے ترتیب دی گئی تھیں اور شیعوں کے چار مجموعے اس کے بعد ترتیب دئے گئے ہیں مگر قبل الذکر گروہ کی کتابوں سے (مراد سنیوں سے ہے) آخر الذکر گروہ کی حدیثوں کی کتابیں بلاشبہ بہت ہی کم اعتبار کے قابل ہیں کیونکہ شیعوں کی کتابوں میں زیادہ تر یہ راگ گایا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و آپ کی اولاد کو ربانی طور پر استحقاق خلافت حاصل تھا۔

اس میں شک نہیں احادیث کے جمع کرنے والوں نے جیسی کہ مشہور خدمت اسلام کی کی اسی

سولہ نخ عمری کی کتابیں احادیث پر

طرح تاریخ کی بڑی بھاری خدمت کی احادیث کا عظیم الشان دفتر اسلامی سلطنت کے ہر حصہ سے بھیٹ پڑا تھا ہر روز حدیثوں کی جلدیں کی جلدیں جمع کیجاتی تھیں اور ان میں تمام مغائر اصول پائے جاتے تھے ماہران روایات اگر جانفشانی نہ کرتے تو حدیثوں کے مجموعے میں صحیح و غلط سچا اور جھوٹا فسانہ غیر امتیاز یہ پریشانی میں آمیز ہو کے گڈ مڈ ہو جاتا

ماقبل خاکے سے جو ہم نے حدیث کی تاریخ کا کھینچا ہے۔ اس سے ہمیں واجب اور حقیقی حوالہ اس بات کا ملتا ہے کہ دوسری صدی میں حدیث نے بڑی صحت کے ساتھ اصول سے ہم آغوشی کی ؛

جو حدیثیں اب تک جمع کی گئی تھیں ان میں جعل اور دروغ کی آمیزش ہو گئی تھی اور ان میں بہت کم صحت کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔ حدیثوں کے جمع کرنے والوں کی شہادت اور تصدیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں حدیثیں جو اسوقت جاری تھیں ذرا بھی اپنے ساتھ کسی اصول اور قاعدے کی صحت کا نام بھی نہ رکھتی تھیں ؛

اس سے زیادہ کوئی آسان بات ہی نہ تھی کہ جہاں مذہبی سیاسی معاملات میں مخالف کی مخالفت کی ضرورت ہوتی اور فوراً انہوں نے نبی کی زبانی بیان کی ہوئی حدیث سے اپیل کی اس نوعیت کی احادیث کی فطرت اور وہ طریقہ جس سے نبی اکرم کی ذات مبارک پر نئے نئے بہتان قایم ہوئے تھے اور آپ کو ایسے ناملائم اقوال سے منسوب دیکھاتی تھی کہ جو حد سے زیادہ غلیظ اور ناپاک ہوتے تھے اور جس سے نبوت کے دامن تقدس پر ناپاک دھبہ لگتا تھا۔ ان تمام کیساتھ مصنفین نے آمادہ کیا کہ صحیح حدیثیں منتخب کیجائیں چنانچہ بخاری نے ملک بہ ملک اور شہر بشہر سفر کیا اور بڑے بڑے علماء اور فضلا سے حدیثوں کی جانچ پڑتال کی۔ کئی برس کے بعد اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف چار ہزار صحیح حدیثیں منتخب کیں تو بھی اس منتخب کئے ہوئے مجموعہ میں سے یورپین فلسفہ چین نصف جعلی بتاتے ہیں ؛

اسی طرح دوسرے احادیث جمع کرنے والے بھی اسی عقل و دانائی کے پیدا ہوئے جیسے کہ ابوداؤد نے پانچ لاکھ حدیثیں جمع کیں اور ان میں سے چار لاکھ پچانوے ہزار سو حدیثیں خارج کر دیں اور صرف چار ہزار آٹھ سو حدیثیں باقی رکھیں ؛

سو برس کے بعد حدیثوں کی صحت

وہ الہام غیبی جس نے بخاری کو آمادہ کیا کہ اس دشوار ترکام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے۔ کافی طور پر اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسی حدیثوں کی ضرورت بہت تھی کہ جن میں صحت کی بو باس پائی جائے اور غلط انبار میں سے کچھ نہ کچھ صحیح مصالحہ نکل آئے چنانچہ بخاری نے خود لکھا ہے ؎

خواب میں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ میں گویا آپ کی مکھیاں اڑا رہا ہوں جب میں بیدار ہوا تو میں نے تعبیر گو سے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی اس نے بتایا وہ کہ تو سچ میں سے جھوٹ نکال ڈالیگا" اس نے مجھے اس طرف جوم کیا کہ میں صحیح کی ترتیب دوں"

مسلمانوں کی آنکھوں میں بخاریؒ نے گویا اس ربانی الہام یا حکم کی تعمیل کی کیونکہ اس دن سے **صحیح بخاری** کو مسلمان نہایت صحیح احادیث کا خزانہ جانتے ہیں اور اس کا بہت ہی ادب کرتے ہیں یہ بدیہی امر ہے کہ نکتہ چینی کی قسمیں ترتیب دینے والوں نے استعمال کی ہیں۔ پھر بھی جب انھوں نے جانچ کی تو فیصدی ۹۹ حدیثیں مستند گردانی گئیں۔

حدیث کی صحت بنی کے چند صحابہ پر کہی گئی ہے اور ہر ایک شخص کی عادات و صفات شاہدوں کے بڑے دلولانی سلسلہ پر جسنے یہ حدیث روایت ہوتی ہے۔ مختصر سمجھی گئی ہے۔ اگر یہ راوی قابل الزام نہ ٹھہرے، تو ان سے حدیث لے لی جاتی ہے۔ باطنی خلاف قیاس اور خارج از امکان صفت اس حدیث کو جو صحیح مجموعوں میں منضبط ہو چکی ہے۔ خارج نہیں کر سکتی۔ ترتیب دینے والوں نے نکتہ چینیوں کے کھلے ہوئے سمندر میں اپنے کو نہیں ڈالا ہے لیکن انھوں نے اس تنہا مصیبت زدہ آئین سے اپنی رہنمائی کی ہے۔ انہیں اندرونی شہادت کی تفتیش کی مطلق جرأت نہیں ہوئی ؎

ف۱ اس تعداد میں بھی ہنوز ایک حصہ شبہ سے ابو الطیبہ کا قول ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھیں جن میں سے میں نے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں منتخب کیں جو اس کتاب میں مندرج ہیں یہی اس کتاب میں صحیح حدیثیں بھی ہیں (یہ نوٹ خود مصور کا لکھا ہوا ہے)

پہلے مصنف کے مقصد اور مفہوم کو ملزم گردانا یا اس طرح اسکے بیان کردہ واقعہ کا اعادہ اسکی معنوی پر بحث کرنی اور تاریخی شہادت کی کسوٹی پر لانا یہ ایک عجیب، خلاف مذہب کام ہوگا اسلام کی روح نہیں چاہتی کہ اس میں آنا دانہ نکتہ چینی کیجائے ؛

محمد اور آپ کے اندھا دھند ایمان لانے والوں نے واقعات میں تفحص اور شہادت کو لات مار کے پرے پھینکدیا جہاں یہ کہدیا قال رسول اللہ بس ہر سوال کا جواب ملگیا اور ہر شبہ رفع دفع ہوگیا اگر کسی بیدین فلسفی نے کچھ شبہے ظاہر کئے اور دین اسلام کی نسبت کچھ سوال کئے تو اسکا جواب تلوار دیتی تھی اس فلسفی کی گردن اڑادی جاتی تھی اور یوں اُسے خاموش کیا جاتا تھا اسلامی اصول کیساتھ انسانی قوت کا روح ہوگیا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ برزور ہاتھوں کے جابرانہ دباؤ سے اسلام کو سزائیں۔ اگر کوئی مسلمان مرتد ہوجاتا تھا تو ملکی قوت اس کا فیصلہ اُسے موت دیتی تھی اور کوئی شخص آزادانہ خیال ظاہر نہ کرسکتا تھا۔ کیونکہ اس کو بھی مثل موت ہی کے سزا دی جاتی تھی اسلامی حکومت میں روحانی اور سیاسی اصول کی تلخی جو غیر متغیر حالت میں ہر جگہ یکساں تہی صاف دلالت کرتی تھی کہ صاف کشادہ اور آزاد تفحص کا اسلام کی اصل اور سچائی میں نام و نشان تک نہ تھا۔ یہ آزادانہ تفحص یا کشادہ نکتہ چینیاں ایک مسلمان کے دماغ کو اس قدر درد دیتی ہیں کہ وہ دانت پیسنے لگتا ہے اب تک ہر مسلمان کی یہی کیفیت ہے مسلمانوں کی تلوار نے نکتہ چینی کے اعلےٰ جوہر کا دنیا سے بیخ ہی مار دیا تھا ؛

اسکے مقابل میں ہم ہرگز شک نہیں کرتے کہ وہ سنی جامع احادیث نبویہ نہایت ایماندار اور اپنے نبی کا وفادارانہ عشق رکھتے تھے اور جو کام انہوں نے انجام دیا۔ نہایت نیک نیتی سے انجام دیا۔ یہ اچھی طرح خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایماندارانہ سرگرمی سے ہر صحیح حدیث کی تلاش کی اور اُن کے راویوں کی جستجو کی اور جن اصول پر کہ مبنی تھیں انہیں دیکھا اور پرکھا انہیں نہایت محتاط صحت سے منضبط کیا۔ مذہبی احکام نہایت ہی ہوشیاری اور محنت کی طرف مجبور کرتے تھے اور لاانتہا احتیاط کی ضرورت ہوتی تھی۔

اس طرح بخاری نے جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا ہے۔ فرض شدہ ربانی اطلاع پر اپنا کام شروع کیا اور ہم نے اُسے یہ کہتے سنا ہے ؛

"میں نے کوئی حدیث اپنی صحیح میں درج نہ کی جبتک
کہ وضو کرکے دو رکعت نہ پڑھ لی ہوں"

جامع احادیث کا اپنے خیال میں کسی بات کا ٹھہرا لینا بلاشبہ یہ اثر رکھتا ہے کہ وہ احادیث کے راویوں کے سلسلہ میں سے چاہے جسے صحت سے خارج کردیں اور چاہے جسے قبول کرلیں لیکن کوئی وجہ ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ انہوں نے خود حدیث کے مفہوم سے صحت و غیر صحت اس کی چھانی ہو۔ اس طرح صحیح حدیث کا جامع اس حدیث کو نہیں لینے کا جو حدیث گو حضرت عائشہ کی روایت سے ہو لیکن بنی امیہ کے راویوں کے سلسلہ نے انہیں نقل کیا ہے۔

اسیطرح بنی امیہ والے اس حدیث کو سلسلہ میں سے نکال ڈالینگے جس کا راوی حضرت علی کے خاندان کا کوئی شخص ہو۔

شہادتوں کے کامل سلسلے جس کے وسیلہ سے ہر حدیث کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کے کسی صحابی کی ہر اسپیچ کی ابلاغ کے مطابق تعین ہوتے ہیں جن ناموں سے کہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔

یہ فرضی نام نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے معتبر اور مشہور و معروف لوگوں کے نام ہیں جن سے کہ حدیث روایت کی جاتی ہے احادیث کا مجموعہ کھلم کھلا اشاعت دیا گیا۔ جامع احادیث عام طور پر تعلیم علم حدیث کے علم کا سرگروہ تھا اور پبلک پر اپنے اصول حدیث کی صداقت دوسرے سے مقابلہ کرکے جما دیتا تھا۔

جامع احادیث کی نیک نیتی اور ایمانداری کو مسطور کرکے اب ہم ان کے مجموعہ احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صحیح اصول ان میں موجود ہیں اور اگر ایسا ہے تو کہاں تک ان میں دروغ اور غلط بیانی کی آمیزش ہے۔

اول تو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ موجودہ دفتر احادیث نبوی کتنی وجہ بہروسہ اور اعتبار کی رکھتا ہے اس پر کسی پہلو سے کہاں تک اعتبار کرسکتے ہیں کیونکہ اسکے مضامین ان خیالی شہادتوں پر جو معاصرین نے دی ہیں مبنی ہیں۔

اس معاملہ کو نظر کے سب سے قوی پہلو پر رکھ کے ہم خیال کرینگے کہ احادیث نبوی کا ایک

سیرۃ کی مختلف خیالی احادیث پر

درجا ایسا قائم ہوا ہے جس سے یہ مراد لی گئی ہے کہ یہ صحابہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں اور ابلاغ کی پہلی ہی نوبت پر یہ نقل کر لی گئیں ؛

حدیثی مجموعہ میں ایک ایسی خصوصیت ہے جو اس مفروضہ خیال پر بھی اس کا شبہ اصول پر ہونا ثابت کرتی ہے یعنے ہر حدیث چھوٹی اور بے جوڑ ہے اور کامل طور پر وہ دوسری حدیث سے علحدہ جگہ میں قائم ہوتی ہے۔

یہ علحدہ جگہ میں قائم ہونا نہ صرف سادہ طور پر احادیث ہی میں پھیلتا ہے بلکہ ان کی تمام تاریخ میں اور اس سرچشمہ پر جہاں سے نکالی گئی ہیں اس کے ہاتھ پیر محیط ہیں۔

ہر پہلو پر حدیث متفرق اور آزاد ہے۔ یہ نوعیت اور حدیث کی صفت ہماری نکتہ چینی کی قوت کو وسعت دیتی ہے اور ہم بے تکلفانہ ان پر نکتہ چینیاں کر سکتے ہیں۔ حدیثوں میں کوئی سیاق کلام ایسا نہیں ہے کہ جس سے ہم صحت اور راستی کی جانچ کر سکیں ہر شاہد سلسلہ میں گو وہ دوسرے راوی کے الفاظ دوہرا دیتا ہے اصل میں وہ بھی خود مختارانہ اصول پر مبنی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کہاں تک اور کس نوبت تک مغایرت داخل ہو سکتی ہے۔ یا ان میں سے کسی حدیث میں تازہ مواد الحاق کر دیا گیا ہے

ہم تمام شاہدوں کی دیانت اور راست بازی پر مطمئن بھی ہو جاتے ہیں مگر ہم ان کی آزاد نظروں سے جن سے کہ وہ احادیث کی بابت گفتگو کرتے ہیں واقف نہیں ہیں بیانات کا انداز اول گفتگو کی آزادی سماعی بات کی وسعت کیساتھ ظاہر کرتا ہے اور ویسی ہی بیباکی اور کشادگی ان کے پچھلے ابلاغ میں صاف طور پر پائی جاتی ہے۔

پھر ہر حدیث اپنی نوعیت میں علحدہ ہی جگہ پر قائم نہیں ہوتی۔ بلکہ احادیث کے جامعین نے اسے جزو لاتجزی کی کچھتی میں کر کے دکھا دیا تھا ؛

ایسی حدیثوں میں سے بعض لے لی جاتیں اور بعض نامنظور کی جاتی تھیں۔ اگرچہ حدیثی رابطہ اور سلسلہ غیر قابل حجت ہوتا تھا تو وہ حدیث جس طور کی ہوتی سرتاپا قبول کر لی جاتی تھی۔ اور جزو ترکیبی کی جہان بین مطلق نہ کی جاتی تھی ؛

حدیث کا ضبط دفتر آخر کار اس مدت معین کو پورا کرتا ہے جس میں کہ شہادت دی گئی

ہے جس حدیث کو دیکھو صاف طور پر زنانی بیان ہوئی ہے اور خود اس حدیث سے راوی کی عادات وصفات اور اُن کے تعصب اور خواہ مخواہ اپنی بات کی ترجیح کرنے کی خصلت اس سلسلہ میں کہ جس میں یہ حدیث دہرائی گئی ہے۔ عیاں ہے۔

کوئی احتیاط اور تدبیر اس بات کی نہیں کی گئی کہ جس حدیث کی معتبری کی پہلے شہادت گزر چکی ہے اس کے جعلی اور بناوٹی مادہ کی جانچ ہو سکے اور اس کی صحت اور غیر صحت سے خبرت حاصل ہو۔

مبالغہ۔ زیادہ گوئی اغلاط اور افسانہ آمیز حکایتوں کے طوفانی دروازے بڑی وسعت سے کھلے ہوئے ہیں تھے۔ ہمیں صرف یہ ضرورت ہے کہ ہم ہر ملک اور ہر زمانے کے تجربے کو دیکھیں تاکہ ہمیں اس بات کا اطمینان ہو کہ تاریخی واقعہ کے زبانی دہرانے میں خود اختیاری اور جزو رائی بہت کم برتی گئی ہے اور جو کچھ اس سلسلہ سے بیان ہوا ہے وہ مافوق الفطرت باتوں پر سراسر یا مبنی نہیں ہے۔

اسلام میں اُن واقعات کو جو ابتدائی تواریخ کے ورقوں کو تاریک کرتے ہیں کہیں مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ ان بناوٹی واقعات میں جھمکیلے جعلی فسانے دکھا رہے گئے ہیں اور عجیب غریب باتیں بنائی گئی ہیں۔

نکتہ سنج عیاری جو جامعین احادیث نے اختیار کی ہے۔ ان نے بخش علیطوں کے سلسلے سے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور اگرچہ حال کی ہزارہا حدیثوں کو جعلی ٹھہرا کر خارج کر دیا ہے پھر بھی ابتدائی احادیث کو محقق بنیاد پر رکھنے میں قاصر ہوئے ہیں نہ ان کے پاس ایسے وسائل ہیں کہ جنسے وہ احادیث کا صحیح اور غیر صحیح ہونا تمیز کر سکیں نہ انکے پاس ایسا پیمانہ ہے کہ جس سے وہ جعلی گھڑی ہوئی حدیثوں اور ان حدیثوں میں جو بالکل فیکٹ پر مبنی ہیں کوئی فرق کر سکیں۔

اب یہ باقی رہ گیا ہے کہ ہم مختلف حوالوں سے حدیثوں کے مجموعے کے مضامین۔ اور اندرونی معتبری کا امتحان کریں خوش قسمتی سے قرآن مجید میں ہمیں ایک ایسا تطبیق کا اصول ملتا ہے کہ جو ہنوز بے میل حقیقی اور معاصر دستاویز ثابت کرتا ہے۔

مثلاً قرآن میں کوئی تسلی بخش مقام ایسا نہیں ہے کہ جس میں صاف طور پر یہ معلوم ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزے صادر ہوئے یا اپنے معجزے دکھانے کا دعوے کیا اور اپنے میں معجزے دکھانے کی قوت بیان فرمائی تاہم کثرت سے حدیثیں موجود ہیں جنمیں آنحضرت کے معجزے کا بیان ہے اور وہ احادیث گویا قرآن کے صاف انکار کو باطل کرتی ہیں۔ اگر یہ معجزے کچھ بھی حقیقت رکھتے ہوتے تو قرآن میں انکا ضرور تذکرہ ہوتا قرآن اسکی بابت کچھ بھی نہیں بیان کرتا بلکہ وہ اس امر کو ناچیز ٹھیراتا ہے اور بتاتا ہے کہ شان نبوت یہ نہیں ہے کہ نبی معجزے دکھایا کرے یہاں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ سارے تاریخی واقعات میں قرآن شریف احادیث کی تکذیب کرتا ہے ؛

مشابہت اور تطبیق کا نتیجہ وہی ملا ہے جو پچھلے تاریخی مجموعوں میں حاصل ہوا تھا اگرچہ یہ امر ہمارے حاصل کلام کو قوت دیتا ہے لیکن کچھ بھی یہ تطبیق ہمیں حدیث کے علمی کام میں کچھ مدد نہیں دیتی واقعات کی محدود تعداد کے علاوہ یہ ہمیں کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتاتا یا ہمارے لئے ایسے قاعدہ کی تکمیل نہیں کرتا کہ جس سے ہم جھوٹی حدیثوں کو خارج کر سکیں ؛

واقعات جنھیں ہم نے قرآن سے اخذ کیا ہے وہ حکایتیں جو بالکل بناوٹی اور جعلی ہیں بلا تمیز ایک دوسرے میں آمیز ہوگئی ہیں اور انکی باہم کچھ ایسی آمیزش ہوگئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے امتیاز کرنا مشکل پڑ گیا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھنے والا ہمیشہ اس بات سے ڈرا کرتا ہے مبادا تاریخی اصلی واقعات کی جگہ طفلانہ خیال کی باتیں اور من گھڑت اقوال قایم ہوں اس خوف اور مہیب دہشت سے بچنے کے لیے اسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو محض ایجادی اقوال سے علحدہ کرنے کی کوشش کرے ؛

بیشک ڈی آرا سپرنگر کی یہ رائے توجہ کے قابل ہے "اگرچہ نبی کے سب سے زیادہ نزدیک نظر کو ہم حاصل کر سکیں، تو وہ بھی سو گز سے کم فاصلہ پر نہ ملیگی اور اگرچہ یہ طرفداری وسطا دو درختوں کے درمیان کا منظر، مسلمانوں میں بلا شرکت غیرے حد اوسط قایم کرتا ہے تاہم ہمارا علم راویوں کے نیل یا رغبت پر ہمیں اس وسط کے صحت کرنے کے قابل بناتا ہے ایک حد تک یہ ریمارک صحیح ہے لیکن اس کی پوری مصروفیت ہمیں سچائی کے ہی پرے لیجانیکی کام کی مشقیں

سیرۃ کی تالیف حسب الاحادیث

بغیر خطرے کے کم حیثیت نہیں ہوسکتیں پچھلے عکس میں حدیث کی مختلف روشنیاں لانا گھڑی ہوئی اور جعلی حدیثوں کو خارج کرنا ان کرنوں کو جو جھوٹی اور مغالطہ دہ سطح سے اٹھتی ہیں واجبی سمت تک واپس پھیر دینا۔ مگر اسی کی وسعت کو جانچنا اور مزاحم اثرات سے واجبی مہنائی کرنا یہ کام بڑے الجھیڑے اور دقت کا ہے اور کامل تکمیل اور اعلےٰ درجہ کی زیرگی اور افضل ترسرشت کی مشینری جس پر انسانی فطرت فخر کرسکتی ہے چاہتا ہے ۔

اس قاصر کامیابی میں جو اس کے ساتھ عاید ہو رہی ہے۔ یہ سچ ہے پھر بھی ایک کوشش ضروری کی جائے گی ۔

یہ ممکن ہے کہ مضمون کی کثیر المعنی توجہ اور اغلاط کی جبرت مآب امتیاز سے ہم صداقت کے قرب تک پہونچ جائیں گے ۔

اس نظر سے میں ایسے اصول قائم کرنے کی کوشش کرونگا جو تفحص کنان شخص کے لئے اسلامی حدیث میں صحیح اور غیر صحیح کی تفریق کرنے میں فائدہ مند ثابت ہونگے

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق روایتی شہادت میں بڑی فروگزاشت یا کمی اپنے میں بالکلیہ یکطرفی شامل کرتی ہے یہ ایک تو صحیح ہے جو شاہد اپنے متعلق کرتا ہے جسمیں کہ ذاتی دلچسپی اور مطلق العنانی مخالفانہ گروہ کیطرف سے بے ضبط ہے اور اسمیں سامعین کی بے طرفدانہ منظوری کی ضرورت ہے لیکن اس طریق میں جو کچھ کمی ہے ایک حد تک منضبط تحریر کی نہایت ہی قریب تفحص اور جستجو سے اسکی صحت یا ترمیم ہوسکتی ہے۔ شہادت کے وسیلہ سے تجربہ کرنے اور شاہد کی حیثیت اور منصب پر توجہ کرنے سے ہمیں بھروسہ اور اعتبار یا شبہ کی وجوہات پوری ملتی ہیں جبکہ توضیحات کے بعض مدارج کے حوالہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلامی خلایق اپنے لئے بے طرفدار محتسب پیدا کرسکتی ہے اس حالتیں مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ حدیث کا دار و مدار ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آیا بیان کردہ مضمون پر عام مسلمانوں کا میلان ہوتا ہے دوسرے یہ بتاتا ہے ایا ان خاص دلچسپیوں کا کھوج بھی مل سکتا ہے جو راویوں کی تجویز یا غور یا منصوبے بازی ظاہر کرتا ہو تیسرے آیا راوی ذاتی طور پر ان واقعات سے جنھیں روایت کرتا ہے واقف بھی ہے یا نہیں۔

یہ اہلین عمدہ طور پر معرض بحث میں اس زمانہ کا خیال کرنے جس سے انکا تعلق ہے۔ اور اس

سیرۃ الرسول کی روشنیاں اور اندھیرے

مضمون کا جو اس میں موجود ہے آسکتی ہیں۔

اول (۱) وہ زمانہ جس سے کہ حدیث کا تعلق ہے۔ جان بخش شہرت کا ایک نکتہ ہے وہ یہ احادیث کے اصلی مصنف خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپکی ۶۳ برس کی عمر تھی وفات پائی اور آپکے چند صحابہ جن سے حدیثیں نقل ہوئی ہیں اسی عمر کے تھے ان میں سے کوئی بڑی عمر کا نہیں تھا انکے سوا برسوں کے تناسب میں بوڑھے آدمیوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ زمانہ بہت کم تھا جسمیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک زندہ رہے اور یہ وجہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حدیث کے اطلاع دینے میں انکا اثر محدود ہونا چاہئے کثرت سے صحابہ کا گروہ نوجوان تھا اور اس مناسبت سے وہ نبی کی وفات کے بعد بہت دن تک زندہ رہے اور انہوں نے بہت زیادہ حدیثیں بیان کیں پھر ہم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی سیما اس عرصہ میں جہاں سے شاہدوں کا سلسلہ پیدا ہوتا ہے پوری قرار دے سکتے ہیں ؛

یا دوسرے الفاظ میں ہم اس مطلب کو یوں بیان کرسکتے ہیں کہ ہمیں فی الحقیقت ایسے شاہد نہیں ملتے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ متقدم میں حیات تھے ہاں ایسے چند تھے جو آپسے پہلے پیدا ہوئے تھے لیکن عموماً لوگ آپکے بعد ہی کے پیدائش تھے اس لئے وہ قابل اعتماد گواہ ان واقعات کے نہیں ہوسکتے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش یا بچپن سے متعلق ہیں وہ صحابہ بھی چند ہی ہیں جو آپ کی نوجوانی کے متعلق حالات جانتے تھے کسی قیاس سے وہ ذاتی علم ان باتوں کا حاصل نہ کرسکتے تھے اور یہ قبول کرنے کو کہ انہوں نے دوسروں سے اطلاع پائی یہ بات ان کی شہادت کی قیمت کو بمنزلہ ایک معاصر کی شہادت کے ضعیف یا خراب کرتی ہے ؛

دوم (ب) لیکن یہ شہادت کی قیمت اس درجہ پر منحصر ہے جسمیں کہ واقعات اپنے حدوث وقت

سیرت کی تحقیقات اور احادیث پر

سلہ مثلاً حضرت ابوبکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو برس بڑے تھے اور جب آپ تخت خلافت پر بیٹھے تو صرف ڈھائی برس تک آپکی خلافت رہی بہت سے بوڑھے صحابہ کیا تو اپنی موت سے اور کیا میدان جنگ میں فوت ہوچکے تھے اور انکی وفات اس زمانہ سے بہت پہلے ہوچکی تھی جبکہ حدیث کا رواج ہوا ہے واقدی لکھتا ہے کہ اسوقت حدیثوں کے بیان کرنیکی ضرورت نہ تھی صحابہ میں خاص حضرت ابوبکر صدیق عثمان غنی طلحہ زبیر نے بہ نسبت دوسروں کے چند حدیثیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کی ہیں جسقدر بے تعداد حدیثیں نوجوان صحابہ نے بیان کیں انہوں نے ان کے مقابلہ میں بہت ہی کم رسول اللہ سے روایت کی ہیں ؛

(یہ اور پہلے والا نوٹ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے)

سے شاہد کی اطلاع پر موقوف ہیں اگر توجہ کی خصوصیت سے ان پر زیادہ توجہ کی گئی ہو تو یہ بیفائدہ ہوگا کہ ہم ان سے ایک کامل اور خبرت آب اطلاع حاصل کر سکیں اور بہت برسوں کے گزر جانے کے بعد ایسے شاہد سے حتی الامکان جو کچھ امید کی جائیگی اس میں عام طور پر ایک برہنہ خاکا واقعات کا کھچا ہوا معلوم ہوگا یہ اصول باحبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح عمری کے ساتھ اس سے پہلے جب کہ آپ مستقل رہنما ایک گروہ کے بن گئے چسپاں ہوتا ہے اس سے پہلے کوئی بات ایسی شہرت کے قابل نہ تھی۔

ایک غریب یتیم بچہ مسکین بے سر شہری غرض کوئی بات ایسی نہ تھی کہ جس سے اہل مکہ کی نظریں آپ پر اٹھتیں اسلئے اپنی قوت حافظہ اور قوت متخیلہ نے ضرورت نہیں دیکھی کہ وہ آپ کی اس زندگی کی سوانح عمری کو اپنی لوح پر نقش کریں۔

(۲) یہ لازم آتا ہے کہ تمام حالتوں میں پیغمبر سابق قواعد کا اثر پڑتا ہے بضمنی طور پر مصروف علامت جعل اور بناوٹی فسانوں کی پامالی جائے اور پھر ہم یہ نکتہ چینی کے آئین کے مطابق اسے پائینگے کہ کوئی حدیث کہ بکی صحابیت مضبوطی سے واقعات کی حاضر نہیں ہے۔ رویت کی خصوصیت کی تطبیق میں بالکل بے قیمت ہے[1]

یہ اصول ہمیں متجاوز حد حدیثوں سے نجات بخشے گا جسمیں قریب تر سرگزشت کے جزئیات اور نبی کی سوانح عمری کے ابتدائی فقرات کی تائید کی مکالمت اس طرح محفوظ ہے گو یا دروغ آمیز حکایتیں ایسی تازہ ہیں کہ کل ہی گزر چکی ہیں۔

(۳) مگر یہ ضرور ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری میں سے ایک بہت بڑا حصہ نکالا جائے جیسے معمولی حالتوں میں آپکے رشتہ دار اور واقفکار لوگوں کے طور پر

[1] اسلامی علم حدیث پالگریو کے بیان کو نوٹ کرتے ہیں (معمولات حدیث کے سوا) میں پچھلے مصنفوں کی طرف بہت کم قدم بڑھانے میں ہیں بہت بہت کچھ ناقابل اسباب ملے ہیں جان کی زندگی کا سالی حکمران شہنشاہ وغیرہ جس کے عہد میں انجیل لکھی گئی تھی لیکن مسیحی راوی مسلمانوں کے مقابلہ میں خصوصیات کے اظہار کرنے کے ہیں محض متبدی ہیں کیونکہ یہ صفت مسلمانوں ہی کے علم میں ہے کہ صدیوں کے گزرے ہوئے واقعات (اس طرح قلمبند کرتے ہیں گویا ان کے سامنے ہی ہو رہے ہیں یہاں تک کہ جزوی معاملات کی حکایتیں بھی بیان کر جاتے ہیں۔

(یہ اوپر کا نوٹ خود مصور کا ہی لکھا ہوا ہے)

یاد رکھا ہوگا اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بھی سلسلے یاد کر سکتے تھے اور اسطرح بعد ازاں وہ اس قابل ہوئے کہ معمولی صحت سے وہ باتیں لوگوں کے آگے دھوراویں مثلاً آپ کے والد کی وفات اور بنی سعد کے خاندان کی ایک عورت کا آپ کو دودھ پلانا اور آپ کی والدہ کا آپ کو لیکے مدینہ روانہ ہونا اور وہ مہم جب آپ کے چچا سفر شام کو روانہ ہوئے تھے اور آپ بچہ ہی تھے اور ایک وسیع استثنا عام اشخاص اور قومی واقعات اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدائشی واقعات کی تائید میں ضرور کیا جا سکتا ہے کیونکہ کامل طور پر لوگوں کی توجہ اس طرف ضرور مائل ہوئی ہوگی جبکہ اہل عرب کی مشائخانہ عادتیں اور ان کے خاندان کے متعلق روح ان کی یادداشت کے لئے محکم گیر مساعد ہوگی اس طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ابرہہ حبشی حملہ آور سے گفتگو کرنا اس گفتگو سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفر شام میں ایک راہب سے کی مبنی واقعات اور حقیقت پر زیادہ تر مبنی ہے اور ان کے سفروں کے متعلق واقعات میں کسیطرح شبہ ہی نہیں ہے۔

اسی استثنا میں کرسی نامے اور تاریخی واقعات بھی شامل کرنے ہونگے جو کئی صدی سے محض یاد میں محفوظ رہتے چلے آئے تھے۔ عرب کی تاریخ میں یہ بھی ایک عجیب ندرت ہے اس میں شک نہیں کہ یہاں نظم قوت حافظہ کا اعلےٰ درجہ کا جوہر اپنے ساتھ شریک رکھتی ہے شعر کا بیجوڑ کلام جب وہ گروہ میں پڑھا جاتا تھا تو بہت واہ واہ ہوتی ہے اور یہاں تک نوبت پہونچتی تھی۔ کہ بڑوں سے گزر کر بچوں کے نوک زباں وہ اشعار ہو جاتے تھے۔

اس قسم کی نظموں میں سرداروں کے نام انکی شجاعت کے کارنامے۔ انکی پرجاہ وجلال عالی ہمتی انکی بے نظیر نجابت۔ اُن کے اونٹوں اور گھوڑوں کے اذکار محفوظ ہوتے تھے ان اشعار میں سے بہت سے اشعار قومی ہوگئے اور وہ نہ صرف ایک خاص قبیلہ کی تصدیق کرتے تھے بلکہ تمام عرب کے خاندانوں کی کیفیت ان میں مندرج ہوتی تھی

اسطرح نظم جو اُن کے اسلاف کے کرسی ناموں اور قومی ناموریوں کے یاد کرنے کا ایک جوش تھا اور انکی قوت حافظہ کی کیفیت جو لسلا بعد نسلا اسی طرح صحیح وسالم چلی آتی تھی اور جس نے ان کے آبا واجداد کے صدیوں کے واقعات جزوی وکلی اسطرح محفوظ رکھے کہ بعض صریحون

سیرت کی تحقیقات اور تنقید

میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ جزوی معاملات یوں حرف بحرف صدیوں سے چلے آئیں اور ان میں تغیر و تبدل آنے واقع نہ ہو۔ مگر جب دوسری شہادتوں اور اندرونی تطابق سے اس کی صحت کرتے ہیں تو حقیقت کھلتی ہے ؛

(د) وقت کا دوسرا بین حصہ وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام زندگی میں داخل ہونے اور مکہ معظمہ کے فتح کرنے کے بیچ میں پڑتا ہے

یہاں بیشک، دو مخالفانہ گروہ نہیں ملتے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں فانی جدال و قتال کے لئے صف آرائی کرتے ہیں جن کے بیانات ایک دوسرے کے مزاحم ہوتے ہیں لیکن، اسی عرصہ میں یا اسکے کچھ دن بعد ایک گروہ کی بالکل بیخ و بنیاد اکھیڑ کے پھینک دی گئی ان کے سردار تقریباً تمام میدان کارزار میں کام آئے اور باقیماندہ سرداروں پر فاتحوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس لئے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی ایک شہادت ہی نہیں پہونچی نہ کوئی تنہا، کہ کل مسلمانوں کے افعال بیان کرنے کے لئے بچا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گروہ نے جو الزامات انکے ذمہ لگائے تھے اس کی وہ تدبیر کرتے اور اپنے اوپر وہ عناد آئینہ انتقام دار یاں عاید نہ ہونے دیتے ؛

اس کے مقابل میں ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلاف کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کا بے گناہی یا معصومیت اور انصاف کا یک طرفی دعوے شاید دوسرے طور پر قابل سوال ہو۔

حدیث کے بانیوں کی غیر محتاط اور بیخبر زبان اس کا کافی ثبوت دیتی ہے کہ جسوقت وہ اپنے دشمنوں کا ذکر کرتے ہیں اُن کی رائے گلہے گا ہے غیر طرفدارانہ اور عادلانہ ہوتی ہے مگر اپنے مخالفوں کی نسبت ان کا فیصلہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔

(ذ) جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یکوں کا عظیم الشان گروہ جو ہنوز اسلام کا مخالف تھا وہ صرف زبانی بیانات کو جو انکے گروہ پر الزاماً بیان کئے جاتے تھے اپنے پر سے ہٹا سکتا تھا۔ یہ

لہ خود ابوسفیان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری مقابلہ پر ایک پرجوش مسلمان بن گیا اور اپنے ہی بیٹے کے جھنڈے کے نیچے پہلے غلامی جنگ میں داد مردانگی دی ؛

بلا تامل قبول کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پبلک رائے کی ضلالت یا تخریب پر مسلمانوں کو ٹوکا تھا۔ مگر اسلام اور بانی اسلام کا اسمیں کچھ ذکر نہ تھا نہ ان کے معاملات سے بحث ہوئی تھی انکا اثر اپنے ذاتی حالات کے محفوظ کرنے میں متوجہ ہوگا اور شاید ان کے احبا اور رشتہ دار حتی الامکان ان سے بحث پیش آتے ہونگے لیکن انکا یہ اثر اچھی طرح سے طرفدارانہ تھا اس پر دھیان کرنا چاہیئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن جو ابتدائے زمانہ میں سخت مخالف تھے آپ کی زندگی ہی میں یا بعد ازاں تھوڑی مدت کے بعد دائرہ اسلام میں آگئے۔

اس سے بہت پہلے کہ حدیثوں کا دریا بہنا شروع ہوا ہوا ہی لوگوں نے اپنے کی عقاید بت پرستی کو خوف اور حقارت سے نظر کرنا سیکھا تھا۔ جب ایک مسلمان کی زندگی پر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ جہاں اس نے اسلام اختیار کیا اور وہ اپنی ماقبل عادات وصفات کا جانی دشمن بنگیا۔

اس نے حالت کفر میں گناہ کئے تھے۔ لیکن جہاں اس نے اسلام قبول کیا وہ خود اپنی نگاہوں میں اور دوسروں کی نظروں میں اور ہی شخص ہوگیا۔

نبی اللہ سے جو اس نے دیوانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ اب وہ اس کا بیان اچھی طرح کرسکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ ربانی پیغام نے اس پر اور اس جیسوں پر کیسی لعنت کی تھی اس قسم کی شہادتیں ہیں کہ جو اس طولانی جھگڑوں کی ایک طرفی حکایت پر جو مسلمان اور بت پرستوں میں مکہ میں ہوئے ہیں جانچ کرنے کی راہ دیتی ہیں۔

(۳) یہ ہمپر لازم ہے کہ ہم ناانصافی کی اہلمی کا اندازہ کریں اور اس بیرحمی کو دیکھیں جو مخالفان نبی پر توڑی گئی تھی تاکہ بلا شرکت غیرے معاندانہ شہادت کی منہائی کر سکیں ہم اور بھی ان مبالغہ آمیز تصنیحات پر کہ مسلمان بت پرستوں نے سخت سخت مظالم آنوڑے مشبہ کرسکتے ہیں مزید برآں ان لوگوں کی تاریخ جو حالت کفر میں مکہ کی فتح سے پہلے مرے اور جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شربت مرگ چکھا بہت زور شور سے لکھ چکی ہے مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر ان کے نبی نے لعنت بھیجی جسکا ذکر مسلمانوں نے بڑی دلیری سے کیا ہے اس دن تک ہر مسلمان کی زبان سے یہ آواز بلند ہوتی ہے "اللھم العنہ" کہ نبی اور اسکے

سیرت کی بعض جنبیاں احادیث پر

خدا کے دشمن تھے"۔ وہ کونسی آواز ہے جو مومن کی یا کہانہ مبالغہ آمیزی اور فضول گوئی کی اس کے ملعون کاموں میں صحت کرے گی یا ان ٹھیک ٹھیک مشتعل کرنے والے اسباب کو بتائیگی جو انہیں اپنے دشمنوں سے پہنچے تھے۔ فاجرانہ کوشش، مجنونانہ بدفعلی، حضرت عمر کی تلوار تھی جو بار بار بدقسمت ملزم کی گردن پر پھرتی تھی ایسے گناہ پر جو بہت زیادہ قابل عفو تھا اس جنونخوار کارروائی نے اسلام کو نہایت خوفناک ثابت کر دیا۔

(ش) بعینہ وہی تخصیص اس شہادت پر عاید ہو سکتی ہے جو حوالئے مدینہ بکھرنے والے یہودیوں کے خلاف دیجاتی تھی جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا۔ یا ان کا استیصال کر کے انھیں نیست و نابود کر دیا تھا۔

عرب کے مختلف قبیلے خواہ عیسائی تھے یا بیگن جن پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مختلف اوقات میں حملے کئے اُن کی بھی وہی قسمت ہوئی جو ان کے بھائی یہودیوں کی ہوئی تھی

(ص) مدینہ منورہ کی گندم نما و جو فروش یا دل برداشتہ آبادی پر اسیطرح توجہ مائل ہو سکتی ہے گویہ صورت دوسرے لباس میں اپنا جلوہ دیگی اور اس میں نئی قسم کا رنگ چمکیگا جس آبادی نے پوشیدہ طور پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ذاتی یا دنیاوی دعوے حکومت کی مخالفت کی تھی نبی نے اپنے ان دشمنوں سے مکہ معظمہ والوں کی طرح اپنی حفاظت کھلم کھلا جنگ کر کے نہیں کی بلکہ انہیں بڑے ہنر سے زیر و زبر کیا مدینہ والے مکی بت پرستوں کیطرح یکایک غائب نہیں ہو گئے بلکہ رفتہ رفتہ جوں جوں اسلام کو قوت ہوتی گئی مدینہ سے انکا استیصال ہوتا گیا۔ ہنوز احادیث کے راوی ان قبائل کے لیڈروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں موقع حاسدانہ نظر سے اُن کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

دوم حدیث کا خود مضمون اور دوسرے راویوں کی تفتیش اور عام طور پر اسلامی ابتدائی سوسائٹی کی نظریں ہماری انکی معتبری پر جانچ کرنے میں مدد کرتی ہیں خاص منظر جس میں یہ بحث کی جائیگی ذاتی۔ گروہی اور قومی میل اور رغبت پر مبنی ہے۔

(ا) ذاتی۔ برٹن اور خود مطلبی نے مبالغہ آمیزی جھوٹے رنگ اور سنسنی خیزی اور گھڑت کو رونق دی علاوہ نمایاں حلقوں کے جنہوں نے خاص مذکورہ صورت میں جلوہ کیا ہے اور یہی مضمون خیز

سیرۃ کی کتابیں احادیث پر

درجہ ہے جو خصوصیت سے اس راوی سے تعلق رکھتا ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارکہ حوصلہ نبی کا نام واجب الاعتصام تعظیم اور الوالعزمانہ نجابت سے ہر زمانے کے ہوئے مضمون میں داخل کیا گیا ہے نبی کی دوستی نے ایک رتبہ اور درجہ ایسا قائم کیا ہے جسے اسلام کی عالمگیر آواز نے قبول کر لیا ہے ؛

اس ادب کا سمجھنا بہت مشکل ہے جو آپ کی ہواؤں اور صحابہ اور ملازمین کا عام مسلمان کرتے تھے ان سے بے انتہا باتیں دریافت کی جاتی تھیں انکے جوابات کو بلا عذر و اختلاف تسلیم کر لیا جاتا تھا تمام وہ لوگ جو نبی کا ذاتی علم رکھتے تھے اور خصوصاً وہ لوگ جنہیں آپ سے تعارف ہونیکا فخر حاصل تھا اسلامی امراء کے دائرے میں بلا قیل و قال قبول کرتے جاتے تھے

اس بے نظیر منظر کا خاکہ کھینچنے کے قابل ہے کہ جب یہ لوگ کوفہ اور دمشق کی مسجدوں میں صرف اپنی تصدیق سے حدیثیں بیان کرتے تھے تو کس شوق اور سرگرمی سے انہیں سنا جاتا تھا اور کس صدق دلی سے قبول کر لیا جاتا تھا۔ ایسی خصوصیت کی صفات کی خالص قیمت ان کو تتبع اور پیروی کی طرف ابھارتی تھی ؛

سر ولیم کے اعتراضات ختم ہو گئے اب ہم اس کے مختصراً جوابات دیتے ہیں کیونکہ میور کی طرح ہم طول نہیں دینگے مطالب تو بہت کم اور انشا پردازی زیادہ یہ فرضی انشا پردازی کے اقتضا اکثر یورپی اور ہندوستانی عیسائیوں کے دستور العمل ہیں یہانتک کہ سکلوپیڈیا برٹینکا میں جہاں اسلام سے بحث کی ہے جو کچھ لیا ہے میور ہی کی تالیف سے لیا ہے ؛

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ کتاب میں جس شخص نے اسلام پر مضمون لکھا ہے کوئی معمولی یورپی تو ہوگا نہیں بہت بڑا فاضل اجل ہوگا جب اس کی یہ کیفیت ہے تو بیچارے دیسی عیسائی کس گنتی میں ہیں ؛

اصل میں میور کے تین بڑے اعتراض ہیں جس کو اس نے ناحق اتنا طول دیا اول یہ کہ آنحضرت کے وقت میں کوئی کتاب حدیث کی نہ تھی اور بعد ازاں جب قبائل میں اختلاف ہوا تو ہر شخص نے اپنی تائید کے لئے حدیثیں بنالیں ؛

نبی کے ایک صدی کے بعد حدیثیں جمع ہوئیں اور چونکہ مسلمانوں کو اپنے نبی کی محبت اور

ادب بہت تھا اس لئے جو شخص دیانت کرتا وہ قبول کرلیا جاتا تھا میرے خیال میں کل اعتراضوں کا حاصل یہی ہے اور یہ ایسے بودے اور لغو اعتراضات ہیں جو اپنی لغویت کا خود اظہار کرتے ہیں ؛

معترض چونکہ عیسائی ہے اس لئے سب سے پہلے اس کا فرض یہ تھا کہ اناجیل کی تحریرات پر بھی غور کرلیتا جو حضرت مسیح کے صدیوں بعد لکھی گئیں اور جن میں ایسے بیانات موجود ہیں۔ جنکو ایک معصوم پیغمبر سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے ؛

انجیلوں میں کھلم کھلا بت دیوں اور فریسیوں کو گالیاں دی گئی ہیں اور مخالفوں پر تبرے بازی کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا ہے کاش اس زمانہ کے مخالفین میں سے کسی کی تحریر ہوتی تو حقیقت کھل جاتی ؛

پادریوں نے اکثر کتب خانوں کو جلا دیا اور بعد ازاں وہ ظلم توڑا کہ کئی کئی ہزار آدمیوں کو ایک ایک حواری کے نام پر صلیب پر کھینچ دیا۔ پادریوں نے فتوے دیدیا تھا کہ جہالت نجات کی کنجی ہے اس فتوے کی بنا پر ہر خواندہ شخص کے لئے کفر کا تحفہ موجود تھا اور پھر وہ قتل کرڈالا جاتا تھا۔ نیک بہادر مورخ سر ولیم میور نے اس طرف سے تو بالکل آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی انشا پردازی کے زور میں جو چاہا اناپ شناپ لکھ مارا۔

ہم الزامی جواب دینا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس میں ایک محقق کی کمزوری پائی جاتی ہے ہم موجودہ اناجیل کو بڑے بڑے جید پادریوں کے مقابلہ میں محرف ہی نہیں بلکہ از سرتا پا مفتری ثابت کرچکے ہیں ؛

حیدرآباد کی تعلیم یافتہ جماعت اس کی گواہ ہے کہ دو تین جلسوں میں خاص کاسما پولیٹین ہوٹل میں پادری گولڈ اسمتھ اور انکے مددگاروں نے کیسی منہ کی کھائی تھی اور آخر میں انہیں مجبوراً اس بات کا اقرار کرنا پڑا تھا کہ انجیلوں کا بہت سا حصہ محرف ہے ؛

الحمد للہ اللہ نے ہمیں زبان و قلم دونوں ہی عنایت فرمائی ہیں ہم نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں جب کہ مقابل میں پادری گولڈ اسمتھ اور اُن کے کل مددگار موجود تھے اور مسلمان تعلیم یافتہ اشخاص کا ایک عظیم گروہ حاضر تھا علی الاعلان یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہم انجیلوں کی تحریف کو

نہیں مانتے بلکہ ہمیں اس میں کلام ہے آیا انجیل کی کوئی آیت بھی حضرت مسیح کا مقولہ ہے یا نہیں ہم نے صاف طور پر کہہ دیا تھا ؎

"دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے"

پادری صاحب اور اُن کے مددگاروں نے جنہیں ہم نے اپنے عالی حوصلگی سے بولنے کی اجازت دیدی تھی بہتیرا زور لگایا اور جو اب نئے مگر وہ تمام جواب مثل روئی کے دھنک دئے گئے اور ابھی تک حیدر کالشن اور مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت اس مناظرے کو بھولی نہیں ہے اس وقت کے دیکھنی اخبارات اس بیان سے بھرے ہوئے ہیں کہ پادری گولڈ اسمتھ اور ان کے مددگاروں نے ایسی منہ کی کھائی کہ تمام عمر یاد رکھیں گے ؎

اسیطرح بشپ لیفرائے صاحب دہلی کے مناظرے کی کیفیت بخوبی جانتے ہیں ایک بار انھوں نے مجبور ہو کے خود اقرار کیا تھا کہ اس کا جواب خداوند مسیح سے دریافت کر کے بیان کرونگا اور وہ ایک فاش شکست کھا کے شب بھر بکرسٹ ہال میں رہے اور صبح کو بادل حزیں اپنی کوٹھی پر تشریف لے گئے ؎

میور صاحب مظلوم احادیث پر کیا اعتراض کرینگے انکے بڑے بڑے پیشوا اس بات کے ثابت کرنے میں کہ موجودہ اناجیل میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہے عاجز آگئے ہیں اور اب بھی ہم موجود ہیں جس پادری اور مسیحی مذہب کے زبردست محقق کا جی چاہے خواہ کسی شہر میں عام جلسے کے اندر اسبات کو ثابت کردے کہ اناجیل موجودہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے۔

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن
ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت

اس لئے ہم اس کو بہت چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں کہ اناجیل موجودہ کا غلط ہونا ثابت کرکے الزامی جواب کی پیش دستی کریں ہم سر ولیم میور صاحب بہادر کو محققانہ جواب دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ کل اعتراضات کیسے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ان نخۃ چینیوں کا پردہ کس طرح اٹھا دیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص کی زبان پر یہ ہو ؎

بزیر جامہ ہزاں کردہ ہست لیکن ۔۔۔ بچشم اہل بصیرت برہنہ می آئی

سر ولیم میور صاحب نے اپنے اعتراضات کو جس صورت سے طول دیا ہے وہ اگرچہ دیکھنے میں زیبا دلچسپ اور تحقیق علمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک محقق کی نظر میں ان کل طول طویل اعتراضات کا اصل مدعا صرف چند الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا یعنی انکی ساری تحریر کا مفہوم یہ ہے جسکو ہم پھر ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں محمد عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نبوت کا بہت سا حصہ چونکہ پریشانی میں گزرا اور جسکی آپ کم گو مشہور تھے اسلئے اس کثرت سے آپکے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے آپکے زمانہ محمود و مسعود میں حدیثوں کا دفتر منضبط نہیں ہوا تھا تیسرے مسلمان کو اپنے آخر الزماں نبی سے اتنی محبت تھی کہ جس شخص نے جو کچھ رسول اللہ کے نام سے بیان کیا وہ پرشوق سامعین نے بلا محبت دلیل بے کم و کاست قبول کر لیا چوتھے مسلمانوں میں کوئی معیار ایسا نہیں قرار دیا جس سے احادیث نبوی کی صحت اور غیر صحت معلوم ہو سکتی پانچویں ملکی لڑائیوں اور خاندانی اختلافات کی وجہ سے حدیثوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی ؛

قریب قریب فاضل مسیحی مورخ کے کل طول طویل اعتراضوں کا مفہوم یہی ہے جو ہم نے چند الفاظ میں اوپر ادا کر دیا۔ یقیناً اس کا جواب دینا کچھ بھی مشکل نہیں اگر ہم ایک ایک فقرہ کو نقل کر کے اسکا مفصل جواب دیں تو ایک پوری جلد صرف جوابات کی تیار ہو جائے مگر ہم ایسا نہیں کرینگے ہم کوشش کرینگے کہ نہایت مختصر پیرایہ میں کل اعتراضوں کے جوابات آجائیں کیونکہ ہم حضور انور رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی شروع کرتے ہیں اور ہم نے اسبات کا تہیہ کر لیا ہے اگر خدا نے ہمیں توفیق دی کہ آپکے حالات زندگی اس بسط و شرح سے لکھے جائیں کہ کوئی پہلو آپکے تبلیغ نبوت آپکے اخلاق و الاصفات آپکے عالیشان تمدن آپ کی پاک معاشرت آپکے مقدس غزوات آپکا طرز کلام آپکی نشست و برخاست وغیرہ کا باقی نہ رہے اور جبتک دنیا میں اردو زبان قائم ہے آپکے حالات کے بیان میں کسی دوسری کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہ پڑے اگرچہ ہمارا یہ دعوے بہت بڑا ہے مگر خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے ہم نے اپنی یہ آرزو ظاہر کی ہے اور ہم اس وعدہ لاشریک سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی توفیق عنایت فرمائے کہ ہم اپنی آرزو میں کامیاب ہوں آمین ثم آمین اے آفتاب و ماہتاب اور کل سیاروں کے پیدا کرنیوالے اے لانہایت کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم رکھنے والے مجھ عاجز بے بضاعت کمزور العقل پر نظر رحمت کر تیری ادنیٰ توجہ سے بڑے بڑے اہم مسائل جنمیں شہوۂ حکمار کی عقلیں چکر میں آجائیں آسانی سے حل ہو جاتے ہیں ؛

سب سے پہلے میور صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا کام زیادہ تر تلوار سے رہا ہے اس سبب سے وہ مذہبی یا ملکی انتظامی معاملات کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ اعتراض محض لغو اور بے بنیاد ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثل حضرت مسیح کے ڈھائی تین سالہ خلافت میں اگرچہ جنگیں جاری رہیں۔ لیکن مذہبی اور انتظامی امور کا انصرام اسلام کے پایہ تخت مدینہ میں برابر ہوتا رہا۔

خلیفہ خود مدینہ میں رہتے تھے اور سپہ سالار باہر جنگ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے اس طرز فتوحات کا نام اگر نیم وحشت رکھا ہے جیسا میور لکھتا ہے تو دنیا میں کبھی شائستگی نظر نہیں آسکتی یہ بھی غلط ہے کہ طولانی سفروں سے مقاصد دین میں کچھ فرق آسکتا ہے۔ باہمی لڑائیوں نے بھی جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے روایات یا حدیثوں کے جمع کرنیوالوں پر کچھ بھی اثر نہیں ڈالا۔ نہ سلطنت کا کچھ دباؤ تھا اور نہ خاندانوں کی تبدیلی کا۔

رہا یہ کہ وہ نسلیں جو حضور انور کے بعد وصال پیدا ہوئیں زیادہ گرویدہ دکھائی دیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اُن کے دل میں اسقدر بڑھی کہ جہاں کسی مسلمان نے یہ کہا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہا ہوں وہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اس غیر معمولی شوق کی وجہ سے حدیثوں کا ڈھیر یا انبار پڑا اور مسلمان اندھے ہو گئے۔ اور حدیثوں کے راویوں نے تو سے طوفان بنا کے کھڑے کر دیئے۔

اس بات کا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں جعلی بنائی گئیں جس طرح کہ تین سو ستر کے قریب حضرت مسیح کے فرضی حواریوں نے انجیلیں تصنیف کر کے عام آدمیوں میں رواج دی تھیں اور پھر تحقیق ہوتے ہوتے اور چھنتے چھنتے صرف چار حواریوں کی انجیلیں معتبر شمار ہوئیں۔ اسی طرح احادیث بھی موضوع ہوئیں۔ لیکن جب خداوند تعالیٰ نے محقق اور پاکباز مسلمان ایسے پیدا کئے جنھیں کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنیکی قوت تھی اُنہوں نے تمام اسلامی ممالک میں چکر لگا کے کثرت سے احادیث جمع کیں اور ایک گران بہا تحقیق کے بعد اُس میں سے سچی حدیثوں کا انتخاب کر لیا۔ اور کھری کھوٹی حدیثوں کے جانچنے کا ایسا معیار قایم کر دیا جو قابل وقعت اور اعتبار دونوں ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر تمام اسلامی فرقوں کی حدیثیں جمع کیجائیں اور اُنکا باہم تطبیق

دیجائے تو ایک بڑا دفتر احادیث کا صحیح انتخاب ہو سکتا ہے۔

حضور انور کے حالات صحابہ کی زندگی اور روشن ہدایات میں کچھ بھی اختلاف نہیں ہے جس طرح سنیوں کی کتابوں میں غزوات اور حالات نبی الرحم کا بیان ہے اسی طرح شیعی اور خارجی اور معتزلیوں کی کتابوں میں بھی ہے صحابہ راشدین کی تعریف ہر فرقہ کرتا ہے شیعوں کی معتبر کتب حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی کے محامد و مناقب موجود ہیں اور جو بزرگی ان صحابہ کی سنی تسلیم کرتے ہیں وہی بزرگی قدیم شیعی علماء نے بھی تسلیم کی ہے خارجی بھی اس سے منکر نہیں ہیں۔

مذہبی اصول پر اختلاف احادیث نے کوئی اثر نہیں کیا۔ کیونکہ قرآن مجید ہر گروہ میں مسلم اور بے کم و کاست موجود ہے۔ شیعی بھی اس کو کلام خدا سمجھتے ہیں اور سنی اور خارجی اور معتزلی بھی جو حدیثیں کسی فریق میں ایسی ہیں جن سے قرآن مجید ہم زبان نہیں ہے وہ حدیثیں فی الحقیقت مردود اور جعلی ہیں کل فرقہ ہائے اسلام کی احادیث اکثر باہم ہو کے اصول کی تائید کرتی ہیں مثلاً پنجوقتہ نماز میں شیعی سنی خارجی اور معتزلی میں کوئی فرق نہیں۔ صدقہ زکوٰۃ وغیرہ میں قریب قریب کل فرقے ہم آہنگی کرتے ہیں حضور انور کی روشن ہدایتیں بے کم و کاست سب میں یکساں چلی آتی ہیں۔ صحابہ کے آثار پر سب کا ایمان ہے ان سب باتوں کی تفصیل انشاء اللہ حضور انور کی سوانح عمری میں موقعہ بموقعہ پوری آجائے گی۔

جہاں مسلمانوں کو محبت کی وجہ سے اپنے نبی کے حالات سننے کا شوق تھا وہاں اس کے ساتھ ان میں تحقیق کا مادہ بھی موجود تھا۔

میور صاحب نے یہاں ناقابل معافی غلطی کی ہے کہ مسلمانوں کی محبت سے تعرض کر کے انہیں اندھا مقلد بنانا چاہا ہے۔ مگر یہ انکی عمداً حق سے چشم پوشی ہے اگر وہ ایسا خیال کریں مسلمانوں نے اپنے ہادی برحق سے محبت کر کے کچھ جرم نہیں کیا نہ انکی محبت تحقیق کے لئے کبھی مانع ہوئی۔ ان کی آزادی تو یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایک معمولی پڑھا لکھا شخص وقت کو ٹوک دیتا تھا۔ کہ فلاں بات صحیح نہیں ہے۔

اگر مسلمانوں میں آنکھ بند کر کے ایسا سننے کا شوق ہوتا تو لاکھوں ہزاروں بلکہ لاکھوں محدثین

مردود کردی جائیں اور کیونکر ان احادیث کو معیار سے جانچا جاتا یہ ایک عظیم بہتان ہے جو مسیور نے مسلمانوں پر لگایا ہے ؛

اسمیں شک نہیں کہ فاضل مسیحی مؤرخ کو پیرو ان بن محمدی کا غیر معمولی عشق دیکھ کے اسلئے حسد ہوا ہوگا کہ حضرت مسیح کے حواری اپنے خداوند سے بدرجہا اور اسکے دشمن تھے اور جس حواری سے آپ بہت محبت فرماتے تھے اس نے چند پیسوں میں آپ کو فروخت کر کے یہودیوں کے حوالہ کردیا اور صلیب پر کھچوا دیا اور باقی سب وقت پر بھاگ کھڑے ہوئے اور اسقدر حضرت مسیح کو ستایا اور پریشان کیا کہ بیچارے دق ہو ہو کے کہتے تھے "ہٹ جاؤ اے بے ایمانو! میرے پاس سے تم میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر تم میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوتا تو تم پہاڑ سے کہتے سرک جا وہ اپنی جگہ سے سرک جاتا" اپنے خداوند اور اسکے حواریوں کی یہ کیفیت فاضل مورخ ملاحظہ کر چکا ہے اس لئے اس کو اس غیر معمولی عشق سے حسد ہوا جو صحابہ یا بعد کی نسلیں اپنے ہادی برحق سے رکھتی تھیں ؛

یہ محض غلط اور بے دلیل دعوے ہے کہ کسی کی غیر معمولی محبت عیب و صواب دیکھنے سے قاصر کردیتی ہے محبت کی دو قسمیں ہوتی ہیں

ایک تو وہ محبت جو کسی دنیاوی غرض سے تعلق رکھتی ہو یہ محبت بیشک اندھا بنا دیتی ہے اور کسی کام کا نہیں رہنے دیتی ؛

دوسری محبت دینی تعلق سے ہوتی ہے اس محبت میں انسان کا باطن روشن رہتا ہے انسان کی قوت مدرکہ اپنا کام کرتی رہتی ہے حواس خمسہ میں کچھ فرق نہیں آتا تحقیق کیطرف طبیعت دوڑتی ہے احتیاط کی عادت اسقدر پڑ جاتی ہے کہ اپنی بے انتہا عقیدت اور تحقیق پر بھی نہیں ہوتا ہر وقت انسان فائض رہتا ہے

مثلاً جب خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے درخواست کی ہے کہ میں آپکی موطا کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دوں اور حکم دیدوں کہ ان ہی احادیث کی پیروی کریں جو اس میں جمع کی گئی ہیں تاکہ ایک ہی قسم کی احادیث کا رواج ہو جائے ؛

یہ سنتے ہی امام مالک ڈر گئے اور کہا کہ اللہ علیہ اتنوں میں کبھی نہ کرنا ممکن ہے اور مسلمانوں کے پاس اس سے بھی زیادہ صحیح احادیث موجود ہیں اور انکے ترک کرانیکا عذاب مجھے بھگتنا پڑے

دیکھا یہ احتیاط تھی اور یہ خوف تھا۔ اس واقعہ سے ہمارے اس قول کی پوری تصدیق ہوگئی کہ جو محبت اللہ کے واسطے کیجاتی ہے اسمیں احتیاط اور خوف اول درجہ کا ہوتا ہے۔ تحقیق میں بے انتہا عرق ریزی کی جاتی ہے۔ لیکن اُس پر تکیہ نہیں کیا جاتا۔ روزمرہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس عشق کے متوالے جنکی نسبت حضرت مولنا روم نے یہ لکھا ہے۔

این نہ عشق است انیکہ در مردم بود　　این فساد از خوردن گندم بود

اندھے ہوتے ہیں اور اپنے اندھے پن میں ذلیل و نامراد رہتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنکی محبت میں پاکبازی صداقت اور صفائی ہو اُس میں نہ اندھا پن ہوتا ہے اور نہ غلاظت۔ وہ عشق سخت محتاط بنا دیتا ہے اور جب محتاط ہوگئے تو پھر تحقیق حالات مقدم ہے۔

عام طور پر لوگ عشق اور اُسکے نتائج غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ اسیطرح میور کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے عشق کے معنے یہ نہیں ہیں جو میور نے اندھی تقلید کے پیرائے میں ظاہر کئے ہیں۔ عشق کے معنے ہیں اپنی پوری قوت مدرکہ اپنی روشن ضمیری اور اعلےٰ دماغی کو پاک جذبات قلب کے ساتھ ایک نامعلوم امر کی تحقیقات کی طرف متوجہ کر دینا۔ بس عشق کی تعریف سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتی رہے نتائج وہ خود بخود وقتاً فوقتاً پیدا ہوجائیں گے۔ اور جو انکشافات ظہور میں آتے جائینگے عشق کی آگ پر تیل پڑتا جائیگا۔ طبیعت مزید تحقیقات کے لئے آگے بڑھیگی اور ہمیشہ صدہا منازل تحقیق طے کرتی رہے گی۔

فاضل مسیحی مورخ نے اپنے خیال میں بات تو بہت بڑی نکالی تھی کہ مسلمانوں کے غیر معمولی عشق نے جو اُنہیں اپنے نبی سے تھا اُن کے منہ پر تحقیق کا دروازہ بند کر دیا مگر کیا بن آئے بن مری اور اُس بیچارے کا یہ اعتراض منہ کے بل آپڑا۔

اسکے بعد میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب فتوحات اسلام کو ترقی ہوئی اور جدید نسلوں کی ضرورتیں بڑھیں تو قرآن مجید ناکافی تصور ہوا اور عمل ہمگیا کہ قرآنی اصول کو وسعت دیجائے اور حضور انور اسی سے حکمرانی کرتے تھے اور ابھی تک قرآن ہی علم الٰہی۔ امور سیاسیہ اور قانون کا اصل الاصول تھا۔

یہ بھی محض غلط ہے میور صاحب نے اپنی لاعلمی کیوجہ سے خود ہو کا کھایا ہے یا عمداً اپنی

لاعلمی ظاہر کرکے فائدہ اُٹھانا چاہا ہو کہ لوگ دھوکے میں آجائیں حضور انور نے معاملات ملکی میں زبردستی قرآن مجید کو دخل نہیں دیا آپنے ہمیشہ اپنے عاملوں یا گورنروں کو عہدہ پر جاتے وقت ہدایت فرمائی ہو کہ قرآن وحدیث میں جو بات نہ ملے تم اپنی رائے سے مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ اس سے زیادہ آزادی رائے کی قدر اور مذاہب نے کب کی ہو یہی حکم تھا جس نے اسلام میں ہزاروں علمار پیدا کردیئے اور مسلمانوں کے ایک عظیم گروہ نے قیاس اور اجتہاد پر اپنا کلی اعتماد ظاہر کیا۔

اسکے بعد مناسب ہے کہ چند موٹی موٹی باتوں کا بالتفصیل جواب اور بھی دیا جائے اگرچہ ہمنے یہ التزام کیا ہو جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضور انور کے واقعات زندگی کے سلسلہ میں فاضل مسیحی معترض کے ایک ایک اعتراض کا جواب ہوجائیگا لیکن تو بھی تمہید ہی میں مختصر جواب دیدینا کچھ نامناسب نہیں ہے چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں "بوڑھے شہزادے کی شہادت پر الخ (دیکھو صفحہ ۲۵ سیرۃ الرسول) یہ محض غلط اور بے سروپا دعوے ہی کہ حضرت علی نے سلطنت کی یکجہتی کو پارہ پارہ کردیا تھا لڑائی اور باہم خونریزی ہوئی لیکن کسی فریق نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں حدیثیں نہیں پیش کیں بنا صرف اس خونریزی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی فریق مخالف یہ کہتا تھا کہ حضرت علی کو تخت خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینا چاہئے تھا اور حضرت علی یہ فرماتے تھے کہ مجھ میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے کہ میں انتقام لیسکوں۔ مگر یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ دینی حیثیت سے سب باہم متفق تھے اور جب باہم صلح ہوئی تو جھنڈے پر قرآن مجید آویزاں کیا گیا تھا بنی امیہ نے حضرت علی کی خلافت کے خلاف کبھی حدیثیں نہیں پیش کیں اور نہ حضرت علی نے کوئی حدیث اپنی تائید میں دوہرائی نہ بنی اُمیہ نے احادیث کی کوئی کتاب ترتیب دی اور نہ بنی فاطمہ نے۔ مدت تک خونریزی ہوتی رہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور پھر آپکے چند نوجوان خاندانی آدمیوں کی شہادتوں نے جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوئیں احادیث نبی کریم پر اپنا مخالف وموافق کا ہاتھ نہیں کیا۔ اسلام میں اگر کچھ رخنہ اندازی پڑی بھی تو صرف چند یہودیوں اور آتش پرستوں کیوجہ سے پڑی جنھوں نے بظاہر اپنے کو مسلمان کہا اور وہ در پردہ اپنے مذہب پر قایم رہے۔

سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خلافت میں عبداللہ بن سبا یہودی ہیں کا رہنے والا پہلا مفسد ہو جس نے ابتدا میں غلط روایات بیان کرکے شورش ڈالدی تھی کہ بعد ازاں الملکی خوب گت بنائی گئی

گئی اور اسکی بیان کردہ روایتوں کا تانا بانا الگ کر دیا گیا۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے سب سے پہلے یہ کارروائی کی کہ چند اپنے ہمخیال آدمی ساتھ لیکے مدینہ میں آیا اور حضرت علیؓ سے کہا آپ ہی مستحق خلافت ہیں اور آپکے خاندان کے سوا کسی کو بھی خلافت نہیں مل سکتی یہ سنکے حضرت علیؓ بہت اخر دختہ ہوئے اور آپنے حکم دیدیا کہ عبداللہ بن سبا آیندہ ہمارے سامنے نہ آئے یہ مسلمانوں میں فساد کرانا چاہتا ہے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہی بدمعاش یہودی حضرت عثمان کے قتل کا باعث ہوا تھا اور اسی نے اس گروہ کی بنیاد ڈالی جو اپنے کو شیعان علیؓ کہنے لگا۔ حضرت علی کی فوجوں میں چلا گیا اور سبا کو بہکانا شروع کیا اور انکے دلوں میں فریق مخالف کیطرف سے دشمنی کا بیج بو دیا یہ بدنصیب یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمانہ خلافت سے اپنی بدمعاشی دکھا رہا تھا لیکن اس زبردست خلافت میں مجال نہیں ملی اور اس پر آشوب زمانہ میں اس کو موقع ملگیا اگرچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے اسکو اپنے کیمپ میں سے پٹوا کر نکالدیا تھا لیکن یہ بدسرشت برابر اپنی بدمعاشی پر قایم رہا اور اس نے مسلمانوں میں کئی گروہ پیدا کر دیئے۔

جو ملکی لڑائیاں مسلمانوں میں ہوئیں ان سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ طرفین ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے تھے یہانتک کہ حضرت امام حسین نے اپنے قاتلوں کو بھی مسلمان کہہ کے پکارا ہے جب ان لڑائیوں سے مذہب پر کچھ اثر نہیں پڑا تو پھر حدیثوں میں تراش خراش کے پیدا ہونے کی کیا ضرورت تھی جتنی جعلی حدیثیں ہیں وہ سب یہودیوں اور آتش پرستوں کی گھڑی ہوئی ہیں جنہیں ہمارے محقق علما نے مجروح کر کے خارج کر دیا۔

صحابہ کی باہمی مخالفت کی کہانیاں بالکل غلط ہیں انمیں اختلاف کا خیال ضرور تھا جو لازمہ قانون قدرت ہے مگر اسکو نادان دشمنی پر محمول کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمانؓ غنی اور شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کل صحابہ باہم متفق و متحد تھے اور ایک دوسرے پر جان نثار کرتے تھے اس اتفاق سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کوئی جعلی حدیث نہیں بن سکتی تھی فاضل مسیحی جنہوں نے خلفا میں باہم مناقشہ ثابت کر کے فائدہ اٹھانا چاہا ہے مگر وہ اپنی مراد میں کامیاب نہیں ہو سکتے مثلاً حضرت علیؓ کا حضرت عمرؓ کی نسبت بعد از وفات تعریفی الفاظ فرمانا اسکی مفصل کیفیت یہ ہے۔

"در کتاب موالفۃ الصحابہ مذکور است کہ علی بن ابی طالب بخانہ عمر بعد از فوت و

قبل از غسل او در آمده گفت اے عمر خدائے عزوجل ترا رحمت کناد کہ من خیر از تو
ہیچکس را نمیدانم کہ صحیفہ اعمال او موافق چہریدہ افعال او باشد تمنائے آن دارم کہ
ملاقات من با حضرت پروردگار مثل ملاقات تو باد باشد ظن من آنست کہ خدائے تعالے
ترا از حبیب خویش و خلیل او یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جدا نہ سازد زیرا کہ
من بسیار از رسول شنیدم کہ می فرمود کہ من و ابوبکر و عمر چنیں کردیم و چنیں رفتیم
و تو پیوستہ در ذکر ثالث ایشاں بودے خدائے تعالے عزوجل ترا بیامرزاد پس مخاطب
کہ با آیات بینات او عالم بودے و بغیر انا و جل ذکرہ از ہیچکس ہیچ نداشتے و در اجرائے
حکم جانب ہیچ احدے ملاحظہ نفرمودے بحق جواد بودے و بباطن بخل می اصد یہ
از دنیا فقیر بودے و بآخرت غنی (روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۲۵۵)

جب یہ اتحاد و اتفاق ثابت ہے پھر کوئی وجہ یہ خیال کرنے کی نہیں ہے کہ حدیثیں وضع کی گئی ہوں اور مسلم میور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی نے حکم دیدیا تھا کہ جو حدیثیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سامنے بیان ہو چکی ہیں اسکے علاوہ اور کوئی حدیث نہ بیان کیجاے اگرچہ اس قول کی کہیں سند نہیں ملتی لیکن اس حکم کو یقین کرنے کے بعد بھی ہمارے دعوے میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوتی۔ عبداللہ بن سبا اور اسکے مسند ساتھی موجود تھے اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگی تھیں ممکن ہے کہ فریق مخالف نے آپکی خلافت کے خلاف جعلی حدیثیں بنالی ہوں اور امن میں خلل ڈالنے کیلئے وہ ان جعلی حدیثوں کی شہرت دیتے ہوں اور بات قطعی یہی ہے آپکا یہ حکم دینا کہ سوائے ان حدیثوں کے جو پیشرو خلیفہ بیان کر گئے ہیں کوئی حدیث نہ بیان کیجائے اس بات کی شہادت ہے کہ مسندوں کی فتنہ پردازیاں اعتدال سے بڑھ گئی تھیں یہ تو ناقابل پرہیز ہوگا کہ ان مسندوں یعنی مسلمانوں میں خونریزی بہت کرائی اور اختلاف بھی خوب ڈالا مگر الحمد للہ کہ بنی امیہ یا اختلاف وہ اسلام میں پیدا نہ کر سکے جیسا مسیحی فرقوں میں ہے اللہ تعالے نے جو اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے یہ اسکا قصد ہے کہ ان تمام لڑائیوں اور مختلف گروہوں کے پیدا ہونیکے بعد بھی اسلام کے اصول میں ذرا بھی اختلاف نہیں آیا قرآن کی کتاب سمجھتے ہیں نماز روزہ کو فرض جانتے ہیں حج کو اپنا نجات دہندہ یقین کرتے ہیں خدا کو ایک قادر جانتے ہیں سوکر مشکلکشا مانتے ہیں معبودان باطل کی پرستش کو حرام سمجھتے ہیں اور اختلافیان ہے کہ سور کا گوشت حلال ہے

عہ یہ بات صحیح نہیں ہے بنی امیہ کی طرف سے متعدد حدیثیں وضع کی گئی ہیں

حرام اور فعل شیطان ہے۔ نکاح۔ طلاق اور تمدن کے جو اصول ہیں سب پر کل فرقہ ہائے اسلام کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کہنا کہ جعلی حدیثیں بن گئیں اور اُنہوں نے مسلمانوں میں اختلاف ڈالدیا محض غلط اور لغو ہے۔ اب رہا اختلاف یہ فروعی ہے اسلام کو اس سے کچھ تعلق نہیں یہ سب خیالی اور ملکی جھگڑے ہیں جن سے اسلام بہت دور ہے مثلاً شیعوں اور سنیوں کا جھگڑا کہ حضرت علی بلافصل خلیفہ ہیں یعنی پہلے انہیں خلافت ملنی چاہئے تھی وہ نہ ملی میں کہتا ہوں کہ اسلام کا ان باتوں سے تعلق کیا حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو اصول اسلام میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہوتی اور جو تھے خلیفہ ہوئے تو کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی نفس اسلام کو صحابہ کی خلافت سے بحث کیا وہ ملکی معاملات تھے صحابہ کی کثرت رائے سے خلیفہ بنایا جاتا تھا۔ اب میں کیا کسی کا دینا آتا ہے کہ پہلے حضرت علی کی طرف کثرت رائے کیوں نہ ہوئی حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور انکے علاوہ اور ہزاروں صحابہ شہید ہوئے تو پھر اسلام کو ان شہادتوں سے کیا تعلق ہے جبکہ ان شہادتوں سے اسلام کے اصول میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی پھر کیوں ان شہادتوں پر مذہبی رنگ کی افشاں کیجائے ہم اسکے مجاز ہی نہیں ہیں کہ ان شہادتوں کو حق و ناحق کہیں اسکا مجاز خود خداوند تعالیٰ ہے اور وہ اُن کے رتبے آخرت میں بلند کرے گا کیونکہ ہر متنفس کا معاملہ اپنے پیدا کرنیوالے کے ساتھ ہے۔ اگر صحابہ میں باہم اتفاق تھا تو اُن کے لئے تھا باہمی نااتفاقی تھی تو اُنکے لئے تھی ہم کون کہ اُنکی اتفاق و نااتفاق سے اپنی کوٹھریوں میں بیٹھ کے بیہودہ نتائج استنباط کیا کریں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ ان امور سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور میں اسی لحاظ سے یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ الحمدللہ اسلام میں اصولی اختلاف نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوا۔ اور اصولی اختلاف ہو کیونکر سکتا تھا جبکہ قرآن مجید ہر فریق اسلام کے آگے کتاب اللہ ہے اور کسی نے اسکے کتاب اللہ ہونے میں کبھی اختلاف نہیں کیا۔ اب میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف فروعی کے اسباب بیان کرتا ہوں جس سے صاف طور پر احادیث کا فروعی اختلاف سمجھ میں آجائیگا۔

پہلا باب

صحابہ اور تابعین کے درمیان فروع میں اختلاف ہونے کے اسباب

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں فقہ مدوّن نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کی

فقہا کی بحث کیطرح احکام میں بحث نہیں تھی کیونکہ فقیہ نہایت کوشش سے ارکان و شرائط آداب غرض ہر ایک کو جدا جدا دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور ان کی فرض کی ہوئی صورتوں پر کلام کرتے ہیں اور جو قابل تعریف ہے اسکی تعریف بیان کرتے ہیں اور ان فرض کی ہوئی صورتوں پر کلام کرتے ہیں اور جو قابل حصر ہے اس کا حصر اور احاطہ کرتے ہیں اور علے ہذا القیاس لیکن حضور کے وقت میں یہ بات نہیں تھی آپ وضو فرماتے تھے اور صحابہ بھی اسی طرح وضو کرنے لگتے تھے اس کا ذکر ہی نہ تھا کہ یہ فرض ہے اور یہ مستحب ہے اسی طرح آپ نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کو دیکھ کے اسی طریقہ سے نماز پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور لوگوں نے حضور کا حج دیکھا بس جس طرح آپنے حج کیا اسی طرح اصحاب نے کیا اور حضور کا اکثر حال یہی تھا آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ وضو میں فرض چھ ہیں یا چار ہیں اور آپنے وضو میں موالات کی بھی کوئی قید نہیں لگائی ۔

ایسی چیزیں حضور انور سے لوگ بہت کم دریافت کیا کرتے تھے روحانیت کو ان باتوں سے کیا علاقہ ہے عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ وہ حضور انور کے صحابہ سے بہتر ہو انہوں نے تمام عمر میں حضور انور سے صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے تھے ۔ یہ سب مسائل قرآن مجید میں موجود ہیں عبداللہ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ اصحاب نبی کریم اس بات کا سوال ہی نہ کرتے تھے جو انہیں فائدہ بخش نہ ہو ۔

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جو چیز موجود نہیں تھی اسکے متعلق کبھی ہم نے حضور انور سے سوال ہی نہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص پر لعنت کیا کرتے تھے جو ایسی چیز سے سوال کرے جو موجود نہ ہو قاسم سے جب پے در پے سوالات ہوئے تو انہوں نے جھنجھلا کے کہا کہ تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو جو ہم نہیں پوچھا کرتے تھے اور ہم ایسی چیزوں سے کاوش رکھتے ہو جنکی حقیقت ہم نہیں جانتے اور اگر ہم ان کو جانتے تو اُن کا چھپانا ہمیں جائز نہ تھا ۔

عمر ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ حضور انور کے اصحاب کی طرح میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو سہولت میں زیادہ ہو اُن کے اسلام میں مجھ کیا اور مشکلات مطلق نہ تھیں کسی امر میں شدت بالکل نہیں کرتے تھے یہ کل آثار دارمی نے نقل کئے ہیں ۔

حضور انور کے دربار میں جب مقدمات پیش ہوتے تھے آپ اُن میں فتوے دیتے تھے جب

آپ آدمیوں کو نیکی کرتے دیکھتے تھے تو انکی تعریف فرماتے تھے اور جب آپ کوئی برائی کرتے دیکھتے تھے تو اس کی مذمت فرماتے تھے اور آپ کا ہر ایک فتوے اور ہر ایک فیصلہ اور ہر ائی کرنیوالیکی مذمت مجمع عام میں ہوتی تھی اسی وجہ سے حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جب کسی مسئلہ میں انہیں علم نہ ہوتا تھا تو اور لوگوں سے حضور انور کی حدیث دریافت کرتے تھے مثلاً ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ دادی کا حصہ دینے کے باب میں میں نے حضور انور سے کچھ نہیں سنا۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ نے لوگوں سے ارشاد کیا کہ کسی نے تم میں سے وادی کا حصہ دینے کے باب میں کچھ سنا ہے اس پر مغیرہ بن شعبہ نے کہا اے خلیفہ برحق حضور انور نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا ہی آپنے ارشاد کیا تیرے سوا اے مغیرہ کوئی اور بھی اس بات کو جانتا ہے اس پر محمد بن سلمہ نے کہا مغیرہ سچا ہے۔ پس آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا اور قصہ دیت جنین کے بارے میں حضرت عمر کے سوال کرنے اور حدیث عبدالرحمن بن عوف کیطرف رجوع کرنے کا اور اسی طرح قصہ مجوس میں حضرت عمر کا انکی حدیث کیطرف مائل ہونا اور عبداللہ ابن مسعود کا حدیث بعقل بن لیسار سے خوش ہونا جبکہ وہ انکی رائے کے موافق ہوئی اور قصہ حضرت عمر کے دروازہ سے ابوموسے کے پھر جانے اور حضرت عمرؓ کی حدیث پوچھنے اور ابوسعید خدری کی شہادت دینے کا غرض ایسی ہی بہت سی روایتیں صحیحین اور سنن میں مروی ہیں غرض یہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی مبارک عادت تھی ہر ایک صحابی نے آپکی عبادات فتووں اور فیصلوں میں جو کچھ خدا نے انہیں میسر کیا اُن کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور سمجھا اور قرائن کے سبب سے ہر ایک نے وجہ پہچانی۔ پس ان میں سے بعض کو حاجت پر محمول کیا اور بعض کو اباحت پر اور جو علامتیں اور قرینے اُن کے نزدیک پسندیدہ تھے وہ انھوں نے تسلیم کئے جس اختلاف کی بنیاد یہاں سے شروع ہوئی۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ اختلاف امت مرحومہ کے لئے سبب رحمت تھا اور جو اس وقت ہماری شومی طالع سے سبب غضب ہو رہا ہے ؛

پھر صحابہ اسکے بعد مختلف شہروں میں چلے گئے اور ہر ایک صحابی کسی نہ کسی گروہ کا امام اور پیشوا بن گیا چونکہ روز بروز اسلام کو وسعت ہوتی جاتی تھی اس لئے مقدمات بھی نئے نئے پیش ہونے لگے اور اُن میں اُن صحابہ کو فتوے دینے پڑے اور ہر ایک نے اپنی یادداشت یا استنباط کے

کے بموجب فتویٰ دیا اگر کسی مقدمہ میں حضور انور کی حدیث نہیں ملی تو اپنی رائے سے فرمودہ رسول کریم کے موافق اجتہاد کیا اسی طرح روز بروز صحابہ میں باہم اختلاف رائے پیدا ہوتا گیا مگر ساتھ ہی ہر صحابی کی یہ کوشش رہی کہ حضور انور کی موافقت میں جہاں تک ممکن ہو کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو

اس وقت ان میں کئی قسم کا اختلاف ہو گیا جسمیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک صحابی نے کسی معاملہ یا فتوے میں حکم سنا اور دوسرے نے نہیں سنا پس اس نے اسمیں اپنی رائے سے اجتہاد کیا اسکی بھی کئی قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ اس کا اجتہاد حدیث کے موافق ہووے اسکی مثال وہ ہے جسکو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت کے باب میں عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کہ عورت کا شوہر مر گیا اور اسکے لئے کچھ مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور انور کو اس باب میں حکم دیتے ہوئے نہیں دیکھا وہ لوگ چلے گئے مگر پھر آپ کے پاس آئے اور اصرار کیا کہ اس عورت کے متعلق کچھ حکم دیدیجئے جب آپ پر بہت اصرار کیا گیا تو آپنے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور حکم دیا کہ اسکے لئے مہر مثل سے نہ کم ہو نہ زیادہ اور اسپر عدت واجب ہے اور اسکے لئے میراث ہے اسوقت معقل بن سیار نے کھڑے ہو کے شہادت دی کہ حضور انور نے ہم میں سے ایک عورت کی نسبت یہی حکم دیا تھا پس عبداللہ بن مسعود اس سے ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد اس سے زیادہ کبھی خوش نہ ہوئے تھے

دوسری قسم یہ ہے کہ دو نوں میں مناظرہ واقع ہوا اور حدیث اس طریق اور سند سے ظاہر و ثابت ہوئی کہ جس پر ظن غالب نہ ہو پس وہ اپنے اجتہاد سے حدیث کیطرف رجوع کرے اس کی مثال وہ ہے جسکو ائمہ نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ کا مذہب یہ تھا کہ جب حاجت غسل میں صبح ہو جائے تو روزہ نہیں ہوتا یہانتک کہ بعض ازواج پاک نے ان کے مذہب کے خلاف انکو خبر دی اس پر انھوں نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اس کو حدیث پہونچی لیکن نہ اس سند سے کہ اسپر ظن غالب ہو پس اس نے اپنی رائے سے نہ چھوڑی بلکہ حدیث پر طعن کیا اسکی مثال وہ ہے جسکو اصحاب رسول نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے عمر ابن خطاب کے روبرو شہادت دی کہ مجھے تین طلاقیں دیگئی ہیں اور رسول اللہ نے مجھے نفقہ اور رہنے کا مکان نہیں دلوایا تھا حضرت عمر نے اسکی شہادت رد کی اور فرمایا کہ اسی عورت کے قول سے ہم نہیں جانتے ہیں کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی ہم کتاب اللہ کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں تین طلاق دی ہوئی عورت کو نفقہ اور رہنے کا

مکان دینا چاہتے جب حضرت عائشہ نے فاطمہ کی اس شہادت کو سنا تو فرمایا کہ فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے خدا سے نہیں ڈرتی اور ایسی شہادت دیتی ہے جس سے آئندہ ہزار یا عورتوں کی حق تلفی ہو۔

دوسری مثال شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ عمر ابن الخطاب کا یہ مذہب تھا کہ جس شخص کو حاجت غسل ہوا اور پانی نہ ملے تو اسکو تیمم کافی نہیں ہے پس عمار نے آپکے آگے روایت کی کہ میں سفر میں حضور انور کے ہمراہ تھا مجھے حاجت غسل ہوئی مگر پانی نہ ملا اسلئے میں مٹی میں لوٹا اور پھر حضور انور سے عرض کیا حضرت نے فرمایا تجھ کو ایسا کر لینا کافی تھا حضرت عمر نے یہ روایت قبول نہ کی اور انکے نزدیک کچھ صحت نہ ہوئی یہانتک کہ یہ حدیث دوسرے طبقوں میں بہت سی سندوں سے مشہور ہو گئی اور طعن کا موجب وہم ضعیف ہو گیا پس دوسرے طبقہ والوں نے اس حدیث پر عمل کیا ؛

چوتھی قسم یہ ہے کہ حدیث انکو پہونچی ہی نہیں اسکی مثال مسلم کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نہانے کے وقت عورتوں کو سر کھولنے کا حکم کرتے تھے حضرت عائشہ نے یہ سنکے کہا عبداللہ بن عمر سے تعجب ہے کہ عورتوں کو سر کھولنے کا حکم کرتا ہے یہ حکم کیوں نہیں کرتا کہ سر منڈوا ڈالیں میں نے نہاتے وقت کبھی سر نہیں کھولا اور حضور انور کے سامنے سر پر صرف تین بار پانی ڈال لیا کرتی تھی۔ دوسری مثال وہ ہے جسکو نسری نے نقل کیا ہے کہ سند کو مستحاضہ کے باب میں حضور انور کی اجازت نہیں پہنچی تھی پس وہ نماز نہ پڑھنے کیوجہ سے روتی رہتی تھیں اور ان ہی اقسام میں ایک قسم یہ ہے کہ صحابہ نے حضور انور کو ایک فعل کرتے دیکھا پس انمیں سے بعض نے اس فعل کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے اباحت پر اسکی مثال وہ ہے کہ جسکو اصحاب اصول نے فقہ تصحیب یعنی منیٰ سے پھرنے کیوقت ابطح میں اترنے کے باب میں روایت کیا ہے کہ حضور انور ابطح میں اترے پس ابوہریرہ اور ابن عمر کی یہ رائے ہے کہ یہ اترنا بطریق عبادت تھا پس انھوں نے سنن حج میں سے اس کو قرار دیا اور حضرت عائشہ اور ابن عباس کی یہ رائے ہے کہ یہ اتفاق تھا سنت نہیں ہے دوسری مثال جمہور کی یہ رائے ہے کہ حضور انور نے محض ایک ہنگامی سبب سے ایسا کیا تھا اور وہ ہنگامی سبب یہ تھا کہ مشرک کہنے لگے تھے کہ اصحاب رسول کو مدینہ کے بخار نے شکستہ اور ضعیف کر دیا ہے اور یہ سنت ہے۔ ان ہی اقسام میں سے اختلاف وہم ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضور انور نے حج کیا اور لوگوں نے آپ کو دیکھا پس

بعض کی یہ رائے ہوئی کہ آپ متمتع تھے اور بعض کی یہ کہ آپ قارن تھے اور بعض کی یہ کہ مفرد تھے
دوسری مثال ابوداود روایت کرتے ہیں کہ سعید ابن جبیر نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے
بیان کیا کہ اے ابوالعباس رسول اللہ کے احرام کے باب میں اصحاب رسول کے مختلف ہونے سے
میں متعجب ہوں عبداللہ بن عباس نے جواب دیا کہ مجھے اس کا بخوبی علم ہے حضور انور نے صرف
ایک ہی بار حج کیا تھا جس سے اصحاب میں اختلاف پیدا ہوا ؛

(یہ بڑی لطیف بحث ہے اگر آپ اس کو غور سے پڑھئے گا تو اختلاف صحابہ اور مجتہدین کے راز
کا پردہ اٹھ جائیگا)

حضور انور حج کے عزم سے نکلے جب ذی الحلیفہ میں آپ دو رکعت پڑھ چکے تو اسی مجلس میں
نماز سے فارغ ہونے کے بعد حج کی نیت کی اور حج کے لئے لبیک کہا پس بہت سی قوموں نے
آپ سے اسکو سنا اور اس کو یاد رکھا پھر آپ سوار ہو گئے جب اونٹنی کھڑی ہو گئی پھر آپنے لبیک کہا اور
بہت سی قوموں کو صرف یہی معلوم ہوا اسکا سبب یہ ہے کہ لوگ گروہ گروہ آگے پیچھے آتے تھے جن
لوگوں نے اونٹنی پر سوار ہونے سے پہلے آپکو لبیک کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنا وہی مذہب اختیار
کر لیا اور جن لوگوں نے سواری کے بعد آپ کی زبان مبارک سے لبیک سنا انکا وہی مذہب ہو گیا
پھر حضور انور نے جب بیداء کی بلندی پر قدم رکھ کے لبیک کہا بہت سی قوموں نے اسوقت لبیک
کی آواز سنی اور انکا یہ مذہب ہو گیا کہ حضور انور نے صرف بیداء کی بلندی پر چڑھ کے لبیک کہا تھا
مگر خدا گواہ ہے کہ مسجد میں نماز کی نیت کے بعد سے جو آپنے لبیک کہنا شروع کیا تو بیداء کی بلندی
تک آپ برابر لبیک کہتے رہے ؛

اس کے علاوہ سہو سے بھی اختلاف ہو گیا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں
کہ رسول اللہ نے رجب میں عمرہ کیا یہ سن کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سہو کا حکم لگایا ؛

اختلاف ضبط بھی ایک دوسری وجہ ہے جسکی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر نے حضور انور سے یہ
روایت کیا کہ میت پر اگر اسکے گھر کے لوگ نوحہ کریں تو عذاب کیا جاتا ہے پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
نے یہ حکم لگایا کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی اصلی وجہ پر ضبط نہیں کیا اسکی اصل کیفیت یہ ہے کہ رسول اللہ کا
ایک یہودیہ پر گزر ہوا کہ اس پر گھر والے نوحہ کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ تو اس پر نوحہ کر رہے ہیں اور

اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے پس عبداللہ بن عمر نے گمان کیا کہ نوحہ عذاب کا سبب ہے اس کے بعد اختلاف علت حکم میں مختلف ہونے سے بھی پیدا ہو گیا ہے اس کی مثال جنازہ کے لئے کھڑا ہونا ہے پس بعض کی رائے یہ ہے کہ علت قیام تعظیم ملائکہ ہے لیکن وہ کافر دونوں کے لئے عام ہے بعض کی یہ رائے ہے کہ خوف موت علت ہے پس اس صورت میں بھی دونوں کو شامل ہے اور بعض نے یہ کہا کہ رسول اللہ کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا پس آپ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس وجہ سے کہ آپ نے اس کو مکروہ جانا کہ وہ آپ سے بلند ہو جائے تو اس صورت میں کافر کے ساتھ قیام کا مخصوص ہونا ثابت ہوتا ہے ؛

اس کے بعد وجہ اختلاف دو مختلف حدیثوں کے تطبیق دینے میں پیدا ہوتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضور انور نے جنگ خیبر میں متعہ کا حکم دیا تھا پھر اس کو منع فرما دیا پھر جنگ اوطاس میں اجازت دی پھر اسے منع فرما دیا پس عبداللہ بن عباس نے کہا کہ ضرورت کے لئے اجازت تھی اور جب ضرورت جاتی رہی تو منع فرما دیا اور بعضہ کے لئے یہی حکم باقی ہے اور جمہور کی یہ رائے تھی کہ اجازت اباحت تھی اور نہی اس کی ناسخ ؛

دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ نے استنجا کرنے میں قبلہ کیطرف منہ کرنے سے منع فرمایا پس ایک قوم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور منسوخ نہیں ہوا اور جابر نے وفات سے ایک سال پیشتر رسول اللہ کو قبلہ کیطرف منہ کئے ہوئے استنجا کرتے ہوئے دیکھا پس انکی رائے یہ ہے کہ آپکا یہ فعل بھی سابق کا ناسخ ہے اور عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ کو قبلہ کی طرف پشت رکھے ہوئے اور بیت المقدس کیطرف منہ کئے ہوئے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا پس عبداللہ بن عمر نے اس حدیث سے آپکے قول کو رد کیا اور ایک قوم نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی پس شعبی وغیرہ کی یہ رائے تھی کہ یہ فیافی و جنگل کے واسطے مخصوص ہیں اور جب انسان بیت الخلا میں ہو تو قبلہ کیطرف منہ کرنے یا پشت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے اور ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ کا یہ قول عام ہے اور منسوخ نہیں ہوا اور فعل رسول میں یہ احتمال ہے کہ وہ رسول کی ذات ہی کے ساتھ خاص نہ ہو پس وہ اس قول کا ناسخ ہو سکتا ہے نہ مخلص اب یہاں سے ہر عاقل اور بالغ شخص صحابہ میں اختلاف ہونے کے اسباب کا بخوبی پتہ لگا لیگا ؛

ایک بات مختلف طور پر کرنے سے حضور انور کا منشاء دین میں سہولت پیدا کرنے کا تھا آپنے طہارت یا ایسی ہی اور باتوں کو جزو اسلام قرار نہیں دیا کیونکہ اگر یہ باتیں جزو اسلام ہوتیں تو آپکے عمل میں صورتوں کا اختلاف نہ ہوتا۔ صحابہ کا ان مسائل میں باہم مختلف ہونا ہزار ہا مسائل کے اختلاف کا باعث ہوا اور ہر صحابی کے تابعین میں سے ہر تابعی کو جو کچھ میسر ہوا ان سے اسی طرح لیا اور حدیث رسول اللہ اور مذہب صحابہ میں سے جو کچھ سنا اس کو یاد رکھا اور سمجھا اور جس طرح ممکن ہوا اختلافی مسائل میں تطبیق اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اُن کی نگاہوں میں بعض اقوال اگرچہ وہ صحابہ کبار سے منقول تھے ضعیف ہوئے جیسے کہ جو مذہب تیمم جنب کے باب میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ انکے نزدیک بسبب اُن احادیث کے کہ عمار اور عمران بن حصین وغیرہ سے مشہور ہیں ضعیف ہوا اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے آزادی رائے کی ہمیشہ قدر کی ہے اور عقل کو بیکار نہیں کیا ہے۔

خیال کرنے کی جگہ ہے کہ جب روایتوں اور انکی مصلحتوں کو آزادی رائے سے جانچ کیا گیا تو حضرت عمر کی روایت کردہ حدیث یا رائے کو ایک ادنیٰ صحابی کے مقابلہ میں ضعیف قرار دیا گیا بلکہ اسکو بالکل ہی قابل عمل نہ سمجھا اس سے زیادہ آزادی رائے پر دنیا کا اور کوئی مذہب فخر نہیں کرسکتا۔ عیسائیت کی طرح مذہب اسلام خاص کسی شخص کے ذاتی خیالات کا نتیجہ نہیں ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کا دارو مدار محض ایک ایسے شخص پر ہے جو نہ ناصری ہے نہ مشرقی بو باس رکھتا ہے بلکہ یورپ کا رہنے والا ہے نہ اس نے حضرت مسیح کو کبھی دیکھا اور ان کے اقوال کو پڑھا محض ذاتی وجاہت حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا کہ حضرت مسیح کے اقوال لوگوں کے ذہن سے فراموش ہو چکے تھے۔ اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جس کو نفس عیسویت سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ اس نے فریب اور شراب کو عیسائیت کا اصل الاصول قرار دیا یعنے اس نے حکم دیا کہ اگر انجیل کی اشاعت فریب سے بھی کی جائے تو جائز ہے اور اگر صحت کے لئے تھوڑی سی شراب پی لی جائے تو منع نہیں ہے یہ حضرت پولوس ہیں جن کی یہ کارستانی ہے عقل اور آزادی رائے کا مسیحی مذہب میں اسقدر دخل مارا گیا ہے کہ کسیکی مجال نہیں جو پولوس مقدس کے خیالات پر ردّ و قدح کرسکے۔

جب اسلام کو ترقی ہوئی تو علمائے تابعین میں سے ہر ایک عالم کا مذہب مستقل ہو گیا۔ پس ہر ایک شہر میں امام قایم ہوا جیسے سعید بن المسیب سالم بن عبداللہ ابن عمر کے بعد زہری اور قاضی یحیی بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمن مدینہ میں اور عطاء بن رباح مکہ میں اور حسن بصری بصرہ میں اور طاؤس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں پس اللہ نے لوگوں کو اُنکے علوم کا تشنہ بنا دیا اور وہ انکی طرف راغب ہوئے اور اُنسے انہوں نے حدیث صحابہ کے فتوے اقوال اور خود اُن علماء کے مذاہب اور وہ تحقیقات جو انہوں نے خود کی تھی حاصل کی انسے فتوی دریافت کئے اور انکے مابین مسائل دائر ہوئے اور انکے روبرو مقدمات پیش کئے گئے۔ سعید بن مسیب و ابراہیم نخعی اور جو لوگ انکی مثل تھے انہوں نے فقہ کے تمام ابواب جمع کئے اور انکے پاس ہر ایک باب میں ایسے اصول تھے کہ انھوں نے اُن کو سلف سے سنا تھا اور سعید اور انکے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ مکہ مدینہ والے فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں اور انکے مذہب کی اصل حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے فتوے اور فیصلے اور عبداللہ بن عمر اور عائشہ اور عبداللہ بن عباس کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ پس جو کچھ ان کو میسر ہوا اس میں سے جمع کیا لیکن آنکھ بند کر کے نہیں مان لیا بلکہ اپنے جمع کئے ہوئے تحقیق و تنقید کی پھر کثرت رائے پر خیال کیا جس پر علمائے مدینہ کا اتفاق اور اجماع تھا اس کو تو انہوں نے دانتوں میں مضبوط پکڑ لیا اور جس مسئلہ میں ان کا اختلاف تھا اس میں کثرت ارباب رائے یا قیاس قوی یا کتاب و سنت پر غور کرنے کے بعد جو رائے درست دیکھی اس پر عمل کیا اور اگر کسی مسئلہ کا جواب نہ پایا تو اُن کے کلام میں سے اس مسئلہ کے جواب کو پیدا کیا اور ایما اور مقتضائے کلام کی تفتیش کی۔ پس اُن کے پاس ہر ایک باب میں بہت سے مسئلے ہو گئے اور ابراہیم اور اُن کے شاگردوں کی یہ رائے ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور اُن کے شاگرد فقہ میں سب آدمیوں سے افضل ہیں جیسا کہ علقمہ نے مسروق سے کہا کہ کیا عبداللہ بن مسعود سے صحابہ میں کوئی شخص افضل ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اوزاعی سے کہا کہ ابراہیم سالم سے فقہ میں زیادہ ہیں اور اگر فضل صحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے فقہ میں زیادہ ہیں۔

اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں اور ابراہیم کے مذہب کی اصل عبداللہ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے اور فتوے اور کوفہ کے قاضیوں نہیں سے شریح وغیرہ کے فیصلے ہیں غرض ان میں سے جو کچھ ابراہیم کو میسر ہوا جمع کر لیا اور جس طرح مدینہ والوں نے آثار میں کیا تھا اسی طرح انہوں نے انکے آثار میں کیا اور مدینہ والوں کی طرح تخریج کی پس انکے پاس ہر باب میں فقہ کے مسائل ہو گئے اور سعید بن مسیب مدینہ کے فقہا کی زبان بنے ہوئے تھے حضرت عمر کے فیصلوں اور ابوہریرہ کی حدیثوں کو سب سے زیادہ یاد رکھتے تھے اور ابراہیم کوفہ کی فقہا کی زبان بنے ہوئے تھے جو وقت سعید بن مسیب اور ابراہیم کوئی بات کہتے تھے اور اس کو قائل کیطرف نسبت نہیں کرتے تھے تو وہ بات غالباً سلف میں سے کسیکی طرف صریحاً اور ایما منسوب ہوتی تھی غرض اندونوں شہروں کے فقہا نے اتفاق کر لیا اسے مثال سنے اور انہیں سمجھا اور اسے تحریر کی۔

دوسرا باب

مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں اختلاف سبب رحمت قرار دیا گیا ہے لیکن اختلاف ہر علم کا اختلاف مراد ہے نہ کہ جہلا کا جس میں سوائے دھینگا مشتی اور دل بخار بکانے اور مخالف کو زک دینے کے کچھ نہیں ہوتا علما و فقہائے کرام کے اختلاف کی ایک حیرت انگیز تاریخ ہے جو اسلامی حواد طبعی کا ایک جزو اعظم ہے اور اصل پوچھیئے تو اسلامی ترقی کی ابتدا اور اسکے تمدن کی نشو و نما محض اسی اختلاف کا صدقہ ہے +

اگر تاریخ عالم کو غور سے دیکھا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ وہ اسباب جنپر ایشیائی ترقی کا دارومدار ہے ایسے پوشیدہ ہیں کہ بغیر کھوج لگائے انکا پتہ نہیں لگتا ہر قوم کے تنزل اور ترقی کا حال ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ تنزل اور ترقی کے اسباب کیا کیا ہیں کیونکہ ہمارے علوم عبدیدہ کی تالیف بے تے یہ ہے کہ کوئی شے بغیر کسی سبب کے احادیث نہیں ہوتی خواہ وہ ظاہری ہو یا چھپا ہوا اسیطرح اگر ہم غور اور غوص سے اس امر کا پتہ لگائیں کہ مسلمانوں کی ترقی یا تنزل کے اسباب کیا تھے تو ضرور ہمیں اصلی اسباب کا انکشاف ہوا ہوگا

ڈاکٹر موسیو لیبان نے تو مسلمانوں کے تنزل کا سبب صرف انکی جنگجو طبیعت کو بتایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب سے میں مسلمانوں سے لڑنے والا کوئی نہیں رہا وہ آپس میں کٹ کٹ کے مر گئے مگر مجھے فاضل ڈاکٹر کی رائے سے اختلاف ہے میں یہ کہتا ہوں کہ ترقی و تنزل کا دارومدار محض آزادی رائے پر موقوف ہے قوم کے جو افراد ایک دوسرے کی رائے کی وقعت کرتے ہیں وہ قوم دنیا میں سرسبز ہوتی ہے جب قوم میں ذاتی اغراض کا زہر ہلاہل سرایت کر جاتا ہے تو سب بلا پہلے نازل ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ کسیکی رائے کی وقعت نہیں کرتی اور اسی میں تحقیق۔ تجربہ علمی اور استخراج مسائل کی کل شاخیں آگئیں جن بدنصیب ملکوں میں بیہودہ اور اندھی پابندی کا جنون بھرا ہوا ہوتا ہے وہ نہ خود کوئی نئی بات نکالتے ہیں اور نہ دوسروں کی ایجاد پر تحسین کرتے ہیں بلکہ انکو ایسے شخص سے دشمنی ہے جو علمائے اسلام کی آنکھ بند کر کے تقلید نہ کرے اور جا بجا انکی ہر بات کو نہ مانے علمی تحقیق کا اندھی تقلید نے بیج مار دیا ہے اور آزادی رائے کا تو قوم میں ایسا بیج مارا گیا ہے کہ وید ہے نہ شنید ہے بیچارے مقلد تو خواہ مخواہ بدنام ہیں یہاں ہندوستان میں جتنے فریق ہیں سب پر تقلید کا جن سوار ہے جو انہیں ایک منٹ بھی فرصت نہیں دیتا ۔

ایک کاریگر کبھی نئی ایجاد نہیں کرنے کا اس لئے کہ اسکے باپ دادا نے ایسی کوئی ایجاد نہیں کی تھی ۔ ایک بڑھئی کبھی جدید اوزاروں سے کام نہیں لیگا اس لئے کہ اس کے باپ دادا نے یہ جدید اوزار نہیں استعمال کئے تھے ایک مصور کبھی جدید علمی اصول کو نہیں سیکھنے کا کیونکہ اس کے باپ دادا کی سنت کے خلاف ہے ایک سادہ کاریگر کی ساخت میں کبھی جدت نہیں پیدا کریگا کیونکہ اسکے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا ایک دولتمند کبھی ترکی یورپ یا امریکا کی طرز کے مکانات نہیں بنوائیگا کیونکہ اسکے بزرگوں کے خلاف ہوگا ایک نئی تعلیم یافتہ سرسید کے خلاف کبھی بات نہ سن سکیگا کیونکہ وہ سرسید کا آنکھ بند کر کے مقلد بن چکا ہے ایک غیر مقلد جو اپنے کو تقلید سے آزاد سمجھتا ہے کبھی اپنے استاد کی بات کے خلاف کسیکی بات نہیں مانیگا نہ اسکے جانچنے کے لئے اپنی عقل پر زور دیگا کیونکہ وہ اسکو کفر سمجھتا ہے غیر مقلد تو مقلد ہی بن گیا خدا کی شان ہے جس کتاب کو ہم آسمانی کتاب کہتے ہیں اور جس پر ہمارا ایمان ہے وہ تو سختی سے اس اندھی اور زہریلی تقلید کا رد کرتی اور آزادی رائے کی وقعت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ بغیر فکر کئے اور سمجھے تم ہرگز میری بات کو نہ مانو اور ان لوگوں کی تعریف

کرتی ہے جو آسمان اور زمین میں فکر کرتے ہیں اور اسباب معاد و معاش پر غور کرتے ہیں اور ہم بدبخت اس نعمت غیر مترقبہ کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے جو خداوند تعالیٰ نے ہمیں بخشی ہے۔

آپ ہندوستان میں کوئی اسلامی گروہ تو ایسا نکال دیجے جسمیں آزادی رائے کی قدر کیجاتی ہو اور ایک شخص کے خیالات کو وقعت سے دیکھا جاتا ہو اگر ایک شخص سے یہ کہیئے کہ تمہارے استاد یا پیر نے فلاں مقام پر یہ غلطی کی ہے تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑیگا اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیگا حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ جب قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کو منسوخ تسلیم کیا گیا ہے جب ہزارہا احادیث کو موضوع مانا گیا ہے پھر کیوں ایک شخص اپنے استاد یا پیر یا پیشوا کو تمام انسانی کمزوریوں اور خطاؤں سے مبرا سمجھتا ہے بات صرف یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا مادہ نہیں ہے اور نہ ہم کسی امر میں تحقیق کرنا پسند کرتے ہیں بس یہی بڑی وجہ ہمارے تنزل کی ہے کیونکہ ایک شخص کی غلطی کا اس کے صدہا یا ہزارہا بیوقوف مریدوں کیوجہ سے افشا نہیں ہوتا اور جس جہالت میں اس گروہ کا پیر گرفتار تھا اسی جہالت میں اسکے پیروان کا گروہ ہمیشہ پڑا رہنا بڑا فخر جانتا ہے

پہلے مسلمان ایسے نہ تھے وہ اندھی تقلید کے جانی دشمن تھے ان میں تحقیق کا مادہ تھا اور انسانی آزادی رائے کی قدر کرتے تھے وہ اگر اپنے مقابلہ میں ایک معمولی شخص کی رائے صحیح سمجھ لیتے تھے۔ تو فوراً اس کو مان لیتے تھے اس بات کے سمجھنے کے لئے یہ مثال کافی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ انھوں نے صحابائے راشدین کے مقابلہ میں تابعین کی رائے کو ترجیح دی۔

جب مسلمانوں نے اپنی فتوحات شروع کیں تو دو پرانے تمدن یعنے تمدن ایران اور تمدن حکومت مشرقی کے چراغ ٹمٹما رہے تھے اس نئی دنیا سے جسمیں حضور انور کے غلاموں نے قدم رکھا وہ نہایت ہی متاثر ہوئے اور بہت جلد اس نئی دنیا کے علوم و فنون و ادب کو اسی مستعدی کیساتھ تحقیق کرنے لگے جس مستعدی سے انہوں نے ملک کو فتح کیا تھا۔ خلفائے اسلام نے حکومت کو مستقل کر نیکے بعد ہی کل بڑے بڑے شہروں میں تعلیم و تربیت کے مرکز قائم کئے اور کل ایسے علما کو جو مشہور تصانیف علی الخصوص تصانیف یونان کا ترجمہ کر سکتے تھے جمع کیا۔

خاص اسباب کیوجہ سے ان علما کا جمع ہو جانا آسان ہو گیا تھا ایک مدت دراز سے یونانی قوم کے علوم و فنون ایران و شام میں پھیل گئے تھے جب وقت حکومت مشرقی سے منصور کی بادری نکالے گئے

تو انہوں نے عراق عرب میں مقام ایڈیسا میں ایک مدرسہ قائم کیا جسکے ذریعے یونانی علوم کی اشاعت ایشیا میں ہونے لگی جب زینو ایساری نے ایڈیسا کو غارت کیا اسوقت ان علما کو ملوک ساسانیہ نے اپنے دربار میں بلالیا اور اسکے بعد ہی جب جسٹینین نے ایتھنس اور اسکندریہ کے مدارس کو بند کر دیا یہاں کے اساتذہ بھی ایران میں جمع ہوگئے ان اساتذہ نے کتب یونانی کو جن میں ارسطو رحالینوس اور ڈیاس گریڈس کی تصنیفات شامل تھیں سریانی اور کلدی وغیرہ مشرقی زبانوں میں جو اسوقت بہت مروج تھیں ترجمہ کیا ۔ جب عربوں نے ایران و شام پر قبضہ کیا تو انہیں وہاں ان یونانی علوم کے ایک حصہ کا ذخیرہ ملا عربوں نے ان سریانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور جن تصنیفات کا ترجمہ اسوقت تک نہ ہوا تھا وہ بھی جلد عربی زبان میں آگئیں اور علوم ادب کی تحصیل نہایت مستقدی سے شروع ہوگئی ۔ عربوں نے زیادہ عرصہ تک تراجم پر اکتفا نہ کی اور اب یونانی علما کی کتابیں اصلی زبان میں پڑھنی شروع کیں اور انہوں نے زبانی یونانی کو اسطرح سیکھ لیا جیسا کئی صدی بعد اندلس میں زبان لاطینی اور قسطلی سیکھ لی اسکوریل کے کتب خانہ میں اس وقت عربی یونانی عربی لاطینی اور عربی اسپینی لغات میں موجود ہیں جنکے مؤلف مسلمان تھے ۔

اگرچہ یہ بات مانی ہوئی کہ عربوں کے پہلے استاد یونانی تھے لیکن خود انکی طبائع میں اسقدر جدت خیال اور تحصیل علم کا ولولہ تھا کہ انہوں نے بہت دنوں شاگردی پر جو یورپ کے لئے ازمنہ متوسطہ میں کافی سمجھی گئی تھی قناعت نہ کی اور وہ اس محدود دائرہ معلومات سے بہت جلد باہر نکل آئے عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے اگرچہ اس خاص امر میں بہت سی اقوام انکے برابر ہوئی ہیں لیکن بیشکل کوئی انسے بازی لیجا سکی اس لئے کہ وہ اندھی تقلید نہیں کرتے تھے اور ان میں آزادی رائے کی بہت بڑی قدر تھی ۔ اختلاف خیال کا نام مثل ہم بدنصیبوں کے انہوں نے دشمنی نہیں رکھا تھا جب وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو انکا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہاں ایک عالیشان مسجد اور ایک مدرسہ بنائیں شہروں میں انکے مدارس کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی تھی بجمن دی تودیل جو ۱۱۷۷ء میں مراکش گیا ہے بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس مدرسے مسلمانوں کے دیکھے ۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد و قاہرہ طلیطلہ اور قرطبہ وغیرہ بڑے شہرون مین دار العلوم تھے جن مین علمی تحقیقات کے کارخانے رصدخانے عظیم الشان کتب خانے غرض علمی تحقیقات کا پورہ ذخیرہ موجود تہا صرف اندلس مین ستر کتب خانے تھے +

مورخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانے مین جو قرطبہ مین تھا ۶ لاکھ جلدین تھین جنمین سے ۴۴ جلدون مین صرف فہرست کتب تہی اسکے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ "چار سو برس بعد جب چارلس عاقل نے فرانس کے شاہی کتب خانہ کی بناڈالی تو وہ نو سو جلدون سے زیادہ نہ جمع کرسکا اور انمین سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بہی نہ تہی کتب خانے علمی تحقیقات کے کارخانے اور آلات تعلیم وتحقیق کے لازمی وسائل ہین لیکن یہ محض وسائل ہی ہین اور انکا کارآمد ہونا محض انکے طریقہ استعمال پر موقوف ہے ممکن ہے کہ کسی شخص کا دماغ دوسرون کے علوم وفنون سے بہرا ہوا ہو مگر اس مین خود تحقیق یا اختراع کا مادہ ہی نہو اور وہ شاگردی کی حالت سے استادی کی حالت کو پہنچ ہی نہ سکے ان ایجادون اور اختراعون سے نبٹکر آگے آئیگا معلوم ہوگا کہ عربون نے اس علم سے جو انہون نے دوسرون سے اخذ کیا کسقدر کام کیا + یہان ہم محض ان اصول کو پیش کرینگے جنپر انہون نے اپنی علمی تحقیق کا مدار رکہا یونانیون کی شاگردی کرتے اور انکی تصنیفات کو پڑہنے کے بعد انہین بہت جلد معلوم ہوگیا کہ تجربہ اور مشاہدہ کو عمدہ عمدہ کتاب پر ترجیح ہے اگرچہ یہ قول الوقت ایک قضیہ مسلمہ ہے لیکن پہلے ایسا نہتا زمانہ متوسط کے علماء نے ایک ہزار برس کی محنت مین اس مسئلہ کو سمجہا +

تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل مین تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عموماً یکن[1]

[1] فرانس بیکن ایک بہت مشہور انگریز امیر اور مصنف ہے اس کی تصانیف کثرت سے ہین اور یہ اس فلسفہ جدیدکا جس مین شہادات اور استقرء سے کام لیا جاتا ہے موجد سمجہا جاتا ہے علاوہ مصنف و فلسفی اس نے دولت میں بہت بڑی بڑی خدمتین بہی حاصل کین اور بالآخر لارڈ چان کرکے عہدہ پر جو عدالتی عدالت مین سے اعلےٰ درجہ ہے مقرر ہوا سال پیدائش ۱۵۶۱ء سال وفات ۱۶۲۶ء +

کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس وقت تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس کے موجد عرب تھے کل تحقیقات یورپ علی الخصوص ہمبولڈ[1] جنہوں نے عربی تصنیفات کو دیکھا ہے اب اس امر کے قائل ہیں ہمبولڈ اس لکھنے کے بعد کہ علمی ترقی کا اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ انسان خود اور اپنے ارادہ سے یعنے بذریعہ تجربہ حوادث طبعیہ کو پیدا کر کے بطور تمثیل لکھتا ہے "عربوں نے یہ درجہ جس سے متقدمین ناواقف تھے حاصل کر لیا تھا"

موسیو سدی یو لکھتے ہیں "دارالعلوم کی تعلیم میں بہت بڑی بات یہ ہے کہ اس کی طرز استدلال بالکل علمی اصول پر مبنی ہے یعنے معلوم کے ذریعہ سے غیر معلوم کو دریافت کرنا حوادث کا درست مشاہدہ کر کے ان معلومات کے ذریعہ سے علل کو نکالنا۔ ان ہی قضایا کو ماننا جو تجربہ سے ثابت ہو چکے ہوں یہ ان اساتذہ کے اصول تحقیق تھے نویں صدی عیسوی کے عربوں کے یہ نتائج طریقہ تحقیق معلوم تھا جو سال ہائے دراز کے بعد ہمارے حال کے محققین کے ہاتھوں میں بڑی بڑی انکشافات اور ایجادوں کا آلہ بن گیا"

عربوں کا طریقہ تحقیق تجربہ اور مشاہدہ تھا اور برخلاف اس کے زمانہ متوسط کے یورپ کا طریقہ اساتذہ کے کلام کو پڑھنا اور انہیں رایوں کو بار بار بیان کرنا تھا ان دونوں میں بہت ہی اصولی فرق ہے اور بلا اس فرق کو مدنظر رکھے ہوئے ہم عربوں کی علمی تحقیقات کی پوری قدر نہیں کر سکتے ؛

پس عربوں ہی نے علمی تحقیقات میں تجربہ کو داخل کیا اور ایک زمانہ دراز تک صرف عرب ہی تھے جو اس طریقہ کی قدر جانتے تھے موسیو ڈیلامبر اپنی تاریخ ہیئت میں لکھتے ہیں "کہ اگر یونانیوں میں یہ مشکل دو یا تین اجرام سماوی کے مشاہدہ کرنے والے تھے تو عربوں میں برخلاف اسکے بکثرت ایسے لوگ موجود تھے یونانیوں میں علم کیمیا کا تجربہ کرنے والا کوئی نہ تھا برخلاف اس کے عربوں میں سینکڑوں تھے"

تجربہ کے طریقہ نے ان کی تحقیقات میں ایک صحت اور جدت پیدا کر دی تھی جو ان اشخاص کی تحقیقات میں نہیں پائی جاتی۔ جو حوادث کو کتابوں ہی میں دیکھتے ہیں البتہ ایک ہی علم یعنے علم فلسفہ میں جس میں تجربہ ممکن نہ تھا وہ محض مقلد رہے ؛

---

[1] الگزانڈر ہمبولڈ ایک بہت ہی مشہور جرمنی سیاح اور محقق ہے اس نے "دو عالم" پر ایک کتاب لکھی جو کل یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے۔ سال ولادت ۱۷۶۹ء سال وفات ۱۸۵۹ء مترجم

تجربہ کے ذریعہ سے جس کو انہوں نے جاری کیا تھا وہ بہت بڑے انکشافات اور اختراعات کرنے والے تھے اور جو بیان انکی علمی تحقیقات کا ہم نے درج کیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے تین یا چار صدی میں اس سے بہت زیادہ انکشافات کیے جو محققین یونان اس سے کہیں زیادہ مدت میں کرنے پائے تھے۔ وہ یونان کا علمی ذخیرہ جس کو مشرقیوں نے عربوں سے پہلے پایا تھا لیکن مدت سے کھو چکے تھے اسے عربوں نے بالکل بدل کر اپنے اختلاف کو پہنچایا۔

عربوں نے محض انکشافات ہی کے ذریعہ سے علم کو ترقی نہیں دی بلکہ انھوں نے اپنے دارالعلوم اور تصنیفوں کے ذریعہ سے اسکی اشاعت بھی کی اس خاص امر میں جو فائدہ یورپ کو ان سے ہوا وہ فی الواقع غیر متناہی ہے ہماری کتاب میں اس باب میں جہاں عربوں کے علمی اثر کا ذکر ہے معلوم ہوگا کہ چند صدیوں تک اقوام عیسائی کے استاد صرف عرب ہی تھے اور محض انہیں کے ذریعہ سے نہیں یونان و روم کے علوم قدیمہ حاصل ہوئے۔ وہ زمانہ بہت ہی قریب کا ہے جب سے عربی کتابوں کے ترجمے یورپی دارالعلوموں کی نصاب تعلیمی سے خارج ہوگئے ہیں ؛

مسلمانوں کی اس علمی زندگی اور اختراعات پر نظر کرنے کے بعد ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں قوت ایجاد کتنی بڑھی ہوئی تھی انہوں نے کبھی آنکھ بند کرکے گزشتہ علما کے اقوال یا فیصلوں کو نہیں مانا انہوں نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ ہر کام اور مسئلہ میں عقل کو بیکار کرنا درحقیقت ایک بہت بڑی کفران نعمت ہے حصول علم کا یہ طریقہ کہ فلاں عالم نے یہ کہا ہے اور فلاں عالم یہ کہتا ہے اور اسی پر قناعت کرلینی اعلیٰ علم کی بڑی پستی ہے مگر یہ پستی سے جب اندھی تقلید کی پٹی مسلمانوں کی آنکھوں پر بندھ گئی اور انہوں نے اپنی عقل کو بیکار کر دیا تو اس کا خمیازہ یہ اٹھانا پڑا کہ وہ ہمیشہ کے لئے علم سے بے بہرہ کر دئے گئے اور تاریکی میں چھوڑ دئے گئے ان کی عقلیں سلب کرلی گئیں ان کے قوائے باطنی میں رعشہ پیدا ہوگیا اور آخر وہ درجہ انسانی سے گر کے بہائم سیرت بن گئے۔ اگر آپ انصاف سے گزشتہ علما کی معاشرت اور آزادی رائے کا اندازہ کریں گے تو آپ کو کھل جائے گا کہ ہمارے کسی مفسر محدث یا فقیہ نے استنباط مسائل اور استخراج نتائج میں کبھی اپنی عقل کو بیکار کرکے بیہودہ تقلید نہیں کی اگر اس اندھی تقلید کا مادہ ان میں ہوتا تو فقہ کا ایک عظیم دفتر کبھی تیار نہ ہوسکتا آپ خیال فرمائیے کہ بزرگان دین کی پیروی سے صورت کیسے ہوتی تھی

کہ جب حضور انور کی حدیثوں میں اختلاف ہوتا تھا تو لوگ صحابہ کے اقوال کیطرف رجوع کرتے تھے اور اس بات کو دیکھتے تھے کہ آیا کس صحابی نے اس حدیث کو منسوخ کیا ہے یا اسمیں تاویل کی ہے یا انہوں نے اسکے ترک کرنے پر کوئی تصریح کی ہے +

ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد صحابہ کے اقوال کو تسلیم کرتے تھے مثلاً پانی کے برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی حدیث کے باب میں امام مالک رح کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث آئی ہے مگر مجھے اسکی حقیقت معلوم کرلینا اور جب تک انکی خواہش تھی کہ جو حدیث انکے آگے پیش کیجائے وہ اسکی حقیقت معلوم کرلیں اور جب تک اسکی حقیقت نہ معلوم کرلیں ہرگز اسپر عمل نہ کریں۔

صحابہ اور تابعین میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو ہر عالم کے نزدیک اپنے شہر والوں اور اپنے استاد و استاد وں کے مذہب مختار ہوتا تھا اس لئے کہ وہ انکے اقوال میں سے صحیح اور غیر صحیح کو خوب پہچانتے تھے اور جو اصول کہ ان اقوال کے مناسب تھے انکو خوب جانتے تھے اور انکا دل اس کے قبول اور نجر کی طرف زیادہ مائل ہوتا تھا۔ پس مدینہ والوں کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عمرؓ ابن عباسؓ۔ اور زید بن ثابتؓ اور انکے شاگرد مثلاً سعید بن مسیب فیصلے اور فتوے زیادہ معتبر تھے سلام میں کسی ایک شخص کی رائے کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا بخاری نے اس باب میں ایک باب منعقد کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تابعین کہ اور مدینہ والے علماء میں باہم سخت دشمنی ہے کسی مسئلہ خاص میں کیونکر فیصلہ ہو سکتا ہے اگر یہ امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ و ابراہیم کے اقوال کی تلخیص کریں اور پھر اس کا مقابلہ امام ابو حنیفہ کے مذہب سے کریں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ اپنے مذہب کی بنیاد ابراہیم کی تحقیق اور اصول پر رکھی ہے لیکن پھر بھی اکثر مقامات میں ان سے اختلاف کیا ہے پھر امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے امام ابو یوسف سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

خراسان اور ماوراء النہر میں امام ابوحنیفہ کا مذہب پھیلا دوسرے شاگرد آپ کے محمد بن حسن تھے جو بہ حیثیت ایک مصنف کے آپ کے کل شاگردوں میں زیادہ قابل اور فاضل مشہور ہیں انہوں نے پہلے امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف سے فقہ پڑھی پھر مدینہ آکے امام مالک سے موطا کا درس لیا پھر تحقیق کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے اصحاب کے مذہب کے ہر مسئلہ کو موطا سے مطابق کیا اگر موافق پایا فبہا اور جو موافق نہ پایا اور دیکھا کہ ہمارے اصحاب کے مذہب کیطرف صحابہ اور تابعین کا گروہ گیا ہے تو آپنے صحابہ کا مذہب نہ چھوڑا اور اگر کسی قیاس یا تخریج کو ضعیف پایا اور دیکھا کہ حدیث صحیح جسپر فقہا نے عمل کیا ہے اس کے مخالف ہے یا اکثر علماء کا عمل اسکے مخالف ہے تو اپنے اصحاب کے مذہب کو فوراً ترک کر دیا اور سلف کے مذاہب میں سے جس مذہب کو ارجح دیکھا اختیار کر لیا اُن علماء کو اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے استاد کی خواہ مخواہ تقلید کریں بکثرت ایسے مسائل موجود ہیں جس میں امام محمد اور ابو یوسف نے اپنے استاد امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے ؛

غرض امام محمد نے کتابیں تصنیف کیں اور ان تینوں کی رایوں کو جمع کیا۔ پھر ان تصنیفات کی تلخیص تقریب۔ تخریج۔ تائید اور استدلال کیطرف امام ابوحنیفہ کے اور شاگرد متوجہ ہوئے پھر وہ خراسان اور ماوراء النہر میں متفرق ہو گئے بس اسی کا نام مذہب ابوحنیفہ قرار پایا اب دیکھئے کہ مذہب ابوحنیفہ مذہب ابو یوسف اور محمد ایک شمار کیا گیا حالانکہ وہ دونوں مجتہد مطلق تھے اور ان دونوں کے اصول و فروع میں بہت کچھ مخالفت ہے ان تینوں کے مذہب اصول اور جامع کبیر میں مدون کئے گئے ہیں ان دونوں مذہبوں کے ظاہر ہونے اور اصول و فروع کے ترتیب دینے کے وقت امام شافعی پیدا ہوئے اب انھوں نے اگلے اماموں کی رائے کو غور سے دیکھا اور آنکھ بند کر کے اُنکی اندھی تقلید نہیں کی جو خداداد عقل خداوند تعالیٰ نے امام شافعی کو دی تھی اس کو انھوں نے معطل نہیں کیا اور اس بیہودہ خیال کو دور کر دیا کہ ہمارے فلاں بزرگ نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا آپ نے اصول سابقہ کو بطور خود جانچا تو معلوم ہوا کہ بہت سی باتیں ترک کرنیکے قابل ہیں آپنے اکثر ایسے امور کا تذکرہ کتاب الام میں کیا ہے اُن امور میں سے ایک یہ ہے کہ امام شافعی نے انہیں مرسل اور منقطع دونوں پر عمل کرتے پایا اس سبب سے آپ چوکنے ہوئے اور خیال کیا کہ جب حدیث کی کل سندیں

جمع کیجائیں تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ بہت سی مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں اور بہت سی مرسل حدیثیں حدیث مسند کے مخالف ہیں اس بات کو امام شافعی نے اچھی طرح سمجھ کے یہ اصول قرار دیا کہ جبتک چند شرطیں (کہ وہ کتب اصول میں مذکور ہیں) نہ پائی جائیں حدیث مرسل پر عمل کرنا نہ چاہیے اور ساتھ ہی امام شافعی نے اگلوں کے اقوال میں یہ نقص نکالا کہ مختلف حدیثوں کی تطبیق کے قاعدے ان کے پاس منضبط نہ تھے اس سبب سے ان کے اجتہادات میں خلل آجاتا تھا پھر امام شافعی نے قواعد تطبیق منضبط کئے اور ان کو کتاب میں جمع کیا ؛

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام شافعی امام محمد کے پاس آئے امام محمد کو دیکھا کہ وہ مدینہ والوں پر اس لئے طعن کرتے تھے کہ یہ لوگ ایک گواہ اور حلف کے ساتھ حکم کر دیتے ہیں امام محمد نے کہا آپ نے دیکھا کہ یہ کیسا ظلم ہے کہ کتاب اللہ پر زیادت کی جاتی ہے امام شافعی نے کہا کہ آپ پر یہ بات ثابت ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادت نہیں ہوتی امام محمد نے کہا ہاں اسپر امام شافعی نے یہ جواب دیا کہ آپ حضور انور کے اس قول کے سبب سے کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ہے یہ کیوں کہتے ہیں کہ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ موت کے حاضر ہونیکے وقت پر وصیت فرض کی گئی ہے اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں پیش کیں پس امام محمد کا کلام منقطع ہوگیا اور ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ بعض حدیثیں ان علماء تابعین کو جو معتبر نہیں ہے پہنچیں پس انھوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور عمومات کے مطیع ہوئے یا اگلے صحابہ کی پیروی کی پس انھوں نے اس کے مطابق فتوے دئے پھر اسکے بعد تیسرے طبقہ میں وہ حدیثیں ظاہر ہوئیں اور تیسرے طبقہ والوں نے اس لئے ان پر عمل نہیں کیا کہ وہ انکے شہر والوں کے طرز عمل سے مخالف تھیں اور یہی وجہ حدیث میں موجب طعن اور علت سقوط ہے یا یہ سمجھے کہ وہ حدیثیں تیسرے طبقہ میں بھی ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ اس کے بعد جب اہل حدیث نے حدیثوں کی اسناد جمع کرنے کی تفتیش کی اور جوانب ارض کیطرف سفر کئے اور طلب علم کا تجسس کیا تو یہ حدیثیں ظاہر ہوئیں بہت سی حدیثیں ایسی موجود ہیں کہ حضور انور سے صرف دو ایک صحابی کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا پس یہ حدیثیں فقہ والوں کو معلوم نہیں ہیں ہاں اہل ظہور حفاظ حدیث کے زمانہ میں جنہوں نے حدیث کی سندیں جمع کیں ہوا اور بہت سی حدیثیں ایسی ہیں کہ انکو مثلاً اہل بصرہ ہی روایت کرتے ہیں اور باقی اطراف عراق کے ان سے لاعلم ہیں غرض امام شافعی نے یہ بات بیان کی کہ علماء صحابہ اور تابعین

کی ہمیشہ سے یہ حالت رہی کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کو ڈھونڈھتے تھے جب حدیث نہیں ملتی تو دلیل کی کسی اور قسم پر عمل کر لیتے تھے پھر اسکے بعد جب حدیث معلوم ہو جاتی تھی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کے حدیث ہی کیطرف رجوع کرتے تھے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کا حدیث پر عمل نکرنا موجب طعن نہیں ہے ہاں اسوقت کہ علت طعن بیان کر دیں اسکی مثال قلتیں کی حدیث ہے کہ وہ صحیح حدیث ہے اور بہت سی سناد سے روایت کیگئی ہے اور اکثر سندیں لیدبن کثیر کیطرف رجوع ہوتی ہیں اور وہ محمد بن جعفر زبیر سے روایت کرتا ہے یا محمد بن عباد بن جعفر کیطرف رجوع ہوتا ہے اور وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کرتا ہے اور وہ دونوں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں پھر اس کے بعد سندیں متفرق ہو گئیں ۔

یہ دونوں شخص اگرچہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں لیکن مفتیوں اور ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جو مشہور تھے پس یہ حدیث سعید بن مسیب کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئی اور نہ زہری کے زمانہ میں اسکا پتہ تھا اور مالکیہ اور حنفیہ اسپر نہیں چلے اور اسپر عمل نہیں کیا اور امام شافعی نے اس حدیث پر عمل کیا آپ اس بحث کو جو بہت مفید اور بڑی تحقیق و تفحص سے لکھی جا رہی ہے خوب غور سے پڑھیئے اور اگر ممکن ہو تو اسکے مطالب کو اپنے خیال میں رکھئے تاکہ آپ کو مجتہدوں کے اختلاف کے اسباب اور اصلی وجہ معلوم ہو جائے آپکو معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف مثانی اسلام نہیں ہے جیسا کہ عام جہلا سمجھتے ہیں شافعی ہو یا مالکی حنبلی ہو یا حنفی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اصول ان سب کے ایک ہی ہیں اور اس اختلاف سے چونکہ معاملات دین میں کوئی خلل نہیں پڑتا اس لئے اسباب کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اس فروعی اختلاف سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے آمین بالجہر یا سورۃ فاتحہ خلف امام یا رفع یدین وغیرہ وغیرہ مسائل میں جو اختلافات پیدا ہوئے ان کے اسباب وہی ہیں جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسلئے عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے اماموں کے اقوال پر خاص ان معاملات میں عمل کریں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں ۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ حدیث خیار جہت سی اسناد سے روایت کی گئی ہے اور اس حدیث پر صحابہ میں سے ابن عمر ابو ہریرہ نے عمل کیا ہے اور فقہائے سبعہ در انکے اقران پر یہ حدیث ظاہر نہیں ہوئی اسلئے خیار مجلس کے قائل نہیں ہوئے پس امام مالک اور ابو حنیفہ نے اس حدیث میں موجب طعن جانا اور گو امام شافعی نے اسپر عمل کیا ہے بتایئے کہ امام شافعی کا مقلد کیونکر ملزم بن سکتا ہے یا فقہائے سبعہ

میں سے ایک فقہ کا مقلد کیونکر قصوروار ٹھیر سکتا ہے دونوں گروہوں کے پاس معقول وجوہات موجود ہیں اور اس لئے دونوں گروہ حق پر ہیں اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چاروں مجتہدوں کے مقلد حق پر ہیں اور ان میں کوئی گروہ ناحق پر نہیں ہے ۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ امام شافعی کے زمانہ میں صحابہ کے اقوال جمع کئے گئے پھر اُنکی بہت کثرت ہوگئی اور پیروہ باہم متفرق اور مختلف ہوگئے مگر یہ بات دیکھنے کی ہے اور امام شافعی کی مذاق تحقیق پر دلالت کرتی ہے کہ امام شافعی کو جب بکثرت اقوال صحابہ دستیاب ہوئے تو اپنے آنکھ بند کرکے تسلیم نہیں کیا بلکہ بطور خود ان میں تحقیق کی اور جانچا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے بہت سے اقوال احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں کیونکہ اُنکو وہ حدیثیں نہیں پہنچی تھیں اور امام شافعی نے یہی تحقیق کیا کہ ایسی صورت میں سلف ہمیشہ حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے پس ایسی حالت میں انھوں نے صحابہ کے اقوال کو بالکل ترک کر دیا تھا ۔

امام شافعی نے فرمایا ہے کہ صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں جسطرح ہم سے غلطی کا ہونا ممکن ہے اسیطرح صحابہ بھی غلطی سے بری نہیں ہیں بس یہی خیال تھا جس نے مسلمانوں میں تحقیق کا مذاق پیدا کر دیا تھا جو شخص پیدا ہوتا تھا اسکی تمام عمر یہ خواہش رہتی تھی کہ کسیطرح میں بھی تحقیق کروں اور کوئی ایسی بات پیدا کروں کہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچے ۔

انہوں نے مثل موجودہ نسل اسلام کے اپنے قوائے باطنی کو معطل نہیں کر دیا تھا اور نہ اپنے علم کا انحصار محض اپنے سلف کی تحقیق پر رکھا تھا اگر ہم اتنا علم حاصل کرلیں کہ لاکھوں علماء کے اقوال زیر ہوں تو بھی یہ قابلیت محض فضول ہے جب تک ذاتی تحقیق کا مادہ نہو اور بطور خود یہ ثابت نکریں کہ ان اقوال میں مادہ تحقیق اور صداقت کتنا ہے آنکھ بند کرکے ہرگز کسی کے قول کو تسلیم نہ کیجئے امام شافعی کے فیصلے کو دیکھئے کہ صحابہ جب ہماری طرح سے آدمی تھے پھر ہم کیوں آنکھ بند کرکے اُن کے اقوال کو مان لیں آپ ہرگز اس کی پروا نہ کیجئے کہ آپکے مرشد کا یہ کلام ہے آپکا ہم عقیدہ مولوی یہ کہتا ہے اس بات کو بالائے طاق رکھئے اور اپنی عقل فہم اور جوہر ضمیر کو بیکار کرکے کفران نعمت نہ کیجئے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں خدا نے اپنی رحمت کسی خاص زمانہ کے لئے مخصوص نہیں کی ہے آپ کیوں اس رحمت سے محروم رہتے ہیں ۔

اور انہیں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ امام شافعیؒ نے فقہا میں سے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ رائے کو جسے شرع نے جائز نہیں قرار دیا ہے اور قیاس کو جو شرع سے آپس میں ملا دیتے ہیں درمیان دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور اپنے طور پر انھوں نے اس کا نام استحسان رکھ چھوڑا ہے۔ عضدنی نے شرح مختصر الاصول میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے استحسان کرنیوالوں کو سخت حقارت سے دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص استحسان کرتا ہے بجائے خود شارع بننا چاہتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا رشد یعنی دانشمند ہو جانا ایک پوشیدہ امر ہے مگر انھوں نے پچیس برس کی عمر قرار دی کہ جب یتیم کی عمر پچیس برس کی ہو جائے تو اسکا مال اُسکے سپرد کر دیا جائے اسکو استحسان کہتے ہیں اور قیاس یہ تھا کہ اُس کا مال اُس کے تفویض نہ کیا جائے۔

غرض یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ نے آزادانہ طور پر گزشتہ فقہا کی رائے میں کمزوری دیکھی۔ تو انھوں نے ایک جدید فقہ کی بنیاد ڈالی اور اسکے نئے اصول قائم کئے اور فروع لکھے کتابیں تصنیف کیں ٹھیک ٹھیک مسئلے بیان کئے اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا اکثر فقہا کا امام شافعی پر اتفاق ہو گیا انھوں نے امام موصوف کی کتابوں کا اختصار کیا اور شرحیں لکھیں پھر وہ مختلف شہروں میں متفرق ہو گئے اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا استخراج مسائل اور آزادی رائے کا دروازہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے بند کر دیا گیا یا مسلمانوں نے بطور خود اپنے اوپر بند کر لیا اگر مسلمانوں میں علم قائم رہتا اور آزادی رائے کی قدر ہوتی تو ہر زمانہ میں امام اعظم امام شافعی جیسے ہزاروں علما پیدا ہو جاتے۔ مگر بدقسمتی سے اندھی تقلید نے رہا سہا مسلمانوں کا کچھ مرنجالدیا اور انکو کسی گھر کا نہ رکھا جو قوم اپنے بزرگوں کے اقوال پر فریفتہ ہو گی وہ کبھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی۔

ہم نے اب تک جو کچھ لکھا اس سے ناظرین کے لئے اختلافی اسباب کا سمجھنا بالکل کافی ہے اور ہماری اس کل بحث کو غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف زمانہ کا مقتضی تھا اور یہی بنیاد ہے روایتوں میں اختلاف ہونے کی اب ہم اس باب کو ختم کرتے ہیں اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات شروع کرتے ہیں اور ساتھ ہی ہم یہ التزام کرینگے کہ حالات لکھتے وقت ساتھ ساتھ معترضوں کے جواب بھی دیئے جائیں خداوند تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

تیسرا باب

حضور انور کی پیدائش

اور

بچپن

حضور انور کی پیدائش کی کوئی ٹھیک تاریخ نہیں معلوم اس معاملہ میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے مگر اندازاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول سال فیل میں پیدا ہوئے یعنی حاکم یمن کے مکہ پر حملہ کرنے کے ایک مہینہ اور بیس دن بعد آپ کی پیدائش ہوئی عیسوی تاریخ ۲۰ اگست سنہ ۵۷۰ بیان کی گئی ہے وہ معجزات کہ جو آپ کی پیدائش سے دنیا پر ظاہر ہوئے حضرت آمنہ کی زبانی مفصلہ ذیل بیان کئے جاتے ہیں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک ہولناک آواز سنی جس سے میرے تن بدن میں رعشہ پڑ گیا کہ اتنے میں ایک سفید پرند آیا اور اس نے اپنے بازو میرے سینہ پر رکھے جس سے مجھے تسکین ہو گئی پھر مجھے پیاس کی شدت معلوم ہوئی کہ اتنے میں ایک نامعلوم ہاتھ نے ایک پیالہ ایک شے کا بھر کے مجھے دیا وہ چیز دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی تھی پھر آسمان سے آوازیں آنے لگیں اور چاروں طرف قدموں کی آہٹ مسموع ہوئی مگر کوئی شخص مجھے دکھائی نہیں دیا پھر ایک چادر آسمان سے بچھائی گئی اس نے مجھے ڈھانک لیا ہفت بریں کے چند پرند آئے اور انھوں نے میرے پیٹ کے دونوں پہلوؤں پر اپنے بازو رگڑے جس سے درد کی تکلیف کم ہو گئی۔

جوں ہی محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا آپ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اپنی امت کی مغفرت کی دعا مانگی اس کے علاوہ چھ معجزے اور بھی بیان کئے جاتے ہیں اوّل یہ ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپکی مسلمانی ختنہ کی ہوئی تھی دوسرے آپ نے صاف آواز میں اسلام کی حقیقت بیان کی تیسرے آپ کے شانہ مبارک پر نبوت کی مہر ثبت تھی چوتھے تین آدمی آسمان سے اترے ان کے چہرے مثل آفتاب کے درخشان تھے ان کے پاس ریشم کے رومال اور چادریں تھیں انہوں نے سات دفعہ آپکو دھویا اور آپکو برکت دی اور آپکو شہنشاہ مخلوق انسان کے الفاظ سے

خطاب کیا غرض اس قسم کے اور بھی معجزے ہیں مثلاً کاتب الواقدی اور سپتامی میں لکھا ہے کہ دنیا میں اس کا ظہور ہوتے ہی شام اور ایران میں ایک نور سا ہو گیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ ایران کے آتشکدے بجھ گئے اور بت اوندھے ہو گئے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی علامتیں بیان کی گئی ہیں ہمارے دوست سر ولیم میور صاحب نے ان روایتوں پر بڑا قہقہہ اڑایا ہے۔ مگر ہم کوئی ثبوت ان کے غلط ہونے کا نہیں رکھتے جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کو دنیا نے بعد انہاں اپنی آنکھوں سے دیکھا بیشک شام اور ایران میں اسلام پھیلتے ہی انصاف اور خدا پرستی کا نور ساری ہو گیا اور بت پرستی اور ظلم کی تاریکی جاتی رہی آتشکدے سرد ہو گئے اور کسریٰ کے محل کا نہ صرف کنگورہ بلکہ تمام عمارتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں بت اوندھے ہو گئے یعنی اپنی جگہ سے گرا دئے گئے آسمان سے مخلوق پر برکتیں نازل ہونے لگیں۔

حضور انور کا پیدا ہوتے ہی بارگاہ خداوندی میں سجدہ کرنا یہ مضمون رکھتا ہے کہ آپ کی پیدائش خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے ضامن تھی اگر یہ باتیں حضرت بی بی آمنہ کی زبان سے بیان ہوئی ہیں صحیح تسلیم کر لی جائیں تو اس شخص سے زیادہ کون روشن ضمیر ہو سکتا ہے جسکے آگے زمانہ کے واقعات کا کامل نقشہ کھنچ گیا میور یا اس کے اور ہمخیالوں نے تناقض اعتراض کی تکلیف برداشت کی مسلمانوں کا دارومدار ان روایتوں پر نہیں ہے آئندہ ان خبر احاد کی اسقدر وقعت نہیں ہے بالمبنیہ اگر روایتوں کو لغو کہا جائے تو ان سے تعزیہ کیا جائے اور ان پر توجہ کیا ہے تو ان میں حضور انور کے آئندہ واقعات زندگی اور آپ کی کامیابیاں چھپی ہوئی ہیں دراصل کوئی بڑا عالی دماغ شخص تھا جس نے یہ روایتیں بیان کیں اس نے اصل پر چھوٹے چھوٹے پانور کی آئندہ زندگی کا نمونہ کھینچ کے دکھایا ہے اور یہ ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا سر ولیم میور یا انکے ہمخیالوں پر افسوس ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح کے معجزات کو جو خلاف قانون قدرت اور قیاس ہیں تو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا اور شافع روز محشر کے معجزوں پر حرف زنی کی۔

حضور انور کے پیدا ہوتے ہی حضرت بی بی آمنہ نے عبد المطلب کے پاس جو شہر میں خبر بھیجی کہ تمہارے ہاں پوتا پیدا ہوا ہے جس وقت قاصد خبر لے کر پہنچا ہے عبد المطلب کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے اور ان کے گرداں کے بیٹے اور قبائل کے سردار حاضر تھے جوں ہی عبد المطلب نے یہ خبر سنی

مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے فوراً اٹھ بیٹھے اور سیدھے بی بی آمنہ کے پاس آئے بی بی آمنہ کو جو کچھ دکھائی دیا تھا انھوں نے صرف بہ صرف کہہ سنایا۔ عبدالمطلب بچہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کا نام محمد رکھا گیا۔

مکہ کی عالی خاندان عورتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلایا کرتی تھیں بلکہ اناؤں کو بلا کے دودھ پلواتی تھیں یا اناؤں کے حوالے اپنے بچوں کو کر دیتی تھیں اس سے بچوں کو دودھ دوھ را فائدہ ہوتا تھا کہ دودھ بھی پیتا اور پرورش بھی پاتا۔

اسی قاعدہ کے مطابق حضور انور کو بھی بی بی آمنہ نے ایک بدوی عورت کے حوالہ کر دیا یہ بدوی عورت آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی جس نے امیر حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا آپ اور آپکی بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے انا کے ساتھ سلوک کیا اس کو کپڑے دیا کرتیں اور جب وہ آتی تو اسکی بہت خاطر و مدارات کی جاتی۔

۶ ہجری میں جب آپ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے اپنی انا کی وفات کی خبر کو سنا بہت ہی افسوس ہوا آپ نے فوراً اس کے بیٹے اور اپنے ہمشیر کو مدینہ بلوانے کے لئے آدمی بھیجا لیکن معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے اور اب کوئی اسکی اولاد نہیں رہی۔

چند روز تک تو ابولہب کی لونڈی نے آپ کو دودھ پلایا کہ اسی اثنا میں قبیلہ بنی سعد کا ایک گروہ مکہ میں پہنچا اس کے ساتھ دس عورتیں تھیں جنہوں نے مکہ والوں کے بچوں کو دودھ پلانے کی درخواست کی چنانچہ انہیں بچے مل گئے صرف حلیمہ باقی رہیں اور انھوں نے بڑی دقت سے ہمارے ہادی برحق کو دودھ پلانے کے لئے حاصل کر لیا۔

آپ کا شیر خوارگی کا زمانہ قبیلہ بنی سعد میں حلیمہ اور اس کے خاوند کے ساتھ بسر ہوا دو برس کے بعد حلیمہ حضور انور کو اپنے ساتھ گھر پر لے گئی حضرت بی بی آمنہ اپنے بچہ کی صحت اور تندرستی دیکھ کے اس قدر خوش ہوئیں کہ جب ہمارے نجات دہندہ کو حلیمہ دوبارہ مکہ میں لے کر آئی تو حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا تو اسے پھر واپس صحرا میں لیجا مجھے ڈر لگتا ہے کہ مکہ کی بری آب و ہوا میرے بچہ کی صحت پر اثر نہ کرے حلیمہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنے قبیلہ میں اپس لیکر چلی گئی جب دو برس اور گزر گئے تو یکایک ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جب آپ کی چار برس کی عمر ہوئی تو آپ ایک روز صبح کے وقت اور بچوں کے ساتھ

صحرا میں کھیل رہے تھے کہ یکایک دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور آپ کو اٹھا لیا اور ایک علیحدہ مقام پر لیجا کے آپ کا پیٹ چاک کیا اور پانی اور برف سے سونے کے طشت کے اندر پیٹ کی چیزوں کو اچھی طرح سے دھو دیا پھر دیکھا کہ آپ میں ایک ہزار آدمیوں کے مجموعی وزن سے زیادہ بوجھ ہو گیا اس پر جب فرشتہ دوبارہ آپ کو وزن کرنے لگا تو دوسرے فرشتہ نے یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر اب کے وزن کیا گیا تو آپ اپنی کل قوم کے مجموعی وزن سے بڑھ جائیں گے (واقدی)

اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ سورۂ الم نشرح میں اگرچہ اس واقعہ کو وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا لیکن اس بات کو صاف طور پر کھول دیا ہے کہ شارح روز محشر کا سینہ معرفت سے بھر دیا گیا تھا جو روایتیں سینہ چاک ہونے کی نسبت کتب واقدی وغیرہ میں درج ہیں ان کے طرز بیان میں صرف فرق ہے مگر مطلب وہی ہے جو خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم نشرح لک صدرک الخ (ترجمہ)

(اے نبی) کیا ہم نے تمہارا سینہ (اپنی معرفت کے لئے) کشادہ نہیں کر دیا۔ اور تم سے تمہارے (گناہوں) کے بوجھ کو دور نہیں کر دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے تمہاری دلداری کیلئے تمہارا ذکر بلند کر دیا پس بیشک یاد رکھو کہ دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے پس جب تم (اپنے کاروبار سے) فارغ ہو تو (ہماری عبادت میں) محنت کرو۔ اور اپنے رب کی طرف دل لگاؤ۔

اس سورۃ کو غور سے پڑھنے کے بعد سینہ کے چاک ہونے اور ایسے چاک ہونے کا مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہیں بھی اشارہ نہیں مگر جو واقدی اور دوسرے نے ہے وہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا۔ صرف ہماری سمجھ کا قصور ہے کہ ہم نے اس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ سینہ اس کے اور ہمیشہ معترضین کی یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جو رکھتے تو اُنکے پاس جسم والی چیزوں کا ہونا عقل کے خلاف ہے وہ نور کے طشت اور چھری بھی نور کی ہوگی اور اس نور کی چھری سے چاک کرنے غلط استدلال کرنا اور اپنے اسی استدلال سے دوسرے مذہب پر حملہ

اس صورت میں خداوند تعالیٰ نے حضور انور کے گناہوں کیطرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مگر اس کے معنے یہ نہیں ہیں جو عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں خیال میں آسکتا ہے کہ معصوم بچے سے جو ابھی شکم مادر سے عالم ظہور میں آیا ہے کیا گناہ ہو سکتے ہیں اسکا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ ہم نے پیدا ہوتے ہی کل انسانی کمزوریوں کو تمہاری ذات سے سلب کر دیا اور تمہیں کامل انسان بنا دیا الم نشرح سے اوپر سورۃ والضحےٰ میں اپنے احسانات خداوند تعالیٰ نے اپنے محترم نبی کو جتائے ہیں اور اس بات کو بتایا ہے کہ اللہ نے تم کو یتیم پایا اور تم کو اپنی رحمت میں جگہ دی اسیطرح کل بچپن کے حالات اور انعامات یاد دلا کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم نے محمد صلعم کو ایک کامل انسان بنا کے دنیا کے لئے بھیجا ؛

سینہ کشادہ ہونے کے واقعہ کے بعد اتا کے خاوند کو خوف معلوم ہوا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اس بچہ کو لیجا اور اس کی ماں کو دے آچنانچہ وہ بھاگی ہوئی حضرت بی بی آمنہ کے پاس آئی اور یہ سارا ماجرا بیان کیا یہ سنتے ہی حضرت بی بی آمنہ نے فرمایا " افتخوفت علیہ الشیطان " یعنی کیا تجھے خوف ہوا کہ ایک شیطان نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جس بچہ کی پیدائش میں مافوق الفطرۃ باتوں کا ظہور ہوا ہو اس بچہ پر کیونکر شیطان قبضہ سکتا ہے حضرت بی بی آمنہ چونکہ اس قوم سے تعلق رکھتی تھیں جہاں قسم قسم کے حادثات شیطانی کاموں پر محمول کیا جاتا تھا اس لئے ان کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا۔ اس میں اختلاف ہے۔ ہشامی اور کاتب واقدی دونوں آپس میں مختلف ہیں ہشامی تو لکھتا ہے خوف طاری ہوا کہ اس نے حضور انور کے دوبارہ لیجانے سے انکار کیا۔ مگر کاتب واقدی لکھتا ہے کہ حلیمہ دوبارہ حضور انور کو اپنے ساتھ لیگئی۔ اصل یہ ہے کہ ان واقعات کو رائے قائم نہیں ہو سکتی اور حضور انور کا یہ زمانہ زندگی ایسی ہی نامعلوم حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے پندرہ سال گمنامی میں بسر ہوئے ؛

اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب حلیمہ اور اسکے خاوند نے حضور انور کو لوگ اوہام باطلہ میں پھنسے ہوئے تھے انہیں خوف معلوم ہونے لگا اسلئے بچہ سے نجات حاصل کریں۔ حلیمہ دوڑی ہوئی بی بی آمنہ کے پاس آئی ان کے بی بی آمنہ نے اسے تسکین دی اور کہا کہ اس قسم کے حادثات سے

تجھے ڈرنا نہ چاہئے تو میرے بچہ کو بھیجا اور پرورش کر حلیمہ کو جبکہ حضور انور سے بہت محبت ہو گئی تھی اس لئے وہ پھر آپ کو اپنے گھر لے گئی لیکن جب آپ کی پانچ سال کی عمر ہوئی تو ایسی شق کا ظہور ہوا جس سے حلیمہ بہت خوف زدہ ہوئی اور اب کے اس نے ارادہ کر لیا کہ اس بچہ کو اس کی ماں کے حوالے کر دیا جائے جب وہ حضور انور کو مکہ لیکر آئی تو راستہ میں آپ گم ہو گئے حلیمہ بہت گھبرائی کہ یہ کیا غضب ہوا سارے میں ڈھونڈتی پھری لیکن آپ کا کہیں پتہ نہ لگا ناچار وہ آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئی اور کہا کہ یہ واقعہ گزرا ہے عبدالمطلب نے اپنا ایک بیٹا حضور انور کو تلاش کرنے کے لئے اسکے ساتھ کر دیا جب دونوں نے مل کے تلاش کیا تو آپ کو بلندی مکہ پر پھرتے ہوئے دیکھا پھر دونوں شخص حضور انور کو وہاں سے لے آئے اور آپکی والدہ کے سپرد کر دیا ۔

ہشامی اس بات سے انکار کرتا ہے وہ کہتا ہے رحلیمہ ابن المطلب کے پاس نہیں آئی تھی ۔ بلکہ جس شخص نے آپ کو تلاش کیا ۔ وہ مشہور رقہ تھا مگر عبدالمطلب کو حضور انور کے گم ہو جانے کی خبر ہو ضرور گئی تھی کیونکہ نہیں کعبہ کے ایک بت سے منت مانی تھی کہ اگر میرا پوتا لگ گیا تو میں یہ نذر چڑھاؤنگا ۔

حضور انور نے اپنی عمر کا چھٹا سال اپنی والدہ کی آغوش محبت میں بسر کیا ۔ بی بی آمنہ ایک سال تک مکہ میں رہیں پھر آپ مدینہ روانہ ہوئیں تاکہ ننہال کے لوگوں سے آپ کو ملائیں چنانچہ آپ اپنی لونڈی ام ایمن کو لے کر اور دو اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں جب یہ مدینہ پہنچیں تو آپنے اس گھر میں قیام کیا جہاں آپ کے شوہر کی وفات ہوئی تھی آپ کی روشن ضمیری ۔ عالی دماغی اور تیز فہمی کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ جب آپ ۵ سال کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتے ہیں تو آپنے اس گھر کو پہچان لیا اور یہ فرمایا اس مقام پر میں کھیلا کرتا تھا یہاں میری والدہ مجھے لے کے اُتری تھیں اور خاص اس مقام پر میری والدہ کی قبر ہے ۔

ایک مہینہ کے بعد حضرت بی بی آمنہ واپس مکہ روانہ ہوئیں مگر ابھی آپ نے نصف راستہ طے کیا ہو گا کہ آپ ایکایک بیمار ہو گئیں اور آپکا انتقال ہو گیا حضور انور کی یہ مظلومانہ حالت دیکھ کے مسنگدل سے سنگدل کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں آپکی پیدائش سے دو مہینے قبل آپ کے نوجوان باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ آپنے یتیم بن کے دنیا میں ظہور کیا تھا ۔ مگر جب آپ کی چھ برس کی عمر ہوئی تو آپ یہاں کو ان سمجھے اور شفقت مادری کے محسوس کر ۔

مہربان ماں اور گھر کی ایک لونڈی کے ساتھ مدینہ کی دشوار گزار راہوں میں سفر کر رہے تھے سنگلاخ چٹانوں اور بے آب و گیاہ صحرا میں آپ کی والدہ کے بیماری سے تڑپ کر جان دینے نے آپ کو اس اور پاکٹ ل پرکس قدر صدمہ دیا ہوگا اس تاریخ سے گویا دہری یتیمی کا تمغہ آپ کو پہنایا گیا آپ تنہا بے یار و مددگار انہیں سنگلاخ چٹانوں میں لق و دق صحراؤں اور دشوار گزار راستوں میں ہوکے پرنم آنکھوں کے ساتھ مکہ میں پہنچے ۔

یہ مختصر واقعات ہیں آپ کی پیدائش پرورش اور حادثات سماویہ کے آپ کے والد ماجد سوقت مدینہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپکی والدہ ماجدہ دار النابغہ میں پڑی سوتی تھیں جس وقت ام ایمن اس دوہرے یتیم بچہ کو لے کر مکہ میں آئی ہے تو پہلے سیدھی عبدالمطلب کے پاس گئی جون ہی شیخ نے اپنے پوتے کو دیکھا فوراً گود میں لے لیا مگر جب اس جانکاہ حادثہ کی خبر سنی تو زار زار روئے لگے اور آپ کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہوئے ۔

آپ حضور انور کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے بیداری اور خواب میں بار بار آپکے پاس جاتے تھے اور کبھی کبھی بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے یہ نکل جاتا تھا کہ اے محمدؐ تو ایک دن ضرور حاکم اور سردار بنے گا سنا ہے کہ اسی عرصہ میں ایک کاہن نے عربوں کے ایک مجمع میں یہاں کیا کہ اس بچہ کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ بڑا ہو کے تم سب پر قابو پالیگا یہ آواز عبدالمطلب کے کان تک بھی پہنچ گئی تھی اس لئے وہ اپنے پوتے کی اور بھی خبر گیری کرتے تھے ۔

جب آپ کی سات برس کی عمر ہوئی تو قبیلہ بنی سعد کا ایک گروہ مکہ میں آیا یہ بات مشہور تھی کہ یہ لوگ قیافہ میں بڑی مہارت رکھتے ہیں وہ سب لوگ عبدالمطلب سے آکے ملے اور کہا کہ اس بچہ کی جہاں تک ممکن ہو خوب حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے مقام ابراہیم میں اس بچہ کے قدم کی برابر شباہت کوئی قدم نہیں دیکھا عبدالمطلب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ابو طالب کو بلا کے کہا سن یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور تم ایمن کو بھی تاکید کی کہ اس کی پوری نگرانی کیا کرو ۔

پے در پے کچھ ایسے واقعات کا ظہور ہوا کہ عبدالمطلب کے خیال میں اور بھی قوت پیدا ہوتی گئی اور آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ میرا پوتا قطعی ایک دن قوم کا سردار ہوگا آپ صرف اس خیال سے کہ یہ صنم برکت کا ہاتھ اس کے سر پر ہے حضور انور کو بارش کے لئے دعا مانگنے لے گئے قوم کے اور لوگ سے

بہت سے لوگ ساتھ تھے خدا کی شان آپ نے جس وقت اپنے ننھے ننھے مقدس ہاتھوں کو بارگاہ ایزدی کیطرف پھیلا کے یہ کہا ہے اے تمام دنیا کے الک پیغمبر برسا تاکہ ہماری زندگی ہو جائے فوراً بارش ہونی شروع ہوئی اور جل تھل بھر گئے ؛

عرب کے مورخوں نے رقیہ بنت ابی صنی عبدالمطلب کی بھتیجی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ چند سال سے مکہ اور مضافات مکہ میں ایسا قحط پڑا رہا تھا کہ غلہ کا نام و نشان نہ رہا تھا جب قحط و مصیبت کی حد ہوگئی تو میں نے خواب میں دیکھا اور بیداری میں بھی یہ بات سنی کہ اے قریشیو آخر زمانہ پیغمبر کا ظہور ہو گیا ہے یہ وہی پیغمبر ہے جس کی وجہ سے تم عیش کرو گے بارش ہوگی تمھیں روزی ملی جائیگی اس کی صورت و شکل یہ ہے اور اس حسب و نسب کا ہے تم اسے کوہ ابوقبیس پر لیجاؤ اور جس وقت وہ بارش کی دعا کرے تو سب مل کر آمین کہو ہم اسکی دعا قبول کریں گے اور ہمیشہ برسیا وے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قریش زندہ ہو گئے جس وقت قوم قریش کو معلوم ہوا کہ محض اس بچہ کی برکت سے بارش ہوئی ہے تو ان سب آدمیوں نے عبدالمطلب کو آگے مبارکباد دی اور عبداللہ بن جدعان اور شہاب الدین بن مغیرہ نے عبدالمطلب سے خطاب کر کے یہ کہا لہ اے ابوالبطحا یہ نعمت عظمیٰ جو تجھے حاصل ہوئی ہے مبارک ہو ؛

اسوقت عبدالمطلب کی عمر ۸۰ برس کی تھی آپنے جس شفقت سے حضور انور کو پرورش کیا ایسا آپنے کسی بیٹے کو بھی نہیں پالا جب آپ کعبہ میں غالیچہ پر بیٹھتے تھے چونکہ آپ قریشوں کے سردار تھے اس لئے بیاس ادب بڑے بڑے عرب اور آپ کے بیٹے مسند سے علحدہ ہو کر بیٹھتے تھے مگر حضور انور ہمیشہ پہلو بہ پہلو نشست فرمایا کرتے تھے ایک دن کثرت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ اسی طرح اپنے دادا کا پہلو دبا کے جا بیٹھے آپ کے چچاؤں یعنے عبدالمطلب کے بیٹوں کو یہ برا معلوم ہوا انھوں نے چاہا کہ ہم محمد کو وہاں سے ہٹا دیں مگر عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کو منع کیا اور کہا اس سے ہرگز نہ بولو جو کچھ یہ کرتا ہے کرنے دو اس کے پاس بیٹھنے سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے اب بھی حضور انور کو آپ اپنی پرورش کرتی تھیں مگر آپ اس کے پاس ٹھیرتے بہت کم تھے اور پہچان آپنے اپنے دادا کو کمرہ میں تنہا پا یا فوراً بھاگ کے چلے آتے ؛

عبدالمطلب کی وفات	ماں کی شفقت کا سایہ ایک عرصہ ہوا کہ اٹھ چکا تھا باپ کی ہر ہا

یتیم مقدس بچہ نے کبھی دیکھی نہ تھیں دادا جو اس غیر معمولی محبت سے پیش آتا تھا۔ وہ بھی عنقریب جدا ہونے کو ہے یکایک بیاسی برس کی عمر میں عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا آپکے وفات کے ۸ ماہ بعد ام ایمن کہتی جاتیں اس مقدس یتیم بچہ کو اپنے دادا کی وفات سے اسقدر صدمہ ہوا کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی جسوقت عبدالمطلب کی وفات ہونے لگی ہے تو انہوں نے اپنے بیٹے ابوطالب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ دیکھ کسی صورت سے اس کی دلشکنی نہ کیجیو بے مادر و پدر ہے اور کوئی اسکا سرپرست نہیں تو اس پر شفقت کیجیو اور نہایت اخلاق اور محبت سے اس کو پالیو اور تربیت دیجیو دیکھ کبھی کسی بات سے اس کا دل میلا نہ ہو۔ ابوطالب نے اس وصیت کو سنا اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

عبدالمطلب کی وفات سے ہاشم کے خاندان کا کوئی سرپرست رہا۔ جو عظمت اور قوت اپکو حاصل تھی وہ یکایک دوسرے شخص کو حاصل نہ ہو سکتی تھی کیونکہ بنی ہاشم کا پہلو کسقدر کمزور ہو گیا تھا اس لئے ابوسفیان کے باپ کی وقعت زیادہ بڑھ گئی عبدالمطلب کے صاحبزادوں زبیر۔ ابوطالب ابولہب عباس اور حمزہ زندہ تھے۔ مگر حارث کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضور انور کے پدر بزرگوار عبداللہ اور آن کے بھائی ابوطالب ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اس وقت عباس اور حمزہ بہت چھوٹے چھوٹے تھے اگر اس خاندان میں کچھ وجاہت حاصل تھی تو ابوطالب کو تھی۔ کیونکہ زبیر اگرچہ ان سے بڑے تھے لیکن مفلسی کی وجہ سے وہ اس معزز سرداری کے فرائض کو انجام نہیں دے سکتے تھے اس لئے سب نے مل کے ابوطالب کو خاندان کا سردار تسلیم کیا تو یہی سقایہ حرم بننے کا عہدہ صرف اس خاندان میں رہا باقی حاجیوں کے کھانے پینے کے سامان کرنے کا انتظام دوسرے گروہ کے ہاتھ میں آگیا جس کا سردار نوفل پسر عبدمناف تھا۔

عباس بجائے خود دولتمند تھے اور چاہ زمزم کی نگرانی انہیں کے سپرد رہی اور جب اسلام کا ظہور ہوا ہے تو زمزم کو حضرت عباس کے خاندان نے حضور انور کے حوالہ کر دیا حضرت عباس اپنی قوم میں کچھ کم وجیہ نہیں تھے آپ بڑے زبردست دل و دماغ کے شخص تھے ان کے مقابلہ میں ابوطالب میں گرچہ تمام شرائط جوہر موجود تھے مگر بعض اوقات دلیری کی وجہ سے وہ اکثر امور کی سربراہی نہیں کر سکتے تھے سے رفتہ رفتہ بنی ہاشم کی قوت اور عظمت کا تنزل مرفق معابل کی برتری قوم میں تسلیم ہوتی ہی

جبتک حضور انور کے
ابوطالب نے اپنے یتیم بھتیجے کی سرپرستی
کر گئے تھے۔ ابوطالب کے خاندان کے لئے حضور
دور ہوگئی ابوطالب اپنے بھتیجے کو مثل عبدالمطلب کے اپنے ساتھ
کھانا کھلاتے تھے اور جہاں آپ جاتے تھے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے
خورد سالی کی مایوسانہ حالت میں رہے محبت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا
ماجد بھی زندہ ہوتے تو اس سے زیادہ محبت سے پرورش نہ کر سکتے تھے۔

حضور انور کا پہلا سفر

جب حضور انور کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو آپ کو سفر شام پیش آیا ابو طا
کے لئے شام کیطرف جانے کو تیار ہوا ابوطالب کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بھتیجے کو
سفر کی مصیبتوں سے آپ امین رہیں جسوقت ابوطالب اونٹ پر سوار ہونے ہیں
میں آنسو بہر آئے آپنے ابوطالب کے اونٹ کی نکیل پکڑ کے کہا میرے نانا ہے
میں کس پر مجھکو چھوڑتے ہیں یہ سنکر ابوطالب رونے لگے اور قسم کھا کے کہا کہ میں تمہارا
پیچھا نہ چھوڑونگا مجھے اسکی مفارقت گوارا نہیں ہوسکتی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب ابوطالب
ہو کے روانہ ہونے لگے حضور انور کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور روتے روتے
ابوطالب نے یہ دیکھ کے پوچھا کہ بیٹا تم اس لئے روتے ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے
چچا جان ابوطالب کی ہی نسبت آئے اور تم کھائی۔ واللہ لا افارقک اب اغرض ابوطالب نے
لیا اور قافلہ کیساتھ روانہ ہوئے منازل طے کرنیکے بعد ایلہ اب کے حضور میں پہنچے یہ
بڑا نصرانی فاضل تھا آسمانی کتابوں کا بھی علم خوب رکھتا تھا اور اس وقت کا نام بحیرا تھا جس
تھا اسکا نام کفر تھا اکثر راہب بوقت فرصت یہاں آکے عبادت کیا کرتے تھے مسلمان ہونے
لگے متعلق بہت سے معجزات کا بھی بیان کیا ہے جنپر ہمارے دوست نصاریٰ کو تعجب کرتے ہیں حا
پڑھنے بعد تعجب کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پہلا واقعہ تو یہ ہے کہ بحیرا نے خاتم النبین کی
اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھی تھیں وہ ہو بہو حضور انور میں دیکھیں اس لئے وہ آپکے آگے سجدہ

ے یہ آواز سنائی
ے باہر نکلا تو دیکھا کہ شجر و حجر سے یہ
اس موضع میں قافلہ پہونچا تو ابوطالب
ے آ بیٹھے فوراً سیاہ ابر کا ایک ٹکڑا آپ پر سایہ کرنے
بت جسکے نیچے آپ تشریف رکھتے تھے سرسبز ہوگیا جب بحیرا نے یہ صورت
ہوگیا کہ حضرت رسالت مآب یہاں تشریف رکھتے ہیں اس نے سارے قافلہ
لے اپنے آدمیوں کے ہاتھ دعوت کا پیغام دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ امیر غریب سب
ں دعوت ہے قریشیوں نے راہب کی دعوت قبول کرلی اور کل قریش وقت
ے صومعہ میں آئے راہب نے اپنے مہمانوں کو بغور دیکھا تو اس حضور انور کو نہ پایا
پنے صومعہ کی چھت پر گیا اور اُسنے چاروں طرف دیکھ کے معلوم کیا کہ حضور انور اس
شریف رکھتے ہیں اور اسیطرح ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ فگن ہے راہب نیچے اتر آیا اور اپنے مہمانوں
ں سے کوئی شخص رہگیا ہے یا سب چلے آئے قریشیوں نے جواب دیا ہم صرف ایک بچے
ے کیلئے چھوڑ آئے ہیں راہب نے کہا کہ اگر اُسے بھی بلا لیا جائے تو بہت اچھا ہو

رہ دشمن بہند طالب مقصود تا بوکہ یکے دوست بیاید بضیافت

پا درخت کے نیچے سے جاکے آپکو لے آئے جسوقت حضور انور نے راہب کے صومعہ
راہب نے از سر تا قدم حضور انور کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھا اور جو علامتیں خاتم المرسلین کی
ں میں دیکھی تھیں وہ سب آپ میں پائیں بڑی محبت اور لجاجت سے حضور کو بٹھایا جب
انکا کے فارغ ہوئے تو ان سب کو بحیرا نے رخصت کیا مگر ابوطالب کو آنکھ کے اشارہ
ب سب باہر چلے گئے تو یہ کہنے لگا یہ لڑکا آپ کا کون ہے ابوطالب نے جواب دیا کہ
بحیرا یہ سن کے کچھ سکوت میں ہوا لیکن سوچ سوچ کے یہ کہنے لگا کہ نہیں علامتیں تو اس
ہادت دیتی ہیں کہ آپ کے والدین کا انتقال ہوچکا ہے اس پر ابوطالب نے کہا کہ ہاں
یہ میرا بھتیجا ہے راہب نے کہا تم نے سچ کہا اسکے بعد بحیرا آزمائش امتحان
نان کیلئے حضور انور کیطرف متوجہ ہوا اور کہا میں آپکو لات و عزیٰ کی قسم دیکے کہتا

کچھ میں سوال کروں اسکا ٹھیک ٹھیک جواب دینا حضور انور نے خفا ہو کے کہا کہ مجھے ہرگز لات و عزّیٰ کی قسم نہ دے میں انکا سخت مخالف ہوں اور اپنی قوم کا انہیں دشمن سمجھتا ہوں اس پر راہب نے کہا "من الدد سالتک" اور اسکے بعد کچھ آپ کے حالات دریافت کئے آپنے ٹھیک ٹھیک جواب سب کے دیئے پھر راہب نے آپکی مبارک آنکھوں کیطرف دیکھا اور ابو طالب سے دریافت کیا کہ آنکھ کا یہ رنگ روز پیدائش سے چلا آتا ہے یا اسمیں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے ابو طالب نے کہا کہ کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر راہب نے مزید اطمینان کے لئے ابو طالب سے یہ درخواست کی کہ میں آپ کے شانے دیکھنا چاہتا ہوں حضور انور نے محض شرم کیوجہ سے اپنے مبارک شانوں کو برہنہ کرنے سے انکار کیا مگر راہب برابر اصرار کرتا گیا اور ابو طالب نے بھی اس کی سفارش کی جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو حضور انور نے اپنے دونو مبارک شانوں کو کھولدیا۔ دو شانوں کے بیچ میں راہب نے مہر نبوت ثبت دیکھی مارے خوف کے کانپنے لگا اور بیساختہ اسکی زبان سے یہ نکل گیا "ہذا سید العالمین وہذا الذی یبعثہ اللہ رحمۃ للعالمین" جب قریشیوں کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ بحیرا نے محمدؐ کی کچھ بہت ہی قدر و منزلت کی بحیرا نے ابو طالب سے کان میں کہا کہ آخر الزمان پیغمبر یہی ہے اس کی شریعت کا بچونا تمام عالم میں بچھ جائے گا اور اس کا دین متین کل ادیان سابقہ کو منسوخ کر دیگا میری صلاح یہ ہے کہ آپ انہیں شام نہ لیجائیں کہ یہودیوں کو آپ کے ساتھ سخت دشمنی ہے اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ مظہر موعود ہیں شاید آپ کو کچھ تکلیف پہونچائیں +

اس بات سے ابو طالب کو خوف ہوا اور وہ اپنے تجارتی سامان کو مصر میں فروخت کر کے مکہ کی طرف روانہ ہوئے بعض مورخوں کا یہ بیان ہے کہ ابو طالب نے حضور انور کو مکہ روانہ کر دیا اور آپ تجارت کے لئے شام چلے گئے اس کے علاوہ مورخوں نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ روم سے روانہ ہوا تاکہ حضور انور کو قتل کر ڈالیں اتفاق سے وہ یہودی بھی اس وقت کو جب بحیرا کے ہاں قریشیوں کی دعوت ہو رہی تھی اس جگہ آپہنچے اور وہ کل یہودی بحیرا ہی کے مکان میں آکے اترے شب کو یہودیوں نے بحیرا سے کہا کہ ہم نے اپنی آسمانی کتابوں میں دیکھا ہے کہ آج کے دن قریشیوں کے کارواں کے ساتھ خاص اس جگہ یہاں ترینگے ہم ان کے قتل کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں تو ہمیں پتہ دے کہ آیا اس قافلہ کیساتھ محمدؐ ہیں یا نہیں بحیرا نے جواب دیا کہ اگر وہ شخص ہیں

جس کی کمانات کتب سماوی شہادت دے رہی ہیں تو اس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر اس کے قتل کرنے سے کیا فائدہ جب یہودیوں نے ایسی معقول بات سنی تو آپ کے قتل سے ہاتھ اٹھایا۔

پیر مورخین کا یہ بیان ہے کہ اس سفر کے بعد ابو طالب کبھی حضور انور کو اپنے ساتھ کسی سفر میں نہیں لے گئے مگر بعض مورخ یہ لکھتے ہیں کہ ۱۲ برس کی عمر میں ابو طالب نے عباس بن عبد المطلب یا پسر بن عبد المطلب کی التجا پر حضور انور کو سفر میں ساتھ کر کے یمن بھیجا تھا اس سفر میں بھی جو جو خوارق عادات حضور سے سرزد ہوئیں وہ سورخوں نے بیان کی ہیں۔ اسی سال ہرمز بن نوشیرواں سلطنت سے معزول کر دیا گیا اور اسکی آنکھوں میں زہر کی سلائی پھیر دی گئی اور جب حضور انور کی ۱۹ سال کی عمر ہوئی تو خسرو پرویز اپنے باپ ہرمز کی جگہ تخت نشین ہوا۔ ۲۰ سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت اقدس کی ملازمت میں ملک شام میں تجارت کے لئے روانہ ہوئے اس سفر میں اور بھی بہت سے لوگ حضور انور کے ہمرکاب تھے جب یہ قافلہ منزل بہ منزل پہونچتا حضور انور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے واسطے کھانا لینے کے لئے اس گاؤں کے راہب بحیرا نامی کے پاس گئے راہب نے دریافت کیا کہ وہ شخص جو درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے کون ہے ابو بکر صدیق نے جواب دیا کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے بحیرا نے کہا یقیناً وہ پیغمبر ہے اور خاتم الرسل ہے میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سوا پیغمبر آخر الزماں کے کوئی شخص اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھے گا یہ سنتے ہی ابو بکر صدیق کے دل میں حضور انور کی نبوت کی صداقت کے نقش ہو گئے

اکثر مورخین کی یہ رائے ہے کہ یہ سفر وہی سفر تھا جس میں حضور انور نے ابو طالب کے ہمراہ کیا تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ قریش ہر وقت ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے تھے جب ظلم حد سے گزر گیا تو مظلوموں کی مدد کے لئے زبیر بن عبد المطلب اور عبد بن جدعان نے قریشیوں کے بتوں کو جمع کر کے آپس میں قسم کھائی کہ جہاں تک ہو سکے گا کمزوروں پر ظلم نہ ہونے دیں گے اس واقعہ یعنے قسم کھانے سے چند روز پہلے حضور انور پر نزول ملائکہ ہونے لگا ایک دن حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب کے پاس آ کر کہا کہ چچا جان دو تین شب سے تین چار آدمی میرے پاس آتے ہیں اور میری طرف دیکھ کر آپس میں یہ باتیں کرتے ہیں کہ یہی وہی شخص ہے جسکے ظہور کا وقت ابھی نہیں آیا مجھے اس بات سے سخت ہراسانی ہے ابو طالب

نے کہا نہیں ہرگز ایسا نہیں ہونی کی کوئی بات نہیں ہے جو کچھ ہوگا اس کا ظہور دیکھیں گے۔ پھر ایک دن حضرت ابوطالب کے پاس آ کر شریف لائے اور کہا چچا جان آج تو عجیب صورت نظر آئی کہ وہی تین شخص میرے پاس آئے اور مجھ پر حملہ کیا اور پھر مجھ میں ہی غائب ہو گئے جس سے ایک گونہ راحت حاصل ہوئی۔ یہ سنکر ابوطالب یہ سمجھے کہ آپ کو کوئی بیماری ہو گئی ہے اس لیے حضور انور کو ساتھ لے کے ایک کاہن طبیب کے پاس آئے اور اس سے ساری کیفیت بیان کی اس نے حضور انور کی نبض کو دیکھا اور ساتھ ہی سینہ اور بازوؤں کا بھی امتحان کیا جونہی اس کی نظر مہر نبوت پر پڑی۔ فوراً بول اٹھا کہ اے ابوطالب یہ لڑکا تمام عیبوں سے پاک ہے اور اس پر شیطان کا وسوسہ نہیں چل سکتا جو لوگ کہ اسکے پاس آتے ہیں وہ فرشتے ہیں اور ان کا آنا محض اس غرض سے ہے کہ نبوت کے لئے اس کے حال کی تفتیش کریں اگر یہودیوں کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ ضرور اسے قتل کر ڈالیں گے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد حضور انور نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آسمان کی چھت کو کھول کے اس میں دو آدمیوں نے چاندی کی سیڑھی لگائی ہے اور اس سیڑھی پر سے نیچے اتر کے میرے پاس آئے ایک شخص ذرا دور فاصلہ پر بیٹھا اور ایک میرے پاس پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے میرا پہلو چاک کر کے میرا دل نکال لیا اور یہ کہا کہ مردصالح! پیغمبر کا کیا اچھا دل ہے اور پھر اس دل کو لے کے میرے پہلو میں رکھ دیا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

یہ روایتیں ہیں حضور انور کے بچپن اور سفر کے متعلق جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں سر ولیم میور اور ان کے ہمخیال دوسرے یورپی مصنفوں نے ان روایتوں کو سخت لعنا و میہوہ بیان کیا ہے سیوٹے تو نہایت کرختگی سے یہ لکھدیا کہ مسلمان مورخوں نے ایسی لغو روایتیں اپنی کتابوں میں درج کر کے اپنا اعتبار ایسا کھو دیا کہ ان کی اور روایتوں پر بھی شک ہو گیا میور یا اس کے اچھا لوں کی یہ بہت بڑی زیادتی ہے اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ روایتیں بالکل غلط ہیں تو بھی انجیلوں کی بہت سی مافوق الفطرت باتوں سے کم رعیہ ہیں انجیلوں کا یہ فتویٰ دینا کہ دوشیزہ کہی حبشہ میں جائے سی کے بغیر مل کی روزی کی فکر نہ کرو حضرت مسیح نے کوڑھی اور اندھوں کو دم کرنے سے تندرست کر دیا حضرت مسیح زندہ جسم آسمان پر پہنچ گئے یہ روایتیں بنی نوعیت پر حضور انور کے سفر کے حالات کی روایتوں سے

اگر علوم جدیدہ کی عقل کو کام میں لایا جائے تو کوئی درجہ ناممکن الوقوع اور بدیہی البطلان نہیں ہے
جو روایتیں حضور انور کے سفر وغیرہ کی نسبت اوپر درج ہوئی ہیں ان پر کچھ اسلام کا دار مدار نہیں
ہے اور نہ صحیح حدیثوں میں اس بات کی تشریح کیگئی ہے کہ حضور انور اپنے بچپن اور سفر کے حالات مزید
بیان فرمائے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ روایتیں اس پر مبنی بدات خود وزن رکھتی ہیں مورخوں نے
ایک اولوالعزم پیغمبر اور عظیم الشان مصلح کی وجاہت اس قسم کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج
کی ہیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ بالغ نظروں کے خیال میں ان میں سے کوئی بات بھی غلط
نہیں ہوئی بیشک یہودیوں کی آسمانی کتابوں میں ایک آنیوالے پیغمبر کی بشارت موجود ہے اور یہود
کی ابتدا سے یہ خواہش تھی کہ جو پیغمبر ہمارے ہی گروہ میں سے مبعوث ہو یہ سننا گوارا نہیں کرسکتے تھے کہ دوسرے
غیر قبیلہ میں سے کوئی شخص پیدا ہوا اور ہمیں پیغمبروں کے سے اوصاف پائے جاتے ہوں یا وہ پیغمبری
کا دعوے کرے اور ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ اس زمانہ میں صدہا صحرانشیں راہب مختلف
قسم کی پیشینیں گوئیاں کیا کرتے تھے۔ اور ان کی پیشیں گوئیوں پر ایک گروہ کثیر کا ایمان تھا۔
اگر کسی صحرانشیں راہب نے حضور انور کے چہرہ مبارک کو دیکھ کے جس میں ایک غیر معمولی نور
اور وجاہت پائی جاتی تھی اس بات کی پیشین گوئی کر دی ہو کہ آپ آئندہ نبی ہونگے یا آپ کے
پاکیزہ خیالات اور غیر معمولی صداقت کو دیکھ کے یہ حکم لگایا ہو کہ جس پیغمبر کی پیشیں گوئی یہودیوں کی آسمانی
کتابوں میں درج ہے وہ پیغمبر آپ ہی ہیں اور یہ بات سن کے یہودی آپکو ایذا پہونچانے کے لئے آمادہ
ہوگئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اب رہا اس بات میں اختلاف کہ حضور انور سفر میں کب
کب گئے اور کس کس کے ساتھ گئے یہ بہت ہی معمولی بات ہے جب کہ قریشوں میں کوئی دفتر یا تاریخ
کو لیی کا سلسلہ جس میں قافلوں کے سفروں کا حال درج ہو موجود نہ تھا حضور انور نے اپنے بچپن
اور سفر کے حالات مفصل طور پر صحابہ سے بیان فرمائے پھر کونسی تعجب کی بات ہے کہ جو واقعات تین سو
اس کے بعد قلمبند کئے جائیں یعنی خاص ایسے معاملات پر اختلاف پیدا ہوجائے چونکہ حضور انور تمام
دنیا کے مصلح اور وہ بھی آخری مصلح بن کے دنیا کے سامنے پیش ہوئے تھے اس لئے مورخین عرب
کا فرض ہوا کہ ان غیر معمولی اوصاف رکھنے والے کامل الشان کے واقعات بچپن جب قلمبند
کریں تو ایسے واقعات کا بیان کریں جو مافوق الفطرۃ ہوں یا کم سے کم معمولی شخص کی زندگی

سے ان میں ضرور امتیاز پیدا ہو سر ولیم میور کا یہ لکھنا کہ عرب مورخوں نے ایسی باتیں لکھ کر اپنا اعتبار کھو دیا محض تعصبانہ اور بغض ہے ایک غیر معمولی نفس یا ایک عظیم الشان مصلح یا ایک اولوالعزم سردار کے حالات زندگی خواہ بچپن کے ہوں یا جوانی کے یا بڑھاپے کے ضرور معمولی آدمیوں کے واقعات زندگی سے ممیز ہوں گے۔ ہم نے لندن ملکہ یورپ کے نہبت سے نامور وں کے حالات دیکھے ہیں جن کا بچپن جوانی اور بڑھاپا معمولی امیوں کے واقعات زندگی سے بالکل ممتاز شاہت کیا گیا ہے ؛

اب رہی دوسری بحث کہ آیا حضرت بی بی آمنہ کو عالم بیداری یا خواب میں اس قسم کی غیر معمولی صورتیں دکھائی دین جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کی سند مسلمانوں کی معتبر کتابوں سے نہیں ملتی اور نہ اس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ یہ یا اس قسم کی اور روایتیں محض اس وجہ سے بنالی گئی ہیں تاکہ حضور انور کا ظہور غیر معمولی طور پر رکھایا جائے اور آپکے معتقدوں نے محض اس خیال سے کہ حضور انور سردار کائنات محبوب خدا ہیں اس لئے آپ کا ہر فعل خواہ پیدائش سے تعلق رکھتا ہو خواہ بچپن اور بڑھاپے تعلیم تلقین سے اور ادنیوں بلکہ گزشتہ بنیاد سے ان میں کچھ امتیاز ضرور پیدا کیا جائے۔ یہ کوئی بڑا جرم مسلمانوں نے نہیں کیا جبکہ ان کے مستند علماء ایسی روایتوں کو وثوق کے ساتھ نہیں بیان کرتے پھر کیوں خواہ مخواہ معمولی مورخوں یا غیر معتبر راویوں کے خیالات پر یورپی محقق قہقہہ اڑاتے ہیں یہ نرا تعصب اور بے علمی نہیں تو اور کیا ہے ؛

اب دوسرا پہلو ان روایتوں کا یہ ہے کہ ہم ان سب کو عیسائیوں کے مقابلہ میں صحیح تسلیم کرلیں پھر دیکھیں کہ ہمارے عیسائی دوست اس کا کیا جواب دیتے ہیں جبکہ اناجیل مروجہ میں حضرت مسیح کی پیدائش اس سے بھی زیادہ مافوق الفطرت طریقہ سے بیان کی گئی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو انجیل متی باب آیت ۱۵-۲۰ اور باب ۲ اخیر تک ،،

باب ۱ آیت ۱۸ اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی ۱۹ تب اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اسے تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے۔ ۲۰-۲۱ ان باتوں کے سوچ ہی میں تھا کہ دیکھو خداوند کا ایک فرشتہ نے اُس پر خواب میں ظاہر

ہو کے کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے ۲۱ اور وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھے گا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچائیگا ۲۲ یہ سب کچھ ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو ۲۳ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ یہ ہے خدا ہمارے ساتھ ۲۴ تب یوسف نے سونے سے اُٹھ کر جیسا خداوند کے فرشتہ نے اُسے فرمایا تھا کیا اور اپنی جورو کو اپنے ہاں لے آیا ۲۵ پر اُس کو نہ جانا جبتک کہ وہ اپنا پلوٹھا نہ جنی اور اس نے اس کا نام یسوع رکھا۔

باب ۲ آیت ۱- اور جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے وقت یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسیوں نے پورب سے یروسلم میں آکے ۲ کہا کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا سو کہاں ہے کہ ہم نے پورب میں اسکا ستارہ دیکھا اور اسے سجدہ کرنے کو آئے ہیں ۳ جب ہیرودیس بادشاہ نے یہ سنا تب وہ اور اس کے ساتھ تمام یروسلم گھبرایا ۴ تب اس نے سب سردار کاہنوں اور قوم کے فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا ۵ انہوں نے اس سے کہا یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا ہے کہ ۶ اے بیت لحم یہوداہ کی سرزمین تو یہوداہ کے سرداروں میں ہرگز کمترین نہیں ہے کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری قوم اسرائیل کی رہنمائی کرے گا ۷ تب ہیرودیس نے مجوسیوں کو چپکے سے بلا کر اُن سے تحقیق کی کہ وہ ستارا کب دکھائی دیا ۸ اور انہیں یہ کہہ کے بیت لحم میں بھیجا کہ جا کر اس لڑکے کی بابت خوب دریافت کرو اور جب اسے پاؤ مجھے خبر دو کہ میں بھی جا کے اسے سجدہ کروں ۹ وے بادشاہ سے یہ سنکے روانہ ہوئے اور دیکھو وہ ستارہ جو انہوں نے پورب میں دیکھا تھا اُن کے آگے آگے چل رہا تھا اور اسجگہ کے اوپر جہاں وہ لڑکا تھا جا ٹھہرا ۱۰ اس ستارہ کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے ۔

۱۱ اور اس گھر میں پہونچ کر اس لڑکے کو اسکی ماں مریم کیساتھ پایا اور اس کے آگے گر کے اسے سجدہ کیا اور اپنی جھولیاں کھول کے سونا اور لوبان اور مُر اسے نذر گزرانا ۱۲ اور خواب میں آگاہی پا کے کہ یہودیس کے پاس نہ جائیں اور دوسری راہ سے اپنے ملک کو پھرے۔

۱۳ جب وہ ابھی روانہ ہوا ہی تھا تو دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دیکے کہا اٹھ اس لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور وہاں رہ جبتک میں تجھے خبر نہ دوں کیونکہ ہیرودیس اس لڑکے کو ڈھونڈے گا کہ مار ڈالے ۱۴ تب وہ اٹھا کے رات ہی کو لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہوا ۱۵ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا ؛

۱۶ جب ہیرودیس نے دیکھا کہ اس نے مجوسیوں سے فریب کھایا تھا تو نہایت غصہ ہوا اور لوگوں کو بھیج کر بیت لحم اور اس کی ساری سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو ۲ برس کے اور اس سے چھوٹے تھے اس وقت کے موافق کہ اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی قتل کروایا ۱۷ تب وہ جو یرمیاہ نبی نے کہا تھا پورا ہوا کہ ۱۸ رامہ میں ایک آواز سننے میں آئی ہے نالہ اور بہت بڑے ماتم کی کہ راخل اپنے لڑکوں پر روتی اور تسلی نہیں چاہتی اس لئے کہ وے نہیں ہیں ؛

۱۹ جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں خواب میں یوسف کو دکھائی دیکے ۲۰ کہا اٹھ اور اس لڑکے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں جا کیونکہ جو اس لڑکے کی جان کے خواہاں تھے مر گئے ۲۱ تب وہ اٹھا اور اس لڑکے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکے اسرائیل کے ملک میں آیا ۲۲ مگر جب سنا کہ آرخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ پر بادشاہت کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں آگاہی پاکر جلیل کی اطراف میں روانہ ہوا ۲۳ اور ایک شہر میں جسکا نام ناصرت تھا جا کے رہا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا ؛

اب فرمائیے کہ ان واقعات میں جو بیدار مغز ہیں کونسی شاخ زعفران لگی ہوئی ہے کہ ہم حضور انور کے واقعات پیدائش کو تسلیم نہ کریں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ دو راز قیاس باتیں مان لیں کہاں ہیں سر و لیم میور اور ان کے ہمخیال جوان باتوں کا ہمیں جواب دیں کہ اسوقت دو نبیوں کے واقعات پیدائش وغیرہ ہماری آنکھوں کے آگے موجود ہیں اور دونوں ماتوق الفطرت رنگ میں رنگے ہوئے ہیں کس کو مانیں اور کس کو نہ مانیں ؛

حضرت مسیح کی اس قسم کی پیدائش جو انجیل میں لکھی گئی ہے ایسے شرمناک طریقہ پر ہوئی ہے کہ خود حضرت مسیح کے باپ کو بھی شبہ ہوا اور وہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا اور اس شرمناک امر کی اصل شہرت

دینی نہ چاہی کیونکہ وہ راست باز تھا۔ وہ تو خدا بیچارے فرشتہ کا بھلا کرے کہ اس نے یوسف بیچارہ کو خواب میں آ کے سمجھایا کہ تو اپنی جورو پر شبہ کیوں کرتا ہے اس کو اپنے اپنے گھر میں لے آ کیونکہ جو اس کے رحم میں ہے وہ روح القدس ہے۔ یوسف بڑھئی یہ خواب دیکھ کے بی بی مریم کو اپنے گھر میں لے آیا۔ مگر پھر بھی اسکی طرف التفات نہ کیا اور رہا بیچارا پریشان یہانتک کہ مریم اپنا پلوٹھا بیٹا جنی ؛

اب عیسائی خیال کریں کہ ان کے خداوند کی ایسی پیدائش ہے جس سے ان کے خداوند کا باپ یوسف بڑھئی ہمیشہ پریشان رہا اور اس بیچارے کو اس پریشانی اور شرم سے نجات نہیں ملی پھر مجوسیوں کا یورپ میں ستارہ کو دیکھنا۔ اور یروسلم میں آ کے دریافت کرنا کہ یہودیوں کا بادشاہ کہاں ہے ہم نے یورپ میں اس کا ستارہ دیکھا اور اب اس کو سجدہ کرنے آئے ہیں ؛

بھلا انصاف سے خیال تو کرو کہ یہ کیسے بے جوڑ واقعات ہیں مجوسیوں کا ستارہ کو دیکھنا جبکہ اور لاکھوں ستارے آسمان پر موجود ہیں اور پھر اس ستارہ سے یہ مطلب سمجھ لینا کہ میں ان کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہوں یروشلم میں چل کے اس کو سجدہ کرو ایک ایسا غلط استدلال اور لغو بیان ہے کہ کوئی شخص بشرطیکہ اس پر عقیدہ کا بھوت نہ چڑھا ہوا ہو کبھی یقین نہیں کر سکتا اس کے بعد ہیرودیس بادشاہ کو پہلے تو حضرت مسیح کا معتقد بنایا ہے کیونکہ اس لئے تلاش میں آدمی روانہ کئے تھے۔ کہ بیت لحم میں اس کو جا کر ڈھونڈ لیں اور مجھے خبر کریں تاکہ میں بھی اس کو جا کر سجدہ کروں اور پھر اسی بادشاہ کو حضرت مسیح کا دشمن بنا دیا اور فرشتہ سے یوسف بڑھئی کو یہ کہلایا کہ تو اس لڑکے اور اسکی ماں کو لیکر مصر روانہ ہو جا کیونکہ ہیرودیس اس کے قتل کرنے کی فکر کر رہا ہے ؛

پھر حضرت مسیح کی پیدائش کو خونی جامہ پہنایا گیا ہے یعنے صرف انکی وجہ سے بیت لحم اور اسکی ساری سرحد کے شیر خوار بچوں کو جو ۲ برس کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل کر ڈالا گیا ہے کیا ایک شخص کی پیدائش سے جبکہ معصوم شیر خوار بچے ماؤں کی گودیوں میں ذبح کر دئے گئے خوفناک کوئی پیدائش اس سے زیادہ ہو سکتی ہے آف کیسی خونی پیدائش اور اثر ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی شیر خوارگی کی ہی حالت میں تھی کہ ہزارہا بچوں کا خون ہو گیا یہ اثر ہیں عیسائیوں کے خدا اللہ کی پیدائش کے اور یہی بات ملاحظہ ہو کر ہیرودیس نے جب کہ مجوسیوں کو حضرت مسیح کی تلاش میں بھیجا تو جہاں انہوں نے ستارہ کو دیکھا وہ ساتھ ساتھ چلنے لگا اور بیت لحم میں لے گئے تھا چلا آیا یہ بھی ہی مشرع تھی کہ ہمارے ان چھوٹے بچے گھروندے کھیلا کرتے ہیں کہ ایک بچہ ایک مکان سے دوسرے والان میں جاتا ہے اور رکتا جاتا ہے کہ دیکھو چاند میرے ساتھ

اس قسم کی باتیں دنیا میں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں کہ ستارہ ساتھ ساتھ چلے اور پورب سے چند آدمیوں کے ساتھ بیت لحم آکے پہونچے۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر مذہب نے اس قسم کی مافوق الفطرت باتیں تسلیم کرلی ہیں مگر افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ جب مذہب والا ایسی ہی باتوں پر دوسرے مذہب والے پر اعتراض کرے اور خوش ہو کہ میں نے بڑا تیر مارا سر ولیم میور یا ان کے دوست اسپرنگر عیسائی ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور پھر تعجب یہ ہے کہ جو باتیں ان کے مذہب میں مسلم ہیں ان ہی باتوں پر وہ دوسرے مذہب کو اچھا نہیں سمجھتے حضرت مسیح اور ان کے باپ یا حواریوں کے پاس فرشتوں کا مجمع آنا قبول کرتے ہیں لیکن اس بات سے ناراض ہیں کہ محمد عربی فخر دوجہاں کے پاس خدا کے احکام لے کے کیوں فرشتے آتے ہیں اگر سر ولیم میور یا ان کے دوست اسپرنگر صاحب حضرت مسیح کی پیدائش کا حال عورتوں انجیلوں میں پڑھ لیتے تو انہیں بھولے سے بھی ان واقعات پر اعتراض کرنیکا موقع نہ ملتا جو حضور انور کی پیدائش بچپن اور سفر کے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

چوتھا باب

حضور انور کے حالات چودہ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک

ہر سال ماہ ذیقعدہ تمام عربی قبائل طائف اور نخلہ کے بیچ میں بمقام عکاظ جمع ہوتے تھے اور یہ گویا ایک بہت بڑا مذہبی میلہ تھا جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے اور اس میلہ میں آکے فروخت کرتے تھے۔ ہر قسم کا جواہر اور تمام قسم کے ملبوسات اور مویشی وغیرہ کی خوب گرم بازاری سے تجارت ہوا کرتی تھی۔

ساتھ ہی اس کے ایک بڑی بات اس میلے میں یہ بھی ہوتی تھی کہ عرب کے بہت بڑے بڑے سربرآوردہ شاعر مجالس میں اپنے اپنے قصائد پڑھا کرتے تھے اور امراء یا شیوخ قبائل کی طرف سے ان کو داد کے ساتھ عمدہ اشعار پر انعامات بھی دیئے جاتے تھے۔ سبعہ معلقات اسی میلہ کی بہت بڑی یادگار ہے چونکہ اس نظم کے مصنف کو اس بات کا بہت بڑا غرہ تھا کہ مجھ سے بہتر نظم دوسرا شخص موزون نہیں کرسکتا اسلئے اس نے کعبہ کے دروازہ پر اپنے ان قصائد کو آویزاں کردیا اس کے علاوہ اور بھی شعراء اپنی اپنی نظمیں محض مقابلہ کے لئے آویزاں کیا کرتے تھے۔

یہ مہینہ جس میں یہ میلہ ہوا کرتا تھا عربوں میں بہت مبارک گنا جاتا تھا کسی قسم کی لڑائی کسی قسم کا جھگڑا اور فساد کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ سے نہیں کرتا تھا۔ صدیوں کا عناد اور نفرت یہاں آکے ختم ہو جاتی تھی اور اس قانون کی تمام قبائل کو نیکیاں پابندی کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت عرب کے دو قبائل میں باہم کشش پیدا ہو رہی تھی ایک قبیلہ بنی ہوازن اور دوسرا قریش کا تھا۔ بنی ہوازن کا مسکن مکہ اور طائف کے بیچ میں تھا قریش زیادہ تر مکہ میں رہتے تھے ہوازن نے اس مقدس قانون کو جسکا عملدرآمد تمام ملک میں ہو رہا تھا یکلخت توڑ دیا یعنی قریش کے ایک شاعر سے جس نے اپنے خاندان کی اپنی ایک نظم میں تعریف کی تھی خواہ مخواہ چھیڑ خانی کر کے اُسپر حملہ کیا اور اُسے خوب مارا یہ بات دیکھ کر تمام قریشیوں میں آگ لگ گئی اور ایک موقع پر طرفین میں تلواریں کھینچ گئیں۔ اگر قبائل کے شیوخ بیچ میں پڑ کے طرفین کو ٹھنڈا نہ کرتے تو عام جنگ ہو جانی لازمی تھی اس لحاظ سے چونکہ بنی ہوازن والوں نے مقدس مہینہ کا احترام نہیں کیا اور انہوں نے حرم کی ہتک کی تھی انھیں فجار کہتے ہیں۔

ہنگامی صلح اس صورت سے ہوئی تھی کہ دونو قبائل کے شیوخ نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ دونوں فریق اپنے اپنے ہتیار لا نا قریشیوں کے ایک سردار کے پاس رکھوا دیں چنانچہ یہ انتظام ہو گیا اور دونوں فریق ٹھنڈے پڑ گئے یہ صلح کئی سال تک قایم رہی مگر اتفاق سے بنی ہوازن کا ایک قافلہ کچھ تجارتی سامان لے کر آتا تھا۔ قریشیوں نے قافلہ پر حملہ کر کے سردار قافلہ کو مار ڈالا۔ اس حملہ اور قتل سے عام جنگ کی بنیاد پڑ گئی۔ سردار ہوازن کے قتل ہوتے کے ساتھ ہی عکاظ میں آگ کی طرح سے یہ خبر پہونچ گئی بنی ہوازن کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے مکہ پر حملہ کیا۔ قریش بھاگ کے حرم میں جمع ہو گئے بنی ہوازن نے مقام کی حرمت کا خیال نہیں کیا اور لڑائی شروع کر دی مدت تک قریش اور ہوازن میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ چار برس کی جنگ و جدل کے بعد عتبہ بن ربیع نے صلح کا پیغام بھیجا اور دونوں قبائل میں صلح ہو گئی شروط صلح میں ایک شرط یہ تھی کہ جتنے آدمی بنی ہوازن کے مارے گئے اُن کا خون بہا ادا کریں۔

جب قریش بنی ہوازن سے لڑ رہے تھے تو ان کا ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ ایک ایک سردار کی ماتحتی میں لڑنے نکلتا تھا۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد کا سپاہ سالار حرب بن امیہ تھا۔ بنی ہاشم زبیر کی ماتحتی میں موجود تھے مگر انہوں نے جنگ میں کچھ زبردست پہلو نہیں اختیار کیا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ان لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حضور انور بھی موجود تھے اگرچہ اس وقت آپکی عمر پوری بیس سال کی تھی لیکن آپ قتال میں شریک نہیں ہوئے نہ آپ نے مسلح ہونا پسند کیا کیونکہ قدرتی طور پر انسانی خونریزی سے نفرت تھی۔ اور اسی لئے زمانہ وفات تک آپ نے کبھی جنگ کی ابتدا نہیں کی اور جب تک آپ مجبور نہ کر دئے گئے آپ نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔

بعض مورخوں کے بیان کے موجب بنی ہوازن کی جنگ میں آپ نے صرف اس قدر کیا تھا کہ جو تیر مخالف مارتے تھے۔ اُن تیروں کو آپ جمع کر کے اپنے چچاؤں کو دیتے جاتے تھے۔

سر ولیم میور اور اُن کے ہمخیال انگریزی مؤرخ یہ تحریر کرتے ہیں کہ عکاظ کے میلے میں چونکہ ہر مذہب اور ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اس لئے آنحضرت کو سب کے عقائد اور معاشرت کے جانچنے کا موقع ملا تھا یہاں نجران کے عیسائیوں کا بشپ بھی تھا جس نے مسیحی عقائد کے متعلق بارہا وعظ کہے تھے اور وہ عقائد جو نجران کے بشپ نے مسیحی عقائد کے متعلق بیان کئے تھے قریشیوں کے بت پرستی کے خیالات سے بدرجہا بہتر اور صاف تھے۔ چونکہ آنحضرت کے خیال میں عالم طفلی ہی سے یہ بات پڑ گئی تھی کہ بت پرستی ایک نہایت ہی لغو چیز ہے۔ اور لات عزیٰ محض بیکار بت ہیں جن کی پرستش سے سوائے اوقات ضائع ہونے کے اور کچھ نہیں حاصل ہوتا آپ نے بشپ کی تقریر کو بہت غور سے سنا ہوگا۔ اور اسی تقریر کی وجہ سے آپ کے دل میں جدید مذہب قائم کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہوگا۔

اس کے بعد میور افسوس کرتا ہے کہ اگر اس زمانہ میں عیسائیوں کی معاشرت درست ہوتی اور اُن کے خیال اصلی انجیل کے خیالات ہوتے تو ضرور آنحضرت عربی مسیحی مذہب کے ایک زبردست مصلح اور پیشوا بن جاتے مگر نصرانیوں کی غیر معتدل معاشرت نے آپکے دل میں اُنکی طرف سے نفرت پیدا کر دی اور اسی وجہ سے آپ ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالنے کے لئے مجبور ہوئے۔

سر ولیم میور کی ان خام خیالیوں کی داد کیا تو یورپ کے ناتجربہ کار ناظرین دیں گے یا ہندوستان میں گرجاؤں کی محدود چار دیواریوں سے مرحبا کی صدائیں بلند ہوں گی مگر محقق اور بالغ نظروں کے خیال میں فاضل میور کی یہ خام خیالیاں جانبدار خانوں کی گپیوں سے زیادہ وقعت

نہیں رکھتیں۔

سر ولیم میور کا فرض تھا کہ وہ پہلے کسی معتبر تاریخ کے ذریعہ سے اس بات کو ثابت کرتا کہ بجز ان کا کوئی بشپ اس میلہ میں آکر شریک ہوا تھا اور اس نے طائف سے لے کر مکہ تک کس مقام پر اپنے لوٹے ڈیرے ڈال کے وعظ کہے تھے جب میور اس بات کو ثابت کر لیگا تو اُسے یہ بات ثابت کرنی پڑے گی کہ حضور انور اس کے وعظ میں کے بار شریک ہوئے تھے آیا آپ تنہا جاتے تھے یا اپنے چچاؤں کے ساتھ مگر اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ میور اور اس کے ہمخیال اگر ایڑی چوٹی کا بھی زور لگالیں گے جب بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں کر سکتے ۔

ہم اس رمز کو سمجھ گئے کہ اس نے اپنے خداوند مسیح کے مقابلہ میں یہ بات بنائی ہے جس طرح آپ کے خداوند حضرت یحییٰ کے وعظوں میں جاتے جاتے اور نصیحت کی باتیں سنتے سنتے خود جوش میں بھر کے منادی کرنے لگے اور آسمانی بادشاہت کا راگ گانے لگے تھے اسی طرح وہ اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لیے حضور انور کے سر یہ بات تھوپتا ہے کہ آپ کو جو یہ مذہبی جوش پیدا ہو گیا وہ کسی بشپ کے وعظ کا اثر تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی حالت کو غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقرہ کہ "آسمان کی بادشاہت قریب ہے حضرت مسیح نے یحییٰ یا یوحنا سے اڑایا تھا اور یہ اصل میں ان ہی کی ایجاد ہے جیسا کہ انجیل متی باب ۳ میں لکھا ہے۔

"ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا منادی کرنے ۲۔ اور یہ کہنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے ۳۔ کہ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی نے یہ کہہ کے کیا کہ جنگل میں ایک پکارنے والے کی آواز ہے کہ خداوند کی راہ کو درست کرو اور اس کے راستوں کو سیدھا بناؤ ۴۔ اس یوحنا کی پوشاک اونٹ کے باوں کی تھی اور چمڑہ کا کمربند اس کے تھا اور اس کی خوراک ٹڈی اور جنگلی شہد تھا ۵۔ تب یروشلم اور سارے یہودیہ اور یردن کے سب اس کے پاس کے رہنے والے اس کے پاس چلے گئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے یردن میں اس سے بپتسمہ پایا ۔

۷۔ پس جب اس نے دیکھا کہ بہت سے فریسی اور صدوقی بپتسمہ پانے کو اس پاس آتے ہیں تو انھیں کہا کہ اے سانپوں کے بچو تمھیں آنیوالے غضب سے بھاگنے کو کس نے سکھلایا ۸۔ پس توبہ کے لایق پھل پیدا

۹۔ اور اپنے دل میں ایسا کہنے کا خیال مت کرو کہ ہمارا باپ ابرہام ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا انہیں پتھروں سے ابرہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے ۱۰ اور درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہے پس ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے ۱۱۔ میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اسکی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمھیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا ۱۲۔ اس کا سوپ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کریگا اور اپنے گیہوں کو کوٹھے میں جمع کریگا پر بھوسے کو اس آگ میں جو بجھ نہ سکے جلائیگا ۔

۱۳۔ تب یسوع جلیل سے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس آیا تاکہ اس سے بپتسمہ پائے ۱۴ پر یوحنا نے اسے منع کیا اور کہا کہ میں تجھ سے بپتسمہ پانے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے ۱۵ یسوع نے جواب میں اس سے کہا اب ہونے دے کیونکہ ہمیں مناسب ہے کہ یوں ہی سب راستبازی پوری کریں تب اس نے ہونے دیا ۱۶ اور یسوع بپتسمہ پا کے وہیں پانی سے نکل کے اوپر آیا اور دیکھو کہ اس کے لئے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو کہ آسمان سے ایک آواز یہ کہتی آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں ۔

حضور انور کا ابتدائی زمانہ نہایت خاموشی اور سکوت سے بسر ہوا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے پندرہ سال کے واقعات زندگی نامعلوم ہیں۔ اسی طرح حضور انور رسول خدا کے حالات زندگی ابتدائی زمانہ کے نہیں بیان کئے گئے ہیں ۔

آپ بچپن میں مکہ کے پہاڑوں پر ریوڑ چرایا کرتے تھے اور صبح سے شام تک اس کام کی انجام دہی کرتے تھے۔ جو موسے اور داؤد نے نبوت سے پہلے کئے تھے۔ بکریوں اور بھیڑوں کا ریوڑ چراتے کا طریقہ مکہ میں کچھ ایسا رائج تھا کہ امیر و غریب سب اس کام کو کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ ہونے کے بعد بھی بوقت فرصت ریوڑ چرانے نکل جایا کرتے تھے بڑے بڑے سرداران قریش کے بچے نہایت سے بھیڑ بکری چراتے تھے اور اہل مکہ کے تمدن کا جزو اعظم اسکو خیال کر رکھا تھا مگر سرور عالم صلعم خوشی کا دست امیر نگر حضور انور کے ریوڑ چرانے سے سخت ناراض ہے وہ کہتا ہے کہ جب محمد امین

زندگی کے اعلیٰ فرائض کی انجام دہی کی قابلیت نہ تھی اسی وجہ سے وہ ایک ایسا دلچسپ کام کرتے تھے۔ اسپرنگر کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ کونسے ایسے کام تھے جو حضور انور نے نہیں کئے نبوت کے اعلان کا وقت ابھی نہیں آیا تھا اس لئے اس سے پہلے خداوند تعالےٰ کی یہی مرضی تھی کہ آپ زندگی کے کل مدارج کم و بیش طے کریں۔ چنانچہ بوڑھے آپ نے چرائے اپنے چچا کی بکریوں کا دودھ پیا دودھ دیا۔ جنگ میں تیر پھینکنے کا کام آپ نے دیا۔ صلح آپ نے کرائی۔ تجارت آپ نے کی۔ سفر آپ نے کئے غرض اس زمانہ کی محدود زندگی کے جتنے مدارج تھے سب آپ نے طے کر لئے تھے۔ پھر ان کاموں سے ختم ہونے کے بعد آپ نے اس عظیم الشان کام کی تیاریاں کیں جو آپ کو سونپنے والا تھا اور جس کے لئے آپ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔

ایسے بیہودہ اعتراضات جو عیسائی مورخوں نے حضور انور کی زندگی پر کئے ہیں ان کی فطرت ایسی کمزور ہے کہ اگر ذرا ان میں تراش خراش کی جائے تو وہ اوندھے منہ گر پڑیں۔ یہ نادان مورخ جس پر یورپ کو بہت بڑا گھمنڈ ہے حضور انور کو ناقابل بتاتا ہے کیا ناقابلیت کی یہی دلیل ہے کہ آناً فاناً میں ہزار کا سرخ ادھر سے اُدھر پھیر دیا اور قدیمی مذاہب کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بڑی زبردست سلطنتیں قائم کر دیں۔ اگر لیاقت کا دارومدار اس پر ہے کہ تمام عمر مسادی کرنے اور کرانکا لیف اٹھانے کے بعد یہ مشکل چند مچھوے تیم رٹمرید ہوئے اور ان میں سے بھی ایک مچھوے نے چند روپے لے کے اپنے پیر کو پکڑوا دیا اور اس مقدام نوجوان کو سولی دلوا دی تو بیشک یہ بات ٹھیک ہے اس قابلیت کے مقابلہ میں حضور انور ضرور ناقابل تھے بدنصیب متعصب مورخ اپنے گریبان میں تو منہ ڈالتے نہیں جو کچھ جی میں آتا ہے اناپ شناپ لکھ مارتے ہیں +

حضور انور کا بچپن ایسا ستھرا ہوا اور پاکیزہ وقتا فوقتاً آپ کی صداقت ایسی مشہور ہوئی کہ لوگ آپ کو الامین کے لقب سے یاد کرنے لگے آپ کی راستبازی اور صفائی قلب آپ کا معمول اور حرکت آپ کی غیر معمولی فرمانبرداری جو آپ اپنے چچا ابو طالب کی کرتے تھے مکہ میں تیر بتاک طریقہ سے دیکھی جاتی تھی +

ابو طالب کی حالت اس وقت معاش کی وجہ سے بہت تنگ ہو گئی تھی اور آپ اپنے کنبہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تھے حضور انور کی عمر اس وقت پورے چھ سال کی تھی ایک دن ابو طالب نے

اپنے بھتیجے سے یہ کہا "محمد جیسا کہ تم جانتے ہو میں ایک قلیل معاش کا شخص ہوں اور یہ وقت مجھ پر بڑا گزر رہا ہے اب اس وقت تیرے ہی قبیلہ کا ایک کاروان شام کو روانہ ہونے والا ہے اور خدیجہ بنت خویلد کو اپنا تجارتی مال فروخت کرنے کے لئے ایک شخص کی تلاش ہے اگر تم درخواست کرو تو خدیجہ تمہاری خدمات منظور کرلے گی" حضور انور نے جواب دیا جو آپ کی مرضی ہو مجھے اس میں کچھ عذر نہیں" یہ سنتے ہی ابوطالب خدیجہ کے پاس گئے اور کہا کیا تم میرے بھتیجے محمد کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ شام بھیجنا منظور کرتی ہو یہ سن کر خدیجہ نے منظور کرلیا مگر دوسری روایت یہ ہے مگر غالباً یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ابوطالب نے قلت مال اور کثرت عیال کی حضور خواجہ عالم میں شکایت کی اور کہا کہ خدیجہ بنت خویلد اپنا مال مضاربہ کے ساتھ لوگوں کو فروخت کرنے کے لئے دیتی ہے (فقہاء نے اس شرکت مضاربہ کے معنی نفع میں نصف نصف کی شرکت کے بیان کئے ہیں اور اس قسم کی شرکت کو جائز بتلایا ہے) اگر آپ خدیجہ سے درخواست کریں تو وہ آپکی درخواست فوراً منظور کرلے گی اور چونکہ آپ کی امانت اور دیانت داری مشہور آفاق ہو رہی تھی تو اس کی توجہ آپ کی طرف فوراً مبذول ہو جائے گی اس کا جواب حضور انور نے یہ دیا "تقبلها و ترسل له فی ذالك" ابوطالب نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس عرصہ میں دوسرا شخص تجویز نہ ہو جائے۔ باہم اسی طرح کی چچا بھتیجوں میں گفتگو ہوتی رہی کہ اس کی خبر خدیجہ کو پہنچی۔ اس خاتون نے فوراً پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کا ارادہ تجارت کرنے کا ہے۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو محض اس وجہ سے کہ آپ میں حسن گفتاری حسن کرداری۔ وفور امانت اور کمال دیانت کی صفات ہیں میں بہ نسبت اور لوگوں کے آپکو مضاعف دونگی حضور انور نے اپنے چچا سے جا کے بیان کیا کہ خدیجہ نے یہ پیغام بھیجا ہے ابوطالب بہت خوش ہوئے اور بیساختہ انکی زبان سے یہ نکل گیا ان هذا الرزق ساقه الله الیك" یعنے رزق ہے جو خدا تعالےٰ نے تمہیں ارزانی فرمایا ہے غرض کل باتیں تجارت کے متعلق طے ہوگئیں۔ خدیجہ نے اپنا غلام میسرہ آپکی خدمت کیلئے دیا بعض مورخ لکھتے ہیں وہ شخص خزیمہ بن حکیم تھا جو خدیجہ کا قوی تھا اور حضور انور کے ساتھ کیا گیا تھا۔

یہ قافلہ سیدھا مصر کی طرف روانہ ہوا بعض مورخوں کا بیان ہے کہ ایک اونٹ پر خزیمہ اور حضور انور سوار تھے تھوڑی دور چلنے کے بعد اونٹ کے پیر ہ گئے اور وہ چل نہ سکا۔ خزیمہ نے کہا یا محمد

اونٹ تو چل نہیں سکتا اب کیا کیا جائے آپ یہ سن کے نیچے اوتر آئے اور اونٹ کے پیر پکڑ کے خدا و ندتعالے کے حضور میں دعا کی کہ اتنے میں اونٹ کے پیر کھل گئے اور وہ چلنے لگا۔ ان کے موخ لکھتے ہیں اونٹ بار نبوت کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ مورخوں کا یہ لکھنا غلط نہیں ہے بیشک آپ نبی ہونے والے تھے اور آپ میں وہ دلائل جو ہر وجود تھے جو ایک نبی کی ذات میں ہونے چاہئیں۔ اونٹ کی ٹانگیں نبوت کے بوجھ سے بیکار ہو جانی کچھ تعجب کی بات نہیں ہے جن لوگوں کو مسمریزم آتا ہے وہ اگر چاہیں تو ایک شخص پر صرف اپنے ہاتھ کے ذریعہ سے کئی من بوجھ ڈال سکتے ہیں اب یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مسمریزم ہو ایک کس چیز ہے اور نبوت کی روحانی قوت سے اس کو کچھ بھی مناسبت نہیں ہے پھر یہ کونسی چیز ہے کہ بار نبوت کا اونٹ متحمل نہ ہو سکے اور چلتے چلتے اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں اگرچہ یہ روایت مسلمان محدثوں نے زیادہ معتبر نہیں تسلیم کی اور نہ کوئی جلیل القدر صحابی اس کا راوی ہے نہ اس کی روایت پر مسلمانوں کے کسی مذہبی رکن کا دارومدار ہے تو بھی اگر تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں تو ہمارے خیال میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔

جس وقت خدیجہ نے یہ بات دیکھی تو بہت خوش ہوئی اس کے منہ سے یہ نکل گیا کہ تجھ آئندہ شان عظیم پیدا کرنیوالے جب حضور انور حدود مصر میں پہنچے تو ایک نسطور ا نامی راہب کی خانقاہ کے پاس آپ نے قیام فرمایا اس راہب کو نسطور کے نام سے بھی پکارا گیا ہے جب کارواں نے یہاں قیام کیا۔ تو حضور انور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ وہ درخت فوراً سرسبز اور شاداب ہو گیا اور حضور انور پر سایہ کرنے لگا۔ نسطور نے جب یہ حال دیکھا تو نہایت تعجب میں آ گیا اپنی خانقاہ سے باہر نکلا اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دیکے کہتا ہوں کہ آپ کا نام کیا ہے یا الفاظ مسنکہ حضور انور کو بہت برا معلوم ہوا حضور انور نے ارشاد کیا دور ہو میرے سامنے سے اے بدنصیب شخص۔ مجھے اس سے زیادہ کوئی بات ناگوار نہیں معلوم ہوتی نسطور کے پاس ایک لکھا ہوا حریر کا ٹکڑا تھا اٹھائے گھنٹوں میں کبھی وہ اس لکھے ہوئے ٹکڑے کیطرف دیکھتا اور کبھی حضور انور کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا کچھ دیر وہ یوں ہی کرتا رہا اس کے بعد بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ اس خدا کی قسم جس نے مسیح پر انجیل نازل کی یہ تو وہی ہے جس کی پیشین گوئی کتب مقدسہ میں موجود ہے خدیجہ بہت غور سے ان سب باتوں کو دیکھ رہا تھا کیونکہ قدرتی طور پر حضور انور کی محبت اس کے

لائے: ابن نعمان بی بی خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد اور ورقہ ابن نوفل اور علمائے نصاریٰ میں سے چند لوگ موجود تھے۔

ابو طالب نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اس مجلس میں خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "حمد و سپاس اس خدا کے لئے سزاوار ہے جس نے ہمیں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی اولاد میں پیدا کیا اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور حرم کا پیشوا بنایا اور اس گھر کو کہ خلق اللہ کا مطاف ہے ہمارے لئے امن کی جگہ بنائی۔ اما بعد میرا بھتیجہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ایسا مرد ہے کہ اگر اسکا مقابلہ کسی دوسرے نوجوان قریش سے کیا جائے تو فضیلت اسی کو حاصل ہوگی اگرچہ وہ دولتمند نہیں ہے۔ تو اس کی ہمیں پروا نہیں کیونکہ مال شرافت۔ دیانت۔ درایت اور بزرگی کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور محمد وہ شخص ہے کہ جو کچھ اس کو میرے ساتھ قرابت ہے۔ وہ تم سب لوگوں کو معلوم ہے اب اس وقت وہ خدیجہ بنت خویلد کو اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم کہ محمد کو بڑا مرتبہ اور بزرگی درپیش ہے۔ یہ کہہ کر ابو طالب نے اپنے خطبہ کو ختم کیا اس کے بعد ورقہ ابن نوفل نے خطبہ پڑھنا شروع کیا جس میں پہلے خدا کی حمد کی گئی اور اس کے بعد ابو طالب کے بیانات کی تائید کی اور کہا کہ میں خدیجہ کو بعوض مہر چار سو مثقال طلا محمدؐ کی زوجیت میں دیتا ہوں اس وقت ابو طالب نے ورقہ سے کہا۔ کہ اس خطبہ میں خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد تیرے ساتھ شریک ہو تو مناسب ہے۔ چنانچہ ورقہ نے اپنے ساتھ عمرو بن اسد کو کر لیا اس نے بھی وہی الفاظ دوہرائے جو ورقہ نے کہے تھے۔ بکثرت مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت خدیجہ کا باپ زندہ تھا۔ غرض جب نکاح ہوگیا تو خدیجہ نے اپنی لونڈیوں کو حکم دیا کہ دف بجائیں اور گائیں چنانچہ انہوں نے شادی کی خوشی میں دف بجائے اور خوب جلسہ کیا۔

مہر میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ خدیجہ کے مہر میں بیس اونٹنیاں دیجی تھیں اور بعض مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ چار سو مثقال طلا کا مہر بندھا تھا۔ اور بعض مؤرخ مہر کی رقم کی مقدار پانسو درہم بیان کرتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر میں نہ صرف نقد رقم دی گئی تھی بلکہ اونٹنیاں بھی ضرور دی گئی تھیں۔ سر ولیم میور نے کہیں سے نکاح کے متعلق

ایک جھوٹی اور جعلی روایت نقل کر کے بہت کچھ چمکا اور وہ روایت یہ ہے کہ "خدیجہ نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف حضور انور سے شادی کرنی چاہی تھی اور جس وقت نکاح کی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اس نے ایک گائے ذبح کی اور اپنے باپ کی دعوت کی۔ اور دعوت میں اسکو خوب شراب پلادی، جب وہ نشہ میں چور ہو گیا تو اُسی وقت آنحضرت کو نکاح کے لئے بلا بھیجا۔ خدیجہ کے باپ نے نشہ کی حالت میں اپنی بیٹی اپنی وکالت سے آنحضرتؐ کی زوجیت میں دیدی۔ مگر جب اُسے ہوش آیا تو اس نے اپنے چاروں طرف نظر کی اور کہا گائے کا ذبح ہونا اور دعوت کا ہونا اور برات کا یہاں بیٹھنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے بیان کیا گیا کہ محمدؐ تیرے داماد ہیں اور تو نے ابھی اپنی بیٹی ان کی زوجیت میں دیدی۔ یہ سنتے ہی خدیجہ کا باپ مارے غصہ کے کانپنے لگا۔ اور اُسنے کہا کہ میں ہرگز ایک معمولی لڑکے کو اپنی ایسی بیٹی جس کے خواہشمند بڑے بڑے عرب کے رئیس ہیں نہیں دینے کا۔ اس بات پر حضور انور کے چچاؤں کو غصہ آیا اور اُنہوں نے نہایت درشت لہجہ میں یہ جواب دیا کہ ہم نے اس کی خود خواہش نہیں کی تھی۔ خود تیری بیٹی خدیجہ کی تحریک سے یہ شادی ہوئی ہے۔ غرض طرفین سے اس قدر تیزی برتی گئی کہ تلواریں کھنچ گئیں مگر یکایک خدیجہ کا بوڑھا باپ ٹھنڈا پڑ گیا اور باہم مصالحت ہو گئی۔

یہ جھوٹی اور بے ہودہ روایت میور نے بہت خوش ہو کر اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل میور تاریخ کی معراج تحقیق اسقدر ہے۔ جہاں وہ بڑے بڑے معتبر اور مستند روایتوں کو وحشی منشا نہ لکھتا ہے وہاں اس کو اس بے بنیاد قصہ کے لکھنے میں شرم نہیں آئی اس کے انصاف تحقیق اور فضیلت کی پوری قلعی کھلگئی اور اس روایت کے نقل کرنے سے یہ بھی ہو گیا کہ اس سے زیادہ کوئی متعصب مورخ شاید انگلستان میں نہ ہو۔ تمام واقعات جو تاریخوں میں مذکور ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ روایت محض گھڑی ہوئی ہے۔ حضرت بی بی خدیجہ بذات خود دولتمند مشہور تھیں۔ اور وہ خود بنفس نفیس تاجروں سے لین دین کیا کرتی تھیں کبھی یہ نہیں سُنا گیا کہ ان کے معاملات میں ان کے باپ خرید لے دخل دیا ہو نہ حضور انور کے ساتھ جو معاملہ تجارت کا ہوا اس میں خویلد کا کہیں ذکر آیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ نہایت خود مختارانہ طور پر زندگی بسر کرتی تھیں اور مثل اپنی عرب بہنوں کے اپنے شوہر کے انتخاب میں

آزادی حاصل تھی۔ اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ بہت سے امیر قریشوں نے بی بی خدیجہ سے اپنی شادی کی درخواست کی تھی اور اُنہوں نے اپنے اختیار سے اس کو نامنظور کر دیا تھا۔ یہی روایت خود سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شوہر کے انتخاب کرنے کا اختیار بالکل بی بی خدیجہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ خدیجہ نے اپنے باپ کو صرف اس غرض سے شراب پلائی تھی کہ وہ بیہوشی کے عالم میں مجھے محمدؐ کی زوجیت میں دینا قبول کرلے۔ چنانچہ ان کا کرتب چل گیا اور خویلد نے بیہوشی میں حضور انور کو اپنی داماد ی میں قبول کر لیا۔ شراب کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی جسکا نشہ تھوڑی دیر میں اُتر گیا جب شراب کے نشہ کی یہ کیفیت تھی کہ اسنے خویلد کو بالکل اندھا کر دیا تھا اور نہ وہ آدمیوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ جو کچھ کہتا تھا اس کو سمجھ سکتا تھا۔ پھر ایسا سخت نشہ چند منٹ میں کیسے اُتر گیا۔ سر ولیم میور باوجودیکہ شراب خوار قوم میں سے ہیں اور انھیں شراب کے نشہ کی پوری کیفیت معلوم ہوگی اور وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ شراب کا زیادہ نشہ سارے سارے دن بھی نہیں اُترتا پھر کیوں اُنہوں نے اس بے بنیاد قصہ کو اپنی کتاب میں درج کر کے ناظرین سے اپنا مضحکہ اُڑایا۔ کیا ی پر تمام لندن کے مورخ جنھوں نے مسلمانوں کی تاریخیں لکھی ہیں فخر کرتے ہیں کیونکہ جس انگریزی مورخ کی تاریخ کو اُٹھا کر دیکھو اس میں سر ولیم میور کی کتاب کے حوالے ضرور ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں اسلامی واقعات کا علم کس درجہ گھٹا ہوا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ ولیم کے اس اندھیر کو دیکھئے کہ یکایک گرم زبانی کے بعد تلوایں کھچوا دیں اور پھر آناً فاناً میں مصالحت کرادی۔ اگر ہم خویلد کو زندہ اور ایسے موقع پر نشہ کی حالت میں بھی تسلیم کر لیں تو اور اُس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں نے تو شراب نہ پی تھی جبکہ خویلد کا دوسرا بھائی نکاح میں موجود تھا جس نے خطبہ پڑھا اور نکاح میں شریک ہوا وہ کہہ سکتا تھا میرے بھائی کے ساتھ یہ بدعت ہوئی ہے۔ ذرا تامل کیا جائے اور جب تک دو ایک روز میں وہ صحیح وسالم نہ ہو نکاح نہ بند ہونا چاہیے جب ان لوگوں کی رضامندی سے نکاح ہوا پھر ہوشیار ہونے کے بعد اونہوں نے خویلد کو حمزہ یا عباس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں سے مقدمہ کیوں نہ کرنے دی اور کیوں نہیں روکا۔

غرض اس لغو اور نہایت بودے واقعہ پر جس قدر غور کیا جائے گا اس کی لغویت ثابت ہوتی جائے گی۔ اصل واقعہ وہی ہے جو ہم نے نکاح کے متعلق بیان کیا ہے اور قریب قریب کل مؤرخ مثلاً ابن ہشام۔ ابن اسحٰق اور طبری اس کے ساتھ ہمزبانی کر رہے ہیں۔ طبری اور کاتب الواقدی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ عمرو ابن سعد بی بی خدیجہ کے چچا نے خطبہ پڑھا اور اس وقت خویلد خدیجہ کا باپ نہ تھا کیونکہ اس واقعہ سے پہلے خویلد کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر میور کو اس پر اطمینان نہیں ہے وہ کہتا ہے اور روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ خویلد زندہ تھا اور اس نے اپنی بیٹی کے نکاح کا خود خطبہ پڑھا لیکن اس کا بیان ہے کہ خویلد کے مرنے کی روایت گھڑی گئی ہے تاکہ اس کا شراب پینا اور نکاح کی مخالفت کرنا ثابت ہو۔ اور میور یہ بھی لکھتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے شراب کی دوکانیں مکہ کے بازاروں میں عام طور پر کھلی ہوئی تھیں مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ شراب کی دوکانوں سے اس واقعہ کو کیا نسبت کیا خویلد نے کسی دوکان پر بیٹھ کے شراب پی تھی کہ دوکانوں کی ایجاد میور کو کرنی پڑی۔ میور نے طبری۔ کاتب الواقدی ابن ہشام اور ابن اسحٰق کی تکذیب تو کر دی لیکن اس تکذیب کے لئے کوئی دلیل نہیں پیش کی۔ اس سے زیادہ خبط اور ہو نہیں سکتا۔ اس طرح تو ہر شخص کو مجاز ہے کہ بلا دلیل دنیا کے کل واقعات کو جھٹلا دے۔ یہ باتیں ذی ہوش آدمیوں کی نہیں ہیں۔

شادی ہونے کے وقت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی چالیس برس تک پہنچ گئی تھی عمر کی اس نامناسبت سے بھی جس سلوک اور محبت سے حضور انور نے اپنی بی بی کیساتھ زندگی بسر کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں آپ نے دوسری شادی کا نام نہیں لیا آپ کی محبت کی اونچے دلیل یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی یہ بی بی آپ پر ایمان لائیں آپ سے بہتر شوہر آج تک کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ سوائے ابراہیم کے اور کئی بچے بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے ہوئے اس زمانہ نکاح سے وحی نازل ہونے تک آپ کے حالات پر زیادہ بحث نہیں ہوئی ہے سوائے بعض واقعات کے جنکا ذکر نیچے کیا جاتا ہے۔

کعبہ کی تعمیر

جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پینتیس ۳۵ سال کی عمر ہوئی تو کعبہ کی تعمیر کا خیال قریشیوں میں پیدا ہوا اور انھوں نے متفق ہو کے کعبہ کو ڈھا دیا اور دوبارہ اس کی تعمیر شروع کی دیواریں پہلے کی نسبت بہت بلند بنائیں اور چھتیں بھی نہایت مضبوط تعمیر کیں۔

کعبہ کے منہدم ہونے اور دوبارہ تعمیر ہونے کی دو وجہیں بیان کی ہیں اول تو یہ کہ دیواریں قد آدم سے زیادہ نہ تھیں اور ساتھ ہی کوئی چھت بھی نہ تھی۔ جس سے ایک محفوظ مکان کی صورت بن جاتی ایک بار پانی کی رَو ایسی آئی تھی جس نے سوراخ دیواروں میں کر دیا تھا بلکہ دیواروں سے بھی پانی گزر گیا تھا جب دیواروں کی یہ کیفیت ہوئی تو قریشیوں کو خوف معلوم ہوا مبادا پانی آگے بڑھے اور خانہ کعبہ آ رہے اس لئے بلند مضبوط دیواروں کے بنانے کی ضرورت پڑی۔

دوسری وجہ مورخوں نے یہ لکھی ہے کہ خانہ کعبہ میں ایک کنواں بنا رکھا تھا اور اس میں کل مال و متاع اور مقدس چیزیں رہا کرتی تھیں۔ ایک دن رات کو چند بدمعاش دیواروں سے پھلانگ کے چلے آئے اور کل مال چرا کے لے گئے۔ بیچارے قریش بہت پریشان ہوئے اور اب انھوں نے نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر کرنی چاہی۔

اسی اثنا میں انھوں نے سنا کہ رُوم سے ایک جہاز جدہ میں آ کے ٹوٹ گیا ہے اس لئے وہ وہیں پڑا ہوا ہے اس میں اعلیٰ درجہ کے معمار ہیں جو کہیں بلائے ہوئے جاتے تھے چنانچہ سرداران قریش کا ایک گروہ ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں جدہ آیا اور ان لوگوں سے التجا کی کہ ہمارے ساتھ مکہ چلکے ہمیں کعبہ کی تعمیر میں مدد دیجائے چنانچہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور مکہ آ کے کعبہ کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ قریش پتھر جمع کرتے جاتے تھے اور رومی کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے۔ حضور انور کو آپ کے چچا عباس نے پتھر اٹھانے کے لئے کہا آپ بھی اس کام میں مصروف ہو گئے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے جن سے ایک دن تمام دنیا کو آپ نے اٹھایا پتھر ڈھونے شروع کئے۔ مگر قریشیوں نے ایک یہ بات کی کہ کعبہ کی چار جہات کو چار قبائل میں تقسیم کر دیا اور جس کی باقاعدہ تقسیم قرعہ سے اس طرح عمل میں آئی۔ رکن حجر الاسود سے رکن عراقی تک عبد مناف و بنی زہرہ کے حصہ میں آئی اور رکن عراقی سے رکن شامی تک بنی اسد بن عبد العزیٰ و بنی عبد الدار

مقرر ہوئے اور رکن شامی سے رکن یمانی تک بنی تمیم نامزد ہوئے اور رکن یمانی سے حجر الاسود تک بنی سہم و بنی عزی متعین کئے گئے۔ جب دیوار بنتے بنتے اتنی بلند ہوئی کہ حجر اسود تک پہنچی تو قریشیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور ہر قبیلہ نے یہ چاہا کہ یہ مبارک پتھر ہم میں سے کوئی شخص نصب کرے تُو تُو مَیں مَیں ہوتے ہوتے مقاتلہ کی نوبت پہونچی۔ پھر بڑی ردّو کد کے بعد یہ فیصلہ پایا کہ جو شخص اول باب بنی شیبہ میں سے ہو کے نکلے وہی اس مقدس پتھر کو نصب کرے اور پھر کوئی اس سے اختلاف نہ کرے۔ جب یہ فیصلہ ہو چکا تو سب سے پہلے حضور انور صلعم اُس دروازے میں داخل ہوئے۔ جوں ہی قریشیوں نے یہ سُنا مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے اور بیساختہ اونکی زبان سے یہ نکل گیا کہ محمد امین دروازہ میں داخل ہو گئے ہیں اب ہمیں اُنکی اطاعت واجب ہی جو کچھ وہ فرمائینگے اُس معاملہ میں ہمیں انکار نہیں ہونے کا۔ حضور انور سے عرض کیا کہ ہم میں یہ بات طے پائی تھی آپنے سنتے ہی اپنی مبارک چادر زمین پر بچھا دی اور سنگ اسود کو اُٹھا کے اُس کی جگہ نصب کر دیا۔

اسکے اُٹھانے کی روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ حضور انور نے پہلے سنگ اسود کو اپنی چادر پر رکھا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص آئے اور چادر کے کونے پکڑ کے اوٹھائے چنانچہ حکم ہوتے ہی عبد اللہ بن شیبہ و ابو حذیفہ بن مغیرہ و عدی بن قیس خدمت میں حاضر ہوئے حضور انور نے اشارہ سے فرمایا کہ چادر کے کونوں کو پکڑو سب نے حکم کی تعمیل کی اور حضور انور کے ارشاد کے مطابق اس پتھر کو اُٹھا کے اسکی جگہ پر قایم کر دیا۔

یہ بڑا کام جس سے خونریزی کا اندیشہ تھا حضور انور کے مبارک ہاتھوں سے بہو لیت انجام پا گیا۔ تعمیر کعبہ برابر ہو رہی تھی جب کعبہ کی دیواریں بیس گز کے قریب بلند ہو گئیں تو انپر چھ ستونوں کے سہارے پر چھت پاٹی گئی جس طرز سے کہ کعبہ تعمیر کیا گیا یہ طرز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بالکل مخالف تھی اس لئے حضور انور نے ایک بار حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

"لولا ان قومک حدیث عہد بالکفر لنقضت بالکعبۃ ورود تھا"

"بنی قواعد ابراہیم وجعلت لہا بابا شرقیا و بابا غربیا"

اس مدت کی بنا پر عبداللہ بن زبیر نے اپنے زمانہ حکومت میں قریشیوں کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا کے حضور انور کے منشا کے مطابق طرز ابراہیم علیہ السلام پر اس کی تعمیر کر دی تھی لیکن جب حجاج بن یوسف عبدالملک مروانی خلیفہ کے گورنر کو ابن زبیر پر فتح حاصل ہوئی تو اس نے خلیفہ کے حکم سے کعبہ سہ بارہ منہدم کر کے پہلی صورت پر تعمیر کر دیا۔ مگر جب خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت ہوئی تو انھوں نے چاہا کہ مروانی عمارت کو ڈھا کے کعبہ کو اسی طرح بنا دوں جس کی حضور انور نے خواہش ظاہر فرمائی تھی اور جو ابن زبیر نے بنایا تھا اس امر میں خلیفہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ امام مالک نے کہا اے امیر المومنین کعبہ کو اس کی حالت پر رہنے دے کیونکہ اگر یہ توڑنے پھوڑنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تو خانۂ خدا بازیچۂ طفلاں بن جائے گا اور جو جدید خلیفہ ہوگا وہ اپنے خیال کے مطابق اس کی تعمیر کرتا رہے گا۔ خلیفہ یہ سن کے دم بخود ہو گیا اور اس نے کعبہ کو توڑنے اور دوبارہ بنانے کا پھر خیال نہ کیا۔

حضرت ابو طالب کی بے سروسامانی

اتفاق سے ابو طالب کی تجارت میں کچھ ٹوٹا آگیا اور انکی حالت ایسی خراب ہو گئی کہ وہ اپنے بچوں کی کافی طور پر پرورش نہ کر سکے۔ چونکہ آپ کا خاندان بہت وسیع تھا اس لئے ایسی حالت میں نہیں سخت دقت ہوئی کہ وہ کیونکر اپنے اتنے بڑے کنبہ کو پرورش کر سکتے۔ حضور انور رسول خدا سے آپ کی یہ مصیبت چھپی ہوئی نہیں تھی۔ آپ نے اپنے فطری رحم اور ذاتی مہربانی سے اس بات کی کوشش کی کہ کسیطرح اپنے مہربان چچا کو خرچ کے بار سے ایک حد تک نجات دی جائے چنانچہ حضرت رسالت مآب اپنے دوسرے چچا حضرت عباس کے پاس گئے۔ اور فرمایا کہ اے چچا آپ کے بھائی ابو طالب پر کنبہ کا بہت بوجھ ہے۔ اس وقت مناسب ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے میں اور آپ دونوں مل کر ان کے پاس چلیں۔ اور ان سے درخواست کریں کہ وہ اپنے بچوں کے لئے ہماری مدد قبول کریں ایک بچہ میں اپنی نگرانی میں لوں گا۔ اور ایک بچہ کو آپ پرورش کیجئے گا۔ یہ سن کر عباس راضی ہو گئے اور حضور انور کے ساتھ ابو طالب کے پاس گئے اور اپنی خواہش ظاہر کی۔ پھر اس پر ابو طالب نے جواب دیا کہ صرف عقیل کو ہمارے حوالے کر دو باقی بچوں کا تمہیں اختیار ہے۔ چنانچہ سرور کائنات نے حضرت علی کو اپنے

اپنے ساتھ لے لیا اور آپ کے چچا حضرت عباس نے جعفر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ طالب کی نسبت مورخوں کا اختلاف ہے بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے پاس صرف اُن کا بچہ عاقل ہی رہا تھا۔ طالب کا ذکر کسی تاریخ میں مفصل طور پر نہیں ملتا صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ مشرکین مکہ کے لشکر سے طالب جنگ بدر میں بت پرستوں کی طرف سے مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑا تھا۔ حضرت علی کی عمر پانچ یا چھ سال کی تھی سرور کائنات نے آپ کو بچوں کی طرح سے پرورش کیا اور آپ ایسی ہی محبت کرتے تھے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے حضرت علی کو بھی سرور کائنات سے ایسا ہی انس تھا اور آپ اپنے مثل مہربان باپ کے حضور انور کو سمجھتے تھے [illegible] عیسوی کے آغاز میں حضرت علی کی پیدائش بیان کی گئی ہے۔ یعنی آپ سنہ ۶۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۶۶۱ء میں آپ کی شہادت ہوگئی۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر انسٹھ یا ساٹھ برس کی ہوتی ہے مگر بعض راویوں نے آپ کی عمر ۶۳ برس کی بیان کی ہے ان صورت سے آپ کا سال چالیس سنہ ۶۰۰ء یا سنہ ۶۰۱ء ہونا چاہیے۔

اس کے بعد ایک لڑکا زید نامی حضور انور کے پاس آیا زید ایک غلام تھا جو بی بی خدیجہ نے حضور انور کو خدمت کے لیے دیا تھا۔ یہ غلام اگرچہ نہایت بدصورت اور پستہ قد تھا۔ مگر اپنی نیک خلائی اور قابلیت خدمت گزاری کی وجہ سے حضرت سرور کائنات کے دل میں اس نے اپنی طرف سے محبت پیدا کر دی تھی زید حارث کا بیٹا تھا اور اس کا تعلق قبیلہ بنی سے ہی ہونا تھا اتفاق سے قبیلہ بنی کلب کا ایک گروہ مکہ میں حج کی غرض سے آیا اس نے زید کو پہچان کر یہ حارثہ کا بیٹا ہے بچپنا کچھ جب وہ اپنے وطن واپس گئے تو انھوں نے حارثہ سے جا کر کہا کہ ہم تیرے بیٹے کو بہت اچھی حالت میں دیکھ کر آئے ہیں وہ محمد بن عبداللہ کے پاس رہتا ہے اور وہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ حارثہ اپنے بیٹے کی جدائی کے صدمہ میں گھلا جاتا تھا اور تلاش کرتے کرتے تنگ ہو گیا تھا چنانچہ وہ مکہ میں آیا اور اس نے بطور فدیہ کے ایک بہت بڑی رقم حضور انور کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ حضور یہ رقم قبول فرمالیں اور میرے بچہ کو آزاد کر دیں سرور کائنات نے یہ سنتے ہی زید کو بلایا۔ اور ارشاد کیا کہ میری طرف سے تو بالکل آزاد ہے خواہ اپنے باپ کے ساتھ چلا جا یا میرے پاس رہ۔ زید نے نہایت جوش وفاداری کے ساتھ یہ جواب دیا کہ میں حضور کو

چھوڑ کر نہیں جا سکتا میں اپنا ماں باپ حضور ہی کو سمجھتا ہوں۔ غلام کی اس غیر معمولی محبت اور وفاداری پر حضور سرور کائنات بے انتہا خوش ہوئے اس لڑکے سے سرور کائنات کو اپنا باپ کہا تھا اسی طرح حضور انور نے محض اس کی محبت کو مدنظر رکھ کے یہ فرمایا کہ بیشک میں تجھے اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اور تو میرا بیٹا ہے۔ یہ عام دستور ہے کہ ہر غیر شخص کا بچہ۔ اگر اس کے چال چلن درست ہو اور اس میں صلاحیت موجود ہو تو جس شخص سے اس کو تعلق ہوگا۔ اور نزدیکا اس کو اپنا باپ کہکر پکارے گا تو وہ بھی اُسے اپنا بیٹا کہنے لگے گا۔ اس کی نظیریں اب بھی زمانہ میں ہزاروں موجود ہیں کہ لوگ اپنے غلام کو جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں اس بیٹا کہنے سے اصلی بیٹا کسی صورت سے مقصود نہیں ہوتا۔

سر ولیم میور نے اس واقعہ کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جب زید نے سرور کائنات کو اپنا ماں اور باپ کہا تو سرور کائنات اس بچہ کی وفاداری سے ایسے خوش ہوئے کہ آپ اسی وقت زید کو اپنے ساتھ کعبہ میں سنگ اسود کے قریب لے گئے۔ اور یہ فرمایا۔ کہ اے لوگوں جو تم یہاں موجود ہو اس بات کے گواہ رہنا۔ کہ زید میرا بیٹا ہے میں اس کا وارث ہوں گا۔ اور یہ میرا وارث ہوگا۔

ہمیں اس روایت سے بالکل اختلاف ہے اور جہاں تک ہم نے دیکھا ہے صحیح بخاری یا اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں یہ الفاظ نہیں نظر پڑے۔ وارث ہونے سے کیا غرض جب کہ ایک صحیح حدیث موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال اور سامان کا کوئی وارث نہیں ہوتا پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ضعیف اور غلط روایت میور نے کس بنا پر اپنی کتاب میں درج کر دی۔ اور یہ حدیث نہ صرف سنیوں کی کتابوں میں ہے بلکہ شیعی علماء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری کتاب الفرائض میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں "عن ابن شہاب عن عروۃ عائشۃ ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین کونی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اردن ان یبعثن عثمان الی ابی بکر یسلہ میراثہن فقالت عائشۃ الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکناہ صدقۃ انتہی (ملخصا)

عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج نے جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی یہ ارادہ کیا کہ عثمان کو ابوبکر کے پاس بھیجیں اور میراث ان سے

طالب کرتی ہیں حضرت عائشہ بولیں کہ کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ (مال) چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

پھر شیعوں کی معتبر کتاب اصول کافی باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء میں حضرت امام جعفر صادق کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے "عن ابی عبداللہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درہما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثہم" (ترجمہ)

ابوعبداللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے اصول کافی کی یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ ہم نے داؤد کا سلیمان کو وارث بنایا یہ وراثت علم کی وراثت سے مراد ہے۔ مال سے کچھ تعلق نہیں دوسری بات یہ کہنے کی ہے کہ یہ جو سرور نے نقل کیا ہے کہ سرور کائنات نے یہ فرمایا کہ میں تیرا وارث ہوں اس کے معنے کچھ نہیں نکلتے کہ آیا باپ کس صورت سے وارث ہو سکتا ہے جب کہ بیٹے کی اپنی اولاد قانوناً اپنے باپ کے مال کی وارث ہو سکتی ہے۔ دنیا میں آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے سے یہ دعویٰ کیا ہو گا کہ میں تیرا وارث ہوں ہاں اگر وراثت کے مجازی معنے شفقت کرنے والا یا سرپرست یا نگران حال لئے جائیں۔ تو بیشک ایک حد تک صحیح ہو سکتے ہیں۔

ہمارے دوست سر ولیم میور ہمیشہ ایسی ضعیف روایتوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کے ذریعہ سے اہل اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملے کتاب لکھنے میں انہیں اس بات کی جستجو نہیں ہوئی۔ کہ کوئی غیر معمولی معتبر اور ضعیف روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ انھوں نے محض دو سازگار کہانیوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ مگر ان معتبر روایتوں کو بالکل پس پشت ڈال دیا جن سے انکی مطلب براری نہیں ہوتی تھی اب ہم اس کے متعلق کہ زید کے باپ کے اٹھنے پر کہ میں حضور انور کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا صحیح اور معتبر حدیثیں درج کرتے ہیں جن سے میور کے کذب و بہتان کی قلعی کھل جائے گی۔

صحیح بخاری میں تو باب مناقب میں صرف اس قدر لکھا ہے "زید بن حارثہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال البراء عن النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انت اخونا ومولانا" اس کی مفصل کیفیت

اور زرقانی شرح المواہب شرح صحیح البخاری اور عمدۃ القاری میں یہ لکھی ہے کہ زید بن حارثہ کلب میں سے ایک کلب جرشیہ پر حملہ کرکے ان کو قتل و غارت کرکے ان کے مویشی لوٹ کر لے آئے تھے۔ اور ان کو عکاظ کے بازار میں لے جاکر علی البیع فاخترہ حکیم بن حزام لعمتہ خدیجۃ بنت خویلد فلما تزوجہا النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہبتہ لہ فحضر ابوہ حارثۃ فخیر النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بین المقام عندہ والرجوع الیہم فاختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی اباہ وعمہ فاعتقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزوجہ امہ ایمن بن عبید وہی التی ولدت اسامۃ ومن فضائل ابن الصدیق کما فی القرآن وقتل فی غزوۃ مؤتہ للحبشیۃ۔

ان روایتوں میں کہیں بھی سوائے معمولی باتوں کے کہ زید بن حارثہ بنی کلب میں سے تھا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ جارہا تھا کہ رستہ میں پکڑا گیا اور بیچنے کو عکاظ کے بازار میں لے کر فروخت ہوا۔ اور اس کو حکیم بن حزام حضرت بی بی خدیجہ کے بھتیجے نے خرید کے اپنی پھوپھی کو دیدیا۔ پھر حضرت سرور کائنات نے اس کا نکاح ام ایمن کے ساتھ کردیا۔ اس کے بعد اس کا باپ حارثہ مکہ میں آیا۔ اور اس وقت حضور انور نے زید کو آزادی دیدی کہ خواہ یہاں رہے یا اپنے باپ کے ساتھ چلا جائے۔ زید نے منظور نہیں کیا۔ اس کی بیوی ام ایمن کے بطن سے اسامہ پیدا ہوا۔ اور سپہ سالاری کی حالت میں غزوہ موتہ میں شہید ہوا۔ کہاں ہیں وہ الفاظ جو ہمارے ادھر اور دھر سے اپنی کتاب میں درج کردے ہیں۔ روایتیں سینکڑوں ضعیف اور جعلی ہیں۔ لیکن محقق کا تو یہ فرض ہے کہ بطور خود ان کو تحقیق کرے۔ اور سوائے معتبر اور مستند کتابوں کے معمولی قصہ کہانیوں کی کتابوں پر نظر نہ ڈالے۔

اس کے بعد ہم صحیح بخاری کے الفاظ کی طرف ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں جہاں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اخی اور مولیٰ کا لفظ زید کی نسبت استعمال کیا ہے۔ اس حدیث میں ہی ابن کا لفظ نہیں ہے نہ قرآن مجید میں ابن کا لفظ آیا ہے۔ خدا معلوم یہ غلط روایت اتنی مشہور کیوں ہوگئی اور کس طرح زید کو ابن محمد کہنے لگے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور سرور کائنات نے اپنے کو تمام مسلمانوں کا باپ کہا ہے۔ اس لحاظ سے زید بھی بیٹا ہوا ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت زید میں نہ تھی۔

اب رہا تبنی کرنا۔ صحیح احادیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے جس طرح صدہا جعلی حدیثیں بن گئی

تھیں۔ ان میں ایسی بھی کوئی غلط روایت ہوگی جس کو اپنے مطلب کا دیکھ کر مخالفوں نے چن لیا دیا اور ہم زید کے معاملہ کی نسبت مو قع پر بالتفصیل بحث کریں گے یہاں اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب زید کی عمر میں بھی مورخوں کا اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں۔ کہ زید جب حضور سرور کائنات کی خدمت میں رہنے لگا ہے تو بہت چھوٹا تھا۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ خاصہ جوان تھا۔ کیونکہ اس کی شادی ام ایمن سے ہوگئی تھی عیسائی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ زید جوان تھا۔ اور اس کو عیسائیوں کا نہ ہی علم بہت تھا اور نصارے کے مذہب کی تعلیم سرور کائنات نے زید سے پائی تھی۔ فاضل پرنگر تو اس قدر بڑھے ہے کہ انھوں نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ مسلمان مورخوں نے زید کی عمر جو چھوٹی بتائی ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ کسی کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ نصارے کی مذہبی کتابوں کی تعلیم سرور کائنات کو زید کرتا تھا وہ کہتا ہے کہ جن مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ زید رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دس برس چھوٹا تھا۔ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن معتبر روایت انگریزی مورخوں کے خیال میں یہ آئی ہے کہ جب ۸ھ ہجری میں زید شہید ہوا ہے تو اس کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔ اس لحاظ سے وہ چھبیس حضور سرور کائنات سے چھوٹا تھا۔

سید صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب عربوں نے قافلہ کو لوٹا اور زید کو گرفتار کیا ہے تو زید بچہ نہیں تھا کیونکہ ایسا چھوٹا بچہ اپنی ماں یا خاندان کے ساتھ سفر میں نہیں نکل سکتا تھا۔ ان واقعات کو نظر کرکے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب خدیجۃ الکبریٰ نے زید کو لیا ہے تو اس کی عمر ۲۰ سال سے کم کہ تھی۔ پھر سید لکھتا ہے کہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ چند غلام لایا تھا جب وہ اپنی پھوپھی خدیجہ کے پاس آیا تو اس نے کل غلام پیش کر دئے۔ کہ جو تمہارا جی چاہے انھیں میں سے پسند کر لیں۔ خدیجہ نے زید کو پسند کیا تھا۔

اس بیان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور سرور کائنات نے نصرانی عقائد کا علم زید سے حاصل کیا تھا یہ خیالی پلاؤ جو عیسائی مورخوں نے پکایا ہے اس کی محض خام خیالی ہے زید کے عالم ہونے کی نسبت کسی علمان مورخ نے اشارہ تک نہیں کیا۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی لڑکے قبیلہ میں قوم کا عالم قدر و موجد عقائد سمجھا کرتے ہوں گے بھی عالم بنجا تے تھے۔ مسلمان جو

اپنے ہادی برحق کو امی کہتے ہیں۔ عیسائی اس سے برافروختہ ہیں اور وہ اسی کے متعلق بہت کچھ اسطی سیدھی باتیں بناتے ہیں۔ مگر کوئی بات اُن کی چلتی نہیں۔ اس قسم کی باتیں بازاری گپیں ہیں نہ کہ واقعات سے کچھ تعلق نہیں ہے ؛

ایک یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ اس زمانہ میں نہ کتابوں کی اشاعت کا کوئی سلسلہ تھا۔ اور باقاعدہ کوئی تعلیم گاہ تھی بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک وحشی قبیلہ کا بچہ ایسا تعلیم یافتہ ہو کہ وہ دوسروں کو سکھا سکے۔ اس زمانہ میں حالانکہ تعلیم کا پورا رواج ہے اور اشاعت انجیل کی یہ کیفیت ہے کہ عیسائیوں کے ہاتھوں سے گزر کے پنساریوں کی دوکانوں میں اُن کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور انکی پڑیاں بنتی ہیں کوئی کرشتان ایسا آج تک نظر نہیں آیا جس کو انا جیل پر پورا عبور ہو اور وکل عقائد مسحت کسیکو تعلیم کر سکے۔ اسپرنگر نے تو بہت زور مارا لیکن بیچارہ ثابت نہ کر سکا کہ فخر دو جہاں کا معلم زید غلام تھا ؛

اب دوسرا حملہ ورقہ نوفل کے نام لیا گیا ہے جو نصرانیت کا ایک عالم مشہور ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ نصرانی اصول کی تعلیم اسی نے سرور کائنات کو دی تھی۔ چنانچہ سر ولیم میور چند مسلمان مورخوں کے اقوال ورقہ کے عالم ہونے کی نسبت بیان کرتا ہے ؛ (دو پونڈ)

ابن ہشام لکھتا ہے "فاحکم فی النصرانیۃ واتبع الکتب من اہلہا حتی علم علما من اہل الکتاب" پھر طبری لکھتا ہے "وقد کان تنصر واتبع الکتب حتی درک فکان فیما طلب من ذالک انہ کاین لہذہ الامۃ نبی من بنی اسمٰعیل" یعنے نصرانیۃ قبول کر کے اس نے نصرانیوں کی کتابوں کو مطالعہ کیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے کتابوں میں یہ بھی دیکھا تھا کہ بنی اسمٰعیل میں سے ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے ؛

ان دو باتوں کے نقل کرنے کا نتیجہ اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا کل مسلمان مورخ ایک زبان ہیں کہ ورقہ کو نبیوں اور قربات کا بہت بڑا علم تھا۔ اور اس نے اس الہامی کتابوں میں حضور انور سرور کائنات کے مبعوث ہونے کی خبر دیکھی تھی۔ اس لئے وہ پہلے نبی کا راستہ دیکھ رہا تھا۔ جب حضور انور نبی ہوئے اور آپ پر وحی نازل ہوئی تو قطعاً نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق اور آنحضرت کی کہ تم میں زیادہ زندہ رہیں تو ضرور حضور کے مخالفوں سے دوش بدوش جنگ کریں گا میں

ملائکہ یہی بتایا تھا کہ جو فرشتہ وحی لے کے نازل ہوا جبرئیل ہے اور یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ اور ابراہیم کے پاس وحی لے کے آیا تھا۔ یہ تمام باتیں تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں مگر ان روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ وارقہ کسی وقت بھی سرور کائنات کو عقائد نصرانیت کی تعلیم نہیں دیا کرتا تھا جب وہ یہ عبادت دے چکا کہ الہامی کتابوں میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے وہ تو ہی ہے پھر ایسی صورت میں تعلیم کرنا کیسا۔ دوسرے وارقہ نابینا اور ایک ضعیف شخص تھا جو چند روز کے بعد انتقال کر گیا کیا اس نے چند روز میں نصرانیوں کے کل عقائد کی سرور کائنات کو تعلیم دے دی تھی یا چند عقائد کی نبوت سے پہلے ہی دیجو نکہ وہ بی بی خدیجہ کی طرف سے آپ کا رشتہ دار تھا آپ اکثر ملا کرتے تھے یا موت کے بعد وارقہ کو حضور سرور کائنات کا شرف حضوری حاصل ہوا تھا۔ غرض سر ولیم میور اور اسپرنگر اس کوشش میں بھی بالکل کامیاب نہیں ہوئے۔

ہم کئی بار یہ لکھ چکے ہیں کہ عیسائی مورخ طوعاً و کرہاً اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اگر وہ اعتراض کرتے وقت عیسائی ہے رہیں تو اس قسم کے مہمل اعتراضات بھی ان کی زبان سے نہ نکلیں کہیں زید کو آسمان پر چڑھایا ہے کہ وہ بچے مذہب ابراہیم کی تلاش میں عراق عرب اور شام میں پھرتا رہا اور کہیں اس بحیرہ سے اس کی گفتگو کا حال لکھا ہے اور طبری کا حوالہ دے دیا ہے اگرچہ میور خود بھی طبری کی اس روایت کی تردید کرتا ہے اور یہ روایت نقل کر کے قدیم مسلمان مؤرخین پر منہ آیا ہے پھر بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ میور جیسے ہوشیار اور تعلیم یافتہ شخص نے یہ دو رکاکت باتیں لکھ کے یوں ہی کتاب کے صفحے برباد کئے۔

یہ قیامت تک ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن شریف فلاں فلاں آدمیوں نے بنایا ہے اور جو واقعات اس میں مندرج ہیں انہیں فلاں شخص نے سرور کائنات کو بتایا تھا۔ یہ باتیں چانڈو خانہ کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

پانچواں باب

سرورِ کائنات کی عمر کا چالیسواں سال

(آغاز نبوت)

ابتدا سے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا تھا۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ضرور ہم میں مسیح پیدا ہوگا۔ اور اُن کے اس خیال کا اثر تمام اُن بت پرست قوموں پر بھی پڑ گیا تھا جن سے روزمرہ اُن کے تجارتی اور تمدنی خیالات رہتے تھے۔ یہ بت پرست قومیں بھی مثل یہودیوں کے اس بات کا خیال کرنے لگی تھیں۔ کہ ہم میں ایک ہدایت کرنے والا ضرور پیدا ہوگا اور اُس کے پیدا ہونے کا بہت بیتابی سے انتظار کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کے تعلقات مکہ اور مدینہ کے بت پرست قوموں سے انتہا درجہ بڑھ گئے تھے چنانچہ خاص یثرب میں جس کا نام بعد ازاں مدینہ النبی رکھا گیا کئی بستیاں یہودیوں کی موجود تھیں اور قریب قریب یہودیوں کا تمام یثرب پر پورا قبضہ تھا۔ اگرچہ عربوں کے دوسرے قبائل بھی یثرب میں بستے تھے لیکن اقتدار یہودیوں ہی کو حاصل تھا۔ انھوں نے وہاں مستقل گڑھیاں بنا رکھی تھیں بہت سی زمینوں میں کھجور وغیرہ کی کاشت کیا کرتے تھے اگرچہ اس وقت کوئی خاص حکومت یثرب میں نہیں تھی اور نہ فوجداری اور دیوانی معاملات کے فیصلہ کرنے کے لئے عدالتیں قائم تھیں تو بھی ان معاملات کا فیصلہ جن میں تنازع ہوتا تھا یہودی قبائل کے سرغنہ اور دوسرے عربی قبائل کے سردار مل کر دیا کرتے تھے۔ یہ قوم دراصل مثل مہاجنوں کے تھی۔ ان کے ہاں سودی روپیہ دینے اور تجارت کرنے کا یہی طریقہ جاری تھا اسی وجہ سے مکہ کے بت پرست عربوں سے لین دین اور تجارت اور آمد و رفت برابر جاری رہتی تھی اس میل جول نے ایک بہت بڑا اثر بت پرستوں کی معاشرت پر ڈالا تھا۔ ساتھ ہی یہودیوں میں پیشین گوئی کرنے والے اکثر موجود تھے اور ان کی پیشین گوئیاں نہ صرف یہودی ہی شوق سے سنتے تھے۔ بلکہ بت پرست عرب بھی بڑی دقت سے پیشین گوئیوں کو گوش گزار کیا کرتے تھے۔

مکہ میں حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت، راستبازی اور دیانت کا بہت

کچھ غل مچا تو بعض بعض یہود یوں اور عربوں کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگیں اور یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ جس نبی کی پیشینیں گوئی کی جاتی ہے۔ چونکہ اس کی کل صفتیں آپ میں پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ نبی آپ ہی ہوں۔ چنانچہ مسلمان کی روایت کے بموجب ایک دن مجلس نبی عبدالاشہل میں احبار یہود میں سے ایک جبری بعثت قیامت اور حساب کا ذکر کر رہا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس کا ثبوت کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے تم ثبوت نہ پوچھو عنقریب حرم میں سے ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ وہ تمہارے آگے میرے اس قول کی تصدیق کر دے گا۔ انھوں نے دریافت کیا اس کی بعثت کا زمانہ کونسا ہوگا۔ سلمہ کہتے ہیں کہ اس جبری نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ غلام اس پیغمبر کی ملازمت کا شرف حاصل کرے گا اور اتنی عمر کو پہنچے گا کہ اس آنے والے پیغمبر کی خدمت بجا لائے۔ سلمہ کہتے ہیں جب سے میں نے جبری کی زبان سے یہ سنا دن اور رات انتظار میں رہنے لگا کہ کب وہ پیغمبر مبعوث ہو اور کب میں اس کا شرف ملازمت حاصل کروں۔ جب حضور انور کا ظہور ہوا اور سلمہ مشرف بہ اسلام ہوا تو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن جبری کی چادر پکڑ لی اور اس سے کہا کہ خود تو نے ہی تو بشارت دی تھی کہ ایسا ایک نبی پیدا ہوگا اور جب وہ نبی پیدا ہو گیا تو تو کیوں نہیں اس پر ایمان لاتا۔ یہ سن کر اس یہودی نے یہ کہا کہ جن کی میں نے تجھے بشارت دی تھی یہ وہ نبی نہیں ہیں یہ سن کے سلمہ چپ ہو رہے اور خیال کیا کہ ایک نابینا جب شمع کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا تو روشنی کا کیا قصور ہے ؎

اگر چہ شمع دیں دودے ندارد چو چشم اعمی بودے تر دے ندارد

عاصم بن عمر و انصاری کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کے مسلمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب کی اور ہماری دشمنی تھی اور اسی وجہ سے باہم جدال و قتال رہا کرتا تھا۔ اور وہ بطور وعید یہ کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کے تم سے جنگ کریں گے اور پھر تمہیں تمہاری دشمنی کا جو تم ہمارے ساتھ رکھتے ہو پورا مزا چکھائیں گے۔ چنانچہ جب حضور فخر المرسلین کی دعوت اسلام ہم تک پہنچی تو ہمارا سارا قبیلہ ایمان لے آیا۔ مگر اس جماعت نے انکار کیا۔ اور اپنے کفر کی تاریکی میں پڑے رہے ؎

قبیلہ بنی قریظہ کے ایک بوڑھے شخص نے بیان کیا کہ ہمارے اسلام لانے کا یہ سبب ہے کہ ہم اور قبیلہ بنی ذہیل ایک جگہ مکہ میں رہتے تھے۔ ایک دن یہودیوں کا ایک پیشوا بعثت سے دس برس پہلے ہم میں آیا اتفاقاً وہ آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ اور جب اس کی حالت مرنے کے قریب پہنچی تو اس نے اپنی سب قوم والوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کے اس اجنبی ملک میں اس لئے آن کے رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہو گا۔ اور اس مبارک شہر میں ہجرت فرما کے یہاں دائمی قیام فرمائے گا۔ میرا آنا صرف اسی وجہ سے ہوا تھا کہ میں اس کی ملازمت کا شرف حاصل کروں۔ اور اس کے مبارک قدموں پر اپنی جان نثار کر دوں۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اور یہ آرزو میرے دل ہی دل میں رہی۔ مگر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب اس نبی کا ظہور ہو۔ اور وہ اس شہر میں قدم رنجہ فرمائے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لے آنا۔ اور ہرگز اس کی مخالفت نہ کرنا اس کی دوستی دیں اور دنیا کی بہبودی کا باعث ہو گی اور اس کی مخالفت برباد کر دے گی۔ یہ کہہ کے وہ آرزومند بوڑھا دنیا سے چل بسا۔

جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ تو وہ شخص اس وقت موجود تھے۔ جنھوں نے اس بوڑھے کی وصیت کو سنا تھا۔ انھوں نے باہم کہا کہ یہ تو وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت بنی ذہیل کے بوڑھے نے دی تھی۔ ہم قلعہ سے فوراً باہر نکل آئے اور ہم نے حضرت رسالت مآب کے دست مبارک پر بیعت کر کے حضور کی غلامی کا فخر حاصل کیا۔ جب سے ہمارا مال بھی اور ہمارے بال بچے بھی محفوظ ہیں۔

طلحہ بن عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ میں بصرہ کے بازار میں کچھ خرید و فروخت کر رہا تھا۔ کہ ایک راہب اس طرف سے گزرا اور اس نے یہ دریافت کیا کہ حرم کا رہنے والا کوئی شخص یہاں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں حرم کا رہنے والا ہوں اور ابھی مکہ سے آیا ہوں اس راہب نے کہا کیا مکہ میں احمد کا ظہور ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا احمد کون شخص ہے۔ راہب نے کہا احمد پسر عبداللہ بن عبدالمطلب سے میری غرض ہے وہ اسی مہینہ میں مبعوث ہو گا۔ اور وہی

خاتم النبیین ہے اور اس کا ظہور حرم سے ہوگا۔ اور پھر اس زمین ہجرت کرے گا۔ کہ اس جگہ کے پتھر سفید رنگ کے ہوں گے اور اس کی ملی شور ہوگی۔ اور وہاں کھجوروں کے بیت سے درخت ہوں گے۔

طلحہ کہتے ہیں کہ اس راہب کی یہ باتیں میرے دل میں گھر کر گئیں جب میں مکہ واپس آیا۔ تو میں نے اس بات کی تلاش کی کہ آیا میری غیر حاضری میں کوئی نئی بات یہاں پیدا ہوئی یا نہیں لوگوں نے کہا کہ محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ اور ابوبکر بن ابوقحافہ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سارا حال بیان کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے مجھے ساری باتیں سمجھائیں اور میں سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بنی قشم اپنے بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کچھ اپنی بہبودی وغیرہ کے متعلق اس بت سے التجا کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آواز آئی۔ کہ اے لوگو تم جو بتوں کے آگے اپنی فریاد لے جاتے ہو اور ان سے داد رسی اور دادری چاہتے ہو۔ یہ تمہاری جہالت اور غفلت ہے اور جب تمہارے آگے نور چمک رہا ہے۔ پھر تم نے کیوں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور وہ نور اس پیغمبر کا ہے جو بنی آدم کا سردار ہے۔ اور قبیلہ بنی ہاشم میں بلند مرتبہ ہے۔ اور وہ نبی بن کے مکہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ کفر کو اسلام کے ساتھ بدل دوں۔ حق تعالیٰ نے اسے بزرگ بنایا ہے۔ وہ شائستہ پیشوا ہے اور قابل رہنما ہے۔ اس غیبی آواز کے الفاظ کچھ ایسے آہستہ آہستہ کانوں میں سنائی دیتے تھے کہ میں نے انہیں اچھی طرح سمجھ نہ لیا۔ یہ آواز سن کے وہ کل لوگ اٹھ کے چلے گئے۔ تین دن کے بعد میں نے حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور دعوت اسلام کا حال سنا۔

ابوہریرہ سے لوگوں نے پوچھا کیا تم بھی بت کی خدمت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں مگر حضرت رسالت مآب فخر دو جہاں کی برکت سے اس شقاوت سے مجھے نجات دیدی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آیا اور پوچھا کہ ایک شخص سواد بن قارب نامی یمن کا رہنے والا نہایت ہی ہوشیار اور ذہین شخص ہے جنات میں سے اس کے ایک ہمزاد نے اُسے اطلاع دی ہے۔ کہ عنقریب ایک آخر الزماں پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے یہ سنتے ہی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سواد کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ تو وہی شخص ہے جس کے ایک جن ہمزاد نے کسی پیغمبر کے ظاہر ہونے کی خبر دی ہے اس نے کہا کوئی جن میرا ہمزاد نہیں ہے۔ مگر یہ خبر بالکل صحیح ہے فاروق اعظم نے اس سے کہا کہ پھر یہ تو بتا کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور اسے کیونکر اس کا علم ہوا سواد نے کہا کہ میں ایک شب سوتا تھا کسی شخص نے میرا پیر ہلا کے مجھے جگایا اور کہا کہ اٹھ کہ بنی ہاشم میں سے ایک رسول پیدا ہوا ہے۔ اور وہ خدا کی طرف خلقت کو بلا رہا ہے اور اس نے خدا کی پرستش کی شمع روشن کر دی ہے یہ کہہ کر اس غیب کے آدمی نے میرے آگے دو شعر پڑھے۔ جن کا مضمون یہ ہے جو یہاں فارسی کی نظم میں لکھا ہے ؎

شگفتی در دلم از جنیاں است — کہ راہ کعبہ شان مقصود جاں است
بدان چوں جن کہ از نیکاں نباشند — پری و آدمی یکساں نباشند
ہمہ راہ ہدایت گشتہ طالب ؎ — کہ تا بر گمرہاں گردند غالب ؎
تو نیز از سوئے پیغمبر شتابی ؎ — ہر آں کامے کہ می جوئی بیابی ؎

سواد کہنے لگا کہ میں نے ان باتوں کا کچھ اعتبار نہیں کیا۔ اور میں نے اس شخص سے کہا کہ بھائی مجھے سونے دے۔ میں کل رات سے جاگا ہوا ہوں۔ کیوں مجھے پریشان کرتا ہے چنانچہ وہ شخص چلا گیا۔ دوسری شب پھر اسی طرح آیا اور وہی باتیں مجھ سے کہیں۔ جو پہلے کر گیا تھا میں نے پھر اس کی باتوں پر کچھ خیال نہیں کیا۔ وہ اس وقت چلا گیا۔ اور تیسری شب سہ بارہ میرے پاس آئے تھے اور پھر اس نے وہی باتیں کہیں آخر اسلام کی محبت میرے دل میں جگہ پکڑ گئی میں عربی تلوار لیکر نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ میری باتیں سنیں میں آپ سے کچھ غرض نہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے مجھے پہچانا میں کچھ شک نہیں کہ حضرت پہچان گیا تو آپ نے فرمایا کہ اور آگے آ۔ میں اس قدر قریب ہوئے جانا بالکل صحیح ہے اور جس کا

علیہ وسلم کے زانوؤں سے مل گئے اور میں نے پھر کل کیفیت حضور نبوی میں عرض کر دی جس کی باتوں کو بعض مورخین اسلام نے نظم میں تحریر کیا ہے۔ جس عربی نظم کا ترجمہ فارسی میں اس طرح کیا گیا ہے۔

بہ تحقیق دیدم یکے خواب دوش	کہ می گفت در گوش جانم سروش
کہ آرے سوئے بابل زمیں	ز قوم لوئی بن غالب یقین
شب دیگر آمد ہمیں راز گفت	سوم شب یکایک دگر راز گفت
چو تحقیق گشت آں سخن در زمان	بجان آمدم سوئے حضرت دواں
گواہی دہم من کہ ایزد یکیست	پرستش جزو اور اسزاوار نیست
رسولے بامت ز رحماں توئی	گرامی ترین رسولاں توئی
مرا رہنما اے امام سبل	بامر شریعت ز جزو و ز کل
ازاں روئے گشتم ترا من مطیع	کہ تا روز حشرم تو باشی شفیع

یہ سنتے ہی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ بہت خوش ہوئے اور میرے اسلام لانے پر سب نے اظہار مسرت کیا۔ جوں ہی حضرت ذوق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت سنی۔ سواد کو گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں یہ ساری کیفیت خاص تیری زبان سے گوش گزار کروں۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو مختلف تاریخوں میں ہیں ملتی ہیں ان روایتوں پر اسلام کی صداقت یا اصول کا کچھ دارومدار نہیں ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ خواہ ان روایتوں کو سچ سمجھے یا غلط۔ مگر یہ بات ماننی پڑے گی۔ کہ آخر الزمان نبی کے پیدا ہونے کا خیال نہ صرف دلوں میں بلکہ عرب کے بت پرستوں میں بھی پایا جاتا ہے جس کو ہم بوضاحت گزشتہ ثابت کر چکے ہیں۔

"[illegible] جو ہمیشہ ہر قوم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر گز قابل لغزت نہیں ہے۔ کہ اشد ضرورت کے وقت ایک مددگار کی تلاش ہوتی ہے۔ مصائب اور خرابیوں کا دور کرنے والا کوئی پیدا ہو جائے

چونکہ اس زمانہ میں تمدن کی خرابی اخلاق کی زبونی اور بتوں کی پرستش کی انتہا ہو گئی تھی۔ اس لئے زمانہ خود چاہتا تھا کہ ایک مصلح پیدا ہو۔ جو ان تمام بداعمالیوں کا خاتمہ کر دے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔

آپ زمانہ نبوت سے پہلے اکثر اوقات غار حرا میں تشریف لے جا کر حق اے واحد مطلق کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات رات رات بھر وہیں گزار دیا کرتے تھے غار مکہ معظمہ سے دو یا تین میل جانب شمال واقع ہے کبھی کبھی آپ کے ہمرکاب آپ کی بیوی خدیجۃ الکبریٰ بھی جایا کرتی تھیں۔ ابن ہشام اس کے متعلق یہ لکھتے ہیں "حضرت رسالت مآب کی یہ عادت تھی کہ آپ سال میں ایک مہینہ غار حرا میں جا کے عبادت کیا کرتے تھے قریش کے ہاں یہ دستور تھا کہ وہ خاص خاص دنوں میں اس مقام میں جاتے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اسی طرح حضور انور بھی غار حرا میں تشریف لے جاتے اور غریبوں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جب آپ اپنی عبادت کا وقت پورا کر چکتے تو وہاں سے واپس آ کے سات بار کعبہ کا طواف کرتے۔ اور اکثر آپ کا یہ دورہ رمضان میں ہوتا تھا۔ بعض مورخوں کا یہ بیان ہے کہ عبدالمطلب نے یہ بات ایجاد کی تھی کہ جب رمضان کا چاند نمودار ہوتا تو یہ بزرگ قریش خدا کی عبادت میں اپنا سارا مہینہ غار حرا میں گزار دیتا تھا۔ مگر طبری اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ قریش جو اپنے درجہ کے زاہد اور پرہیزگار ہوتے تھے۔ ماہ رجب میں تنہا عبادت کرنے کے لئے غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ اور باشندگان مکہ وہ طریقہ عبادت کا بہت پابند تھا۔ غرض ہر خاندان یا قبیلہ نے اس مقام پر اپنا اپنا علیحدہ عبادت گاہ بنا رکھی تھیں۔ جہاں وہ لوگ تنہا بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتے تھے سر ولیم میور کو ان روایتوں پر شبہ ہے وہ لکھتے ہیں کہ طبری کے عربی نسخہ میں عربی تبائل کے متعلق میں نے کوئی بات لکھی ہوئی نہیں دیکھی۔ بہرحال ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ اسلام سے پیشتر عربوں کا یہ طریقہ تھا یا نہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں عبادت کے لئے جانا بالکل صحیح ہے اور جس کا

ثبوت تواتر سے ہوتا ہے آپ وہاں جب تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ کئی دن کا کھانا بھی رکھ لیتے تھے۔ اور جب تک وہ کھانا کفایت کرتا تھا۔ اسوقت تک وہاں رہتے تھے اس کے بعد پھر اپنے مکان چلے آتے تھے۔ اس کے بعد پھر اپنے مکان چلے آئے تھے اور یہاں سے دوبارہ تازہ کھانا لے کے تشریف لے جاتے تھے۔ طبری کلان صفحہ ۱۰۸ میں یہ سارے حالات درج ہیں حضرت بی بی خدیجہ بعض اوقات حضور انور کے اس طرح کئی کئی روز غار حرا میں تنہا بیٹھے رہنے سے سخت پریشان ہو جاتی تھیں۔ وہ پریشانی اس لئے تھی کہ آپ کو کوئی اسیب نہ پہنچے اسی لئے جب طبیعت زیادہ پریشان ہوتی تھی تو آپ کے ہمراہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے غار حرا میں چلی جاتی تھیں۔

اس غار کے مشرق اور جنوب کی طرف بلند پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ لیکن شمال اور مغرب کی طرف کھلا ہوا میدان ہے۔ اس کے اطراف کی مجموعی صورت ایسی خوفناک ہے کہ دل دہل جاتا ہے۔ جہاں تک نظر کام نہ کرتی ہے سبز گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آتا۔ بجز سیاہ اور بھوری پہاڑیاں اور سفید ریتیلی وادیاں ہر طرف دکھائی دیتی ہیں۔

اس سنسان غیر آباد اور خوفناک سلسلۂ کوہ کے غار میں حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کرتے تھے اور آپ اس عظیم الشان مہان کی افزار رہے تھے۔ جو خالق کون و مکان کی طرف سے آنے والا تھا۔ قوم کی حالت کی ورتمدن کی ابتری اور عرب کی خرابی کا اثر آپ کے معصوم دل پر پڑ رہا تھا۔ آپ اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی صورت سے قوم کی حالت درست ہو جائے اور بت پرستی ملک کی سرزمین سے مٹ جائے جب سے آپ سفر شام میں تشریف لے گئے تھے اس وقت سے آپ قوم اور ملک کی بری حالت دیکھ کے محزوم رہتے تھے۔ آج چاند نے غار حرا سے کیا کیا اور شدت کے روشن آفتاب کی کرنیں چاروں طرف پڑنے لگیں۔

اے ذات تو از صفات ما پاک — کنہ تو بروں ز حد ادراک
آدم بتو شد مکرم از نہ — پیداست مقام ذرہ خاک
از مہر تو ہر سپیدہ دم چرخ — دراہ نیلگوں زند چاک

پرورندۂ ابر رحمت تست همچوں گل ولالہ خار و خاشاک
در سینہ گہ دلا درانت ارواح قدسش شکار فتراک
راہیست پر از خطرہ عشق آنجا بہمہ رہ زنان بیباک
بے بدرقۂ عنایت تو نتوان شد ازین رہ خطرناک
یارب بکمال آنکہ دارد برکسوت جان طراز لولاک
کز جام صفا و خم وحدت دربزم مجردان چالاک

آں بادہ حوالہ کن بہ جامی
کز دست تو ہستیش کند چاک

چھٹا باب

(تکمیل نبوت)

آخر خداوند تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ اور نبوت کے چاند نے غار حرا سے ایک مدت کے بعد طلوع کیا۔ اور عالم کائنات دہندہ دنیا کے آگے پیش ہوا۔ کفر کی ظلمت دور آدور ہو گئی اور خدا پرستی کی آوازیں شرق و مغرب جنوب و شمال میں گونجنے لگیں۔

صحیح بخاری شریف میں نزول وحی کی کیفیت مفصلہ ذیل احادیث میں اس طرح درج کی گئی ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے بخاری شریف کی احادیث نقل کر دیں تاکہ نزول وحی کی پوری کیفیت صحیح احادیث سے معلوم ہو جائے اس کے بعد ہم معتبر تاریخوں سے نقل کریں گے۔

پہلی حدیث حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما بدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وہو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اہلہ ویتزود لذلک ثم ترجع الی خدیجۃ فیتزود لمثلہا حتی فجئہ الحق وہو فی غار حراء فجاءہ الملک فقال اقرأ قال ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقرأ قلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم فرجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فؤادہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد رضی اللہ عنہا فقال زملونی زملونی فزملوہ حتی ذہب عنہ الروع فقال لخدیجۃ واخبرہا الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجۃ کلا ابشر فواللہ لا یخزیک اللہ ابدا واللہ انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق فانطلقت بہ خدیجۃ حتی اتت بہ ورقۃ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خدیجۃ وکان امرأ تنصر فی الجاہلیۃ وکان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ ما شاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ خدیجۃ یا عم اسمع من ابن اخیک فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی ماذا ترای فاخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رای فقال لہ ورقۃ ہذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسی یا لیتنی فیہا جذعا لیتنی اکون حیا اذ یخرجک قومک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ہم قال نعم لم یات رجل قط بمثل ما جئت بہ الا عودی وان یدرکنی یومک اصرک نصرا مؤزرا ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی وفتر الوحی۔

فی غار حراء فجاء الملک فقال اقرأ قال ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد
ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی
فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی
خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم
یرجف فؤاده فدخل علی خدیجة بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع
فقال لخدیجة واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجة کلا واللہ ما یخزیک اللہ
ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق
فانطلقت به خدیجة حتی اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خدیجة
وکان امرءا قد تنصر فی الجاهلیة وکان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیة
ما شاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیرا قد عمی فقالت له خدیجة یا ابن عم اسمع من ابن اخیک
فقال له ورقة یا ابن اخی ما ذا ترٰی فاخبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خبر ما رای فقال له
ورقة ان هذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسی یا لیتنی فیها جذعا لیتنی اکون حیا اذ یخرجک
قومک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم او مخرجی هم قال نعم لم یأت رجل قط بمثل
ما جئت به الا عودی وان یدرکنی یومک اصرک نصرا مؤزرا ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی

ترجمہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے (روایت ہے کہ انہوں نے) کہا سب سے پہلے وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے۔ پس جو خواب آپ دیکھتے تھے وہ صاف صاف صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا پھر خدا کی طرف سے خلوت آپ کے نزدیک محبوب بنا دی گئی اور آپ غار حرا میں جایا کرتے تھے اور وہاں آپ کئی کئی رات متواتر عبادت کرتے رہتے تھے اس کے لئے توشہ لے جاتے تھے پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ کر آتے اور آپ اس کے لئے زاد راہ اسی طرح لیجایا کرتے تھے پھر جب وہ اس طرف سے آتے اور اسی قدر زاد راہ لیجاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس وحی آگئی فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا پڑھو آپ نے فرمایا کہ تو میں نہیں پڑھتا فرشتہ نے مجھے پکڑا اور مجھے زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر فرشتہ نے مجھے پکڑا

اور زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے مجھے پھر پکڑ لیا۔ اور سہ بارہ مجھے زور سے دبایا پھر مجھے زور سے دبایا اور کہا کہ اقرأ باسم (پڑھ اپنے پروردگار کے نام (کی برکت) سے پڑھو۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا اور (یقین کرو کہ) تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔ پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اس واقعہ کے سبب سے (مارے خوف کے) ہلنے لگا۔ اور آپ خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں لوگوں سے کہا کہ مجھے کمل اڑھا دو۔ مجھے کمل اڑھا دو۔ (ان لوگوں نے آپکو کمل اڑھا دیا یہانتک کہ (جب) آپکے دل سے خوف جاتا رہا تو آپ نے خدیجہ سے سب حال (جو غار میں گزرا تھا) بیان کر کے کہا کہ بلاشبہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے خدیجہ بولیں کہ آپ کو اس قسم کا خیال کرنا ہرگز نہیں (چاہئے) خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی پریشان نہ کریگا یقیناً آپ غریب کی پاسداری کرتے ہیں اور (خدا کی راہ میں) تکلیف اٹھاتے ہیں اور مہمان کو مال دیتے ہیں اور مہمانداری کرتے ہیں اور مصائب میں (لوگوں کی) مدد کرتے ہیں پھر خدیجہ آپ کو لیکر جلیل ورقہ بن نوفل اپنے چچا کے بیٹے کے پاس آپ کو لائیں (ورقہ ایک شخص تھا۔ جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور عبرانی کتاب لکھا کرتا تھا یعنی جسقدر اللہ کو منظور ہوتا تھا۔ انجیل کو عبرانی میں لکھا کرتا تھا اور بڑا بوڑھا آدمی تھا کہ بینائی جا چکی تھی تو اس سے خدیجہ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے (انکا حال) سنو ورقہ بولے کہ اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو ورقہ نے آپ سے کہا یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ نے موسے پر نازل کیا تھا اے کاش میں اس (زمانہ) میں (جب آپ نبی ہونگے) جوان ہوتا اے کاش میں (اسوقت تک) زندہ رہتا جبکہ آپکو آپکی قوم (مکہ سے) نکالیگی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر بہت تعجب کیا) فرمایا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے ورقہ نے کہا ہاں جس شخص نے آپکی جیسی بات بیان کی اس سے (ہمیشہ) دشمنی کیگئی اور اگر مجھے (یکی نبوت) کا زمانہ مل گیا تو میں آپ کی بہت زور دار مدد کرونگا۔ مگر چند ہی روز میں ورقہ کی وفات ہو گئی اور وحی کی آمد چند روز کے لئے مسدود ہو گئی۔

دوسری حدیث قال ابن شہاب واخبرنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن ابن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال وھو یحدث عن فترۃ الوحی فقال فی حدیثہ بینا انا امشی اذ سمعت فی السماء فرفعت بصری فاذا الملک الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی بین السما

فوجئت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل الله تعالی یا ایها المدثر قم فانذر الی قوله والرجز فاهجر فحمی الوحی وتتابع تابعه عبد الله بن یوسف وابو صالح وتابعه هلال بن رداد عن الزهری وقال یونس ومعمر یوادره۔ ترجمہ: زہری کہتے ہیں۔ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن انصاری نے اور انہوں نے جابر سے نقل کیا کہ آنحضرت علیہ السلام وحی کے بند ہو جانے کا حال بیان کرنے لگے تو اسی بیان میں یہ بھی فرمایا کہ (ایک دن) اس حال میں کہ میں چلا جا رہا تھا یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اٹھائی تو دیکھتا ہوں کہ، وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ ایک کرسی پر آسمان اور زمین کے درمیان میں بیٹھا ہوا ہے میں اس (کے دیکھنے) سے ڈر گیا۔ پھر لوٹ آیا تو میں نے (گھر میں آکر) کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو (اسی حال میں)، اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یا ایہا المدثر (یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑا ہو اور (لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی (یعنی بتوں کی پرستش) کو چھوڑ دے پیروی کی (آمد خوب) گرم ہو گئی اور لگاتار آنے لگی۔

تیسری حدیث حدثنا موسی بن اسمعیل قال حدثنا ابو عوانة قال حدثنا موسی بن ابی عائشة قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قوله تعالی لا تحرک به لسانک لتعجل به قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعالج من التنزیل شدة وکان مما یحرک شفتیه فقال ابن عباس فانا احرکهما لک کما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحرکهما وقال سعید انا احرکهما کما رایت ابن عباس یحرکهما فحرک شفتیه فانزل الله تعالی لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه قال جمعه لک فی صدرک وتقرأه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه قال فاستمع له وانصت ثم ان علینا بیانه ثم ان علینا ان تقرأه النبی صلی الله علیه وسلم بعد ذلک اذا اتاه جبریل استمع فاذا انطلق جبریل قرأه النبی صلی الله علیه وسلم کما اقرأه۔

ترجمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے کلام لا تحرک (کی تفسیر) میں منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے نازل ہونے سے سخت محنت اٹھاتے تھے اور (ان میں جلد یاد رکھنے کی) جو چیز تھی (جلد جلد) ہلاتے تھے (تاکہ وحی ادا ہو جائے) ابن عباس نے (سعید سے کہا) کہ میں اپنے ہونٹوں کو اسے کے لئے اسی طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے

اور سعید نے ہونٹ سے کہا کہ میں (تمہارے سمجھانے کے لئے) اپنے ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر سعید نے اپنے ہونٹوں کو ہلا کے بتایا۔ الغرض آنحضرت علیہ السلام کی یہ حالت دیکھ کر، اللہ پاک نے یہ آیتیں اتاریں۔ لا تحرک بہ الخ ترجمہ۔ اے محمد قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یعنے قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کر دینا۔ اور اس کو تمہارا پڑھنا۔ پھر جب تم اس کو پڑھ چکیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یعنے اس کو سنو اور چپ رہو پھر یقیناً اس کے مطلب کا بیان ہمارے ذمے ہے پھر بیشک ہمارے ذمے ہے یہ کہ (تمہیں یاد ہو جائے تاکہ) تم اس کو پڑھو۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کی) اس کے بعد یہ حالت رہی کہ جب آپ کے پاس جبریل (کلام الٰہی لے کر) آتے تھے تو آپ سنتے تھے۔ پھر جب جبریل چلے جاتے تو اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح پڑھتے جس طرح جبریل نے اس کو آپ کے سامنے پڑھا تھا۔

اس کے علاوہ مختصر تاریخوں میں نزول وحی کے حالات جو کچھ لکھے ہیں وہ بجنسہ اختصار کے طور پر ہم درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد کل مطالب کی توضیح کریں گے۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال تھا جب خداوند تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وحی دے کے آپ کے پاس بھیجا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ اور پیر کا دن تھا کہ یکایک جبرئیل کوہ حرا پر ظاہر ہوئے اور سورۂ اقرار کے پڑھنے کی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایش کی۔ پھر اپنی ہلکیں زمین پر رگڑیں جس سے پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ اس سے جبرئیل نے خود بھی وضو کیا اور سرور دو عالم کو بھی وضو کرایا۔ اور حضور فخر المرسلین کو نماز کی تعلیم کی۔

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مختی پناہ غار حرا میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل آدمی کی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اقرا۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا ما انا بقاری یعنے میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر حضرت جبرئیل نے سردار کائنات کو گلے لگا کے بھینچا جس سے رسالت پناہی کو بہت تکلیف ہوئی۔ پھر کہا اقرا۔ حضرت رسالت پناہی نے اس کا جواب دیا۔ پھر حضرت مقدس نبوی کو بھینچا۔ اور اب کے نبی آپ کو سخت صدمہ ہ

ایسا ہی ہوا۔ آخر چوتھی دفعہ جبرئیل نے یہ پڑھا "اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم" ایک عالم کا یہ مذہب ہے کہ اول بار تجلی گیر ہونے نے ذات ہمایوں میں سے نفس امارہ کی برائیوں کو کھو دیا اور دوبارہ تجلی گیر ہونے میں نفس لوامہ کی برائیاں آپ کے جسد مبارک سے دور ہو گئیں اور تیسری بار تجلی گیر ہونے سے قلب میں خداوند تعالیٰ کے وحی کے نقوش تکلم کرنے کی قابلیت پیدا ہو گئی۔ یہ بھی فاضل لکھتا ہے کہ حضرت نبی صلعم کا دل اگرچہ پہلے ہی سے بالکل صاف اور دنیا کی کدورتوں سے پاک تھا۔ لیکن خلقت انسانیت اور مماثلت بشریت سے جو باتیں ممکن ہو سکتی تھیں ان سے بھی سرور دو عالم کو منزہ کر دیا۔

عروس حضرت قرآن نقاب ابر بر اندازد — کہ دار الملک معنی را بجز دیبند از غوغا

اکثر مورخین یک زبان ہو کر یہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسالت مآب نے اپنا یہ حال مشاہدہ کیا تو آپ کو گمان ہوا کہ کہیں صفات نا ملائم مثل کہانت جنوں کے تو پیدا نہیں ہو گئیں۔ اس خیال سے حضرت رسالت پناہی کوہ حرا کی طرف چلے تا کہ وہاں سے اپنے کو نیچے پھینک دیں۔ جب حضرت سرور کائنات پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک آواز آئی یا محمد یا محمد سرور دو عالم نے فوراً آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو جبرئیل کو آدمی کی صورت میں دیکھا۔ کہ اس کے دونو قدم افق پر رکھے ہوئے ہیں اور وہ یہ کہہ رہا ہے "یا محمد انت رسول اللہ وانا جبرئیل" جس طرف سرور کائنات نظر مبارک اٹھاتے تھے یہی آواز گوش گزار ہوتی ہوتی تھی۔ حضور سرور اسی حالت میں اپنے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت بی بی خدیجہ صورت دیکھتے ہی فرمانے لگیں آپ کہاں تشریف فرما تھے میں کئی آدمی آپ کی تلاش میں بھیج چکی ہوں لیکن انہیں آپ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ رسالت پناہی نے کل کیفیت بیان کر دی کہ یہ یہ گزرا اور یہ یہ ہوا۔ پھر رسالت پناہی فرمانے لگے "انی اخاف ان اکون کاهنا" بی بی خدیجہ نے یہ سن کے کہا معاذ اللہ خداوند ذوالجلال آپ کے ساتھ سوائے خیر و خوبی کے اور کوئی بات نہ کرے گا۔ مجھے امید ہے اور میں خیال کرتی ہوں کہ رسالت حضرت کو ملی ہے۔ یہ کہہ کر بی بی خدیجہ رائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ اور ساری کیفیت بیان کی۔ ورقہ بن نوفل

مستند علمائے نصاریٰ میں سے تھا۔ اور اس کو الہامی کتابوں میں خوب دستگاہ تھی۔ اس نے سنتے ہی اپنی بہن بی بی خدیجہ سے کہا بہن اگر تم سچ کہتی ہو تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت ملی ہے اور وہ اس امت کے پیغمبر ہوں گے۔ جبرئیل ناموس اکبر ہے۔ جو موسےٰ اور عیسےٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ یہ سن کر بی بی خدیجہ چلی آئیں۔

اس کے بعد خود حضرت رسالت پناہی ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی زبان مبارک سے کل حالات اور وقوعے بیان فرمائے۔ ورقہ نے سن کے قسم کھائی کہ جبرئیل ناموس اکبر ہے جو موسےٰ کے پاس وحی لایا تھا۔ تو یقیناً اس امت کا پیغمبر بنے گا تجھے قوم کی طرف سے بہت بہت ایذائیں پہنچیں گی۔ تجھے تیری قوم وطن سے بے وطن کرے گی۔ اور تجھ سے مقابلہ کرے گی کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہوں۔ ضرور تیری مدد کروں۔ اس تقریر سے حضرت رسالت پناہی مطمئن ہو کے اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے۔

ایک دن سرور عالم غار حرا میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ پیچھے سے جبرئیل علیہ السلام چلے آئے اور آپ کا پیر ہلایا آپ فوراً سیدھے ہو کے بیٹھ گئے۔ اور چاروں طرف نظر کی کچھ دیکھا نہیں دیکھا۔ پھر آپ اسی طرح تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ پھر دوبارہ جبرئیل نے پیر ہلایا اور کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھو آپ اٹھ کھڑے ہوئے ایک شخص کو رسالت پناہی نے دیکھا کہ آگے آگے باہر کی طرف چلنے لگا۔ سرور دو عالم بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے جب صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں پہنچے وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر آسمان تک پہنچا تھا اور اس کے بازو نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا تھا۔ اس کی دو آنکھوں کے بیچ میں کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا حضرت رسالت پناہی کو اس شکل و صورت پر بڑا معاوم ہوا فرمایا رحمک اللہ تو کون ہے کہ میں نے اس سے پہلے اتنی جسامت کا اور نیک کسی کو نہیں دیکھا اس شخص نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں اور روح الامیں ہوں کہ کل نبیوں اور مرسلین کے پاس نازل ہوتا رہا ہوں اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ حضرت مقدس نبوی نے فرمایا کیا پڑھوں اس نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں جبرئیل نے اسکے بعد ایک حریر جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اپنے پروں میں سے نکالا۔ اور آپ کے روئے مبارک پر وہ کپڑا اوڑھا کر بغلگیر ہوئے اور

اس قدر بھیجا کہ آپ بیہوش ہو کے گرنے کو تھے کہ جبرئیل نے چھوڑ دیا اور کپڑا آگے کر کے پھر یہی کہا کہ اس کو پڑھو۔ حضرت حتمی سپاہی نے وہی پہلا عذر کیا۔ جبرئیل نے بارشانی پھر آپ کو گلے لگا کے بھینچا اور رسالت پناہی کی وہی کیفیت ہوگئی۔ غرض تین بار یہی کیفیت ہوئی۔ چوتھی دفعہ جبرئیل نے کہا "اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق"

دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت رسالت مآب سے حضرت جبرئیل نے کہا کہ اقرأ۔ چونکہ آنحضرت کو حد سے زیادہ تکلیف پہونچ رہی تھی۔ آپ نے موت کی تمنا کی تاکہ دوبارہ نبیگیری کی تکلیف نہ برداشت کریں۔ اسی اثنار میں حضرت جبرئیل نے زمین پر پیر مارا۔ اور اس سے پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ اور حضرت جبرئیل نے اس پانی سے وضو کیا اور حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی وضو کرایا۔ پھر حضرت جبرئیل نماز پڑھنے کے لئے آگے کھڑے ہوئے اور ان کی اقتدا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی نماز کی صرف دو رکعتیں پڑھی گئیں اور گویا آج کی تاریخ سے فخر دو عالم پر نماز فرض ہوئی۔ اور جب تک پانچ وقت کی نماز کا حکم نہ ہوا۔ آپ صرف دو رکعتیں نماز کی پڑھتے رہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام غائب ہوگئے۔ حضرت اقدس نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لائے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے دروازہ کھولا۔ حضرت رسالت مآب کی صورت دیکھتے ہی خاتون اعظم نے معانقہ کیا اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس وقت آپ کے رخ سے مبارک پر ایسا نور چمک رہا ہے کہ میں نے اس کا مثل کبھی نہیں دیکھا۔ اور ایسی خوشبو آپ میں سے آرہی ہے کہ جو میں نے کبھی نہیں سونگھی۔ آپ اپنا حال مجھ سے بیان فرمائیں۔ حضرت اقدس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری کیفیت بیان فرما دی۔ یہ سن کر حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے آپ کو گرامی کیا ہے آپ کسی مکان میں تشریف رکھیں اور جب حضرت جبرئیل آپ پر منکشف ہوں تو آپ اس کی اطلاع مجھے ضرور کر دیں۔ آپ نے خاتون اعظم کی اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ جب حضرت جبرئیل منکشف ہوئے۔ تو حضرت رسالت مآب نے خاتون اعظم کو اطلاع دی۔ اس پر بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے حضرت رسالت

آپ کو اپنے بائیں زانو کی طرف بٹھا کے دریافت کیا کہ آیا اب بھی آپ جبرئیل کو دیکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ ہاں۔ پھر اپنے سیدھے زانو کی طرف بھی بٹھا کے اسی طرح پوچھا۔ آپ نے اسی طرح جواب دیا۔ پھر بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی چادر آپ کو اوڑھا دی اور صرف سر مبارک کھولدیا اور پھر دریافت کیا کہ آیا اب بھی آپ جبرئیل کو دیکھتے ہیں آپ نے ارشاد کیا کہ نہیں بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کیا آپ کو بشارت دیتی ہوں کہ یہ فرشتہ تھا۔ جو حضور خداوندی میں گرامی اور مقدس ہے۔

اس کے بعد بی بی خدیجۃ الکبریٰ سرور کائنات کو گھر میں چھوڑ کے ورقہ کے پاس گئیں یہ وہ شخص تھا جو ایک زمانہ سے نصرانی ہو گیا تھا۔ پہلے بت پرست تھا اور قریشیوں میں ملا ہوا تھا۔ لیکن بعد ازاں نصرانیت قبول کر کے اس نے گزشتہ الہامی کتابوں میں بڑی قابلیت پیدا کر لی تھی۔ جب بی بی خدیجۃ الکبریٰ ورقہ کے پاس پہنچیں تو یہ دریافت فرمایا "اے میرے چچا کے بیٹے مجھ سے جبرئیل کا کچھ بیان کرو۔ ورقہ نے اس کے جواب میں یہ کہا "قدوس قدوس سبحان جس شہر میں خدا پرستی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ وہاں جبرئیل کا آنا کیسے کیا۔ ام المومنین خاتون اعظم نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا یہ بیان ہے کہ مجھ پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں۔ ورقہ نے جواب دیا کہ اگر جبرئیل زمین پر نازل ہونے لگیں گے۔ تو تمام دنیا کی خیر و برکت پیدا ہو جائیگی وہ ناموس اکبر ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوتے تھے اور خدا کی وحی پہنچاتے تھے۔ خاتون اعظم نے پھر ارشاد کیا مجھے اس بات کی خبر کرو کہ آیا توریت و انجیل میں ایسی کوئی پیشین گوئی بھی ہے کہ اس زمانہ میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوگا۔ اور وہ پیغمبر یتیم و فقیر ہوگا۔ اور خدیجہ عزوجل اس کو غنی بنا دیگا اس سے بہتر حسب میں کوئی نہیں نکلے گا۔ ورقہ نے جواب دیا "ہاں ان صفتوں کے علاوہ اور صفتیں بھی اس میں ہونگی۔ منجملہ اور صفات کے ایک صفت یہ ہوگی کہ مثل عیسیٰ کے پانی پر چلیگا۔ مردے اس سے باتیں کرینگے جس طرح حضرت عیسیٰ سے کرتے تھے۔ پتھر اسکو سلام کرینگے۔ درخت اس کی نبوت پر گواہی دیں گے۔

ان سب باتوں کے بعد ورقہ نے یہ کہا ذرا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو میرے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کی زبان (مبارک) سے ان کی پوری کیفیت سنوں۔ خاتون اعظم اپنے چچازاد بھائی ورقہ

کے پاس چلی آئیں اور حضرت مقدس نبوی کی خدمت میں عرض کر دی کہ ورقہ کے پاس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ ورقہ کے پاس آئے اور ساری کیفیت بیان کر دی یہ سن کے ورقہ نے تین دفعہ یہ کہا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ آپ وہی پیغمبر ہیں۔ جن کے قدوم کی حضرت عیسٰے (علیہ السلام) نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک پیغمبر ہوگا اور اس کا نام احمد ہوگا اور فرشتہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسٰی پر بھی نازل ہوتا تھا وہی آپ پر بھی نازل ہوا ہے یہ کہہ کے ورقہ آگے کی طرف جھکا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی اور مقدس پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کیا آپ عنقریب بت پرستی کے مٹانے کے لئے مامور ہونگے کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے بے وطن کریگی تو میں ضرور آپ کے سینہ پر ہوتا۔ حضرت ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیا میری قوم مجھے وطن سے باہر کر دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا بیشک کوئی شخص ایسا نہیں رہنے کا جو آپ کا دشمن نہ ہو یہ سنکے ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو کے اپنے گھر چلے آئے۔

تھوڑی مدت بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ افسوس ہے بیچارہ زمانہ دعوت میں موجود نہیں رہا۔ حضرت سرور کائنات نے فرمایا ہے "لقد رایت الملک فی الجنۃ علیہ ثیاب خضر لانہ امن بی فصدقنی" اس حدیث میں نص سے مراد ورقہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ورقہ بن نوفل کو اس میں شک نہیں کہ اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ میں اپنا خون آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گراؤں اور حضرت ختمی پناہ کی مدد کروں اس آرزو سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ حضرت سرور کائنات پر ایمان لے آئے تھے چونکہ زمانہ دعوت آپ کو نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے حسب قاعدہ انہوں نے بیعت نہیں کی لیکن ان کے مسلمان ہونے میں کسیکو بھی شک نہیں ہو سکتا اگرچہ عام طور پر پہلا ایمان لانے والا حضرت بی بی خدیجۃ الکبرٰی کو قرار دیا ہے مگر ہمارے خیال میں اگر ورقہ ابن نوفل کو کہا جائے تو نادرست نہیں مگر محض اس لحاظ سے کہ آغاز دعوت میں سب سے پہلے خاتون اعظم یعنے بی بی خدیجۃ الکبرٰی شریک ہوئی ہیں اس لئے پہلا اسلام لانیوالا انہیں کو کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی چنداں ناواجب نہیں ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ بی بی خدیجہ ورقہ سے باتیں کرنے کے بعد عداس راہب کے

پاس تشریف لے گئیں۔ یہ راہب ایک معمر شخص تھا سودہ بی بی خدیجہ کی صورت دیکھتے ہی آگ بگولا ہوا اور دریافت کیا آپ میرے پاس کس لئے تشریف لائی ہیں۔ بی بی خدیجہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل کا کچھ حال بیان کرو۔ یہ سنتے ہی عداس نے سجدہ کیا اور قدوسی قدوسی کہنے لگا اور اس نے یہی خاتون اعظم کو وہی جواب دیا جو ورقہ نے دیا تھا یعنے جس شہر میں معبود برحق کی پرستش نہیں کیجاتی وہاں آپ جبرئیل کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ حضرت بی بی خدیجہ نے اسکا کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر دوبارہ بھی یہی فرمایا کہ مجھ جبرئیل کے متعلق کوئی خبر دو۔ عداس نے جواب دیا بخدا میں آپ سے جبرئیل کی بابت کچھ بیان نہ کروں گا جبتک آپ یہ نہ فرمائینگی کہ جبرئیل کے متعلق دریافت کرنے کی کیا وجہ ہے۔ خاتون اعظم نے فرمایا کہ مجھے کہدینے میں تو کچھ عذر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ تم میری باتوں کی خبر کسیکو نکرنا اور جو کچھ میں کہوں اسکو اپنے ہی تک رکھنا عداس نے یہ سنکر عہد کیا کہ میں اسکا کسی سے بھی ذکر نہیں کرینگا یہ سنکے بی بی خدیجہ نے یہ ارشاد کیا کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ جبرئیل مجھ پر نازل ہوتے ہیں۔ عداس نے جواب دیا جبرئیل ناموس اکبر ہے اور وہ موسےٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر بھی نازل ہوئے تھے اور وحی لاتے تھے اگر یہاں وہ نازل ہوں تو اس ملک عظیم میں خیر پیدا ہو جائے۔ لیکن اے بی بی، خدیجہ مجھے شک ہے کہ شاید جنوں یا شیطان کیوجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ حالت ہوگئی ہو تو میری یہ کتاب لیکے پاس لیجاکہ وہ اسکی زیارت کریں جب وہ زیارت کرلینگے تو شیطان وغیرہ کے اسیب سے انکو نجات مل جائیگی اگر اس کی یہ حالت رحمانی ہوگی تو کتاب کی زیارت سے انکو کوئی مضرت نہیں پہنچے گی غرض اس کتاب سے کھل جائیگی کہ جو حالت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر طاری ہے وہ رحمانی ہے یا شیطانی حضرت خاتون اعظم وہ کتاب عداس کے پاس لیکے حضرت ختمی پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جس وقت وہ کتاب سرور دوعالم کے آگے پیش کیگئی تو حضرت جبرئیل نے سورۂ مبارکہ تبت والقلم وما یسطرون صانت بہ مت رباک بمجنون یہ سرور دوعالم کے آگے پڑھی۔ یہ علامت دیکھ کے خاتون اعظم مارے خوشی کے پھولی نہیں سمائیں۔ اور اسی خوشی میں سرور کائنات سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ اٹھئے تو ہم دونوں عداس کے پاس چلیں حضرت رسالتمآب اٹھ بیٹھے اور بی بی خدیجہ کے ساتھ عداس کے پاس آئے عداس نے حضور انور کی صورت دیکھتے

اپنے پاس بٹھایا اور اجازت کے بعد آپ کی پشت مبارک سے جامہ سرکایا اور دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کی زیارت کی مہر نبوۃ دیکھتے ہی عداس اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور دیر کے بعد سجدہ سے سر اٹھا کے کہا قدوس قدوس اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) والد حسن (یعنی) کی سو سے اور عیسے (علیہا السلام) نے بشارت دی تھی۔ وہ تو ہی ہے۔ خدا کی قسم اس زمانہ میں جب آپ خلائق کی دعوت کریں گے۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ کے آگے ہو کے مخالفوں سے لڑونگا۔ پھر عداس دریافت کرنے لگا۔ یا نبی اللہ آپ کو کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے آپ نے ارشاد کیا نہیں۔ اس پر عداس بولا کہ عنقریب خلائق کے لئے آپ مامور کئے جائیں گے۔ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے اور ضرورت ایسی آکر واقع ہوگی کہ آپ کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑے گی اور ملائکہ سے آپ کو مدد پہنچے گی ؛

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب جبرئیل نے سورۂ اقرا حضرت ختمی پناہی پر پڑھی اور بعد ختم سورۃ آپ غائب ہو گئے تو سرور کائنات اپنے گھر میں تشریف لائے اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے ارشاد کیا زملونی و دثرونی یعنے کوئی چیز مجھے اوڑھا دو۔ اس وقت آپ کے دونوں کنپٹے کانپ رہے تھے بی بی خدیجہ نے یہ سنتے ہی ایک چادر حضرت کائنات کو اوڑھا دی تھوڑی دیر کے بعد آپ کو تسکین ہو گئی۔ دوسری روایت میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت مقدس نبوی بعد نزول وحی اپنے گھر تشریف لائے تو بی بی خدیجہ سے یہ فرمایا کہ مجھے اپنے نفس سے ڈر لگتا ہے۔ خاتون اعظم نے جواب دیا خدا وند تعالے آپ کو اندوہناک نہیں بنانے کا کیونکہ آپ رحم مجسم ہیں صادق الوعد ہیں۔ کنبہ کا بار اٹھائے ہوئے ہیں ضیافت کی شرطیں آپ بجا لاتے ہیں اور خلائق کو نزول مصائب کے وقت مدد دیتے ہیں۔ یہ کہہ کے خاتون اعظم ورقہ کے پاس تشریف لے گئیں تمہیں جس کی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے ؛

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک بار نزول وحی موقوف ہونے اور نماز پڑھنے کے بعد سلسلہ بہت عرصہ تک منقطع رہا اس وجہ سے حضرت مقدس نبوی بہت محزون اور ملول رہتے تھے اور آپ کے رنج کی انتہا یہاں تک ہو گئی تھی کہ رسالت مآب نے کئی بار ارادہ کیا کہ پہاڑ پر سے اپنے کو گرا دیں مگر جب ایسا ارادہ کیا جب ہی جبرئیل آموجود ہوئے اور کہا " اے محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم آپ پیغمبر خدا ہیں تا میں ایسا کیوں کرتے ہیں تو اس جملہ سے حضور فخر دو عالم کو تسکین ہو جاتی تھی اور اچھا آپ مطمئن ہو کے اپنے گھر واپس تشریف لے آتے تھے ۔

جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فترت وحی کے زمانہ میں ایک دن میں رستہ میں جا رہا تھا کہ ایک آواز آسمان سے آئی میں نے نظر اٹھا کے دیکھا کہ وہ فرشتہ جو غار حرا میں مجھ پر نازل ہوا تھا۔ آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یہ دیکھ کے مجھے خوف اور دہشت ہوئی میں سیدھا اپنے گھر میں آیا اور میں نے یہ کہا زملونی و دثرونی یعنی مجھے کپڑا اڑھا دو اس پر حق تعالےٰ نے وحی بھیجی کہ یا ایہا المدثر قم فانذر یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ اور (اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے) ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے اور زیادہ (کی خواہش میں) احسان نہ کر اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کر آخر تک ۔

ساتواں باب

قبول

تقدیم اسلام

جب تکمیل نبوۃ ہو چکی۔ اور نزول وحی[1] کا آغاز مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا تو اب دعوت اسلام کی ابتدا ہوئی۔ اگرچہ ابھی تک دعوت اسلام عام نہیں ہوئی تھی تو بھی نزول وحی کا بیان اور

---

[1] اصل میں وحی وہ چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ خدا سے اس کا پیغام سنا جائے۔ دوسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔ تیسرے یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچا جائے۔ چوتھے یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مشاہدہ کے پیغام الٰہی پہنچائے۔ پانچویں یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم کی کیفیت کا پورے طور پر بیان ہونا یہ منی رکھتا ہے کہ حضرت سرور دو عالم نے دعوت اسلام شروع کر دی۔ چونکہ یہ مسلمہ اور فطری اصول ہے کہ اصلاح گھر سے

چھٹے یہ کہ خواب میں یا اور طرح پر بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو۔

وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیاء کے سوا اور لوگوں پر اترے "تحدیث" کہتے ہیں اور پانچویں قسم کو "الہام" اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیاء پر بھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علماء نے وحی کی قسمیں بنائیں اور انبیاء اور غیر انبیاء کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے اگرچہ علمائے کرام کا یہ فعل بحسبہ بھی کے قابل نہیں ہے لیکن میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس [illegible] ہوں کہ غیر نبی پر بھی وحی نازل ہو سکتی ہے۔ وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں [illegible] جائے اور اس پیغام میں اوامر و نواہی کے احکام مضمر ہوں اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہ ہو اور نہ وہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان اس جیسا بنا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اسکے مقابل میں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کے لئے فرمایا ہے اس سے کئی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہو گیا ایک تو یہ امر کہ ہم نے اُسے وحی کی کہ یہ کرا دیہ نہ کر اور ایک کہ ہم نے قرآن نازل کیا جسکی مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی ہم پہلے قرآن مجید کے اُن مقامات کو نقل کرتے ہیں جن میں وحی غیر نبی پر آئی ہے۔ پھر ہم بتائیں گے کہ اس لفظ وحی سے کیا مراد ہے آدمی تو آدمی شہد کی مکھیوں کے پاس وحی کے آنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فرماتا ہے "واوحی ربک الی النحل" پھر آسمانوں کو وحی بھی گئی ہے "واوحی فی کل سماء امرہا" اب اس سے ایک عاقل شخص کیا سمجھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنے چھتے پہاڑوں میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی۔ بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک واقف شخص الجھن میں پڑ جائیگا کہ جب خدا انسان تو انسان جانوروں اور دیوی اور مکھیوں کے پاس وحی بھیجتا ہے تو پھر نبی کی خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے صرف ایک وحی کی وجہ سے ایک مدعی نبوت کا [illegible] دوسرے کو معمولی خیال کریں ایسے خیال کا آنا ممکن ہے۔ مگر در اصل یہ بات نہیں ہے [illegible] شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کے مقصد کو اس طرح بیان کیا

شروع ہوتی ہے اس سے دو سو سلام اور قبول اسلام کی ابتدا بھی گھر ہی سے ہوئی ۔
بیوی سے زیادہ شوہر کے رازوں کو کوئی نہیں جانتا۔ بیوی سمجھتی ہے کہ اخلاق صدق صفا

ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے ۔ خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کندہ کرتا ہے اور اپنا قادر ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آ کے اور سمجھے کہ ہم بڑے سے بڑے اور دنیا سے اور نے معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا تمہارے شہر کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے ایسا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی اپنی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتہ بنائیں آسمانوں کے پاس وحی بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام آسمان جکڑے ہوئے ہیں ہم اپنے حکم کی کرتے ہیں اور ہماری خدائی انکی ہستی کے ساتھ لازم و ملزم ہے ہمارے خیال میں اس وحی کے معنے اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے علاوہ کھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا مشابہ باری تعالیٰ ہو سکتا ہے
اب وہ آیتیں نقل کی جاتی ہیں جنہیں مقدس لوگوں پر وحی آنے کا ثبوت ملتا ہے پوری آیتیں نقل کرنے کے بعد ہم اس پر بحث کرینگے ۔

سورۃ القصص آیت ۷ "واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین" یعنے اور ہم نے وحی بھیجی موسےٰ کی ماں کو کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا ہم تیری طرف اسے پھر پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے کرینگے ۔

حضرت موسےٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے انپر وحی آنا ثابت ہوتا ہے پھر سورۃ کہف میں فرماتا ہے سورۃ کہف آیت ۸۷ "قلنا یذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا" یعنے اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا ان میں خوبی رکھ ۔

پھر سورۃ مریم میں فرماتا ہے سورۃ مریم آیت ۱۶ الغایت ۲۲ "واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلہا مکانا شرقیا فاتخذت من دونہم حجابا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی

[illegible] اور جسمانی قابلیت میں اس کا ہر رسم و رجحان کی وسعت رکھتا ہے۔
اس کے خیالات کیا ہیں۔ اس کی طرز معاشرت کیسی ہے اور یہ وہ اصل کیا ہے اس لئے سب سے

یکون ولد ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس
ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا۔ اسے اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے
ایک شرقی رخ جگہ جا بیٹھیں اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس ان کے پاس
بھیجی وہ ان کے سامنے پورے آدمی کی شکل بنکے ان کے پاس آ کھڑی ہوئی وہ (اسے دیکھ کر) کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار
ہو تو میں تم سے خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ) (روح القدس نے) کہا میں تو تیرے
پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں وہ بولی میرے ہاں کیسے لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ کبھی میں
بدکار رہی (روح القدس نے) کہا (جیسا تیرے رب نے کہا ایسا ہی (ہوگا) وہ ہم پر آسان ہے اور ہم اسے
اپنی قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پا چکی ہے۔

پھر سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۴۵ اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ
یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین۔
یعنی جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ
بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب جاہ اور مقربوں میں سے ہے۔

پھر سورۂ مائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے "واذا وحیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی
قالوا امنا واشھد بانا مسلمون" یعنی اور جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھ پر اور میرے
رسول پر ایمان لاؤ۔ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔

الغرض آیتوں سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ یہ غیبی کے پاس ہی وحی آتی ہے۔ یہانتک کہ روح القدس
یا حضرت جبرئیل انسان کی صورت بن کے بی بی مریم کے پاس آئے حالانکہ وہ نبی نہ تھیں۔ ہم علماء کی بحث
میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرئیل کی خصوصیت نبی کیلئے نہیں ہے بلکہ روح القدس
جو سب کی تائید ہر ایک نبی کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کرنا کہ روح القدس یا جبرئیل کا آنا بند ہو گیا

پہلے لازمی تھا کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ حضرت سرور کائنات اپنے شوہر پر ایمان لائیں اگر ایسا اتفاق پڑتا کہ آپ کی بی بی سب سے پہلے ایمان نہ لائیں۔ تو یہ سمجھا جاتا کہ آپ چونکہ اپنے

محض غلط ہے بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا یہ عادت خداوندی ہے کہ اس نے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیا سے بھی فضیلت دی ہے۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور ہمیں خیر لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں اور اسکی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو۔

پہلی آیت میں خدا تعالےٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہے کہ تو اُسے یعنے موسےٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نہ کر ہم اُسے رسول بنائیں گے ایسی نازک حالت جو حضرت موسےٰ کی ماں کی تھی اس میں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے انہیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچے کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر ان کے دل پر پیدا ہو۔ وہ سوائے اس کے ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ مجھے اور میرے بچہ کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہے یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دل میں آ یا کرتا ہے اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے ہر وقت اپنے کل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادر مطلق تصور کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو کل کے اسی کے ہاتھ میں ہیں سے یکایک تسکین ہوتی ہے اور پھر اسی تسکین کو خدا تعالیٰ وحی یا القا یا الہام۔

اس کا جلال اور لایزال قدرت کا نقشہ کھینچتا ہے اور یہی منشا ہے علم یعنے قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں لگا عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقت جو خود ہمیں سے بشکل نظر آتے ہیں۔ قوانین کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنالے۔ قاعدہ ان کے لئے مقرر کر دیا ہے اُن سے وہ بجا

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ کا انتظام درہم برہم ہو جائے جو بات ہوتی ہے ان اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم ہیں ظہور ہوتا ہے وہ بھی ان ہی قوانین کے دائرہ میں

واجب الاحترام شوہر سے کما حقہ واقف نہیں اور اصلی راز دار نہیں اور اس پر آپ ایمان نہ لائیں تو ضرور آپ نے کوئی نبی اپنے معزز شوہر میں دیکھی ہوگی۔ مگر اس اتفاق کے علاوہ آپ کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقت کے لئے تھا اور ہمارے ہادی برحق کے پاس روح القدس کا مثل روز رہنا مداومت پر دلالت کرتا ہے اس کی سادے اور عام فہم الفاظ میں ایک یہی مثال ہو سکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبہ کا مالک ہو اور اس حکمران پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے جس کی عملداری [illegible] سیع ہو۔ بادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایک سلطان اعظم ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کر لیتا ہے۔ ہم کلام ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوئی مگر کلام میں فرق ہے اسی طرح اس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھی جاتی ہے اور اس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھیجی جاتی ہے۔ اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

وحی جس کے معنے ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جس کا ظہور ہر لمحہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس اور وہ برس جاتا ہے ہوا کو وحی کی جاتی ہے کہ تو چل اور وہ چلنے لگتی ہے پانی کو وحی کی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام کائنات کو جکڑا ہے ان زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہو سکتا ہے اسی طرح وحی اسی طرح القا اسی طرح حکم خدا اگر غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں ان میں بھی فرق نہیں ہے۔

قوانین بنائے نہیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین
نہ بنیں بدل سکتے اس نے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے
کوئی چیز حادث نہیں ہوتی اس لئے اسے شایان ہے
رکھے چھوٹے اور آدمی سے اونٹ کا کام لینا
بڑی یہ ہے کہ ناظم السنان اس کی

آپ کا سب سے پہلے ایمان لے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت تھی اور جو کچھ حضرت رسالت مآب نے ارشاد کیا تھا وہ سب سچ تھا۔ اور

مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند و سورج کو اپنا معبود و مشکل کشا نہ بنا لے حضرت موسےٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس نے اپنی طرف اسی لئے منسوب کیا ہے تاکہ کم عقل پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کریں جو حقیقی خالق کے لئے شایاں ہے۔ فرمایا ہم نے موسےٰ کی ماں سے کہا تھا کہ تو اُسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف نہ کھا۔ یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام تو سب قوانین قدرت یا لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں۔ مگر خداوند تعالےٰ ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور دراصل یہی مدعائے قوانین قدرت ہے۔ اس کی لایزال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے۔ ہر لمحہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر گواہی دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے دنیا میں تبدیل ہیئت کا نام فنا ہے۔ مگر ایک گہری نظر سے اگر دیکھو تو یہ بات نہیں ہے۔ فنا ہونے کا حاس وقت جو مقرر ہو چکا ہے اور جس کا ہمیں علم نہیں۔ کہ کب ہوگا۔ فنا تو اسی وقت ہوگی۔ اب تو تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو اپنے گل پتے گرا دے وہ گرا دیتا ہے پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں مل جاؤ وہ مل جاتے ہیں پھر اس خاک کو وحی ہوتی ہے کہ تو دوبارہ درختوں کو بارآوری کی طاقت دے۔ اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہے کہ تمہیں خوراک پہنچ چکی اب تم سبز پتے اور پھل دو چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں۔

ہر شے میں اُس کا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اس کے حکم یعنے قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا اور ہلے کیونکر وہاں تو عظیم گرہوں سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خوردبین سے بمشکل نظر آتے ہیں۔ قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنے ابتدا سے جو قاعدہ ان کے لئے مقرر کر دیا ہے اُن سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے اگر تجاوز کر جائیں تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم برہم ہو جائے جو بات ہوتی ہے ان ہی قوانین کے دائرہ میں اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی ان ہی قوانین کے دائرہ میں

اب اس میں خفیف سا شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی یہ پہلو ذرا توجہ کرنے کے قابل ہے جس سے آئندہ قابل قبول نتائج پیدا ہوں گے۔

معمولی آنکھ جب عجیب حادثہ دیکھتی ہے تو اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ قوانین قدرت یا لوح محفوظ میں اتفاق کا لفظ ہی سرے سے نہیں ہے یہ ہم جانتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہے کہ کتاب فطرت کا الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک ہمیں نہیں ہے تو ہمیں اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے اور اسلام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وحی کی خصوصیت درحقیقت انبیاء کے لئے نہیں ہے ہاں اس کے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اوپر بیان کر چکے ہیں وحی ہر شخص ہر چیز اور ہر جاندار اور ہر بیجان حتے کہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے۔ مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا ہمارے علمائے کرام نے ایسی وحی میں جو انبیاء کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیاء کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنے ان کے جدا جدا نام رکھے ہیں اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے ان کے صفات میں ہم فرق کر سکیں چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فانہ عمر" یعنے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے امتیوں میں الہام والے لوگ تھے۔ پھر اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام ہونا یا صاحب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جواب کہ اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ خصوصیت کیوں کی گئی جبکہ اوروں کا بھی تو اسی قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص حالات میں آپ کی رائیں ان احکام کے مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ازدیاد محبت سے ایسا فرمایا کہ میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے ان الفاظ سے اگر بغیر انکو دیکھا جائے۔ تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی کیونکہ ان الفاظ سے ایک طرح کی اعلےٰ درجہ کی صفت پائی جاتی ہے مثلاً ہاں کہہ سکتی ہے کہ میری دستگیری

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اگرچہ رسالت مآب سے محبت ضرور تھی جیسی کہ شوہر پرست بیبیوں کو اپنے شوہروں سے ہوا کرتی ہے لیکن کسی قسم کی خوشامد نہیں تھی۔ بی بی خدیجہ جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا

کرنے میں میرے مخالفوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہے اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ باقیماندہ بیٹے کبھی اپنی ماں سے کوئی سلوک ہی نہیں کرتے نہیں سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت ہے ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام لینے صاحب وحی ہے مگر مال الہام اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیا ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں پر بھی نازل ہوتی ہے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچویں قسم کو جب نبی پر نازل ہوتی ہے کبھی سے نفث فی الروع بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہے تو اس کو سکینہ کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے مشکوٰۃ فی باب التوکل واللصبر "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی" اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے "مشکوٰۃ فی باب مناقب عمر" ما کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر وقلبہ" یعنے سکینہ عمر کی زبان سے اور دل سے بولتی ہے ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب کو وحی لقا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آ کے وحی القا کرتے تھے۔ مذکورہ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت ہو گیا یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک روح نے ڈالا میرے دل میں۔

اسلام نے ان مسئلوں میں جکو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے کل مضامین نصرانیوں کے لئے ہیں سراسر اتہام ہے یہودی یا نصرانیوں کو خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیونکر پیدا کرتے وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور آیا مذہب کسے کہتے ہیں بیشک یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے اخیر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے ان قوانین کو توڑے جو مدتہا سے مقرر ہو چکے ہیں اور کل نظام کائنات کا دارومدار صرف انہیں پر ہے مگر مذہب کی شان یہ ہے کہ اس کے تمام اصول قوانین قدرت کے جو بدیہی طریق ہوں اور ان کی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے

آپ دولتمند بھی تھیں۔ عالیخاندان بھی تھیں اور حسین بھی تھیں۔ بلکہ مزید برآں آپ نے ہمیشہ اپنے عزیز شوہر کی دستگیری کی اور اپنا روپیہ حضرت رسالت پناہی کی آسایش میں قربان کر دیا

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم ہے اگرچہ اس کی تشریح انہوں نے نہیں کی۔ وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی سے اکہ کھیوں کو بھی ہوتی ہے بالکل بے اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ فطرت باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔ وحی کا عام ہونا انبیا علیہم السلام کی برتر شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا جبکہ مدارج کا بین تفاوت موجود ہے اسکی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگا کے چار روپے کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے۔ مگر کیا وزیر کے رتبہ کو کوئی ادنیٰ شخص پہنچ سکتا ہے؟ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے ہمارے واجب التوقیر علما بھی اس طرف گئے ہیں مگر انہوں نے وضاحت سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی۔ جتنے انبیا کو وحی آئی وہ سب معنا تھی یعنے الفاظ خداوندی نہ ہوتے تھے بلکہ مفہوم ربانی تھا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے اور فخر انبیا قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس کے الفاظ اور اس کا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی نہیں انکار کر سکتا۔ ہمارے نبی معصوم خود ایک قسم وحی تھے اور آپ میں سے ہر وقت ہر گھڑی اور ہر لحہ صدہا چشمے وحی کے ابلا کرتے تھے آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپ کی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی آپ کا ہر بن مو ایک فوارہ تھا ربانی وحیوں کا روح القدس جب آپ کی پاک زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم ہو گئی تھی۔ پھر آپ کو خاص طور پر وحی نازل ہونے کا انتظار کرنے کی فطرت کیوں تکلیف دیتی ہمارا ایمان ہے آپ پشت پدر سے ہی بن کے جدا ہوئے آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی تھے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں اگرچہ بچپن کے چاک ہونے اور آلایش نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور حدیث کی مستند کتابیں میں درج ہے مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اور جز احاد کے زمرہ میں رکھ کے اسکی طرف سے توجہ پھیر لیتے ہیں ہمارا تو یقین ہے اور قرآن مجید بجا ہے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوئے روح القدس کی گود میں آپ پاک و معصوم تھے اور تمام جاہلیان

ایسی حالت میں یقین کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ساری باتیں نہایت تحقیق کیں اور کل معاملات کو سمجھنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ ورقہ وغیرہ لوگوں کے پاس بارہا۔ جانا اور ان سے

اور قدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپ کو مل چکی تھیں پھر اسکی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپ کے دل میں نور بھر تا خدا جانتا ہے اُس ذات اطہر و پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی اُسکی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلیٰ تھا۔ روح القدس۔ وحی۔ الہام یہ سب اس کے پاک خون میں آمیز ہو رہے تھے وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا اور اپنے کمال انسانی کو ظاہر کر کے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے اور ایسا ساتھ ہے کہ جان کنی کی سخت ترین حالت میں اس کا نام مبارک لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں

فطرت کی کتاب کو آنکھیں کھول کے دیکھو اور کچھ دیر اس کا مطالعہ کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ ایک قوت ہے جو عظیم الشان کرہوں سے لگا کے ذرہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرت کی جو قوت آفتاب کے کرہے میں طرح ہوتی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف میں آتی ہے؟ اس کا جواب کوئی کچھ بھی دے سکتا ہے کہ اس میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا آفتاب اور ذرہ میں ہے۔ جب فطرت کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ عالم فطرت کی سیر اپنے ناظر تفسیر کو تھوڑی دیر کے لئے کرانا چاہتے ہیں تا کہ اُسے فطرت کے آثار چڑھاؤ معلوم ہو جائیں اور وہ سمجھ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوتی تھی اور اس وحی میں جو قرشی نبی پر نازل ہوتی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک، اور نطفہ سے لگا کر سمندر تک مدارج قائم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہ ہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہ ہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو۔

جب ہم ان زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان ہی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں اور ہماری نظر ان امتیازیہ مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے ان میں دیعت کئے ہیں ان گوناگوں اشکال کا امتحان ان کی بناوٹ کی جانچ اور انکے استعمال کے طریقے سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُسنے مدارج اور مراتب جسمانی کو نا گوں ہیں رکھے ہیں فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے

ساری کیفیت اپنے شوہر کی بیان کرنا اور ہر تحقیق مطالب میں کوشش دقیقہ اٹھا نہ رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ نے محض محبت شوہری میں از خود رفتہ ہو کے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اچھی طرح

جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور جیسی گرد ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان سے مفر نہیں یا بالفاظ دیگر ہماری زندگی کا بالکلیہ دارومدار انہی پر ہے مثلاً ہوا جنگل کھیت پانی۔ طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکم خدا یا الہام کا سلسلہ قائم ہے یا کل مخلوق اس وحی سے دم بھر کے لئے جدا نہیں ہو سکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردین بن رہا ہے اس پر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں کیا کوئی کم عقل سے کم عقل بھی خیال کر سکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت اور شکل سے ایک لمحہ بھی قائم رہ سکتے ہیں اور آگے بڑھ کر پہاڑوں کو دیکھو تاریک کانون پر نظر کرو۔ عمیق غاروں میں نگاہ دوڑاؤ سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تمہیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دے گا کہ تم حیران ہو جاؤ گے کہیں تو یہ چیزیں تمہیں ایک بیقاعدہ صورت میں دکھائی دینگی جو پریشان ادھر ادھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ شش و پنج ہونیکے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا غیر یہ انتظام کس چیز سے مہو رہا ہے اور کس زبردست قوت نے انہیں تہ بتہ تخمیر میں جکڑ رکھا ہے؟ جواب یہی دیا جائے گا کہ قانون قدرت یا حکم خدا یا الہام نے۔

ایک ایسا ناظر جس نے ان قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اٹھے گا کہ اس کا سلسلہ نامتناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذروں کا سمندر کے کنارہ پر گروہ ناظر جو فطرت کی کتاب کھولنا بھی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُن کی علیحدہ علیحدہ قسمیں بتا دیگا اور انکے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دے گا کہ یہ چیزیں کیا ہیں اُن کی ہستی کیا ہے قدرت نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے ان چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا۔ اور ہزاروں نے وحی اُن کی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے انہیں آدمی کا خدمتگار قرار دیا اور انہیں صرف یہی درجہ عطا کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں قرآن تو جا بجا یہی بیان شد و مد سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اس نظری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے اس کی تعریف ہم نہیں کر سکتے ؛

اپنا اطمینان کرکے اور شوہر کے رازوں کی واقفیت سے فائدہ اٹھا کے اسلام قبول کیا اس کے علاوہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ انتہا درجہ قابل ہوش فہمیر اور معاملات سمجھنے والی

ابر و باد و مہ و خورشید فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بر دار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی ہموار ہے کہ وہ بذات خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگوں دلچسپیوں کا پتہ نہیں لگا سکتا پھر بھی اس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگا لیا ہے اور انہیں اپنی زندگی کے لئے ایسا کارآمد ثابت کیا کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہر شے میں اس کا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہے کہ اس نے شہد کی مکھیوں کے پاس بھی بھیجا اس میں شک نہیں کہ جتنے کام ہوتے ہیں خداوند تعالےٰ اپنی طرف انہیں منسوب کرتا ہے اگرچہ اس نے ان کے حدوث کے اسباب پیدا کر دئے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنے کا شایان ہے حضرت موسےٰ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے اس سے کہا کہ تو نہ غم کھانا نہ خوف کھا ہم اسے یعنے تیرے بیٹے کو پیغمبر بنائیں گے یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوئی جب انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کریں گے تو فوراً خیالات نے اس امر کی طرف عود کیا کہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے بغیر اس کی مرضی کے پتہ تک نہیں ہلتا چونکہ وہی قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس خیال نے انہیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی روح القدس کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحہ بلحاظ قدر مراتب درجہ سے لگا کر انسان تک کے ساتھ رہتی ہے چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے انہیں یہ لقب عظمیٰ حاصل ہوا جس کو خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ ہم بتا چکے شریعت نے جس طرح اسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے۔ اور ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی تاہم یہ بیان کرنا ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے جو طریق مفسرین اور محدثین نے بیان کئے ہیں اس کے کیا معنے ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں ؎

تھیں کیونکہ وہ ہزار ہا روپے کی تجارت کرتی تھیں معاملہ فہمی میں اونہیں پوری تا ہلیت حاصل تھی جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس ہوشیاری اور دانائی کا ایک مرکی

اول وحی بواسطہ جبرئیل

جبرئیل کے معنے خدا کے بندے کے ہیں مگر زبان شریعت میں اسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرئیل کئی صورت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرئیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اکثر وحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ کبھی اعرابی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل مسافرانہ صورت نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کے حضرت رسالت مآب کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام و ایمان کے معنے دریافت کرنے لگے آپ کی جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالت مآب نے فرمایا یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہیں ایمان و اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے۔

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرئیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے ایک روز اول وقت اور دوسرے روز اخیر وقت اس روایت کو امام مالک رح نے نقل کیا ہے اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن اصل سب کا یکساں ہے اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا۔ مگر نہیں ہم ہر روایت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جبرئیل طرح طرح کی صورتوں میں وحی لے کے تشریف لاتے تھے نہ صرف وحی لے کے بلکہ معمولی باتیں سمجھانے کے لئے بھی آپ کا نزول ہوتا تھا۔ مثلاً مسجد میں مع جوتیوں آپ نماز پڑھ رہے تھے حضرت جبرئیل نے فوراً اطلاع کیا کہ آپ جوتی اندر ڈالئے گندگی ہوئی ہے آپ نے فوراً جوتی اتار ڈالی جب صحابہ نے نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو آپ نے سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکو دیکھ کے آپنے فرمایا میری جوتی میں جو نکہ گندگی ہوئی تھی اس لئے جبرئیل نے مجھے آگاہ کیا ہے

تحقیق کے بعد آپ کا ایمان لے آنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ کو نہ شوہر کی محبت نے مجبور کیا نہ آپ نے کوئی فریب کھایا۔ کیونکہ اگر محبت کا غلبہ ہوتا تو آپ کو تحقیق کرنے کی کوئی ضرورت اعی

جوتی اتار ڈالی۔ یہ ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گزر کے ہزاروں تک پہنچتی ہے بالکل صحیح ہیں۔ ہر لمحہ ہر کام کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ادنے کیوں نہ ہو حضرت جبرئیل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں جبرئیل یا ناموس اکبر یا روح القدس کی آمیزش ہو گئی تھی اور آپ کی ذات مطہر یا مقدس کی روح القدس لازم ملزوم بن گئی تھی آپ کا روح القدس میں استغراق بلکہ مجسم روح القدس ہو جانا یہ معنے پیدا کرتا ہے کہ بعض وقت ایک نیا شخص آپ کو مجسم روح القدس معلوم ہوتی ہو اور آپ کی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسے آدمی کی صورت میں دیکھ لیتے ہوں۔ مسمریزم گویا اس درجہ یقین کی جو انبیاء کو حاصل ہتا الف بے تے ہے اور یہ علم کوئی بڑا نہیں ہے۔ اگر اس سے کوئی بُرا کام نہ لیا جائے تو بہت سی مفید باتیں اس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ سلب مرض بآسانی ہو سکتا ہے۔ بغیر دیکھے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی نہیں ہے جس شخص کو اس فن میں غلو ہو جاتا ہے اُسے مشکل نہیں ہے کہ جس چیز کا خیال کرے۔ وہ اس کے آگے مجسم آ کے کھڑی ہو جائے اور اس سے باتیں کرے۔ اس کی باتوں کا جواب دے اور خود اس سے سوال کرے ہمارے نبی معصوم کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض اوقات غلبہ روحانیت کی وجہ سے روح القدس آپ کو مجسم دکھائی دیتی تھی۔ اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس کی تائید میں تھے۔ اس لئے انہیں بھی فوراً جانا کچھ بات نہیں۔ کون ہے جو نبوت اور اس کے راز سے ذرہ بھر بھی واقفیت رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے ان تعلقات کو پہچانا ہے۔ جو مخصوص بندہ اور خالق کے درمیان قایم ہیں محولی باتوں کو لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرنا اور اسی سے اپنے ہادی برحق کی تعریف سمجھ لینی سخت غلطی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے۔ ہماری طرح پرورش پائی ہماری طرح بڑے ہوئے۔ پھر بھی وہ امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہے۔ جس کی بلندی پر ہمارا خیال نہیں جا سکتا۔ وہ کائنات کا لب لباب روح القدس کے مجسم آنے یا جبرئیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے۔ وہ خود ہی روح القدس ہے۔ خود ہی ناموس اکبر ہے خود ہی جبرئیل ہے اور خود ہی یکائیل ہے۔ یہ اُس کی صفتیں ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ نام گنائے ہیں ورنہ کل صفتیں اُن ذات میں جسے محمد کے نام سے پکارتے ہیں۔

نہ ہوتی نہ آپ ادھر ادھر جانے کی تکلیف برداشت کرتیں یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے اور جس قدر اس پر توجہ کی جائے گی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت نبوت معلوم ہوتی جائیگی۔

خدا کی خاص صفتیں ہیں جو اس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں کوئی انہیں نہ سمجھے اور ان کے اٹکل پچو معنی لگائے یہ اس کی خوش فہمی ہے۔

کہاں ہے یہ تاثیر کسی نام میں اگرچہ بہت سے پیغمبر گزرے اور بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا۔ اب بھی وہی نبی امی اپنے روضۂ مبارک میں سے کروڑوں بندگان خدا کو کلمۂ توحید پر قایم رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اس کے مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت یاتی ہے اب بھی میدان جنگ میں اس کا پرجلال نام تیغ وسنان کا کام دیتا ہے اے معصوم ہاشمی نبی تیری بزرگی بہت بڑی ہے تو بلاشک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا تو اپنا ثانی آپ ہی ہے ابھی تک ہم تیرے عالی مرتبہ کو نہیں پہچان سکے ہم اپنی محدود عقلوں اور اپنی بساط کیموافق تیری صفات کی جستجو کرتے ہیں مگر جیسا کہ چاہیئے ہم انہیں نہیں پاتے۔

دوم وحی بواسطہ آواز

کسی جرس کی مانند آپ کو ایک آواز سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی خود بنی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت بیان نہیں فرمائی ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں بعض کا بیان ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں بعض کہتے ہیں متنبہ کرنے کے لئے پہلے سے آواز آجاتی تھی وغیرہ وغیرہ۔

جب خود اس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبوراً علمانے اپنی طرف سے رائے لگادی مگر پھر بھی وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے جیسا انسان کبھی خیال میں غرق ہوتا ہے تو اسے اسی رنگ کی نئی نئی آوازیں سنائی دیتی اور شکلیں نظر آتی ہیں جن کو وہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر ان کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ غلبۂ روحانیت یا غلبۂ روح القدس کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت میں تغیر ہوجانا بے معنی نہیں رکھتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گزرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی رحمت اور ایک اعلیٰ درجہ کا اطمینان قلب حاصل ہوتا تھا اور خداوند تعالیٰ کی لازوال قوتوں کا پورا اندازہ کرکے

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب ایمان لائے۔ مفسرین نے اس ایمان لانے کو وقعت کی نظروں سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت

کر کے اس سے لذت روحانی حاصل کی جاتی تھی ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق و باد کی آوازیں بھی کلام خدا بجاتی ہیں۔ ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلام خدا ہیں بے شک اُن کے ذریعہ سے خدا اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اُسے معلوم ہے ۔ تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

موسےٰ سے کوئی پوچھے کہ تجلیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا جہاں سے انہوں نے خداوند تعالےٰ سے باتیں کی تھیں و کلم اللہ موسیٰ تکلیما مصرع "قدریں باده ندانی نخدا نا دشمنی" نہیں جان سکتے وہ لوگ جو اس کوچہ سے واقف نہیں ہیں نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنہوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں جانا ظاہر بین ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھ معنے لگاتے ہیں اور ہم اُن کے کچھ معنے سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بے شک آوازیں آتی تھیں اور حقیقت میں وہ آوازیں خدا کی تھیں جو اپنے بندوں سے باتیں کرتا تھا۔ بجلی کی آواز بھی اُسے پیغام پہونچاتی تھی۔ بادل کی گرج اُس کے لئے نئی نئی ہدایتیں لاتی تھی۔ اور وہ آوازیں جو اس کے دل سے اٹھتی تھیں اور جن سے اس کی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا۔ وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھیں اس کا اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا اس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پورے غلبہ میں اُسے مسموع ہوتی تھی۔ خدا کی طرف سے تھی اور بے شک خدا اس سے خود کلام کرتا تھا۔ یہ وہ عجیب معارف و دقائق ہیں۔ جن کی تہ کو پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ ہمیں اُس نے اسی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ اس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اس کے روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے۔ ہمیں اس کی مرضی پر جینا اور ہمیں اسی کی مرضی پر کام کرنا اور اُسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے دعا ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اُسی کے سایہ اور اُسی کی سرپرستی میں یہ عظیم الشان کام انجام دیں۔

صغیر سن تھے اور صغیر سنی کی کوئی بات قابل وقعت نہیں ہوتی اور یا بالخصوص ایمان کے مقابلہ میں تو اور بھی اس کی زیادہ کم وقعتی ثابت ہوتی ہے مگر نہیں یہ بات نہیں ہے بچہ بچہ میں فرق ہے

سوم وحی بواسطہ تجلیات ربانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت بیداری میں وحی نازل ہوئی تھی۔ اور اس کی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات نورانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرما لیتے تھے۔ اس صورت سے کل سرا پا غیبی آپ پر عیان ہو جاتے تھے جیسے نماز کسوف میں آپ کو یہ بات پیش آئی تھی ؛

یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ ہم یہ تو نہیں مانتے کہ صرف نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی اور جیسے آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے۔ تجلیات ربانی یعنے روح القدس آپ کی ہمدم و ہمقرین رہتی تھی وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبی نہ عیاں ہوتے ہوں قرآن مجید کی آیتوں یا سورتوں کا بروقت ضرورت نزول اس امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرئیل کی مجالست سے علیحدہ نہیں ہوئے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوں جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لئے تمام ربانی تجلیوں کا ہجوم چاہیئے۔ کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پورے ہمقرین ہوئے بغیر ممکن نہیں لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صدہا برس گزرنے کے بعد ویسا ہی پر زور رہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن تھا بلکہ ہی زیادہ ناممکن ہے ؛

اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپ کی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان کے

آپ میں خداداد ذہانت اور فہم و فراست صغر سنی ہی میں اول درجہ کی تھی اور آپ میں ایمان لانے یا مسلمان ہونے کے وقت کفر و اسلام کے تمیز کرنے کا اور اک بخوبی پایا جاتا تھا

پیدا کرنے کی کیا غایت ہے جو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ ایک بڑا پُر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر سے نہیں ہوئی ہم نے وحی کے نازل ہونے پر سلف سے مطلق اختلاف نہیں کیا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کئے ہیں اور ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مراد لیتے ہیں سب کے ایک ہی معنے اور سب کا ایک ہی مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علما نے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغام خدا ایک ہی صورت سے نازل ہونا چاہیئے وقتاً فوقتاً اس کی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول اور پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔

خداوند اپنی ہزار ذلیل ترین مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے لئے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اس سے یہی تجاوز نہیں ہو سکتا وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے اس کے ہمکلام ہونے کا ایک نیا قاعدہ ہے اور اس سے تجاوز نہیں ممکن۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی روح القدس نبی پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتے تھے اور اس صورت سے پیغام باری تعالیٰ پہنچاتی تھی اور کبھی وحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز بن کے سنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہن کر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نور بن کے آنکھوں کے سامنے چکرانے لگتی تھی یہ ساری باتیں دراصل اوپری ہیں جبکہ نزول وحی کے راز سے کچھ بہت تعلق نہیں پھر بھی اگر ہم ان کل صورتوں کو تسلیم بھی کریں تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسی طرح وحی کے اس چشمہ میں جو ہر وقت قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیات ربانی کی بدولت اس میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی تھیں جن کی کنہ کو سوائے ان ذات کے جن پر یہ چشمہ

اسلام مثل مذہب تثلیث کے ایسا پیچیدہ مذہب نہیں تھا کہ نہ سمجھانے والا سمجھ سکے اور نہ سمجھانے والے کی عقل میں آئے۔ صرف ایک خالق پر ایمان لانا۔ اور حضور انور کو پیغمبر آخر الزمان ماننا

اُبتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا نہ وہ خود اس کی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کر سکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اُس کی کیفیت غیر محدود پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اُس کا راز ظاہر ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے کبھی اُسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی۔ کبھی تجلیات ربانی کی مثال دے کے سمجھایا اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی کیونکہ ان تمثیلوں کو بھی سمجھانا محالات سے تھا نہ خداوند تعالےٰ نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان فرمائیں اور کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبراً مانو اور اس پر عمل کرو اس کی تائید خود کلام پاک میں موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے" کلام کی یہی خوبی ہے کہ وہ خود بخود دل میں گھر کرتا جائے اور اس کے نقش بغیر کسی کوشش کے از خود دل میں بیٹھتے جائیں آپ کی تعلیم کا طریقہ اس قدر احسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قرآن مجید سے یہی خود اس کی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے "نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کی جائے" یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنی نرم بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالےٰ تھا جس کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی تمثیلوں کے بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحب وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں مگر جبکی فطرت نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں جنہیں نبوت اور اس کے راز کا کا اوپری علم بھی ہے اور جو محمدؐ و خدا کے تعلقات سے واقف ہیں انکا یہ خیال ہے کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب حل ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا ہی کھاتا جائے اور اسکی ترکیب دریافت کرنے کی میزبان کو تکلیف بھی دے صرف یہ کہنا بہت کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے اس سے بحث

نسبان ہونے کے لئے کافی ضمانت تھا اور یہ موٹی بات حضرت علی ابن ابی طالب اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری صفت جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لائے

کہ کیونکر پکایا گیا وہاں پکانے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے۔ اسی طرح وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہئے۔ صرف اتنا ہی جزا دینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھ پر نازل ہوا ہے اس پر اوامر ہیں اور یہ نواہی ہیں۔ اس کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھ پر وحی نازل ہونے کا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے تو اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری صورت دیکھ کے یہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں اور یہی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرمایا بھی ہو مگر آپ کا یہ فرمانا محض تمثیلی خیال کیا جائیگا حقیقت سے اسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا۔ جب راحت۔ درد۔ کھٹاس وغیرہ کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے گی جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اسی قدر ہے جتنا خدا نے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے "قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ" یعنے کہ جو کوئی روح القدس کا دشمن ہو ہوا کرے۔ مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے حکم سے اوتارا ہے" اس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ ابلتا تھا۔ اس لئے کہ روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا اور اگلی آیت سے اس کی تشریح اور بھی واضح طور پر ہو گئی۔ جہاں خدا وند عرش العرش ارشاد کرتا ہے "من امرہ علی من یشاء" یعنے خدا روح القدس کو جس میں چاہے القا کرتا ہے یا خدا روح القدس کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیج دیتا ہے۔ اس سے یہ بات تو نہیں پیدا ہوتی کہ خدا کا بیا آدمی کی صورت میں آ کے بلفظ قرآن سناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کر دیتی تھی اگلے آنیوالی آیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہو رہے ہیں رفع ہو جائیں گے چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین ۔ وما صاحبکم بمجنون

احسان پرستی کی آپ میں تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا تھا مثل سے بچوں کے آپ کی پرورش کی تھی اور آپ کو اس قحط اور مصیبت سے نجات دی تھی جس

ویعلمہ شدید القوی ذو مرۃ فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ ما کذب الفؤاد ما رای افتمارونہ علیٰ ما یریٰ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ المأویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

یعنے یہ قرآن اس رسول کریم (یعنی روح القدس) کا کلام ہے جو صاحب قوت اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا ساتھی (محمدؐ) کچھ دیوانہ نہیں کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جائے اس نے روح القدس کو اسکی صورت اصلیہ پر افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدائش سے آپ کی ہمقرین رہی اور آپ کی ذات اقدس و اطہر کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہو گئی تھی۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو افق پر دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے اس سے یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک مجسم چیز افق پر ایک بار دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی بلکہ روح القدس کی اہلیت کو بندی پر دیکھنے کے یہ معنے ہیں کہ سب سے اعلےٰ درجہ کی روح القدس آپ کی ہمقرین بنائی گئی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہم نے لکھا تھا۔ کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کی اس آیت سے شہادت مل گئی۔ افق پر روح کو دیکھنا یہ معنے رکھتا ہے کہ آپ کی ذات میں جو روح القدس ودیعت ہوئی تھی۔ وہ اعلےٰ درجہ کی اور بلند تھی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرئیل کا ایک جسم قرار دے کے افق پر اور ان کے بڑے بڑے پر بیان کریں اور انکی صورت ایک ایسے خوفناک یوکی بیان کریں جو ہمارے مشرقی نقشہ نویسوں نے زیادتو پنے فسانوں میں لکھی ہے ایک کامل، کامل ہدایت کو ایک ہیبت ناک جسم میں مقید کرنا ہمارے بعض علمائے کرام کا شیوہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کرتے۔

رب العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمدؐ کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ روح القدس آپ کی ذات اقدس اور اطہر میں بولتی تھی۔ اور اس قدر وابستہ ہو گئی کہ جو کلام آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا۔ اس میں

جس میں ابو طالب آپ کے چچا پھنسے ہوئے تھے اس احسان پرستی کی ۔ یقیناً آپ کی ذات میں موجود تھی اور آپ کا اپنے محسن کے ساتھ مہربان ہونا اس کا کافی ثبوت ہے کہ آپ میں احسان

روح القدس کی تائید ضروری تھی۔

پھر خداوند تعالےٰ فرماتا ہے: "قل نزلہ الروح القدس من ربک بالحق" یعنے تو کہہ دے قرآن کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اوتارا ہے۔ اس میں شک کرنا اور اسکی صداقت میں کلام کرنا سخت ناحق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کی طرف سے نازل ہوا وہ حق ہے اور سوائے صداقت کے اس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے بخوبی واضح ہوگئی ہوگی۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہاں تک منشائے باری تعالےٰ کے موافق ہے اور اس کا تطابق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے تو ان شاء اللہ تعالےٰ قدوت شاہد ہیں کہ اسلام سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آجانے والا مذہب دنیا میں کوئی نہیں فلسفہ یونانی کی کسوٹی پر پرکھا تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے پرکھا۔ مگر کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادی رائے ہونی چاہیئے تعصب اندھا کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے تو صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتے کسے کہتے ہیں نزول ملائکہ کے کیا معنے ہیں۔ الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی میں نہیں پہونچے انہوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قائم کیا ہے مثل انسان کے فرشتے آتے ہیں دران سے باتیں کرتے ہیں مثل انسان کے جو مقام سناتے ہیں اس میں آواز بھی ہوتی ہے اور الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ لامکان پر چلے جاتے ہیں یہ خیالات افریقہ کی وحشی اقوام کے تو زیادہ موزوں ہیں اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں مسیحیت سکتی جاتی ہے اور اس کا دروازہ اس قدر تنگ ہوتا جاتا ہے کہ یورپ میں سوائے قومیت کے مسیحیت کا نام و نشان بھی ہستی سے مٹ جائیگا۔

قرآن مجید اس شخص کی عقل ہیں آسکتا جس نے چشم بصیرت بند کر لی یا تعصب نے اس کی عقل کو بیکار کر دیا ہے قرآن میں تجزیہ ہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق جائے اور کسی قسم کا

مانعے کا مادہ کتنا موجود تھا۔ یہ ممکن ہے کہ آپ نے شریعت کو اور اسرار الٰہی کو اپنے آغاز اسلام میں نہ پہچانا ہو اور آپ کا اسلام لانا مثل حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہ ہو۔

اطمینان کر دیتا ہے۔ جس قدر گہری نظر کرتے جاؤ گے نئے نئے مطالب حل ہوتے جائیں گے اور وہ وہ بار یکیاں نکلیں گی جو دیدہ ور شنیدہ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص شخص پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اس سے اچھی بات ہی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے ہو نہیں سکتا غیر قدار طور پر توریت اور انجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو تو ایک عظیم فرق پاؤ گے۔ توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرۃ ملیں گی جنہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائیں گی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس نے منہ کی کھائی اور سخت خفت اٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے دقیق مضمون تھے۔ مگر قرآن مجید نے ایسے حل کئے کہ ایک حکیم سے لگا کر ایک بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے پڑھنے والے اگر بچید گی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اُن کی عقل کا قصور ہے اس کی بالکل یہی مثال ہے ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم حنس ؎

یہاں تک تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی۔ اب ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے۔ یہ بحث ہمارے علمائے کرام کی بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پر قانع کرتا ہو اور اس کے دینی اور دینی عقل کا دارو مدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوئی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بھی کام لینا جانتا ہے وہ ہماری بحث کو سمجھے گا بھی اُس سے لطف بھی اُٹھائیگا اور ممکن ہے کہ اُسے کچھ فائدہ بھی ہو چنانچہ وہ بحث یہ ہے ؎

لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب آپ جوان ہوئے یا سن شعور کو پہنچے تو آپ نے شریعت کے سازوں کا پورا بستہ لگایا تھا۔ اور آپ نہ صرف حافظ قرآن مجید تھے بلکہ مطالب خداوندی پر

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو یعنے قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنے حدیث قدسی یا سنت یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی آمیزش سے خالی نہ ہوتا تھا اور جو کچھ آپ آپنے دل میں القا ہوتا تھا اسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہ ہوں۔ چونکہ ان احادیث کا طرز کلام خدا کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لیے جدا جدا نام مقرر کئے ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنے سنت اور حدیث قدسی کہا اب یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس دم بدم آپ سے جدا نہ ہوتی تھی اور ہر وقت آپ کی زبان سے بولتی تھی غرض جو کلام آپ فرماتے تھے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بھی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چسپاں ہی نہیں ہوتے اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں۔ یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں ہے بلکہ علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگر یہ مطلب کچھ نہ کچھ ہونا ممکن ہے۔ چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ حضور انور کے تمام زندگی میں جتنی باتیں کیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے۔ وہ سب اسی شان اور اسی عظمت کے تھے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کا کامل علم اسی وقت ہوتا تھا جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کرو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اس کے قلم سے نکلتے ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو اسکی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب اور شان میں بہت بڑا فرق ہوتا

پورا عبور رکھتے تھے؟

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض صحبت اور پھر دلی محبت۔ اور ساتھ ہی حضرت بی بی

کبھی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اس تقریر سے مطابق ہو جائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی۔ لکھ کچھ ہیں بولنے کی مشق ہو پھر بھی بہت فرق ہوگا۔ یہ مثال اگرچہ بہت ادنیٰ مثال ہے مگر پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے۔

اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالت تک یکساں رہا یا کچھ بدلا گیا۔ قرآن مجید سے تو صریح طور پر یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ نزالاحا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدل گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ لیکن اب سے بالتفصیل لکھتے ہیں انبیاء پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ دراصل اس لقا کا دجو خدا کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ روح القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہ ہوتی تھی۔ تورات اور اناجیل میں خدا کو متکلم کہیں نہیں بنایا گیا ہے مگر قرآن مجید میں خدا ہر جگہ متکلم بنایا گیا ہے بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ لے آئیں اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ درحقیقت کلام خدا ہی ہے۔ یہ اعتراض اگر غور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی کیونکر لقا ہوتی تھی اس لئے کہ تورات اور اناجیل حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ کے کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں جس طرح مسلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح تورات و اناجیل کے قصص جمع ہوئے۔ پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع و تنقید اور تورات و اناجیل کی جمع اور تنقید میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہمارے ہاں اسماء الرجال گویا صحیح اور غیر صحیح پرکھنے کی کسوٹی ہے مگر تورات و اناجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اس وقت تک بنائی نہیں ہوئی ہیں یہاں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت موسےٰ یا حضرت عیسیٰ جو کلام خدا فرماتے تھے اگر اسی وقت لکھ لیا جاتا تو ضرور اس پر اعتبار کیا جاتا اور جب کلام خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اس میں کلام ربانی کی شان ہی کیونکر پائی جا سکتی ہے۔ اس بحث کے بعد کہتے ہیں کہ پہلے

فاطمۃ الزہرا کا آپ کے نکاح میں آنا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں جن سے آپ کا مبارک سینہ شریعۃ مصطفوی کے رازوں سے منقش ہوا تھا۔ آپ برگزیدۂ خدا تھے اور ان پاک نفوس

نصاریٰ کا خیال ہے وہ صحیح ہے جیسا کہ یوسیبیس اور لیاقان صاحب لکھتے ہیں "روح القدس نے جس کی تعظیم اور ردو سے انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے اُن کے لئے کوئی زبان نہیں ٹھہرادی تھی۔ بلکہ اُس نے ان کے دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچالیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ اور عبارت میں اُس کو ادا کرے اور جیسے ہم ان پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کے موافق ان کی کتابوں میں فرق پاتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے ماہر ہوگا۔ متی لوقا۔ پال اور یوحنا کے محاورہ میں فرق پائیگا۔ اگر روح القدس حواریوں کو اطاعت بتا دیتی تو یہ بات ہرگز نہ ہوتی۔ بلکہ اس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر کتاب کا محاورہ علیحدہ ہوتا۔" اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے ایک تو کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا دوسرے یہ بھی ہدایت کردی کہ اپنے محاورہ کے موافق اسے بیان کرنا اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر روح القدس چاہتی بھی جب بھی صدی ڈیڑھ صدی کی گزشتہ باتوں کا حواریوں اور انجیل نویسوں میں القا نہیں کرسکتی تھی۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہوگیا کہ بطور مضمون کے وحی القا ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ آیا انبیا علیہ السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی۔ یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مان لیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اور انبیا سے بہت اعلیٰ ہے کہ روح القدس کلام خدا آپ میں القا بھی کرتی تھی اور اسکی عبارت بھی بتا دیتی تھی۔ اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو یا دری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قایم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم کریں کہ سوائے محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے انہیں الفاظ اور عبارت نہیں بتائی جاتی تھی اور پھر آخر میں یہ طریقہ بدل دیا گیا تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب فی الحقیقت پوری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہ دیکھے تھے بہت کچھ اس میں تبدیلیاں پیدا کرلیں اور جس نے جو چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اس اثنا میں سلسلہ نبوت برابر جاری تھا۔ اور اجیر میں

میں آپ کا شمار ہے۔ جنہیں خداوند تعالےٰ نے اپنے کام کے لئے چن لیا ہو۔ معرفت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے اور آج اسلامی دنیا بڑی تعظیم سے آپ کا نام لیتی ہے مسلمانوں کا ایک بچہ

موت کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا اس لئے یہ حکمت تھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سایۂ گمان بھی نہ رہے سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا (کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے افغانستان ڈیلکے اور نئے نئے محاذوں میں آنے کے لازمی ہے) تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت داعی ہوتی تاکہ وہ بتائے کہ کلام خدا میں یہ یہ تحریف ہوئی تھی اور جب خدا کو سلسلہ نبوت ہمارے معصوم و برحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمۂ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونے کی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی۔ اور ہر ہر لفظ پر ہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور اس کی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا۔ جو آسمان پر ستاروں میں الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراض کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظ کیا اور بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سنایا اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اس وحی کو کہتے ہیں جس کے الفاظ بھی خدا سے ہی ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے اونچا ہے اسی بنا پر مسلمان عموماً انبیا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القا نے وحی کی تبدیلی تکذیب نبوت پر اس لئے دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کو خلاف عادت کیا ضرور تھا۔ جیسا کہ عیسائیوں کا دین ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہونے مر کے زندہ ہونے اور پھر مع جسم آسمان پر اٹھائے گئے اس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو ضرورت کیا تھی اب جو جواب پادری صاحب اس کا دیں گے وہی جواب مسلمان طریقہ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیں گے۔

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظرین سیرت کی تسکین کے لئے بہت کافی ہوگی

گروہ جو عجبار اور مستند میں آباد ہے اور جس کو طارج کہتے ہیں آپ کو ابھی نہیں سمجھا لیکن یہ اچھا ہے کہ ابھی آپ کی ارفع و اعلیٰ شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد زید بن حارث ایمان لایا اور یہ وہی آزاد کردہ غلام تھا جس کی بابت پچھلے صفحوں میں ذکر ہو چکا ہے۔ زید کا ایمان لانا بھی حضور انور کی صداقت نبوت کی دلیل ہے کیونکہ زید مدت سے حضور انور کی خدمت میں رہتا تھا اور خود پڑھا لکھا بھی تھا اس نے مذہب مقابلے سے پوری واقفیت تھی اور وہ اہل کتاب کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ ایسے شخص کا ایمان لے آنا جو اندرونی معاشرت سے واقف بھی ہو اور زمانہ کے مطابق پڑھا لکھا بھی ہو صدق دلی سے بہت بڑی بات ہے بڑے بڑے پیغمبر یا مسلمان قوم ہوئے ان کے گھر والوں نے کبھی ان کی متابعت نہیں کی مگر حضور انور کی ذات اطہر و اقدس کے ساتھ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ آپ پر آپ کے گھر والے جن میں آپ رہا کرتے تھے ایمان لے آئے۔

اس روحانی فلسفہ کو جہاں تک نظر غور سے دیکھا جائیگا شریعت الٰہی کے بہت سے راز کھلتے چلے جائیں گے اور ایک متجسس نظر کے آگے روحانی بزرگیوں کا اٹم بم کر دیں گے تعصب کا تو کچھ ٹھکانا نہیں جو حق و ناحق میں تمیز ہی نہیں کرنے دیتا لیکن انصاف ہمیشہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر کے دکھا دیتا ہے۔

زید بن حارث کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے اگر عقل سے دیکھا جائے تو یہ ایمان لانا ایمان

وہ اس تعلیم کو بغور پڑھ کے سمجھ جائے گا کہ ہمارے نبی معصوم و برحق خود مجسم وحی تھے آپ کے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح اقدس کے ذریعہ سے ابلتے تھے آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے۔ بلکہ روح القدس بولتی تھی آپ دراصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح اقدس کلام کرتی تھی۔ قرآن مجید خود اس امر کی شہادت ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے کل مذاہب سے کنارہ کر لو اور بیرغرض و غرانہ نظر سے قرآن پر غور کرو تو تمہیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائی دے گا۔ یہ کتاب جیسی پہلے تھی ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کے ایک ایک حکم میں ایک زندہ مصلح ہے جس کی قوت فرمانروائی سے جس کی فرمانروائی سے زمانے بدل گئے۔ اخلاق بدل گئے۔ خیالات بدل گئے

لانا ہے اور ہم اسی لئے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر ایمان لائے۔ آپ خود سردار تھے۔ اور ایک امتیاز یہ وجاہت آپ کو حاصل تھی۔ بانع نظر تھے۔ اور تجربہ کار ایک ہی شہر کی گلیوں میں آپ اپنے ہادی برحق کے ساتھ مدتوں پھرے اور بڑے ہوئے آپ سلسلۂ آسمانی کو سمجھتے تھے۔ اور آپ واقف تھے کہ نبی کس کو کہتے ہیں اور خدا وند تعالیٰ سے اس کے کیا تعلقات ہوتے ہیں۔ قوم کی حالت سے آپ بخوبی واقف تھے اور آپ جانتے تھے کہ اس وقت ربانی مصلح کے ظہور کی ضرورت ہے چنانچہ آپ نے یہ صفت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی اور پھر آپ نے بلا خوف و ترس علی الاعلان آپ کی نبوت کی صداقت کی اور خاندانی تمدن معاشرت اور مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا ؛

ان چاروں پاک نفوس کے ایمان لانے کے متعلق محققوں نے خوب پسندیدہ تقسیم کی ہے اور وہ یہ ہے یعنے اول جس شخص نے حضرت سید ابرار کا اقرار کیا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور سب سے پہلے جس شخص نے حضور انور پر شیفتگی ظاہر کی وہ زید بن حارث تھا۔ اور جس شخص نے سب سے پہلے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اب رہیں حضرت بی بی خدیجہ اُن کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے ؛

جب یہ چاروں پاک نفوس ایمان لا چکے۔ تو ان کے انفاس متبرکہ کے فیض سے

۱۶۹

بدل گئے گرس کے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہ قایم ہیں اور کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ ذرا بھی سو راہی سے اس کی طرف کچھ لے جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب اُن کے قول کے مقابلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے تو پھر ان میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا اور وہ اپنی سلامتی خاموشی میں دیکھتے ہیں ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت کر رہی ہے۔ اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بے سیدھا راستہ دکھائی دے گی اور ہر جگہ طوائف الملوکی یعنے مذہب سے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی اور جب دہریہ اور بے مذہب ہونے کے تمہیں علوم ہوگا کہ قرآن کی حکومت ہی ایسی ہے کہ

حضرت عثمان بن عفان ۔ زبیر بن العوام ۔ طلحہ بن عبید اللہ ۔ سعد بن ابی وقاص ۔ اور عبد الرحمن بن عوف جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ حضرت ختمی پناہ کی مجلس میں آ کے کلمہ طیبہ پڑھا ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے ایک سنسناہٹ سرداران قریش کے خون میں پیدا کر دی اور سب کے دلوں میں گدگدی سی پیدا ہونے لگی ۔ کہ جب ابو بکر جیسا سردار بغیب خاطر ایماں لے آیا ۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اصول اسلام کو انصاف سے غور نہ کریں چنانچہ بہت سے بڑے سرداروں نے صدیق اکبر کے مسلمان ہوتے ہی جانچنا شروع کیا ۔ اور سب سے پہلے ان فکر کرنے والوں میں ابو عبیدہ جراح اور ابو سلمہ مخزومی ۔ عثمان بن مظعون ۔ ارقم بن الارقم مسید الثقلین کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کے مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ ۔ عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب ۔ سعد بن نفیل ابن ام عمرو و بلال و صہیب ۔ خباب بن ارت ۔ عبد اللہ مسعود الہذیلی ۔ عامر بن فہیرہ ۔ قیس بن حذافہ ۔ خالد بن سعید العاص ۔ عباس بن ربیعہ ۔ عبد اللہ بن محش الاسدی ۔ غرض اسی طرح صدہا اور ہزارہا مرد اور عورتیں یکے بعد دیگرے ایمان لے آئے ۔ اور دین اسلام قبول کرنے والوں کا ہجوم اس قدر ہوا کہ آسمان سے یہ ندا آئی ۔

"اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی
دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا"

باقی ہے اور جو رعب اس کا ایک غریب شخص پر ہے ۔ وہی شہنشاہ بکروبر پر ہے ۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح حرارت اور قوت پائی جاتی ہے ۔ اور اس کا سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور بخیل وحی غیر متلو ۔ یعنے اس کے الفاظ بھی روح القدس کے الفاظ ہیں ۔ اور انجیل کے الفاظ روح اللہ کے الفاظ نہیں ہیں ۔

اے انبیا کے سچے محمد تیری شان برتر و اعلیٰ ہے تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے اب بھی روح القدس اس میں اسی روحانیت سے موجود ہے ۔ اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے ۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی ہے ۔

پہنچے جب اللہ کی مدد آگئی اور لوگوں کو تم نے دیکھا کہ وہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہو رہے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

یہ کامیابی جس میں زندگی تھی۔ اپنا ثانی نہیں رکھتی اور یہی ہیبت سے پیغمبروں کے کارنامے ہمارے آگے موجود ہیں۔ لیکن مقابلہ کے بعد ہماری زبان سے یہی نکلتا ہے "جو نسبت خاک را بہ عالم پاک"۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی بنوۃ تعلیم۔ وعظ و پند اور باپ پر ایمان لانے کی کیفیت ہم انجیل میں پڑھ چکے ہیں۔ اس بے باپ معصوم بچہ پر اصل میں تو ایک شخص بھی ایمان نہ لایا تھا۔ اور جن کا ایمان لانا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ نفس الامر اس بچے باپ کے بچہ کے دشمن تھے کیونکہ انہوں نے اس بے پدر نوجوان کو اسی دق کیا تھا۔ کہ آخر بچارہ گالیاں دینے اور کوسنے لگا تھا۔ یہ سب لوگ ذلیل اور رذیل پیشہ دونوں ہی تھے اور آخر چند پیسوں پر انہوں نے روحانی نوجوان کو بہلا پھسلا کر صلیب پر چڑھوا دیا۔ کوڑے کھلوائے۔ لعنت کرائی۔ منہ پر تھکوایا۔ اور کانٹوں کا تاج سر پر رکھوا کے ادھر اُدھر چلایا۔ بنے بنائے شاہ بلاست بیچارے مسیح ایک روحانی نوجوان تھے۔ اونہیں زمانہ کا تجربہ نہ تھا کہ وہ ہاں گیروں کی لوچوپ میں آگئے ورنہ اونہیں یہ فازک وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ جس کی کرب میں نہایت درد ناک لہجہ کے ساتھ انہوں نے یہ دعا کی

اے ہادی برحق تو اب بھی ہم میں دعا فرماتا معلوم ہوتا ہے۔ جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے۔ تو تیری نورجہ دگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھنچ جاتا ہے بلکہ تو ہے جس کا یہ اثر ہے۔ اور کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسی میں سب کو جکڑ رکھا ہے۔

اے قریشی نبی تیری ہی کتاب کی رہنمائی سے بچے پا سکتے ہیں اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مخالف نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیرا اور تیری کتاب کا اے نبی ہر وقت ہر جا احترام کرتا ہے تیری روشن کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت ضخیم دفتروں میں ہزارہا اختلاف کو مٹا دیتی ہے کیا [illegible] العرش کا پیغمبر ہے اور تیری کتاب روح القدس کی تائید سے مرتب دی گئی ہے۔

تھی کہ اگر ہو سکے تو تھوڑی دیر کے لئے مجھ سے یہ پیالہ جدا کر لیا جائے۔ ؎

کون سنتا ہے فغان درویش فکر درویش بجان درویش

پہنچ گئے۔ دیکھا اور شور مچا دیا "ایلی ایلی لما سبقتانی" اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، مگر یہودیوں نے ایک نہ سنی اور دونوں ہاتھوں میں کیلیں ٹھونک کے صلیب پر لٹکا دیا۔ پھر وہاں سے وہ آسمان پر چلے گئے۔ تو اور کوئی انہیں قبر میں رکھے جانے کے بعد چرا کے لیگیا تو اس سے ہمیں کچھ بحث نہیں ہے

مسیحی یورپی مورخ جب اسلام کے خلاف ان کی طبائع میں جوش اٹھتا ہے تو فخر دو جہاں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقدس و اطہر شان میں جو چاہتے ہیں دریدہ دہنی سے الفاظ استعمال کرنے میں باک نہیں کرتے۔ مگر اپنے بے باپ کے خداوند حضرت مسیح کی طرف سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لیتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔ جس ناہنجارانہ طرز سے حضور سرور عالم پر حملے کئے جاتے ہیں کیا ہم حملہ کرنے والوں کو کے پیشوا ان کی نسبت ان سے زیادہ سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتے۔ مگر ہم ایسی باتوں کو خلاف شان سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو ایسے کمزور اخلاق کے مصنف ہوں ان سے ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اور ان کے حق میں دعا کرنی چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ انہیں اس لاعلاج مرض سے نجات اور ان کے دلوں میں انصاف پیدا کرے اور انہیں چشم بینا بخشے وہ بھلے برے میں تمیز کر سکیں۔

آٹھواں باب

اول بیعت کرنے والے اصحاب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ فلاں فلاں صحابہ نے سب سے پہلے بیعت کی۔ لیکن اس باب میں ہم ہر صحابی کی بیعت پر ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔ ہشامی صفحہ ۱۳ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں "خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر ایمان لا کر آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ اس طرح رسول کریم کو بہت سہارا مل گیا۔ کیونکہ منکرین کے انکار اور لوگوں کی مخالفت سے جب حضرت غمگین ہوتے

مغموم ہوتے تھے تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ آپ کو تسکین دے کے آپ کی ہمت بندھواتی تھیں اور آپ کی نبوت کا اعتراف کرتی تھیں ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت رسالت پناہ نے بی بی خدیجہ کو یہ خوشخبری دی تھی کہ تم جنت میں جاؤ گی۔ جہاں ایک محل موتیوں کا ہوگا۔ جہاں محنت و مشقت کچھ نہیں ہوگی۔ بعض مسیحی مورخوں نے اس روایت کو طعن سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ مگر ہم یہ لکھتے ہیں کہ ایسا درج کرنا عبث ہے جب کہ حضرت مسیح نے جنت میں اپنے دوستوں کو دائیں ہاتھ کی طرف بٹھا کے انگور کا شربت پلانے کی بشارت دی ہے اور ڈیروں میں اُن کے آنسو پونچھے ہیں۔ پھر ایسا رکیک اعتراض کرنے یا طعن کرنے سے کیا فائدہ ہے آپ کا آنحضرت پر ایمان لانا عجیب و غریب راز اپنے ساتھ رکھتا ہے ایمان لانا دوسری بات ہے لیکن ایمان لانے کے بعد نبوۃ کے کاموں میں مدد کرنا یہ دوسری بات ہے۔ آپ کی زیرکی۔ ہوشیاری۔ روشن ضمیری اور قابلیت نے اس بات کو ثابت کر دیا۔ کہ لائق اور سمجھدار بی بی سے شوہر کو کس قدر مدد ملتی ہے اور ایسی حالت میں جب کوئی بھی آپ کا غمگسار نہ تھا حضرت بی بی خدیجہ کی ڈھارس نے کس قدر سہارا دے رکھا تھا ۔

اس زمانہ میں جب کہ تمدن کی مختلف ممالک میں گرم بازاری ہو رہی تھی اور سلطنت مشرقی روما الکبریٰ اور ایران میں تمدن نے قول ہار دیا تھا ایک خاتون بھلا ایسی نہ تھی۔ جو اس تاریک خطہ میں پیدا ہو گئی اور جس کو اسلام نے فخر خواتین عالم بنا دیا۔ زن و شوہر کے عجیب و غریب تعلقات کا پتہ حضرت بی بی خدیجہ کے برتاؤ سے ملتا ہے آپ نے حضور انور سے نیک برتاؤ کر کے بتا دیا کہ بیبیوں کو اپنے شوہروں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے قریشوں کی سنگین مخالفت میں اس خاتون اعظم کا سینہ سپر ہونا اور مخالفین کے طعن و تشنیع پر پروا نہ کرنے کی ہدایت کرنی اور اپنے کام پر مستقل رہنے کی ہمت دینی اور اپنا کل مال و متاع محض اپنے معصوم شوہر کی راحت و آسائش پر قربان کرنے پر تیار رہنا یہ معمولی باتیں نہیں ہیں جن پر توجہ ہی نہ کی جائے۔ یہ راز دانی سمجھ میں تو نہیں آتا۔ لیکن اس راز کے برابر تفتیش کی جائے تو بہت سے فائدے ہو سکتے ہیں۔ اور دنیا کی بیبیوں کو نیک برتاؤ کرنے کا علم ہو سکتا ہے

زید بن حارث

زید اس وقت بالکل آزاد تھا اور حضور انور کو زید سے ایسی محبت تھی کہ آپ بیٹا کہہ کے پکارا کرتے تھے اگرچہ زید حضور انور کے خاندان کا کوئی رکن نہ تھا لیکن جو تعلق الفت قایم ہو چکا تھا۔ وہ مثل کنبہ والوں کے تھا ہشامی نے اپنی کتاب صفحہ ۶ میں تحریر کیا ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کے بعد زید جو حضرت رسالت پناہی پر دل وجان سے فریفتہ تھا۔ ایمان لے آیا اور اس کو حضور انور کی صداقت نبوت کی ایک زبردست شہادت سمجھنا چاہیئے۔

حضرت علی ابن ابیطالب

اس وقت حضرت علیؓ کی عمر ۱۳ یا ۱۴ برس کی ہو گئی تھی اور جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں آپ میں خداداد ذہانت اور روشن ضمیری قابل تعریف تھی۔ اور اسی ذہانت اور زیرکی نے آج کڑوڑوں مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی عزت قایم کر رکھی ہے۔ اگرچہ آپ میں غیر معمولی جرأت اور شجاعت تھی لیکن آپ میں خود اپنے جذبات پر قبضہ کرنے کی قوت بھی بڑھی ہوئی تھی۔ ہم گزشتہ صفحات میں شاید ذکر کر چکے ہیں کہ محض اس تباہی کے وقت جب قحط میں حضرت ابوطالب پر آگئی تھی حضور انور نے اخراجات خانگی سے سبکدوش کرنے کے لئے ابوطالب سے حضرت علیؓ کو لے لیا اور حضرت عباسؓ کو جعفر کے سپرد کر دیا اور میں اپنے والد کے پاس رہا۔

کہتے ہیں حضرت علی کی دس سال کی عمر تھی۔ جب آپ نے حضور انور اور حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت علی نے دریافت کیا کہ اے محمد یہ کیا کام تم کر رہے ہو۔ حضور انور نے جواب دیا کہ یہ وہ دین ہے جو خدا کو پسند ہے۔ اور میں تجھے اس دین کی طرف بلاتا ہوں اور ایسے خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں سنتے ہی اسی دن ایمان لے آیا۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں خود کوئی کام اپنے طور پر نہیں کر سکتا۔ جبتک ابوطالب سے دریافت نہ کر لوں۔ مگر حضور انور نے یہ پسند نہ کیا کہ اسی دن یہ بات مشہور ہو جائے آپ نے ارشاد کیا۔

"یا علی ان لم تسلم فاکتم علی"

اسی طرح جب حضرت علی کے دل میں خود بخود خدا کی طرف سے اسلام کی محبت پیدا ہوئی تو آپ نے

دوسرے روز حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوکے یہ عرض کیا کہ ہمارا ذمہ حضرت علی، حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بات کی گواہی دینی کہ خدا ایک ہے اور لات و عزیٰ سے نفرت کرنی اور تعداد سے پرہیز کرنا۔ اس کے بعد حضرت علی نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت مقدس نبوی پیر کے دن مبعوث ہوئے اور حضرت علی منگل کو مسلمان ہوئے اور اپنا حال اپنے والد ابوطالب سے پوشیدہ رکھتے تھے اور زوایائے شعاب میں حضور پناہی کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

ایک دن ابوطالب کسی کام کو حضور انور کے پاس آئے دیکھا کہ وہ مکان پر نہیں ہیں پھر اپنے مکان پر آئے۔ اپنی بیوی یا حضرت علی کی والدہ فاطمہ سے دریافت کیا تمہیں بھی کچھ معلوم ہے۔ کہ علی کہاں چلا گیا۔ فاطمہ نے جواب دیا کہ آجکل وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بہت رہتا ہے ڈر یہ ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دے اور پھر ہمیں منہ دکھانے کو جگہ نہ رہے ابوطالب نے جواب دیا کہ میرا بچہ ایسے امور میں ضرور مجھ سے مشورہ لیگا۔ اور بغیر میری مرضی کے کچھ نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کے ابوطالب پہرا ڈھونڈنے کے لئے باہر چلے آئے۔ ایک گھاٹی میں پہنچے۔ تو دیکھا۔ حضرت رسالت پناہی عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور علی پاس کھڑے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں۔ جونہی ان کی نگاہ اپنے باپ پر پڑی خوف کے مارے گر پڑے ابوطالب پاس آئے اور حضور فخر دوجہاں سے استفسار کیا کہ یہ کیا دین ہے حضرت ختمی پناہی نے ارشاد کیا کہ یہ وہ دین ہے جو خداوند تعالےٰ کو بہت پسند ہے اور اسی کے اظہار کے لئے پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا ہے سو اب میں اے چچا آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بطیب خاطر دین اسلام قبول کریں۔ ابوطالب نے کہا میرا نفس قبول نہیں کرتا کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دوں۔ اور کیش بت پرستی اور عبدالمطلب کے مذہب سے دست بردار ہو جاؤں لیکن اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جو کام تم نے شروع کیا ہے۔ اس پر قایم رہنا تاکہ میں ست العمر تمہاری مدد کرتا رہوں اور کسی دشمن کا قابو تم پر نہ چلنے دوں اور دشمنوں کی شرارت سے تمہاری حفاظت کروں جس پر ہم یہ کہ تم بھیجے گئے ہو خداوند تعالےٰ اس کو پورا کر دے یہ کہہ کے اپنے صاحبزادہ حضرت کی طرف نظر کر کے کہا اے علی مجھے کچھ خوف نہیں کہ تو نے اپنے چچا کے بیٹے کا دین قبول کر لیا۔ خداوند تعالےٰ تم دونوں کا نگہبان ہو

یہ کہہ کے خوشی خوشی ابوطالب اپنے گھر چلے آئے اپنے فرزند کو دیکھتے ہی فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ نے دریافت کیا۔ کیوں ڈھونڈنے گئے تھے۔ علیؓ ملا ابوطالب نے کہا کہ تمہیں علی سے کچھ کام ہے فاطمہ والدہ علیؓ نے جواب دیا کہ میری لونڈی نے دیکھا کہ فلاں مقام پر محمدؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کیا تجھے گوارا ہے کہ محمدؐ کے ساتھ رہ کے وہ بالکل برباد ہو جائے۔ ابوطالب نے جواب دیا تم خاموش رہو۔ اور علیؓ سے دست بردار ہو جاؤ۔ واللہ کہ وہ حق پر ہے۔ اگر عبدالمطلب کے دین چھوڑنے پر میرا نفس نارضامندی ظاہر نہ کرتا تو میں قطعی مسلمان ہو جاتا۔

ورقہ بن نوفل

اس فاضل کے متعلق ہمارے گزشتہ صفحوں میں بحث ہو چکی ہے۔ یہ مسیحی فاضل حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا چچا تھا اور اسی نے حضور انور کی رسالت پر تصدیق کی تھی اور یہ تیا بانہ یہ کہا تھا کہ کاش میں اس زمانہ تک زندہ رہوں کہ جب آپ کی قوم آپ پر ظلم کرے گی تو میں ضرور آپ کے سینہ سپر ہوں۔ مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ورقہ تبلیغ رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اور اس وقت زندہ تھے بس آپ کی اسی قدر سرگزشت ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور انور کے نکاح سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی تھی وہ سخت غلطی پر ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق کا قوم قریش کی دوسری شاخ سے تعلق تھا اور آپ اسی حصہ شہر میں رہتے تھے جس میں حضرت بی بی خدیجہ سکونت رکھتی تھیں۔ آپ حضور انور کے پہلے سے دوست تھے۔ اور جب شادی کے بعد حضور پیغمبر خدا بی بی خدیجہ کے پاس آ کے رہے تو اور بھی اتحاد بڑھ گیا تھا۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق کے ایمان لانے کے ایک سال بعد پیدا ہوئیں اور یہ عجیب نیک فال تھی کہ یہ خاتون اعظم جو اپنے بزرگ باپ کے اسلام لانے کے بعد پیدا ہوئی۔ ایک دن ام المومنین بنے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق اپنی نرم دلی۔ فیاضی اور دولتمندی میں بہت مشہور تھے۔ آپ اول درجہ کے مہمان نواز بھی تھے اور آپ کے مکان پر اکثر سرداران قریش کا مجمع رہتا تھا۔ آپ کی تجارت خوب چلتی تھی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے وقت آپ کے پاس علاوہ سامان کے

چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ آپ کے کلام میں شیرینی اور معاشرت میں سادگی تھی۔ ابن حمدان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ زید بن حارث کے مسلمان ہونے کے بعد ایک دن حضرت صدیق راستہ میں حضور انور سے ملے اور عرض کیا اے محمد میں نے سنا ہے کہ آپ ہمارے معبودوں کی نفی کرتے ہیں اور ہمارے عقلا کو نادان کہتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کی تکفیر کا فتوے دیتے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اے ابابکر۔ میں رسول خدا ہوں اور خداوند تعالے کے احکام پہنچانے والا ہوں۔ میں تمھیں اس خالق کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور قادر ذوالجلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ بات حق ہے اس کے بعد دو ایک آیتیں قرآن مجید کی پڑھ کے سنائیں۔ یہ سنتے ہی حضرت صدیق ایمان لے آئے اور استیعاب میں قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ حضور انور نے حضرت صدیق کی نسبت یہ فرمایا۔ قال رسول اللہ علیہ وسلم ما عرضت الاسلام علی احد الا کانت لہ عندہ کبوۃ و تردد و نظر الا ابابکر فانہ لم یتلعثم ما بان یتوقف فی قبول ایمانہ، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت صدیق مکارم اخلاق۔ محاسن اعمال۔ پسندیدہ خصائل اور ستودہ صفات میں بہت مشہور و معروف تھے۔ اور مہمانداری کے لوازم اور ضیافت کی شرائط میں تمام مکہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے تمام قریش آپ سے محبت کرتے تھے۔ اور اکثر آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور بڑے بڑے کاموں میں آپ کی صائب رائے لیتے اور اس پر کاربند ہوتے تھے۔ ہر شخص آپ کے ثاقب فکر سے استعانت چاہتا تھا۔ آپ باین ہمہ فن انساب اور تاریخ میں بھی پوری لیاقت رکھتے تھے۔ آپ کے اسلام لاتے ہی ایک غیر معمولی تحریک صنادید عرب اور اکابر قریش میں پیدا ہوگئی۔ آپ کی کوشش سے بعد ازاں بڑے بڑے قریشی سردار مسلمان ہوئے اور آپ نے اسلام کی وہ خدمت کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ میں تمام انسانی بزرگیاں روز اول سے ودیعت ہوئی تھیں۔ آپ کا فیصلہ نہایت دھیما اور باوقار ہوتا تھا۔ آپ جس وقت باتیں کرتے تھے تو یہ جی چاہتا تھا کہ آپ کی باتیں سنے جائیے۔ آپ کی صورت و شکل پاکیزہ۔ اور شریفانہ تھی تمام مکہ آپ کو آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ اور بڑے بڑے سردار آپ کی تعظیم کرنا اپنا قومی شعار سمجھتے تھے آپ کا اسلام قبول کرنا تاریخ میں ایک نامور واقعہ شمار ہوا ہے آپ کے مسلمان ہوتے ہی پانچ آدمیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سب سے پہلے سعد ایمان لائے جو حضرت بی بی آمنہ

کے بھتیجے تھے۔ واقدی، ہشام، طبری کے بیان کے مطابق حضرت سعد کا یہ قول ہے کہ جن ہی میں نے یہ سنا کہ ابوبکر ایمان لے آئے ہیں میرا دل بھی اسلام کی طرف از خود رجوع ہو گیا۔ کیونکہ میں نے دیکھا۔ کہ ابوبکر جیسا فہیم و عقیل شخص بغیر سمجھے بوجھے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ ان کا ایمان لانا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اسلام حق ہے۔ سعدؓ اس وقت سولہ یا سترہ برس کے تھے۔

زبیر بن العوام

اُن کے بعد زبیر بن العوام نے اسلام قبول کیا۔ آپ بھی نوجوان تھے اور حضرت بی بی خدیجہ کے بھتیجے اور آپ کے والد خویلد کے پوتے تھے اور آپ حضرت رسالت پناہی کے دادا عبدالمطلب کے نواسے تھے آپ چونسٹھ یا اڑسٹھ برس کی عمر میں ۳۶ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آپ پہلے گوشت بیچا کرتے تھے اور آپ کے والد غلہ کی تجارت کرتے تھے۔ مگر بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ آپ کپڑے سیا کرتے تھے۔

طلحہ بن عبداللہ

اُن کے بعد مشہور و معروف طلحہ ایمان لائے۔ جو بعد زمان ایک مشہور جنگ آور اسلام میں ثابت ہوئے آپ بھی قوم قریش سے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق کے رشتہ دار تھے۔ آپ جنگ جمل میں شہید ہوئے اُس وقت آپ کی عمر ۶۲ یا ۶۴ سال کی تھی۔ آپ کی عمر اسلام قبول کرنے کے وقت ۱۵ یا ۱۶ سال کی تھی۔ واقدی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے صدق و کذب کا وہ خود جواب دہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب طلحہ کاروان کے ساتھ ایک مقام پر پہنچے تو ایک راہب نے دریافت کیا کہ کیا احمد مبعوث ہو گئے۔ طلحہ نے تعجب سے دریافت کیا کہ کون احمد اس نے کہا کہ عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے۔ طلحہ نے کہا مجھے اس کی خبر نہیں۔ راہب بولا کہ یہی مہینہ اُن کے مبعوث ہونے کا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت طلحہ کو تاب نہ رہی۔ آپ فوراً مکہ واپس آئے۔ یہاں آکے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضور انور نے رسول خدا ہونے کا دعوے کیا ہے اور آپ نے تبلیغ اسلام شروع کر دی ہے حضرت ابوبکر بھی آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی اسلام قبول کرنے کا جوش آپ کے دل میں اٹھا آپ حضرت صدیق اکبر کے ساتھ حضرت رسالت پناہی کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ اس واقعہ پر فاضل مسیحی مؤرخ سر ولیم میور نے بہت کچھ حشو آرائی کی ہے۔

اپنی حسب عادت ان واقعات پر اپنی رائے اور خیال سے بھی کام لیا ہے۔ آپ اپنی کتاب (صفحہ ۱۰۵ جلد ۲) میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے طلحہ نے بت پرستی کی برائی بعض راہبوں سے سنی ہو گی اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہم اس خیال اور رائے سے انکار کر کے اپنے فاضل مسیحی مورخ کو ناراض نہیں کرتے ایسا ہونا اُن کے خیال کے مطابق بیشک ناممکن ہے۔ مگر جب ہمارا یہ دعوے ہے۔ کہ عیسائیت اسلام کے لئے راستہ صاف کرتی رہی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔ پھر ہمیں اپنے فاضل دوست کی رائے مان لینے سے کوئی انکار نہیں ہے جب تک کوئی شخص عیسائی نہیں ہوتا ہمیں اس کی طرف سے بالکل مایوسی رہتی ہے اور جہاں وہ عیسائی ہوا بس ہمیں امید بندھ جاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مسلمان ہو جائے گا۔ کاش ایسے راہب عیسائیوں میں اب بھی پیدا ہو جائیں۔ جن کے وعظ و پند کا یہ اثر ہو کہ لوگ مسلمان ہونے لگیں تو پھر ہمیں اس سے زیادہ اور چاہیئے کیا۔

دوسرا پہلو سر ولیم میور کو جواب دینے کا یہ ہے کہ جب واقعات ماضیہ ایسے خیالات کی مطلق تائید نہیں کرتے تو فاضل مسیحی مورخ کو ایسے خیالات پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ جب راہب کے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ طلحہ کو بت پرستی سے نفرت ہو گئی تو نہیں طبع انسانی کے خیال سے اپنے ہی محسن کا مذہب جس نے بت پرستی سے نفرت دلائی تھی۔ قبول کر لینا تھا۔ حالانکہ وہ انہوں نے نہیں کیا۔

چوتھا پہلو یہ ہے کہ آیا علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اور صحابہ کو بھی بت پرستی کی برائی راہبوں ہی نے کی تھی۔ یا یہ خصوصیت طلحہ ہی کو حاصل تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت یوحنا کے وعظوں کا اثر حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر جو غیر معمولی ہوا تھا اور اسی اثر سے متاثر ہو کے آپ آسمانی بادشاہت کی منادی کرنے لگے تھے۔ ہمارا دوست سر ولیم میور یہی سمجھتا ہے کہ اسی طرح حضرت حنتی پناہی کے صحابہ پر بھی اور معاذ اللہ خود حضرت رسول اکرم آپ پر بھی اسی قسم کے اثر ہوئے تھے۔ یہ واقعی ہمارے دوست کی خوش فہمی ہے جو وہ ایسی ایسی دور از کار باتیں لکھ کے اپنی قابلیت کو بھی دھبہ لگاتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان

خلیفہ ہیں آپ کی دولتمندی اور سیر چشمی مشہور ہے۔ اگرچہ آپ خاندان بنی امیہ میں سے ہیں۔ لیکن عبدالمطلب حضور رسالت پناہی کے دادا کے نواسہ ہیں۔ یعنی ماں کی طرف سے آپ حضور رسالت پناہی کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس وقت حضرت عثمان کی عمر جب آپ نے اسلام قبول کیا ہے۔ تیس یا پینتیس سال کی تھی۔ واقدی نے آپ کے اسلام لانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ایک دن آپ طلحہ اور زبیر کے ساتھ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبر خدا نے آپ کے آگے اصول اسلام بیان کئے اور چند آیتیں قرآن مجید کی پڑھ کے سنائیں چنانچہ آپ نے فوراً اسلام قبول کیا اور حضور رسالت پناہی کے زمرہ صحابہ میں داخل ہوئے مسلمان ہونے کے بعد آپ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں شام گیا تھا۔ وہاں سے واپس آتے وقت ایک منزل پر ہم نے قیام کیا میں اپنی جائے قیام پر سو رہا تھا۔ کہ اتنے میں ایک آواز آئی کہ اے سونے والے اٹھ۔ یقیناً احمد کا ظہور مکہ میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ آواز سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا

حضرت عثمان کا ایمان لانا تھا کہ ان پر شدید مظالم توڑے جانے لگے۔ ان کے چچا الحکم اسید کے پوتے نے ان کی مشکیں کس دیں اور کہا "کیا تو نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کے نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جب تک تو جدید دین سے تائب نہ ہو جائیگا میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑنے کا۔ حضرت عثمان غنی نے فرمایا "خدا کی قسم میں اس مذہب کو نہیں چھوڑنے کا۔ جب الحکم نے دیکھا کہ بھتیجا اپنے عقیدہ میں ایسا مضبوط ہے تو ناچار ہو کے انہوں نے چھوڑ دیا۔ (کتاب الواقدی صفحہ ۱۸۹)

آخر میں حضرت عثمان کی کنیت ابو عبداللہ ہو گئی تھی۔ کیونکہ رسول خدا کی صاحبزادی بی بی رقیہ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا تھا اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس وجہ سے آپ کو ابو عبداللہ لوگ کہنے لگے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ چھ سال کی عمر میں کسی پرندے نے اس بچہ کی آنکھ کو پھوڑ ڈالا جس سے یہ بچہ بیمار ہوا اور ۴ ہجری نبوی میں عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔

خود حضرت عثمان سنہ ہجری میں ۸۰ یا ۸۲ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

عبدالرحمٰن

حضرت عثمان کے بعد عبدالرحمٰن ایمان لائے۔ آپ قبیلہ بنی زہرہ میں سے تھے اور آپ کے والد کا نام عوف تھا۔ آپ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے۔ اور آپ بھی مثل حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے دولتمند تاجر تھے۔ چونکہ ان سب کا پیشہ ایک تھا۔ اس لئے باہمی مواسنت آپس میں خوب تھی۔ مگر سب وجیہہ عالم اور معاملہ فہم تھے اس لئے خیال نہیں ہو سکتا کہ ناسمجھی سے کوئی بات کی گئی ہو جیسا حضرت مسیح کے معتقد کچھوں نے اندھا دھند اپنا فرضی عقیدہ حضرت بے باپ کے فرزند پر ظاہر کر دیا تھا۔

جب حضرت عبدالرحمٰن مسلمان ہو چکے۔ تو آپ اپنے ساتھ چار اور آدمیوں کو بھی مشرف باسلام کرانے حضور حق پناہی کے پاس لے گئے۔ ان میں سے ایک عبیدہ حضور انور کا چچا زاد بھائی۔ حارث کا بیٹا ابوسلمہ ابوعبیدہ بسیر الجراح۔ عثمان بسپر مقزون۔ آخر الذکر کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مسلمان ہونے سے کچھ عرصہ پہلے شراب چھوڑ دی تھی۔ برکتوں کی شعاعیں پہلے سے نور افگن تھیں۔ نہ صرف عثمان پر بلکہ کل خاندان پر۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

جن بردوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ کی رقمیں دیدے کے چھڑوایا تھا۔ ان میں سب سے پہلے غلام حضرت بلال ہیں جو ایک حبشی لونڈی کے بطن سے ہیں۔ آپ کی صورت حبشیوں کی سی تھی۔ گھونگر والے بال۔ لمبا قد۔ زبردست ہاتھ پیر۔ سیاہ رنگت۔ اور حبشیوں کے سے خال وخط تھے۔ حضور انور نے اس غلام پر شفقت کی۔ خداوند تعالےٰ کی برکت نازل ہوئی اور پھر یہ غلام بجائے بلال کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہلانے لگا۔ اور آج کروڑوں مسلمان آپ کو بہت تعظیم سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اسلام میں پہلے مؤذن سمجھے جاتے ہیں حضرت ابوبکر نے فدیہ دیکے اس کے ظالم آقا سے بلال کو رہائی دلوائی تھی اور اپنے گلہ چرانے کے لئے رکھ لیا تھا۔

عبداللہ ابن مسعود

آپ حضرت ابوبکر صدیق کی بیوی کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ کے

غلام تھے۔ آپ کا قد چھوٹا تھا لیکن آپ وجاہت میں زیادہ بھاری بھرکم تھے۔ آپ اکثر اوقات مدینہ منورہ میں حضور انور کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپ بنو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قبیلہ تیم میں سے تھے آپ اس قدر ٹھگنے تھے کہ بعض نے آپ کو بونا لکھا ہے۔ آپ کے بعد اور ہیت سے غلام مشرف باسلام ہوئے۔ اسپرنگر ایک یورپی مورخ لکھتا ہے کہ مکہ کے غلاموں میں مسلمان ہونے کا اس قدر جوش پھیلا کہ ناچار عبداللہ ابن جدعان نے جس کے پاس سو غلام تھے۔ مکہ سے دور کے مقام پر کل غلام روانہ کر دئے۔ مبادا یہ سب مسلمان نہ ہو جائیں۔ سنا ہے کہ ان غلاموں نے کوشش کی کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور اس کوشش میں دو غلام بھی شہید ہو گئے۔ مگر تحقیق سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کون کون غلام شہید ہوا تھا۔

بیس آدمی سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے مگر کتاب الواقدی میں ان کی تعداد تینتیس بیان کی گئی ہے یعنے واقدی نے تیرہ اور زیادہ کئے ہیں۔ ان تیرہ میں نوجوان سعد تھا جس کی ستر برس سے زیادہ عمر میں ۵۵ھ ہجری میں وفات ہو گئی۔ سعد کی بیوی فاطمہ اور اس کا بھائی زید بن خطاب یہ لوگ بھی ابتدائی مسلمانوں میں ان نئے مسلموں میں بوحذیفہ پسر عتبہ کا شمار بھی کیا جاتا ہے جو ابو سفیان کا خسر تھا۔ پھر ارقم مسلمان ہوا جس نے ایک نامور حصہ اسلام کی تاریخ میں لیا۔

ان کے علاوہ ان اصحاب کے بال بچے بھی ایمان لے آئے۔ جن سے مسلمانوں کی معقول تعداد ہو گئی۔ جس کی فہرست ابن ہشام نے اپنی تاریخ (صفحہ ۶۸) میں دی ہے۔ فاطمہ زوجہ سعد۔ اسمہ اور عایشہ حضرت صدیق کی صاحبزادیاں۔ اسمہ زوجہ عیاش ابن ربیعہ۔ اسمہ زوجہ حضرت جعفر طیار فاطمہ زوجہ حاتب۔ رملہ زوجہ مطلب ابن اظہر۔ آمنہ زوجہ خالد ان کے علاوہ اور بھی خواتین نے اسلام قبول کیا۔ مگر اُن کا نام ابن ہشام سے رہ گیا ہے۔

اس زمانہ میں عورتیں بہت آزاد تھیں اور وہ مردوں کے ساتھ عامہ کاموں میں حصہ لیتی تھیں اُن کا قبول اسلام کچھ اُن کے شوہروں اور بھائیوں کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ بطور خود سمجھ کے اور خیال کر کے مسلمان ہوئی تھیں۔ یہ اسلام کی صداقت تھی کہ جس وقت پھیلنے پر آیا دھوپ کی طرح بڑھتا چلا گیا۔ اور اب بھی اس کی رفتار اسی طرح تیزی کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

یہ بات ضرور دیکھنے کی ہے کہ سب سے پہلے گھر والے پھر سرداران قریش اور پھر وجیہ تاجر اور بڑی بڑی خواتین ایمان لائیں۔ کسی نبی کو یہ دن نصیب نہیں ہوا۔ دیکھنے اور پڑھنے سے تو یہ بات محض ایک معمولی معلوم ہوگی۔ لیکن غور کرنے سے ایک حیرت انگیز منظر آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ ہم نے تو ایسا عجیب خیز واقعہ دنیا کی تاریخ میں بھی نہیں دیکھا کہ ایک شخص دعوے کرے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ پر جبرئیل فرشتہ کی بات قرآن نازل ہوتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو یہ الفاظ ایسے تحکمانہ ہیں کہ شاید ناواقف تو جھجک بھی جائے اور گردن جھکا دے مگر وہ بزرگ رشتہ دار جن کے سامنے آپ پیدا ہوئے اور جن کی آنکھوں کے آگے آپنے پرورش پائی۔ بچپن کا سارا زمانہ اُن کی گودیوں میں کاٹا۔ اُن کے سامنے بکریاں چرائیں۔ اور دودھ دوھا۔ پھر کیوں اسکی خدمت میں ہی بزرگ دست بستہ حاضر ہوئے اور اپنے بچہ کے اتنے بڑے دعوے کی صداقت کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ نبی اپنے شہر میں نہیں کہلایا جاسکتا ہے۔ قانون زمانہ کے مطابق تو صحیح ہے کہ اپنے شہر میں کچھ عزت نہیں ہوتی۔ ہندی مثل ہے "گھر کی مرغی دال برابر" کوئی شخص ایسے شخص کی زیادہ وقعت نہیں کرتا۔ جس کو وہ شب و روز ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور رہتے دیکھتا ہو۔ اُردو کے بعض شعرا نے بھی یہی مضمون باندھا ہے؎

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کے

بلاشبہ حضرت مسیح بے باپ کے فرزند کے اس قول کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ کہ وطن میں کبھی کسی کی عزت نہیں ہوتی۔ ایمان لانا یا معتقد ہونا۔ اپنا تن من دھن حوالہ کردینا یہ تو بات ہی دوسری ہے۔ اس کا ذکر کسی تاریخ میں آج تک نہیں دیکھا۔

اور پیغمبروں کو جانے دو۔ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کو لو۔ ان کے معتقدوں کی کیا حالت تھی اور ان بیچاروں پر اپنے معتقدوں کی وجہ سے کیا کیا مصائب ٹوٹتے تھے۔ حضرت مسیح کا تو اُن کی زندگی میں ایک شخص نے بھی یقین نہیں کیا تھا۔ کل ذلیل اور شریف یا چھوٹے بڑے ستاگرد اپنے نبی کو ستاتے۔ اور شب و روز پریشان رکھتے تھے۔ اور ایسے لغو خشک اور بری حالات اور

سوالات کرتے تھے کہ حضرت مسیح سخت غصہ ہو ہو کے آخر گالیاں دینے لگتے تھے۔ مثلاً جیسا اُنہوں نے اکثر اپنا غیظ و غضب اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو تم اس پہاڑ سے کہتے کہ اپنی جگہ سے سرک جا وہ سرک جاتا۔ اگر تم ایماندار ہو تو سانپوں کو ہاتھ میں لینے کے بعد بھی وہ تمہیں نہ کاٹ سکیں گے۔ کہیں حضرت مسیح نے خود کو اچھا ہو کے اپنے نیک ہونے سے بھی انکار کیا ہے جہاں ایک شاگرد کو وہ کہتا ہے کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ یہ ساری باتیں سخت مایوسی پر دلالت کرتی ہیں جب انسان زیادہ مایوس ہو جاتا ہے تو وہ جل جل کے اپنی سب باتوں سے انکار کر دیتا ہے۔

جو پیغمبر اولوالعزم کہلاتے ہیں اگر ان کے مریدوں کی حالت دیکھی جائے تو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کبھی ماننے والوں نے اُن کی جیسی کہ چاہیئے تعظیم نہیں کی۔ نہ اُن کی باتوں کو کان لگا کے سُنا گوسالہ پرستی کی جگر خراش داستانیں حضرت موسےٰ کے زمانہ کی اب تک کانوں میں گونج رہی ہیں۔ کہ حضرت موسےٰ کی چند روزہ غیر موجودگی نے اُن کی کیا نوبت کر دی تھی۔ پھر حضرت موسےٰ کے قصے تو بہت پرانے ہو گئے اور اون کے ماننے والے ایسے صفحہ ہستی سے مٹے کہ اب اُنکا دہندلا سا یہ رہگیا ہے۔ (مراد یہودیوں سے ہے) یہی وجہ ہے کہ اون کے حالات کو فروغ دینے والا اب کوئی نہیں ہے۔ ہاں قرآن مجید اور توراۃ میں اون کے قصے موجود ہیں لیکن یہ قصے ایمان کی بنیاد نہیں قرار دیئے گئے بلکہ قرآن مجید میں تو محض مسلمانوں کی عبرت کے لئے اُن کا ذکر کیا گیا ہے اب رہے حضرت مسیح یا بے باپ کے فرزند جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ بہت کچھ معروف و مشہور بنی ہیں اور دو ہزار برس سے اُن کی ایک سی فرضی پرستش چلی آتی ہے۔

نصاریٰ کو ابتدا سے یہ سکھایا گیا ہے کہ صرف یسوع کہدینا نصرانیت کے لئے کافی ہے اور اسی سے ابدی نجات حاصل ہے۔ چنانچہ تمام مسیحی دنیا میں ابتدا ہی سے یہی کیفیت ہے۔ نہ حضرت مسیح کے اقوال اور ہدایتوں کو کسی نے سُنا اور نہ کسی صدی میں کسی زمانہ میں ایک یسوع کے نام لینے والے نے اس پر عمل کیا۔ زندگی میں اس بے باپ کے فرزند کی کچھ نہ چلی آسمان پر رخصت ہونے کے بعد بھی اس بے باپ کے فرزند کی اصلی توقیر میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی کسی شخص کی اصلی تعظیم یہ ہے کہ اس کے احکام مانے جائیں۔ اور اسکی ہدایتوں پر عملدرآمد کیا جائے۔ اور جب کسی ایک حکم کو بھی کبھی نہ مانا جائے

پھر بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ اسکی اصلی تعلیم ہو رہی ہے یا فرضی۔

دنیا میں عیسائی مذہب کی طرح ایسا کوئی مذہب بھی نہ ہوگا جو اندر سے خالی خولی ہو یا مثل سراب کے دور سے چمکتا ہو کہ جب قریب جا کے دیکھا تو دھوکا ہی کھایا۔ ہمارے خیال میں کوئی فاضل عیسائی ثابت نہیں کر سکتا کہ ایک شخص دو ہزار برس میں ایسا گزرا ہو جس نے حضرت مسیح کی ہدایات پر عمل کیا ہو کل پر نہ سہی کم یا ✝ حصہ ہی پر۔ جب حضرت مسیح کی توقیر کی یہ کیفیت ہے تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس مذہب سے زیادہ کوئی ہوائی اور فرضی مذہب ایسا نہ ہوگا جس کے بانی کا اعزاز سچے دل سے کسی نے نہ کیا ہو۔ اس کے مقابلہ میں فخر دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھا جائے کہ جو لوگ پہلے مسلمان ہوئے تھے وہ سب اونچے درجہ کے نہ تھے۔ سوائے چند غلاموں کے باقی کل سردارانِ قریش تھے اور مکہ میں ان کو وجیہ مانا جاتا تھا۔ دولتمند بھی تھے تجارت بھی کرتے تھے عالم اور صائب رائے بھی تھے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں تھے۔ جس کا بار بار ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ بات کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور یہ ساری بزرگیاں قدرت نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازل سے جمع کر رکھی تھیں۔ یقیناً آپ کے یہی شایاں ہیں"

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

السلام اے گنجینۂ گوہر و یائے جود	السلام اے تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود
السلام اے آنکہ تاز جبہۂ آدم منافت	نور پاکش کس نبردار قدسیان او را سجود
السلام اے آنکہ رنگ ظلمت کفر و نفاق	صیقل تیغ از تو آئینہ گیتی زدود
السلام اے آنکہ نامد در ہمہ کون و مکاں	تیز بینان را بجز نور تو در چشم شہود
السلام اے آنکہ بہر فرش راہت یافت دہر	اطلسِ اکش نرشب کردند تا راز زور بود
السلام اے آنکہ ابواب شفاعت روز حشر	جز کلید لطف تو بر خلق نتواند کشود
السلام اے آنکہ تا بودم دریں محنت سرائے	در سرم سودائے در جانم تمنائے تو بود

صد سلامت میفرستم ہر دم اے فخر کرام
بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام	بر درت ایں بار با پشت دو تا آوردہ ام

چشم رحمت بر کشا موئے سفید من نگر — گرچہ از شرمندگی پوئے سیاہ آوردہ ام
آں نیکویم کہ بودم سالہا در راہ تو — ہستم آں گمرہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
عجز و بیخویشے و درویشی و دلریشے درود — ایں ہمہ بروئے عشقت گواہ آوردہ ام
دیورہ زن در کمین نفس و ہوا اعدائے دیں — زیں ہمہ با سایۂ لطف پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخی مرا — کردہ گستاخی زبان عذر خواہ آوردہ ام
بستہ ام بر یکدگر نخلے ز خارستان طبع — سوئے فردوس بریں مشتی گیاہ آوردہ ام

دولتم ایں بس کہ بعد از محنت پنج و دراز
بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز

یا رسول اللہ نیکویم کہ مہماں توام — یا فقیر طعمہ جوئے از ریزۂ خواں توام
بر لب افتادہ زباں گر کیں سگ گام تشنہ جاں — آرزومندی نی از بحر احساں توام
گر ندارم افسر شاہی بسر ایں بسکہ ہست — گردن تسلیم زیر طوق فرماں توام
مسند عزت نہم بر صدر ایوان قبول — گر نیاید سنگ رو از دست دربان توام
شد گلستاں از خوئے رخسار تو خاک حجاز — من ببوئے گشتہ خرسند از گلستاں توام
دار ہان از گفت و گو یکزاغ طبعانم کہ من — عندلیب مدح گو مرغ ثنا خواں توام
دفتر وارم سیاہ از معصیت بیچارہ من — گر شفاعت نامہ ناید ز دیواں توام

چوں بود عرشفاعت را حمائے بس تتبع
آل و اصحاب ترا پیش تو می آرم شفیع

حق آنانی کہ عمرے در ہوایت بودہ اند — دیں زماں در ساحت قرب تو خوش آسودہ اند
حق آنانے کہ راہی را کہ خود پیمودہ اند — پائے از سر ساختہ ایشاں بپیمودہ اند
حق آنانے کہ از راہ ضلالت خلق را — جز بصورت شارع شرع تو نہ نمودہ اند
گر گدائے بے نوا جامی عنایت وا نگیر — کش عنان دل ز کف نفس و ہوا بربودہ اند
از سحاب فیض لطف عام خود دشتی بریز — بر دل و جانش گہ از لوث گناہ آلودہ اند
کحل بینایش دہ زیں در کہ عمرے زیں ہوس — مردمان چشم او خون جگر پالودہ اند

کن قبول اللہ اطفیل آنکسان کہ جست و جو
ہم تن و ہم جان براہست سودہ، آسودہ اند

باشد از یمن قبولت فارغ از خلد و جحیم
بر صراط سنت و خرج تو ماند مستقیم

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY

پہلی جلد ختم ہو گئی

سیرۃ الرسول

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

یعنی

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحعمری

دوسری جلد

مرتبہ میرزا حیرت مترجم قرآن مجید و مصنف
مقدمہ تفسیر الفرقان وغیرہ وغیرہ

یکم جنوری ۱۹۰۴ء مطابق ۱۲ شوال المکرم ۱۳۲۱ھ

مطبوعہ کرزن پریس دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرۃ الرسول صلعم

یعنی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحعمری

دوسری جلد

پہلا باب

مخالفت کی آگ

جب اسلام کی اشاعت شروع ہوئی اور لوگ جوق جوق اسلام قبول کرنے لگے تو مشرکین مکہ چونکے کہ اُن کے دستی خداؤں کی بے حرمتی کا زمانہ شروع ہوگیا اور اُن کا آبائی مذہب تنزل پذیر ہونے لگا اس خیال سے اُن کے دل میں مسلمانوں اور جدید مذہب کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوا اور آپ وہ دستی خداؤں کی حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے بجائے اسکے کہ اُن کے آبائی معبود اُنکی حفاظت کرتے خود اُنھیں اُن کی حفاظت کرنی پڑی اور چونکہ ان کی قوۃ زیادہ تھی اس لئے اُنھوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ نومسلموں کی جماعۃ کو کچل ڈالیں اور ان پر اس قدر سختیاں توڑیں کہ پھر دوسروں کو مسلمان بننے کی ہمت نہ پڑے مخالفت کی ایک آگ تھی جو اس کونہ سے اُس کونہ تک بھڑک اُٹھی اور کل مشرک مرد وزن ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ یہ وقت واقعی بہت سخت آزمائش کا تھا اور اس وقت خداوند تعالےٰ کو یہ ثابت کرنا تھا کہ حق کو تمام دنیا کی مشتعلہ قوۃ بھی نہیں روک سکتی اور جس امر کا تقدیر الٰہی روز ازل سے فیصلہ کرچکی ہے وہ ہوکے رہتا ہے۔

زمانہ نبوۃ کو تین چار سال گزر چکے تھے اور ابھی تک علانیہ تلقین دین اسلام نہ کی گئی تھی۔ مگر اب وہ وقت نہیں رہا تھا۔ اس بات کا موقع آگیا تھا کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت دلیری سے عام لوگوں کے سامنے احکام خدا کے پیش ہوں اور انھیں ان کے فاسد عقائد پر تنبیہ کرکے راہ مستقیم کی طرف توجہ دلائیں۔

ابھی تک جو کچھ حضور انور نے کیا تھا بالکل خفیہ تھا اور ابھی تک جس قدر مسلمان ہوئے تھے نہایت خاموشی سے مسلمان ہوئے تھے مگر جب تلقین مذہب کا نوارہ نبوت کے قلب سے اُچھلنے لگا تو آسمان سے روح القدس کے ذریعہ سے یہ ندا آئی "فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین" اس آسمانی آواز کی گرج کرہ باد میں بھر گئی۔ نبوۃ کی صبح صادق کا نور مبارک حجرہ سے طلوع ہوا۔ اور حضور انور بڑی سرگرمی سے تن تنہا خداوند تعالیٰ کے سرکش بندوں کے سامنے پیش ہوئے جو ایک برگزیدہ خدا کے نیک کاموں پر دانت پیس رہے تھے اور اُن کی تاریک آنکھوں میں دین حق کی مخالفت کے لال لال ڈورے چمک دے رہے تھے۔

اس کے بعد اور ایک آسمانی آواز آئی اور وہ یہ تھی "وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" یہ آواز قلب نبوۃ پر محیط ہوگئی اور حضرت خاتم الانبیاء وسید اصفیا کوہ صفا پر تشریف لیگئے۔ غول کے غول حضرت خسی پناہی کے ہمرکاب تھے اور حضور کو دیکھ کے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے "عبد المطلب کے خاندان کا ایک شخص جاتا ہے تاکہ خدا کی باتیں لوگوں کو سنائے" جب کل لوگ جمع ہوگئے تو حضرت رسالت پناہی نے یہ فرمایا اے معشر قریش اگر میں تمہیں اس امر کی خبر دوں کہ ایک لشکر عقبہ کے پیچھے تاک لگائے ہوئے کھڑا ہے اور بیخبری میں تمپر تاخت کرنا چاہتا ہے کیا تم اس خبر میں میری تصدیق کروگے اور مجھے جھوٹا نہ سمجھوگے قریش نے جواب دیا کہ تم جھوٹے نہیں ہو اور آج تک جھوٹ کی تہمت تم پر نہیں لگائی گئی سوائے راستی اور صدق کے ہم نے آپ سے کوئی بات مشاہدہ نہیں کی یہ سنکے حبیب ملک منان اور رحمت عالمیان نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں

اس پر ابولہب آپ کے چچا اور عبدالمطلب کے بیٹے نے یہ جواب دیا تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا روایت ہے کہ سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی جس میں ابولہب کی سخت کلامی کا جواب ہے اور جس کا مضمون یہ ہے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو جائے نہ اُس کا مال اُس کے کام آئے گا اور نہ اُسکے اعمال عنقریب وہ شعلہ دار آگ میں پڑے گا اور اُس کی عورت (بھی) جو لکڑیوں کی اُٹھانے والی ہے اسکی گردن میں چھوارے کی چھال کی رسّی ہوگی۔

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت مقدس نبوی کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور آل قریش جمع ہو گئے تو آپ نے روئے مبارک لوگوں کیطرف کرکے یہ فرمایا۔

ھل عزیتمونی بالکذب فیکم قالوا لا قال فاعلموا ان اللہ بعثنی الیکم رسولا وقرأ علیھم یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

یعنی کیا تم نے مجھے اپنے درمیان میں جھوٹ بولنے کے ساتھ (موصوف) جانا ہے۔ بولے کہ نہیں آپ نے فرمایا تو یقین کرلو کہ بے شک اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھی کہ اے لوگو بے شک میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔

اس پر ابولہب نے یہ کہا کہ میرے بھائی کا بیٹا (معاذ اللہ) دیوانہ ہو گیا ہے تم لوگ اسکی بات نہ سنو۔ یہ سنتے ہی لوگ تتر بتر ہو گئے اس پر سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ ... ابوطالب سے کہتے جاتے تھے آپ نے اپنے بھتیجے کی کارروائی دیکھ لی وہ سب پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور سب کی بڑ گی لینا چاہتا ہے اور یہ عبدالمطلب کے بیٹے کا فرزند ہے کہ آسمان کی خبر دیتا ہے اور

عالم بالا کے مقیم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ بس گویا اسی پُرجوش وعظ سے جس میں اصنام قریش کو بے حقیقت اور لاشے محض ثابت کیا گیا تھا مخالفت بلکہ تلخ تر دشمنی کی ابتدا ہوئی۔ کوہ صفا سے گویا علانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا اور اسی مقدس پہاڑ سے اسلام کی عمارت کی بنیاد پڑ گئی۔ اسلام میں پہاڑ کی سی صلابت کا ہونا قدرۃً لازمی قرار پایا اور کل چشمے اسی کوہ صفا سے آئندہ نکلے جنہوں نے مشرق و مغرب سب کو سیراب کر دیا۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم علانیہ ایک بار کوہ صفا پر ظاہر ہو چکے اور کلمہ حق قریش کے آگے بیان فرما دیا تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ اپنے ہموطنوں اور رشتہ داروں کی مخالفت سے چپکے ہو بیٹھتے۔ حق کا نور چمک چکا تھا اور توحید کی بت پرستی کی آگ بپائے تخت مکہ میں لگ چکی تھی اب اس کا بجھنا محال عقل تھا۔

آپ بازاروں میں علی الاعلان یہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر فلاح چاہتے ہو تو پڑھو۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ کو اپنے مخالفین کی کچھ پروا نہ تھی اور آپکی غیر معمولی آمادگی سے یہ پایا جاتا تھا کہ حضور انور ہی کی ذات سے ایک دن زمانہ ادھر سے اُدھر پھر جائے گا۔

ابتدائی مخالفت تو ابو لہب اور عتبہ بن مغیرہ سے ہوئی سب سے پہلے یہی حضور انور کے تلخ تر دشمن بن گئے اور ایسے دشمن بنے کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کے حضور کے پیچھے ہو لئے۔ ان کے دل میں دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اپنے بتوں کی عزت ریزی کے خیال نے جہاں اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار کر دیا۔ یہ دونوں شرارت پیشہ اشخاص نہ صرف زبانی مخالفت کرتے تھے بلکہ ہاتھ پیروں سے بھی انھیں عذر نہ تھا۔ غلاظت۔ اُونٹ کی اوجھڑیاں اور کانٹے حضور پر پھینکتے تھے مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس خس و خاشاک سے تبلیغ اسلام کا دریا نہیں رُک سکتا۔ جب یہ اشرار رسالت پناہی کو بہت دق کرتے تھے تو بیساختہ اس شہنشاہ بحر و بر اور خیر الانام کی زبان مبارک سے محض بتقاضائے انسانیت اور ہمدردی یہ کلمے نکل جاتے تھے۔ اے بنی عبد مناف یہی ہمسائیگی ہے جو تم میرے ساتھ برت رہے ہو"

طارق بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ کو سوق ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ بلند آواز سے یہ فرما رہے تھے کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو تاکہ تمہاری فلاح ہو یہ سنکے ایک شخص آپ کے پیچھے لپکا اور ایک پتھر حضور انور کی پیٹھ پر مار کے کہا کہ اس کذاب کی باتوں کو ہرگز نہ سننا۔ (معاذ اللہ) میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے جواب ملا محمد بن عبد اللہ ہے پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو اُسے پتھر مار رہا ہے کہا اُس کا چچا عبد العزیٰ یعنے ابو لہب ہے۔

أَمَا رَبُّ كَالْمُقَارِبِ فِي الْإِبَاءِ ۔۔۔ وَلَا نَفْرٌ كَبَعْضِ أَبِي بُغَالِ

عزیز لوگ تکلیف دینے میں مثل بچھوؤں کے ہیں ۔۔۔ پس تو چچا یا ماموں پر مت اترا

فَكَمْ مُعْمٍ يَكُونُ الْغَمُّ مِنْهُ ۔۔۔ وَكَمْ خَالٍ عَنِ الْإِحْسَانِ خَالِ

اسلئے کہ بہت سے چچا ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے رنج پہنچتا ہے ۔۔۔ اور بہت سے ماموں ایسے ہوتے ہیں جو احسان سے خالی ہیں

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اچھے اچھے جری آدمیوں کا کلیجہ پانی ہو جاتا ہے۔ ابھی مخالفت کا آغاز ہی تھا جس میں راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ پتھر اور گالیاں کھانی اُس شخص کے دلپر زیادہ اثر کرتی ہیں جو سچا ہو اور مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھتا ہو۔

مسلمانوں اور مشرکین مکہ کی لڑائی

قریش نہ صرف حضور انور ہی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے بلکہ مسلمانوں پر بھی وانت پیس رہے تھے اور سب نے ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں مسلمان کو پاؤ مارو۔ ایک دن سعد چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی ایک قریب پہاڑی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ چند ہمسایے قریشوں کا گزر ہوا۔ مشرک دیکھتے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے خوب ہشت مشت ہوتی رہی اور لکڑی چلتی رہی یہاں تک کہ سعد نے اونٹ کی ہڈی سے ایک مشرک قریش کا سر پھوڑ ڈالا۔ آخر مخالف بھاگ گئے اور مسلمان اپنے گھر چلے آئے۔ اس روایت کو ابن ہشام نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۷۰ میں اور طبری نے صفحہ ۱۴ میں تحریر کیا ہے

مگر واقدی خاموش ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ سعد کون سا شخص ہے آیا سعد بن ابی وقاص فاتح میدان قادسیہ ہے یا کوئی اور سعد ہے۔ کیونکہ فاتح قادسیہ تو بعد میں مسلمان ہوا تھا غالباً یہ کوئی اور سعد ہے جس کا نام و پتہ درج نہیں کیا گیا۔ اور اگر درج کیا گیا ہے تو اُس کے باپ کے نام لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ واقدی نے سرے سے یہ روایت ہی بیان نہیں کی جس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکل سکتا کہ واقدی کے بیان نکرنے سے اس روایت کو غیر معتبر ٹھیرایا جائے بلکہ یہ بات ضرور ہے کہ ابن ہشام اور طبری کے نام میں ضرور غلطی ہوئی ہے۔

ارقم کا گھر

حج بیت اللہ کا زمانہ قریب آگیا اور ہزاروں عرب جوق جوق مکہ معظمہ میں آنے لگے حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سخت بے چینی ہوئی کہ سرراہ کوئی مکان ایسی حفاظت کامل جائے کہ وعظ بھی اچھی طرح ہو سکے اور مسلمان لوگ بھی امن سے ہوں۔ آپ نے اکثر لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی جگہ ایسی قدم ٹکانے کو دیدی جائے جہاں میں دعوۃ اسلام کروں مگر کوئی نہیں سنتا تھا بلکہ الٹا مخالفت کرتے تھے آخر صفا کی بلندی پر ارقم[1] کے مکان میں حضور انور نے قیام فرمایا جو حضور کے مکان کے جانب جنوب اور کعبہ کے مشرق میں واقع تھا۔ اس لئے حج کرنے والے صفا اور مروہ میں جاتے تھے

---

[1] اس کی نسبت واقدی یہ لکھتا ہے۔ وکانت دار بمکۃ علی الصفا وھی الدار التی کان النبی فیھا اول الاسلام وفیھا دعا الناس الی الاسلام واسلم فیھا قوم کثیر" یعنی ارقم کا گھر (جو) صفا پر (واقع) تھا یہی وہ گھر تھا (جہاں) حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اغاز اسلام میں قیام کیا تھا یہاں آپ نے دعوت اسلام فرمائی اور ایک گروہ کثیر لوگوں کا مسلمان ہوا تھا۔ (صفحہ ۲۴۶) پھر واقدی لکھتا ہے "وھو حیث دار الارقم دار الاسلام وتصدق بھا الارقم ولہ فقرات نسخۃ صدقۃ الارقم بن ابی الارقم

وہ ضرور اس مکان کے سامنے ہو کے گزرتے تھے اور انھیں حضور انور کی زبان مبارک سے خداوند تعالیٰ کے مقدس الفاظ سننے کا موقع ملتا تھا۔ قرآن مجید کی آیتیں حضور انور ہر آنے والے کو پڑھ کے سناتے تھے اور پھر اصول اسلام کی تعلیم دیتے تھے اُس کے بعد جب وہ مسلمان ہو جاتا تھا تو خاموشی سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

قبیلہ خطاب کے چار شخص جن میں حضرت فاروق اعظم[1] بھی تھے۔ سب سے پہلے اس مقام محمود میں مسلمان ہوئے موسیٰ بن عمر ہاشم کے پڑپوتے کے مسلمان ہونے کی روایت بہت دلچسپ ہے اور اس واقعہ نے کچھ عرصہ تک اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں مزاحمت پیدا کر دی تھی۔ اس نومسلم کی بیوی عبید اللہ کی بہن تھی۔ جب یہ شخص یعنی موسیٰ ابن عمر مسلمان ہو گیا تو اپنے خاندان کے خوف سے اس نے کچھ عرصہ تک اپنا جدید مذہب

[1] فاروق اعظم کے مسلمان ہونیکی کیفیت قرآن مجید کے ایک حیرت انگیز معجزہ کی شہادت دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ایک خاص زندہ معجزہ ہے جسکی نظیر اور الہامی کتب میں نہیں ملتی۔ کیونکہ اور الہامی کتب کے مقابلہ میں صرف قرآن مجید ہی ایک آسمانی کتاب ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا ما قضی الارقم فی ربعہ ما جاز الصفا انھا وقف بمکانھا لمن الحرم لا یباع ولا یورث۔ یعنی ارقم کا گھر اسلام کا گھر مشہور ہو گیا تھا۔ اور ارقم نے اس گھر کو خدا کے نام پر وقف کر دیا تھا اور اپنے بچوں کے لئے اس کو مصدق ٹھیرایا تھا۔ خود واقدی نے بچشم خود اس دستاویز کو دیکھا ہے جو ارقم نے اس کے گھر کے وقف ہونیکی نسبت لکھی تھی چنانچہ وہ دستاویز یہ ہے) الصدر رحمن اور رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ یہ ارقم کا گھر جو صفا پر واقع ہے اسلام کے نیک کام کے لئے میں نے وقف کیا نہ یہ بیچا جائیگا اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگا اسپر ہشام بن العاص کی شہادت ہے۔

مگر اس پر بھی ارقم کی اولاد ابو جعفر کی خلافت تک اسپر قابض رہی کبھی کرایہ لیتی رہی اور کبھی خود رہی۔ جب حسن کے پوتے خدنے مدینہ میں بغاوت کی تو عبید اللہ ارقم کے بڑے پوتے نے اس کی

ظاہر نہیں کیا کیونکہ اس کی ماں اور اس کے کل دور و نزدیک کے رشتہ دار حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ اس بیچارے نے ہر چند اپنے مذہب کو چھپایا لیکن آخر یہ بات کب چھپ سکتی ہے۔

نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

جب اسکی ماں اور کل رشتہ داروں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا ہے تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) طرفداری میں تلوار اٹھائی لڑائی ہونے کے بعد محمد کو شکست ملی اور ابو جعفر نے اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط عبد اللہ کو بھیجا جسکی عمر اس وقت اسی برس سے تجاوز کر گئی تھی جسکا مضمون یہ تھا کہ اگر تو ارقم کا گھر میرے ہاتھ فروخت کر ڈالیگا تو میں تیرا قصور معاف کر دونگا۔ عبد اللہ نے انکار کیا اور جواب لکھا کہ یہ گھر وقف ہے اسلئے وقف شدہ چیز فروخت نہیں ہو سکتی۔ خلیفہ ابو جعفر نے اس کا جواب الجواب لکھا الغرض بڑی قیل و قال کے بعد عبد اللہ نے اپنا حصہ سترہ ہزار دینار کو فروخت کر ڈالا اسی طرح اسکی دیکھا دیکھی اور حصہ داروں اور وارثوں نے اپنے اپنے حصے ابو جعفر خلیفہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔

اس کل مقدس مکان کو خرید کر ابو جعفر نے اپنی حرم یعنی موسے اور ہارون کی ماں کو یہ مکان بخش دیا جس نے اس مکان کو بڑی وسعت دی۔ اور آخر میں یہ مکان اسی حرم کے نام سے مشہور ہو گیا حضور انور نے اس مکان کا انتخاب محض اس لئے کیا تھا کہ کچھ تو قریشوں کی آزار رسانی سے نجات ملتی تھی اور کچھ تنہائی اور موقع اس قسم کا تھا کہ نہ زیادہ مجمع ہو سکتا تھا اور نہ مخالف اپنے جور و تعدی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا سکتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ دعوت اسلام بہت سہولیت سے ہوتی تھی۔ علاوہ اور لوگوں کے جو یہاں آکے مسلمان ہوئے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے اسی مکان میں شرف اسلام حاصل کیا۔ تبلیغ رسالت کا چھٹا سال ختم ہو چکا تھا جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ چالیس مسلمان مرد اس مکان میں رہتے تھے اور انکا باہر نکلنا اور پھرنا بند تھا۔ مگر جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو آپ جرات اور شجاعت سے خود بھی باہر نکلے اور انھیں بھی نکال لائے اور اب مسلمان اس تاریخ سے مکہ کی شاہراہوں میں علانیہ پھرنے لگے۔

انھوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُسپر سختیاں توڑنی شروع کیں مگر اسلام کی محبت کی آگ دل میں بھڑک چکی تھی وہ کبھی ان سختیوں اور جسمانی تکالیف کے عرق سے بجھنے والی نہ تھی" آتش عشق تیز تر گردد" کا مضمون تھا۔ آخر بہزار مشکل کسی ترکیب سے ستم رسیدہ موسے نے اپنی جان بچائی اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر گیا جو حبشہ چلے گئے تھے۔ جب یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ قصہ مختصر اشہری کی روایت کے بموجب حضرت فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ جب آیۃ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون۔ نازل ہوئی اور عام طور پر قریشوں میں اس کا غل مچا تو ابوجہل نے قریشوں کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اس جلسہ میں خود یہ بیان کرنے کھڑا ہوا کہ اے لوگو محمد نے طعن کی زبان ہمارے اور تمہارے خداؤں پر کھولی ہے اور تمہارے عقلمندوں کو علانیہ بیوقوف کہتا ہے اور اسکا بیان ہے کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے معبود دوزخ کے ایندھن ہیں اب تم آگاہ ہو جاؤ کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دے گا اس کو میں ایک ہزار ناقہ احمر اور ایک ہزار اوقیہ سونا دوں گا دوسری روایت کے بموجب اس نے سو سرخ اونٹ سیاہ آنکھ والے اور ہزار اوقیہ چاندی دینے کا وعدہ کیا یہ سنکر اس مجلس میں سے حضرت عمر بن خطاب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اے ابا الحکم جو تو وعدہ کر رہا ہے اسکی ضمانت کیا ہے ابوجہل نے جواب دیا کہ جب میں بلا تامل تسلیم کرتا ہوں اور اتنے آدمیوں کے سامنے بیان کر رہا ہوں پھر اور ضمانت کی کیا ضرورت ہے حضرت عمر نے کہا میں لات عزیٰ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میرا دل اور زبان یکساں ہے اس پر ابوجہل نے بھی قسم کھائی اور کہا بلاشک میں اپنے قول میں سچا ہوں پھر حضرت عمر اسکو اطمینان دینے کے لئے خانہ کعبہ میں لے گئے اور قریشوں کے سب سے بڑے بت ہبل نامی کے آگے جا کے حسب طریقہ قریش اس کو اس معاملہ پر گواہ کیا اس کے بعد حضرت عمر تلوار ننگی کر کے حضور انور کے قتل کرنے کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں نعیم ابن عبد اللہ حضرت عمر سے ملے اور دو چار باتیں کرنے کے بعد کہا کہ تمہاری بہن اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید مسلمان ہو گیا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص

تک ۱۰ ل حبشہ سے واپس آیا تو حضور انور نے اپنی نبوۃ کے اخیر زمانہ میں اسکو اور صحابہ کے ساتھ نومسلموں کی تعلیم و تلقین کے لئے مدینہ میں مقرر کر دیا تھا۔ جب یہ ایک جماعۃ واعظین کے ساتھ مکہ معظمہ آیا اور اس کی ماں کو خبر ہوئی تو اُس نے کہلا کے بھیجا، آہ میرے نافرمانبردار فرزند تو ایسے شہر میں داخل ہو جہاں تیری ماں رہتی ہو اور پھر تو اس سے ملنے نہ آئے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) حضرت عمر سے راستہ میں ملا اور دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہو کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں سعد نے کہا کہ تجھے بنی عبد مناف کا خوف نہیں ہے تو محمد کو قتل کر کے کس طرح بے خوف رہ سکتا ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں قتل تو کر دوں کہ جس سے مذہب قریش میں ایک تبدیلی واقع ہو رہی ہے اسکے بعد دیکھا جائیگا سعد نے کہا کہ پہلے تم مجھسے تو دو دو ہاتھ کر لو اسکے بعد حضور انور کے قتل کرنے کی جرأت کرنا یہ سنتے ہی حضرت عمر کو غصہ آگیا اور اُدھر سعد نے بھی تلوار کھینچ لی اسوقت مسلمانوں کی حالت بہت ہی نازک تھی وہ مشرکین قریش کے مارے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے جب بالکل تلوار چلنے کو ہوئی تو سعد نے کہا کہ تم مجھسے کیوں لڑتے ہو پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کرو جو مسلمان ہو گئے ہیں تاکہ تمہاری دلیری معلوم ہو حضرت عمر نے کہا کہ اسکا ثبوت کیا ہے سعد نے جواب دیا کہ ادنے ثبوت یہ ہے کہ تمہارا ذہب وہ نہیں کہاتے یہ سنتے ہی حضرت عمر سعد کو چھوڑ کے اپنی بہن کے گھر کی طرف گئے اتفاق سے اسوقت سعد بن زید اور اسکی بیوی اور فجاب بن ارت کی بہن گھر میں موجود نہیں اور سورۂ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں حضرت عمر کو دیکھتے ہی اُنہوں نے لکھی ہوئی سورہ طٰہٰ کو چھپا لیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں انہوں نے کہا کہ ہم تو باہم باتیں کر رہے تھے پھر حضرت عمر نے ایک دنبہ اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے بہن سے کہا کہ اسکو پکاؤ جب وہ پک کے تیار ہو گیا تو کہا آؤ ہم ملکر کہائیں بہن نے اور گھر کہاتی لوگوں نے انکار کر دیا اسپر حضرت عمر کو سعد بن وقاص کا کہنا یقین آگیا اور آپ کو اسقدر غصہ آیا کہ اپنے بہنوئی کی ڈاڑھی پکڑ کے زمین پر گرا دیا اور سینے پر چڑھ بیٹھے بہن نے اپنے شوہر کو چھڑانا چاہا حضرت عمر نے بہن کو ایسا تھپڑ مارا کہ منہ لہولہان ہو گیا اسپر بہن نے کہا کہ تو ہم پر اسلئے ظلم کر رہا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں حضرت عمر نے کہا ہاں اسپر اُن کی بہن کو جوش آیا اور کہاں ہاں ہم دونوں مسلمان ہیں بیشک ہم مسلمان ہیں

اس ولداوہ اور پہلے عاشق رسول نے یہ جواب دیا، میری ماں سے کہدو کہ میں رسول مقبول کے گھر کے سوا اور کسی گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا" اسکے بعد حضور انور کی اجازت سے وہ اپنی ماں سے ملنے آیا جس نے اس طرح خطاب کرکے کہا، اے بیٹا تجھے کیا ہوگیا تو نے یہ حالت اپنی کیوں بنالی ہے" بیٹے نے جواب دیا" میں خدا کے برحق نبی اور سچے اسلام کے راستہ پر چلتا ہوں" ماں نے آہ سرد بھر کے جواب دیا، اے بیٹا جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور تیرے اس جور وظلم پر بھی ہم کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں جو تیرا جی چاہے کرا اور اپنے کرنے میں کچھ کسر نہ رکھیو ہم کبھی بھی دین اسلام کو نہیں چھوڑنے کے حضرت عمر نے اپنی بہن کو خون آلودہ دیکھا تو آپ کے دل میں ایک رقت سی پیدا ہوگئی آپ اپنے بہنوئی کی چھاتی پر سے اتر آئے اور علیحدہ بیٹھ کے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم پڑھ رہی تھیں مجھے دکھاؤ بہن نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ سوائے پاک آدمیوں کے اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تم اٹھو اور نہاؤ جب تم نہا لوگے تو میں تمہارے ہاتھ میں دیدوں گی حضرت عمر یہ سن کے نہانے کے لئے باہر گئے اتنے میں خبّاب کوٹھری میں چھپے ہوئے باہر نکل آئے اور حضرت عمر کی بہن سے کہا کہ تو کافر کے ہاتھ میں صحیفہ قرآنی دیتی ہے حضرت عمر کی بہن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ بھائی مسلمان ہوجائیں گے اتنے میں حضرت عمر نہا دھو کر گھر میں آئے بہن نے وہ صحیفہ آپ کے ہاتھ میں دیدیا پڑھتے پڑھتے جب اس آیۃ پر پہنچے لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثری تو بیساختہ حضرت عمر کی زبان سے یہ نکل گیا کہ جو شخص یہ بات منہ سے اُسے کبھی یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ غیر خدا کی پرستش کرے۔ اور جب پڑھتے پڑھتے اس آیۃ پر پہنچے کہ ان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی اللہ لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ۔ تو کل شبہات رفع ہوگئے اور آپ کا سینہ انوار اسلام سے منور ہوگیا آپ نے فوراً کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا جب خبّاب ارت نے دیکھا کہ حضرت عمر مسلمان ہوگئے ہیں تو وہ کوٹھری سے نکل آئے اور کہا اے عمر تجھے بشارت ہو کہ حضور انور کی دعا تیرے حق میں قبول ہوگئی کل شب کو آپ فرمارہے تھے اللھم اعز الاسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب حضرت عمر نے خبّاب سے کہا کہ تم مجھے رسول کریم کے پاس لیچلو

مصیبتیں کہ سفر حبشہ اور شعب میں رہکے تو اٹھا چکا ہے کیا اسی سے تیرا دل مطمئن ہے اور تجھے تیرے اعمال کی ابھی سزا نہیں ملی ہے۔ بیٹا یہ سمجھا کہ شاید ماں مجھے پھر مثل سابق کے قید کرنا چاہتی ہے۔ نہایت مستعد ہوکے جواب دیا اماں جان کیا تم مجھ پر جبر کرکے میرے دین سے دست بردار کرانا چاہتی ہو اگر میرے گرفتار کرنے کا پھر خیال ہو تو یہ سمجھ لینا جس نے مجھ پر ہاتھ ڈالا میں سب سے پہلے اسکی گردن اڑا دونگا اسکا جواب ماں نے یہ دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) چنانچہ وہ لوگ حضور انور کے مکان پر پہنچے دروازہ بند تھا۔ صحابہ میں سے ایک صحابی نے ایک مقام سے حضرت عمر کو برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے دروازے کے پاس کھڑا دیکھا اور یہ کیفیت کل لوگوں سے بیان کر دی کسی کو خوف کے مارے دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ حضرت حمزہ نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ حکم دیں تو دروازہ کھول دیا جائے اگر عمر خیر سے آئے ہیں تو فبہا ورنہ اس تلوار سے اسکی گردن اڑا دوں گا۔ حکم ہوا کہ دروازہ کھول دو۔ جوں ہی حضور انور نے حضرت عمر کی صورت دیکھی آپ استقبال کے لئے اٹھے

گر در رہ عاشقی قدم راست نہی
معشوقہ بادل قدمت پیش آید

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت مقدس نبوی نے فاروق اعظم کا بازو پکڑ کے بلایا اور فرمایا کہ اے عمر کیا اگر صلح کے ساتھ آیا ہے تو میں تجھ سے ہاتھ اٹھاؤں اور اگر جنگ کے لئے آیا ہے تو تلوار میان سے نکالی جائے۔ حضرت عمر کے تن پر لرزہ آگیا آپ نے اسی کپکپاتے لہجہ میں یہ کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حضرت عمر نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا حضور رب الت پناہی نے تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی بآواز بلند شوق بشاشت سے تکبیر کہی اور اتنا غل مچا کہ قریشوں کے مکانوں میں اسکی آواز پہنچی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مناسب نہیں ہے کہ مشرک تو علانیہ لات و عزیٰ کی پرستش کریں اور مسلمان گھروں میں چھپے ہوئے خالق کون و مکاں کی عبادت کریں۔ حضور اس سچی ملت کا اظہار فرمائیں حضور حق پناہی نے منظور فرمالیا اور سب ملکے باہر نکلے کہ خانہ کعبہ کا طواف کریں حضور کے داہنی طرف

اب تو میرے آگے سے چلا جا۔ یہ کہکے ماں رونے لگی۔ بیٹے نے چلتے ہوئے کہا۔ اے مادر مہربان محض محبت کی وجہ سے میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کو ایک جان اور اسکے صادق رسول پر ایمان لا۔ بدنصیب ماں بولی چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم میں تیرے دین میں داخل ہوکے اپنے کو بیوقوف نہیں بناتی۔ اور میں تا زیست اپنے عقاید پر ثابت اور برقرار رہوں گی۔

اس کے بعد ایک اور نوجوان قوم قریش سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کا نام طلاب تھا اور یہ رشتہ میں حضور انور کے ماموں ہوتے تھے ارقم کے گھر میں آکے مشرف باسلام ہوئے اور پھر اپنی ماں سے کہا کہ میں خدا اور اسکے برگزیدہ رسول پر ایمان لے آیا۔ ماں نے جواب دیا بیٹا تو نے بہت اچھا کیا خدا تجھے برگزیدہ دین مبارک کرے۔ خدا کی قسم اگر مجھ میں مثل مردوں کے قوۃ ہوتی تو میں پیغمبر آخر الزماں کی مدد کرتی اور اس ذات اطہر و اقدس کو حوادث زمانہ سے بچاتی۔ نوجوان بیٹے نے کہا اے مادر مہربان جب تیرے یہ خیالات ہیں پھر تجھ کو کونسی بات علانیہ اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے جبکہ تیرا بھائی حمزہ مسلمان ہو چکا ہے ماں نے جواب دیا کہ یہ تو سچ ہے مگر میں اپنی بہنوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ اخیر یہی ہوا یہ نیک بخت خاتون مسلمان ہوگئی اور اس نے جو کچھ اسلام کی مدد کی وہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی ہوئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) حضرت ابوبکر صدیق تھے اور یسار پر حمزہ و علی۔ حضرت حمزہ تلوار حمائل کئے ہوئے کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی حضرت عمر اور کل صحابہ پیچھے پیچھے تھے ادھر قریش تجرونیں پہنے ہوئے اسلحات کا انتظار کر رہے تھے کہ اب عمر خشمی پناہی کا سر لیکے آتے ہونگے مگر جب انکی نظر میں حضرت عمر پر پڑیں جو شادان و فرحاں آگے آگے برہنہ تلوار کے ساتھ آرہے تھے دریافت کیا ہے عمر تمہارے پیچھے کون ہے۔ کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یاد رکھنا اگر تم میں سے کسی نے بھی خلاف ادب کوئی حرکت کی تو تلوار سے اسکی گردن اڑا دونگا۔ مشرک حیران ہوگئے کہ عمر کو یہ کیا کس نے کہا اور آپ آئے اس آیت سے۔ حضرت عمر پر مشرک دوڑ پڑے آپ نے حوالی کعبہ سے سبکو دبکے دبکے نکالدیا مطمئن ہوئے بیت اللہ میں طائف ہوئے

نومسلم غلام

حضور انور کو ارقم کے مکان میں رہتے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ چند غلام مشرف باسلام ہوئے ایک ان میں سے حضرت صوت کا رہنے والا عیسائی تھا۔ اور دوسرا بوفقیہا کے نام سے مشہور تھا لیکن دونوں کی وفات سنہ ہجری کے آغاز پر یا اس سے پہلے ہو چکی تھی اسکی بیٹی نقیہا نامی کی شادی حطاب ایک نومسلم سے ہوئی تھی جو شخص حبش کے مہاجرین میں شریک تھا ان کے بعد صہیب پسر سنبا مشرف باسلام ہوا۔ یہ شخص بونانی الاصل موصل کا رہنے والا تھا۔ جو عراق عرب کا ایک قصبہ ہے۔ اور اس کا باپ باجیا حکومت کسریٰ کی طرف سے ابلہ کا گورنر تھا ایک یونانی ڈاکوؤں کے دستہ نے عراق عرب پر تاخت کی اور صہیب کو شام اور اس کے بعد قسطنطنیہ لے گیا پھر اس کے بعد گردش زمانہ سے وہ قبیلہ کلب کے ہاتھ پڑا اور اس قبیلہ نے مکہ میں لاکے اسے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جس نے خریداری کے بعد اس کو آزاد کر دیا مگر تو بھی اپنی حفاظت میں رکھنے کی ذمہ داری کی۔

ف اس مسئلہ میں بھی سر ولیم میور نے غلطی کی ہے۔ صہیب کو وہ اپنی سخت غلطی سے معلم ٹھیرانا چاہا اور اس آیت کا شان نزول "ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ (سورۂ نحل پارہ ۱۴) ترجمہ اور ہے شک یقیناً ہم جانتے ہیں کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی) کو ایک بشر (قرآنی عبارتیں) سکھاتا ہے (حالانکہ) جس کی طرف یہ (سکھا دینے کا) خیال کرتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے)

حضرت صہیب کو کہتا ہے حالانکہ تفسیر فتح البیان میں یہ لکھا ہے۔ وقد اختلف اھل العلم فی تعیین ھذا البشر الذی زعوا علیہ مازعموا فقیل ھو غلام الفاکہ بن مغیرۃ واسمہ جبر کان نصرانیا حداد رومیا فاسلم وکان قریش اذا سمعوا من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجیاء القرون الاولی مع کونہ امیا قالوا انما یعلمہ جبر وقیل اسمہ عائش او یعیش عبد لبنی الحضرمی

یہ نہایت خوبصورت اور سرخ و سفید رنگت کا تھا جس سے اس کا شمالی باشندہ ہونا پایا جاتا تھا عربی ٹوٹی پھوٹی بولتا تھا مگر یونانی خوب جانتا تھا۔ تجارت سے اس نے بکثرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) وکان یقرأ الکتاب الاعجمیۃ وقیل غلام لبنی عامر بن لوئی وقیل عنوا سلمان الفارسی وقیل عنوا نصرانیا بمکۃ اسمہ بلعام وکان یقرأ التوراۃ وقیل عنوا رجلا نصرانیا کان اسمہ ابا میسرۃ تیکلم بالرومیۃ وفی روایۃ اسمہ عداس وقیل ارادوا البشر غلامین اسم احدھما یسار اسم الآخر جبر

ترجمہ:۔ اہل علم نے اُس شخص کی تعیین میں جسپر مشرکین نے یہ خیال کیا تھا اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا اسکا نام جبر تھا اور وہ نصرانی لوہار تھا روم کا باشندہ اسلام لے آیا تھا اور قریش جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باوجود آپ کے امی ہونے کے گزشتہ زمانہ کی خبریں سنتے تو کہتے کہ یہ باتیں جبر انہیں تعلیم کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عائش یا یعیش تھا بنی حضرمی کا غلام اور وہ عجمی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں وہ بنی عامر بن لوی کا غلام تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی طرف سے ارشاد کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے ایک نصرانی کی طرف اشارہ ہے جس کا نام بلعام تھا وہ توریت پڑھا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک نصرانی شخص کی طرف اشارہ ہے جسکا نام میسرہ تھا وہ رومی زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا نام عداس تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو آدمی مراد ہیں دونوں غلام تھے ایک کا نام یسار تھا دوسرے کا نام جبر تھا جلد ۵ صفحہ ۲۷۷ و ۲۷۸) مخالفوں کا قاعدہ ہے کہ الزام قایم کرنے کے لئے وہ باتیں لگا دیا کرتے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہوتی ہیں ان مختلف غلاموں کے اسلام لانے سے انہیں اور کوئی الزام تو بن نہ آیا یہی بات بنا دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے دین مسیح کی بابت دریافت کرتے ہیں اسکا جواب قرآن مجید میں بہت معقول دیا گیا کہ قرآن تو صاف زبان عربی میں ہے اور وہ لوگ جنکی طرف اشارہ ہے عجمی ہیں پھر کیونکر ایک نبی۔ وہ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ عجمی ایسی شستہ عربی لکھ سکیگا جسکے لکھنے میں اہل زبان بھی قاصر ہیں مگر ہمیں تو یہاں یہ بحث ہے کہ سر ولیم میور نے کیوں صرف صہیب پر اتنا زور دیا جبکہ اسکا نام بھی سوائے اور ناموں کے کسی معتبر تفسیر میں نظر نہیں پڑا۔ یہ اسکی شقاوت ہے جس پر اسکے روشن دماغ محقق اہل وطن آنکھ بند کرکے ہوئے ہیں اور انہیں میور کے بیانات میں رد و قدح کرنیکا یارا نہیں ہوا

روپیہ جمع کر لیا تھا۔ اسی اثنا میں یہ مسلمان ہو گیا۔ عبد اللہ کی زندگی میں تو اس سے کوئی آنکھ نہ ملا سکا لیکن اس کے مُربّی عبد اللہ کی وفات پر مشرکین عرب بہت سخت تکلیف دینے لگے۔

سر ولیم میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی شخص سے عیسائیت کے متعلق آنحضرت نے بہت کچھ علم حاصل کیا مگر کوئی سند پیش نہیں کرتے۔ جیسا کہ ان کا قاعدہ ہے کہ اعتراضات کرنے اور الزام رکھنے کے لئے وہ خیالی باتیں گڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے خیالات کی روانی انھوں نے دکھا دی۔

جب حضور انور ہجرت کرنے لگے تو آپ کے ساتھ لوگوں نے ہجرت کا سامان کیا تو اہل مکہ نے صہیب کو ہجرت کرنے سے روکنا چاہا لیکن صُہیب نے یہ کہا اگر تم مجھے جانے دو تو میں یہ کل سامان تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں۔ حضور انور نے سن کے فرمایا صہیب نے کیا خوب سودا کیا ہے"

ف۱ جب حضرت صہیب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو اہل مکہ نے صہیب سے یہ کہا: تو ایک مفلس اور گداگر بن کے یہاں آیا لیکن ہمارے ساتھ رہ کے تیری حالت سنبھل گئی اور اب تو موجودہ ترقی پر پہنچ گیا اور اتنا بڑا دولتمند ہو گیا۔ اب تو مع سامان و اسباب کے ہم سے جدا ہوتا ہے۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہونے کا اس پر حضرت صہیب عاشق رسول مقبول نے جواب دیا اگر میں اپنی کل دولت یہاں چھوڑ دوں پھر تم مجھے جانے دو گے۔ اہل مکہ نے کہا ہاں۔ چنانچہ اس نے کل مال و متاع اُن کے سپرد کر دیا دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت صہیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے لگے اور اونٹ پر مکہ سے بہت دور نکل گئے تو مشرکین قریش نے تعاقب کر کے انھیں جا لیا انھوں نے اپنے اونٹ کو اُن کی طرف پھیر کے کہا کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو چلے جاؤ ورنہ ایک ایک کو تیروں سے چھیدوں گا اور جب تیر ترکش میں ہو چکیں گے تو پھر شمشیر آبدار سے خبر لوں گا۔ چونکہ حضرت صہیب اعلےٰ درجہ کے تیر انداز مشہور تھے اس لئے قریش خوف کے مارے واپس چلے گئے اور مزید مزاحمت نہیں کی۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ پر دیکھو)

دوسرا آزاد کردہ غلام عمّار تھا جو صہیب کے ساتھ ارقم کے مکان میں آ کے مشرف باسلام ہوا تھا۔ اسکا باپ یاسر یمن کا رہنے والا تھا اور اسکی ماں سُمیّہ اور اُسکا بھائی عبداللہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ خدا نے وہ بزرگی اور عظمت عطا کی کہ آج تاجدار اور کروڑوں آدمیوں کے حاکم اُنکا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔

یاسر یمن کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے آپ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے تاکہ اپنے ماموں اور خالاؤں وغیرہ سے ملیں۔ لیکن بجائے یمن واپس جانے کے آپ اپنے سرپرست اور مربی ابوحذیفہ کے پاس رہ گئے جنہوں نے اپنی لونڈی سُمیّہ سے ان کا نکاح کر دیا اس بی بی سے عمار پیدا ہوئے اور دوسرے عبداللہ۔

یاسر کے فوت ہونے کے بعد سُمیّہ نے ارزق سے نکاح کر لیا جو ایک یونانی غلام تھے اور جن کا تعلق ایک شخص باشندہ طایف سے تھا۔ اس نکاح ثانی پر سُمیّہ کے ہاں سلمہ پیدا ہوا۔ کاتب الواقدی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ سے بی بی سُمیّہ آخر شہید ہو گئیں اور وہ روایت یہ ہے "فلما کان العشیے جاء ابوجہل فجعل یشتمہ سمیۃ ویرفث ثم طعنہا فقتلہا فہی اول شہید استشہد فی الاسلام" یعنے ایک دن کے جبر و تعدی کے بعد شام کے وقت ابوجہل آیا اور اُس نے سُمیّہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) صہیب کی طبیعت میں مذاق بھی تھا جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آئے تو کھجوروں کا موسم تھا آپ بہت بھوکے اور تھکے ہوئے تھے کھجوریں خوب پیٹ بھر کے کھائیں کہیں ایک آنکھ آپ کی دکھنے آگئی جب آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد کیا تم نے کھجوریں کیوں کھائیں کہ تمہاری آنکھ دکھنے آگئی جب انھوں نے تمہیں نقصان کیا تو اب نہ کھانا۔ اس پر حضرت صہیب نے جواب دیا، حضور میں اب کبھی ان کھجوروں کو دکھتی ہوئی آنکھ کے جبڑے سے نہیں کھانے کا بلکہ اس جبڑے سے کھاؤنگا جسکی آنکھ اچھی ہے۔ یہ سُن کے حضور (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) مسکرانے لگے صہیب ستر سال کی عمر میں ہو کے ۳۸ھ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ مدینہ کے گورستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

پر لعنت ملامت کرنی شروع کی اور فحش الفاظ کا استعمال کیا اور پھر حربہ کر کے اس کو شہید کر دیا۔ سُمیہ اسلام میں پہلی شہید ہوئی ہے۔

سُمیہ کی شہادت کی نسبت ولیم میور کو شبہہ ہے اور وہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابوجہل نے ایسا کیا ہو یہ تو ممکن ہو کہ یہ روایت صحیح نہو مگر میور نے جو یہ اعتراض کیا ہو کہ مسلمان مؤرخوں اور راویوں نے ان تکالیف اور مصائب کو مبالغہ سے بیان کیا ہے جو مشرکین قریش سے مسلمانوں کو پہنچیں اس لئے یہ شہادت سُمیہ کا الزام بھی ابوجہل کے سر تھوپ دیا ہے یہ میور کی خام خیالی ہے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ عرب انتہا درجہ کے تند مزاج اور سخت طبیعت تھے کہ اپنی نوپید الڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور اسی طرح ان کی سختی کی بہت سی باتیں مشہور عام ہیں۔ اور

ایک عجیب اور حیرت انگیز استدلال ایک واقعہ سے فاضل ولیم میور نے کیا ہے جو اسی زمانہ کا واقعہ ہے اور بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سرداران قریش کے مسلمان کرنے کا بہت ہی خیال تھا اور آپ اسی ادھیڑبن میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے اُس اندھے پر آپ نے کچھ توجہ نہیں کی جو نہایت صدق دل سے آپکے پاس آیا تھا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

یہ ایک نرالا استدلال ہے جو ولیم میور نے عبداللہ ابن اُم مکتوم کے معاملہ میں کیا ہے کسی خاص شخص کی طرف ایک وقت توجہ نہونی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ توجہ نہ کرنیوالا شخص اس شخص سے نفرت رکھتا ہے اور اُس کا رجحان طبیعت خاص دوسرے اشخاص کی طرف ہے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اُسکے ذکر میں قرآن مجید کا طرز بیان سخت تنبیہی ہے جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰے الخ (ترجمہ) (محمدؐ) ترش رو ہو گئے اور منہ پھیر لیا اس بات سے کہ ان کے پاس نابینا آیا اور (اے نبی) تم کیا جانتے ہو شاید وہ (اسوقت تمہاری تعلیم سے) پاکیزہ ہو جاتا یا نصیحت مانتا اور نصیحت ماننا (اسوقت) اسکو فایدہ دیتا لیکن جو بے پروا ہے۔ تم اس کی

ابتک صحیح انور دعربوں بلکہ حجازی عربوں میں بھی پائی جاتی ہیں پھر بلا وجہ مسلمان راویوں پر بالعموم تعمیری کا الزام لگانا میور جیسے محقق کو شایاں نہیں ہے اگر ان مظالم کی داستانیں غلط ہیں تو جو مظالم یہودیوں کے انجیلوں میں حضرت مسیح پر بیان کئے گئے ہیں، وہ بھی محض غلط ہونگے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا۔ مونہ پر تھوکنا۔ بلا وجہ سولی دیدینا یہ ساری باتیں خلاف قیاس ہیں جو انجیلوں کی ترتیب دینے والوں نے یہودیوں کے خلاف گھڑلی ہیں

عمار بن یاسر

حضرت عمار بن یاسر کے معاملہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا تو یہ قول ہے کہ ہجرت حبشہ میں آپ بھی شریک تھے۔ بعض اس میں مذبذب ہیں کہتے ہیں آپ ۳۳ سنہ ہجری کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) (ہدایت کے) درپے ہو حالانکہ تم پر کچھ گناہ اس بات کا نہیں ہے کہ وہ پاکیزہ نہ ہو۔ اور لیکن جو شخص تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (خدا سے) ڈر رہا ہے تو تم اس سے غفلت کرتے ہو (کچھ خوف کی بات) نہیں۔ بیشک یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد کرے بزرگ بلند (مرتبہ) پاکیزہ ورقوں میں (لکھا ہوا) ہے بزرگ نیکو کار رکھنے والوں کے ہاتھ میں ہلاک کر دیا جائے انسان کہ وہ کیسا ناشکر ہے (آخر تک)

جس قصہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے اُسکی اصلیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ ونصیحت فرما رہے تھے اور بہمہ تن انکی ہدایت کی طرف مصروف تھے اسی اثنار میں عبد اللہ ابن مکتوم نابینا آگئے اور انہوں نے حضور انور سے ایک آیت دریافت کی آپکو کچھ توجہ نہوئی انہوں نے دوبارہ سہ بارہ دریافت کیا آپ کو ناگوار گذرا اور آپکے چہرۂ مبارک پر شکن آگئی جب آپ اُن کفار کے وعظ ونصیحت سے فارغ ہوئے تو فوراً یہ آیتیں اتریں اور یہ عتاب آمیز خطاب صادر ہوا۔ اس واقعہ سے عجیب و غریب نتائج نکلتے ہیں جو سر ولیم میور نے نظر انداز کر دیئے۔

اوّل نتیجہ تو یہ نکلا کہ ہدایت یافتہ یا نیک دل شخص ان سرداروں سے جو ہدایت یافتہ

جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۱ یا ۶۳ سال کی تھی۔
ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو گورنر کوفہ بھی بنا دیا تھا۔

نومسلم غلاموں پر سختیاں

قریشوں کے غصہ اور حسد کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہونے لگی تھی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے پچاس تک پہنچ گئی تھی۔ اور جلیل القدر سرداروں پر جو مسلمان ہوئے تھے ان کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا مگر غلاموں پر انہوں نے پورا قبضہ پالیا اور ساتھ ہی ان کا دست ظلم اُن لوگوں پر بھی دراز ہوا جو پردیسی مسلمان تھے جنکا کوئی قبیلہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) نہیں ہیں زیادہ بزرگ ہے۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ خدا کا کلام سنانے والے کو نہ خفا ہونا چاہیئے۔ اور نہ دنیاوی مدارج کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ جنہوں مشرک سرداروں کو خدا کا کلام سنا رہے تھے ایسی حالت میں کسی شخص کا بات کاٹ کے بیچ میں بول اٹھنا انسانی طبیعت اور دنیاوی تہذیب کے لحاظ سے سخت معیوب اور بدتمیزی دینے والا ہے۔ مگر الٰہی تعلیم میں اس قسم کی تہذیب اور امتیاز یہ مدارج کو محض فضول خیال کیا گیا ہے دنیاوی لحاظ سے کیسا ہی اونچے درجہ کا شخص کیوں نہ ہو اگر ہدایت چاہتا ہو یا ہدایت یافتہ ہو تو ہزار ہا درجہ دنیاوی سرداروں اور دولتمندوں سے زیادہ بزرگ ہے۔

جیسا کہ سر ولیم میور نے نتیجہ نکالا ہے ہمیشہ اس قسم کے واقعات نہیں ہوا کرتے تھے ایک دفعہ ایسا معاملہ پیش آیا جس کو میور صاحب نے آسمان پر پہنچا دیا قرآن مجید کی طرز ابتدا سے یہ واقع ہوئی ہے کہ جب خداوند تعالےٰ کو کسی اہم امر کی بابت کچھ تنبیہ یا اپنی مخلوق کو نصیحت کرنی ہوتی ہے تو خطاب حضور انور سے کیا جاتا ہے اور حضور ہی کی ذات کو ذریعہ نصیحت و تنبیہ بنایا جاتا ہے تاکہ امت پر زیادہ اثر پڑے اور لوگ سمجھیں کہ جب ان معاملات میں اپنے برحق نبی کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

خاندان مکہ میں تھا۔ ان لوگوں کو انہوں نے پکڑ کے قید کر دیا یا بعض کو مشکیں کس کے مکہ کی جلتی ہوئی زمین اور سخت دھوپ میں لٹا دیا۔ صرف لٹا دینے ہی پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ گرم لوہے سے ان کے جسم داغے جاتے تھے۔ اور یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر نئے مذہب سے تم توبہ کرو تو نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ تم اسی تکلیف میں مر جاؤ گے۔

بعض نومسلم غلام سخت جانکنی کی حالت میں بت پرستی کی طرف پھر رجوع ہو گئے اگرچہ ان کا یہ رجوع ہونا محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے تھا مگر بلال رضی اللہ عنہ جو ان ہی تکلیف اٹھانے والوں میں تھے زبان بھی بت پرستی کی طرف رجوع نہیں ہوئے اور جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو انھوں نے صاف طور پر انقطائی لہجہ میں یہ کہا "احد احد"

کاتب الواقدی لکھتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ بلال کے ظالم آقا کے پاس گئے اور کہا کہ کیا لیکے اسے چھوڑ دو باہم اس کے متعلق گفتگو ہوئی آخر ایک تعداد درہموں کی دیکے حضرت ابو بکر نے بلال کی جان بچائی۔ (صفحہ ۲۲۴)

ہشامی اس واقعہ کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ جب حضرت بلال پر ظلم توڑے جا رہے تھے تو ورقہ کا اس طرف گذر ہوا ورقہ نے بلال کو خریدنا چاہا کہ اتنے میں حضرت ابو بکر بھی آ گئے جو بلال کے ظالم آقا کے قریب ہی رہتے تھے اور اس سے خطاب کر کے کہا "کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ اس غریب شخص کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ جواب دیا نہیں میں نہیں ڈرتا تو نے ہی میرے غلام کو بھکا کے اس پر یہ ظلم کروائے ہیں۔ اب تجھ ہی کو چاہیئے کہ تو ہی اس ظلم سے اس کو نجات بھی دلوائے۔ چنانچہ اس پر حضرت ابو بکر نے ایک اور غلام بلال کے عوض میں پیش کیا جو بلال سے قد اور جسم میں زیادہ تھا۔ (صفحہ ۸۹)

حضرت ابو بکر نے نہ صرف بلال کو آزاد کرایا بلکہ چھ عورتوں اور مردوں کو آزادی دلوائی جب حضرت ابو بکر کے والد نے یہ دیکھا تو اپنے بیٹے کو پاس بلا کر کہا کہ ان غریب اور بے بس لوگوں پر تو اپنا روپیہ کیوں خرچ کرتا ہے یہ تیری

بہت مدد نہیں کر سکتے اگر تو ہی روپیہ یہاں کے اعلےٰ درجہ کے خاندانی لوگوں میں صرف کرے، تو اُن سے تجھے کتنی مدد مل سکتی ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو یہ جواب دیا کہ جو کچھ میرا خدا دل میں ڈالتا ہے وہی میں کرتا ہوں۔

ان کے علاوہ پانچ اور اصحاب ہیں جن پر بھی اسی طرح سے سختیاں کی گئی ہیں مثلاً عامر بن فہیرہ ابو فکیہا۔ صہیب اور عمار کے والدین (کاتب الواقدی صفحہ ۱۳۲) جن لوگوں پر اتنی سختیاں کی گئیں اور پھر بھی وہ دین پر قایم رہے حضور انور نے ان کی تعریف کی اور ڈھارس بندھوائی۔ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر عمار پر ہوا حضور کی صورت دیکھ کر عمار رونے لگے۔ حضور نے دریافت کیا کیوں کیا بات ہے عمار نے عرض کیا یا رسول اللہ جب تک میں آپ کو برا بھلا نہ کہوں گا اور مشرکین کے دستی خداؤں کی تعریف نہ کروں گا ظالم مجھے خلاصی نہ دیں گے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد کیا تو اپنے دل کی کیفیت بیان کر کہ تیرا دل کیا کہتا ہے عمار نے عرض کیا کہ دل اسی طرح دین خدا پر قایم ہے اور دیسا ہی زبردست ہے تو آپ نے ارشاد کیا مشرکین کو سختیاں اور ظلم کرنے دے اور تو کلمہ طیبہ پڑھا جا

حضور انور اس وقت اپنے چچا ابو طالب کی حفاظت میں تھے اگرچہ آپ نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی قریشوں کے مقابلہ میں اپنے عزیز بھتیجے کی حفاظت اور حمایت مستعدی سے کر رہے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر اور وہ لوگ جو مکہ کے زبردست قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ذاتی آسیب سے بچے ہوئے تھے اور کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان میں سے ایک شخص پر بھی ہاتھ ڈال سکتا۔

جب مظالم کی انتہا ہو چکی اور پانی سر سے گذر چکا اور حضور انور نے ملاحظہ فرمایا کہ قریشوں کے ظلم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کو دوسری جگہ ہجرت کرنے اور پناہ لینے کا حکم دیا۔ مغرب کی جانب انگشت مبارک اٹھا کے ارشاد کیا کہ تم اس طرف ملک میں چلے جاؤ جہاں تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور وہاں اس وقت رہو جب خداوند تعالےٰ اپنی مرضی سے تمہارے آگے رستہ

کھولدے۔ اُس زمانہ میں اہل مکہ ملک حبش سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ عرب کا سامان تجارت بہت کثرت سے حبش کے بازاروں میں جاکے فروخت ہوتا تھا اور شاہ حبش کو عرب نجاشی کہا کرتے تھے۔ رجب کے مہینہ میں مطابق ماہ نومبر اور حضور انور کی نبوت کے پانچویں سال گیارہ آدمی کچھ سوار کچھ پاپیادہ اور چار اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بندر شعیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شعیبہ مکہ کا قدیم بندر تھا۔ اور جدہ سے اسکا بہت تھوڑا فاصلہ تھا۔ جس وقت مہاجرین بندر شعیبہ پر پہنچے تو دو کشتیاں تیار تھیں۔ ان پر سوار ہوگئے اور حبش چلے آئے۔ اہل مکہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن یہ اُن کی زد سے نکل چکے تھے۔ حبش میں مہاجرین کا زمانہ بہ اطمینان بسر ہوا۔

اس پہلی ہجرت کے بعد سورۂ النجم نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے نازل ہوتے ہی حضور انور حرم میں تشریف لائے تاکہ مشرکین قریش کے مجمع میں پڑھ کے سنائیں اس سے پہلے مصلحت اور دور اندیشی کی وجہ سے آپ علانیہ وعظ نہ فرماتے تھے جب آپ نے بھری مجلس میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی تو ایک مشرک شیطان نے اس آیہ افرایتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ کے بعد یہ عبارت بنا پڑھ دی کہ "تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ" اور قریشوں سے جاکے بیان کردیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ لات وعزیٰ کی شفاعت اور عظمت کا اشارہ تک اس سورت میں نہیں ہوا تھا۔ بیوقوف قریش یہ سمجھے کہ یہ کلمہ حضور انور ہی کی زبان سے نکلا ہے مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور جب بحکم الٰہی حضور انور نے سورۂ والنجم ختم کرنے کے بعد خدا وحدہ لاشریک کو سجدہ کیا کل مشرک اپنی غلط فہمی سے آپ کے ساتھ سجدے میں گر پڑے مگر ولید جو سارے جلسہ میں بڑی عمر کا تھا ایک خاک کی مٹھی اُس نے اُٹھائی اور اپنی پیشانی کو اس پر ٹکایا مشرک خوشی خوشی اپنی غلط فہمی کے نشہ میں مجلس سے اُٹھے۔ اور آپس میں ذکر کرنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب ہمارے خداؤں کی نسبت اچھے الفاظ کا استعمال

کیا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم آپ کو ایذا دینے سے اپنا ہاتھ روک لیں۔ اسکے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ہوئی۔ آپ یہ سُن کر بہت ہی غمگین ہوئے کہ ایک شیطان قریش نے غلط فہمی اپنے بھائیوں میں کس طرح پیدا کر دی جسوقت حضور انور اپنے مکان پر تشریف لائے تو فوراً یہ آیۃ نازل ہوئی۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم۔ قریش کو اس خبر کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت گھبرائے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے جو اس بات کا عہد کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخالفت نہیں کرنے کے وہ عہد ہم نے توڑ ڈالا۔ اب ہم کھلم کھلا پھر اسی طرح آزار پہنچائیں گے۔

سورۂ والنجم اور اس کی ایک آیت میں ایک شریر قریش کے چند جملے شریک کر دینے کا اصل واقعہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ جس کو مسیحی معترضوں نے بہت رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے اور جسکی حقیقت دراصل کچھ بھی نہیں۔

مشرکین قریش کا تعاقب

غرض جب مظلوم مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے تو عمرو عاص اور عمار بن ولید اور بہت سے قریش مسلمانوں کے تعاقب میں حبش پہنچے اور وزرائے سلطنت کو تحفہ تحایف دیکے اس بات پر راضی کر دیا کہ وہ اُنہیں شاہ حبش کے دربار میں پیش کر دے چنانچہ یہ قریش شاہ حبش کے دربار میں حاضر کئے گئے اور ان سب نے ملکی رسم کے بموجب شاہ حبش کو سجدہ کیا اور تحفے پیش کئے۔ اور عرض کیا کہ ہمارے گروہ میں سے چند نوجوانوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جو تیرے اور ہمارے دونوں دینوں سے مخالف ہے اور وہ لوگ یہاں تیرے ملک میں آکے مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔

اب ہماری التجا یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو ہمارے سپرد کر دے تو ہم انہیں اپنے قبیلہ کے پاس لے جائیں۔ ایک وزیر طارقہ نامی جو اُن مشرکوں سے رشوت کھا چکا تھا

سفارش کرنے لگا کہ بے شک ان لوگوں کا حق ہے کہ وہ پناہ گزین ان کے سپرد کر دیئے جائیں یہ سُن کے نجاشی کو غصہ آیا اور اُس نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرنے کا۔ جس قوم کے لوگوں نے میرے ہاں پناہ لی ہے میں انہیں کیونکر اپنے گھر سے نکال سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اُنہیں بلاتا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک چوبدار مسلمانوں کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارا بادشاہ تمہیں یاد کرتا ہے۔ مسلمان چلنے پر مستعد ہوگئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اگر اس نے ہمارے دین کے متعلق سوال کیا تو ہم کیا جواب دیں۔ حضرت جعفر طیار حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی اس مجمع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ دین کی نسبت جو خدا رسول نے ہمیں بتایا ہے بے کم و کاست وہی کہنا چاہیئے اس پر سب مسلمان راضی ہوگئے اور حضرت جعفر کو اپنی طرف سے مختار بنا کے دربار میں آئے اور ملک کی رسم کے مطابق سجدہ نہیں کیا۔

اس پر ایک درباری نے ٹوکا تو حضرت جعفر نے فرمایا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا ہے کہ سوائے خدا کے ہم کسی کو سجدہ نہ کریں اس لئے ہم نجاشی کو ہرگز سجدہ نہیں کرنے کے۔

یہ سُن کے نجاشی کے دل پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی اور اُس نے مسلمانوں کو سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور حضرت جعفر طیار سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے ہم وطن تمہیں مانگنے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تمہیں اُن کے سپرد کر دوں حضرت جعفر نے جواب دیا اے نجاشی تو ان سے دریافت کر کہ کیا ہم ان کے غلام ہیں جو یہ ہم پر دعوے کرتے ہیں۔ ان سے دریافت کیا گیا تو ان میں سے عمرو نے جواب دیا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں حاشا یہ لوگ آزاد اور قبیلہ میں بزرگ ہیں پھر حضرت جعفر نے کہا کہ کوئی خونبہا ان کا ہمارے ذمہ ہے عمرو نے انکار کیا۔ اسپر حضرت جعفر نے کہا کہ پھر یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

جب یہاں تک بات پہنچی تو عمرو بن العاص نے کہا کہ اے بادشاہ ان لوگوں نے

ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے دین سے مخالفت کی ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نوجوان آدمیوں کے عقیدوں کو خراب کر دیں۔ اسی سبب سے ہماری جماعت میں پریشانی پیدا ہوگئی ہے تو انہیں مجبور کر کہ یہ پھر ہمارا دین اختیار کر لیں اس پر نجاشی نے حضرت جعفر کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم اس کا جواب دو کہ تم کیوں ان لوگوں سے مذہب میں مخالفت کرتے ہو نہ تم نے دین یہود اختیار کیا نہ دین نصاریٰ تم اسکا جواب مجھے دو اس پر حضرت جعفر نے فرمایا۔ ایھا الملک کنا قوما اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام ونأکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسئی الجوار ویأکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعانا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ما کنا نعبد نحن وآباؤنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ لا نشرک بہ شیئا وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام (وعد علیہ امور الاسلام ثم قال) وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہینا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعناہ علی ما جاء بہ من اللہ تعالی فعبدنا اللہ تعالی وحدہ لا نشرک بہ شیئا وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما احل لنا فعدی علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عباد اللہ تعالی وان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث لما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایھا الملک"

(ترجمہ) اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ

خدا نے ہم ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جس کی شرافت، نسب، راست بازی اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں۔ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نکریں اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصّہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا پھر ایک ایک کرکے تمام احکام اسلام اُس کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مُروّت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہم نے اس کو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے ان سب کی پیروی اختیار کی۔ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اس کو حرام۔ اور جو حلال کر دی ہے اس کو حلال جانتے ہیں۔ پس اس بات پر ہماری قوم دشمن ہو گئی۔ اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے ان کو جائز جانیں۔ پس جبکہ اُنھوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا۔ اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھ کو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جانکر تیرے ملک میں چلے آئے۔ اور یہ امید کرکے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم

نہ کرنگے گا تیری پناہ اختیار کی۔

یہ سُن کے نجاشی بہت متاثر ہوا اور اس نے جعفر طیار سے خواہش کی کہ کیا آپ کوئی سورۃ اس کتاب کی پڑھ کے سنا سکتے ہیں جو آپ کے پیغمبر پر نازل ہوئی ہے۔ حضرت جعفر طیار نے سورہ کہٰیعٓصٓ پڑھنی شروع کی اور جب آپ اس آیت پر پہنچے ذٰلِکَ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا تو نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور اساقفہ جو اپنی اپنی آسمانی کتابیں کھولے بیٹھے تھے اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ بیساختہ نجاشی کی زبان سے یہ نکل گیا ان ھذا الحق اور ایک دوسری روایت ہے کہ نجاشی نے قرآن مجید سن کے کہا خدا کی قسم جو کلام موسےٰ پر نازل ہوا تھا اور یہ کلام یکساں معلوم ہوتا ہے اس کے بعد شاہ حبش نے عمرو بن العاص اور عمارہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے سپرد نہیں کرنے کا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ جب قریش سخت مایوس ہوئے تو عمرو بن العاص نے ان کے آنسو پوچھے کہ دل شکستگی کی کوئی وجہ نہیں ہے کل میں پھر نجاشی کے پاس جاؤں گا اور اس کو ایسا مجبور کرونگا کہ وہ ان لوگوں کو قطعی ہمارے حوالہ کر دے گا مگر عبداللہ بن ربیعہ نے سر ہلایا اور کہا کہ کامیابی ممکن نہیں معلوم ہوتی کیوں خواہ مخواہ اور ذلت گوارا کی مگر عمرو عاص نے نہیں مانا اور وہ ضد کا پورا دوسرے روز پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا۔ مختلف باتیں ہونے کے بعد عمرو عاص کہنے لگا کہ یہ گروہ جس پر آپ نے اتنی مہربانی کی ہے حضرت عیسےٰ کی نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ حضور کا عقیدہ ہے کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسےٰ خدا کا بندہ ہے۔ نجاشی نے یہ سُن کے پھر مسلمانوں کو طلب کیا اور سوال کیا کہ عیسےٰ کی نسبت تمہارا کیسا خیال ہے حضرت جعفر نے جواب دیا کہ جو کچھ خداوند تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کی نسبت فیصلہ کیا ہے وہی ہم لوگ بھی کہتے ہیں چنانچہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ھو عبد اللہ ورسولہ وکلمتہ القاھا الی مریم روح منہ یہ سنتے ہی نجاشی نے چھ پارہ زمین سے اٹھالی اور کہا تم میں اور ہم میں کچھ فرق نہیں ہے۔ مرحبا تمہیں اور اس

شخص کو جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں علانیہ شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسےٰ نے بشارت دی ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے انجیل میں آپ کی صفت مشاہدہ کی ہے۔ تم فارغ البال ہو کر ملک میں رہو کوئی تمہیں آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر ذرا بھی کسی نے چیں چپڑ کی تو میں اُسے کافی سزا دونگا۔ وہ اگر مجھے رشوت میں روپیہ بھی دیں گے جب بھی میں تم میں سے ایک کو بھی اُن کے حوالہ نہیں کرنے کا کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس ملک کو بغیر رشوت کے مجھے عنایت کیا ہے۔ میں کبھی رشوت نہیں لینے کا اور نہ تمہارے خلاف کسی کی بات سنوں گا یہ کہہ کے اُس نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ قریشوں کے ہدیہ کی چیزیں واپس کر دو۔ ہجرت حبشہ کے متعلق یہ بات فروگذاشت نہیں کی جاسکتی کہ مہاجرین میں سے بعض اشخاص یہ غلط افواہ سُن کر کہ قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر لی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے آئے تھے۔ مگر قریب پہنچکر اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو بہ مجبوری کوئی مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لے کر شہر میں آگیا۔ مگر اللہ رے حمیت اسلام و توکل بخدا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہ خیال آیا کہ کیا خدائے عزوجل کو چھوڑ کر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ پس اس پاک اعتقاد نے فوراً ولید بن مغیرہ کو جو ان کی محافظت کا ذمہ دار بنا تھا جا کر کہدیا کہ مجھ کو تیری پناہ کی حاجت نہیں اس اثنار میں ایک مشہور و معروف شاعر نے جسکا نام لبید تھا ایک روز قریش کے مجمع میں اپنا یہ شعر پڑھا ؎

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

یعنے آگاہ ہو کہ خدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے اور ہر ایک نعمت بے شبہ زوال پذیر ہے پس عثمان نے پہلے مصرع کو سُن کر کہا "صَدَقْتَ" یعنے تو نے سچ کہا ہے۔ مگر جب دوسرا مصرع پڑھا تو کہا "كَذَبْتَ" یعنے تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعمائے جنت دائمی اور لازوال ہیں لبید کو بہت سرج ہوا۔ اور اُس نے اہل مجلس کو کہا کہ تمہاری

مجالس کا تو یہ ڈھنگ نہ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے تھا۔ پس ان میں سے ایک نے اُٹھ کر عثمانؓ کے مونہہ پر ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ اُن کی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور ولید نے طنز آکہا کہ کیوں؟ میری پناہ ترک کرنے کا مزا دیکھا؟ جس کا بزرگوار نے یہ ایمان و ایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ میری دوسری آنکھ بھی خدا کے راہ میں طمانچہ کھانے کو حاضر ہے اور خدا کے سوا میں کسی کی پناہ کا محتاج نہیں[1] اور اپنے اس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا۔

یہ تھا جوش اسلام اور یہ تھی صبر کی قوت جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی ہر مسلمان کے اقوال اعمال۔ اور نشست برخاست جزوی اور کلی معاشرت سے اسلام کی صداقت تاباں تھی۔ بچے سے لے کے بوڑھے تک اور فقیر سے لے کے دولت مند تک جو ایک دفعہ دایرۂ اسلام میں آگیا اس نے پھر دوسری طرف کا رخ نہیں کیا

مہاجرین حبشہ کی واپسی

دو مہینے کے بعد حبشہ میں یہ غلط خبر پہنچی کہ حضور انور اور قریش سے مصالحت ہوگئی ہے اس خبر کی دراصل کوئی بھی بنیاد نہ تھی صرف یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور پر حرم کعبہ میں جو ایک بت پرست عرب نے طوفان اٹھایا تھا اور قرآن مجید کی عبارت کے ساتھ اپنا ایک جملہ لات و عزیٰ کی تعریف کا ملا کے لوگوں میں یہ مشہور کردیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کہا ہے اور اس کی مفصل بحث گزشتہ صفحوں میں کرچکے ہیں) اور اس سے مشرکین قریش کو ایک گونا طمانیت ہوگئی تھی اس لئے یہ افواہ حبشہ تک پہنچی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مشرکین قریش میں صلح ہوگئی۔ یہ سُن کے سب مہاجرین واپس چلے آئے۔ یہ لوگ ماہ رجب میں ہجرت

[1] تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۴۴) اور تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۱)

کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور شعبان المکرم اور رمضان المبارک دو مہینے تک حبشہ میں رہے (حضور انور کی نبوت کا یہ پانچواں سال تھا) مگر جب مکہ کی حدود میں پہنچے۔ تو ایک قافلہ سے جو مکہ سے آرہا تھا۔ انہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط ہے۔ قریش مثل سابق کے آمادہ پرخاش ہیں۔ ان مہاجرین نے یہ سن کے باہم مشورہ کیا اور آخر یہ طے پایا کہ جب اتنی دور سے آئے ہیں تو اپنے رشتہ داروں سے بھی مل لیں جو کرے سو ہوئے۔ اس خیال سے وہ مکہ کے اندر داخل ہوئے۔ اور انہوں نے یہ بات طے کر لی تھی کہ اگر قریشوں کی مخالفت کی وہی کیفیت رہی تو ہم پھر حبشہ واپس چلے جائیں گے۔ مہاجرین کے احباب اور رشتہ داروں کو اس کی خبر ہو گئی تھی وہ استقبال کے لئے آگئے تھے۔ اس لئے مہاجر اپنے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ داخل مکہ ہوا۔

قریشوں کی سفارت حبشہ کی ناکامی اور مہاجرین کی خاطر مدارات کی خبروں نے مشرکین کے دلوں میں مخالفت اور غیظ و غضب کی نئی روح پھونک دی تھی اور وہ پہلے سے زیادہ ظلم کرنے لگے۔ جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو مسلمانوں نے دوبارہ ہجرت کرنی چاہی چھٹے سال نبوت دوسری ہجرت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے بعد کم و بیش دو دو چار چار مسلمان مع اپنے بیوی اور بچوں کے روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کی تعداد مع بال بچوں کے ایک سو ایک تک پہنچ گئی۔ اس میں ۸۳ مرد تھے۔ عورتوں میں گیارہ تو قبیلہ قریش کی تھیں اور سات عورتیں دوسرے عربی قبایل سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر چند روز کے بعد ۳۳ مرد آٹھ عورتوں کے ساتھ پھر مکہ واپس چلے آئے ان میں حضرت عثمانؓ غنی اور آپ کی بی بی حضرت رقیہ بھی تھیں اور یہ مہاجر چند روز کے بعد مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے باقی مہاجر کئی سال تک حبشہ ہی میں رہے اور جب تک ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح نہ ہو گیا واپس نہیں آئے۔

(ابو طالب کو حضور انور کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش)

حضور انور کو اگرچہ ابھی ایسا مجبور نہیں کیا گیا تھا کہ آپ بھی اپنے متبعین کے ساتھ

ہجرت کرتے لیکن مخالفوں کی خون آلودہ آنکھیں آپ پر اٹھنے لگی تھیں اور قریش آمادۂ پیکار ہوتے جاتے تھے۔ ابو طالب کا قریشوں کو بہت خیال تھا اور وہ اسی لئے آپ پر براہ راست ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اخیر باہم مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ معزز اور بڑی عمر والوں کی ایک سفارت ابو طالب کے پاس جائے اور انہیں آئندہ خطرے سے آگاہ کر دے پھر جو کچھ ہو کیا جائے۔ اس مشورہ ہونے کے بعد چند آدمیوں کی ایک سفارت ابو طالب کے پاس آئی۔ اس سفارت میں ولید بن المغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل۔ ابو سفیان وغیرہ شریک تھے۔ اور ان لوگوں نے ابو طالب سے یہ کہا "تیرا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور انہیں ہیچ بتاتا ہے۔ اور ہمیں اور ہمارے باپ دادا ؤں کو بیوقوف کہتا ہے۔ اب ہم اس سے پورا انتقام لیں گے۔ تجھے صرف اطلاع کرنے آئے ہیں کہ آیا تو اسکا انتظام کر دیتا ہے یا اسی کا ساتھ دیتا ہے" اس کا جواب ابو طالب نے بہت نرمی اور اخلاق سے بھرا ہوا دیا۔ جواب سُن کے وہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند روز کے بعد وہ پھر ابو طالب کے پاس آئے اور اب کے اُن کا غصہ بہت بڑھا ہوا تھا اور انہوں نے ابو طالب سے یہ کہا "اب ہم صبر نہیں کر سکتے پانی سر سے گذر چکا ہے ہم سے برا بھلا نہیں سنا جاتا کیا تو تو اُس سے علیحدہ ہو جا یا اسکی حمایت پر کمربستہ ہو جا اور پھر اس معاملہ کا فیصلہ بہت اچھی طرح ہو جائے گا" یہ کہہ کے واپس چلے گئے۔ اور اُنہوں نے اس کا کوئی جواب ابو طالب سے سُننا نہ چاہا۔

ابو طالب سخت پریشان ہوئے کہ کیا کریں اگر اپنے قبیلہ سے جدا ہوتے ہیں تو ہو نہیں سکتے اور ساتھ ہی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اپنے بھتیجہ کو تنہا چھوڑ دیں۔ ناچار اسی کشمکش میں انہوں نے حضور کو بلایا اور قریشوں کی ساری باتیں دوہرا کے یہ کہا "اب تم اپنے کو بھی اور مجھے بھی بچاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو مجھ سے اُٹھ نہ سکے" یہ جملہ ابو طالب کا بڑا غضبناک تھا اور اس سے

صاف پایا جاتا تھا کہ ابو طالب اپنے بھتیجہ سے علیحدگی چاہتے ہیں۔ حضور انور کے لئے یہ وقت واقعی بہت نازک تھا کہ آپ کا چچا جس نے آپ کی پرورش کی اور ابھی تک حفاظت کرتا رہا۔ اب آپ سے جدا ہوتا ہے اور تنہا آپ کو کثیر تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں چھوڑتا ہے اس سخت اور خطرناک موقع پر بھی آپ نے اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اور آپ کے عالی ہمت ارادے جوں کے توں قایم رہے آپ نے نہایت پرزور لہجہ میں اپنے چچا کو یہ جواب دیا۔

"اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر اور"
"کرۂ ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور یہ کہیں"
"کہ جو کام میں کرتا ہوں اس سے دست بردار ہو جاؤں"
"تو وہ یاد رکھیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کام"
"نہ ہو جائے جس کے لئے خداوند تعالےٰ نے مجھے بھیجا"
"ہے یا میں اسی نیک کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

یہ زبردست اور مستحکم الفاظ سن کے ابو طالب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور شفقت جوش میں آگئی پھر آپ زار زار رونے لگے۔ حضور انور کو جو جواب دیکے واپس جاتے تھے۔ بلایا اور کہا "اے میرے بھتیجے مجھ سے ناراض ہو کے نہ جا جو کچھ تیری خواہش ہو کر۔ خدا کی قسم کسی صورت سے بھی میں تجھ سے جدا نہیں ہونے کا۔"

حضرت ابو طالب کے پاس مشرکین قریش کی سفارت آنے کے متعلق اور بھی کئی مختلف روایتیں معتبر مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے اور آپ کی زندگی کی امید منقطع ہو گئی تو مشرکین قریش کی ایک جماعت بستر مرگ پر ابو طالب کے پاس آئی اور کہا کہ ہم ایک فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اگر ہماری موجودگی میں ہو جائے تو بہتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے بھتیجہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہمارا یہ معاہدہ کرا دو کہ ہمارے

معبودوں کی نسبت سخت الفاظ استعمال نہ کریں اور نہ ہمارے مذہب پر حملے کریں ہم اس کے مقابل میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت سے دست بردار ہو جائیں گے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں گے اس سے یہ بھی فائدہ ہو گا کہ باہمی کشیدگی بنی رہے گی اور قبایل میں مخالفت نہ ہو گی۔ یہ سُن کے ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور قریشیوں کی اس خواہش کی اطلاع دی۔ حضور نے اس کا جواب یہ دیا کہ صرف ایک لفظ ہے اگر تم (قریشیوں کی طرف خطاب کرکے) زبان اور دل سے کہنے لگو تو کل عرب اور عجم کو فتح کر سکتے ہو۔ اس پر ابو جہل نے جواب دیا "اگر یہ بات ہے تو ہم ایک لفظ نہیں بلکہ دس لفظ کہنے کے لئے موجود ہیں" یہ سُن کے حضور انور نے ارشاد کیا اچھا تو کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور چھوڑ دو جو کچھ تم اس ذات وحدہ لاشریک کے علاوہ پوجتے ہو۔ یہ سن کے وہ غصہ کے مارے کانپ اٹھے اور انہوں نے نہایت تلخ لہجہ میں یہ کہا "کیا تو چاہتا ہے کہ ہم کل معبودوں کے مقابلہ میں صرف ایک ہی معبود پر قناعت کر لیں یہ ایک عجیب بات ہے یہ کہہ کے انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کہا اس شخص (یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم) سے بات نہ کرو یہ اپنی بات پر قایم ہے اس سے کوئی معاہدہ ہونا ممکن نہیں چلو اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر قایم رہو۔ ہمارا اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا اور ہم اس سے سمجھ لیں گے" یہ کہہ کے وہ چلے پھرتے نظر آئے۔ (ہشامی صفحہ ۱۳۶)

اسی کے متعلق ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ جس دن ابو طالب سے یہ جواب و سوال ہوئے تو حضور انور کہیں غائب ہو گئے اور ابو طالب نے ہر جگہ تلاش کرایا لیکن آپ کا پتہ نہ لگا اس پر ابو طالب سخت پریشان ہوئے اور آپ نے تلاش کرنے کے لئے ہاشمیوں میں سے چند نوجوان آدمیوں کو بھیجا کہ جہاں تک تم سے ممکن ہو تلاش کرو اور آپ کا پتہ لگاؤ۔ یہ گروہ روانہ ہوا اور راستہ میں اُسے پتہ لگا کہ حضور انور صفا کے مکان میں محفوظ موجود ہیں

چنانچہ آپ ہاشمیوں کے ساتھ اپنے مکان واپس چلے آئے۔ دوسرے دن ابو طالب کل ہاشمیوں کو جمع کر کے اپنے ساتھ حضور انور کو لے کے کعبہ پہنچے یہاں مشرکین قریش کا ایک گروہ موجود تھا۔ حضور انور کی صورت دیکھتے ہی کل قریشوں نے تلواریں نکال لیں اور آپ کی طرف تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے اس پر ابو طالب نے جوش میں آ کے یہ کہا "خدا کی قسم اگر تم اُسے (یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو) قتل کر ڈالو گے تو تم میں سے پھر ایک شخص بھی زندہ نہیں رہنے کا اور ہماری تمہاری لڑائی ٹھن جائے گی اور جب تک ہم میں سے ایک گروہ ناپید نہ ہو جائے ہم تلوار کو ہاتھ سے نہیں رکھنے کے۔ ان جوشیلے الفاظ سے قریشوں پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ وہ سب وہاں سے رفو چکر ہو گئے اور کسی کو حضور انور پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں پڑی۔ (کاتب الواقدی صفحہ ۳۸)

یہ روایت کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دوسرے معتبر مؤرخوں نے اُسے بیان نہیں کیا اگرچہ ایسا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے لیکن اس روایت پر زیادہ اعتبار کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

یہ صحیح ہے کہ جب تک ابو طالب زندہ رہے کسی مشرک قریش کو یہ جرأت نہیں پڑی کہ آپ پر تلوار سے حملہ کرتا کیونکہ اس بات کا ضرور خوف تھا کہ ہاشمیوں سے انقطاعی جنگ لڑنی پڑے گی۔ لیکن تو بھی آپ کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔

ابو لہب جو آپ کے مکان کے پاس رہتا تھا آپ کا تلخ تر دشمن تھا وہ اکثر آپ پر دُبنے کی اوجھڑیاں نماز پڑھتے وقت پھینک دیتا تھا اور کھانا کھاتے وقت آپ کے کھانے میں ناپاکی ڈال دیتا تھا۔ ایک دن آپ پر دُبنے کی انتڑیاں پھینک دیں۔ ان ناپاک انتڑیوں کا ہار پہنے ہوئے آپ شاہراہ میں نکل آئے اور بآواز بلند کہا کہ ہمسائیگی کا یہی حق ہے کہ ابو لہب ایسا کر رہا ہے اے عبد مناف کی اولاد کیا تمہارے اخلاق ایسے ردی ہو گئے کہ تمہیں ہمسائیگی کا بھی پاس نہیں رہا۔

دو تین صدی تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے مکان کے پاس ایک حجرہ پتھر کا ایسا بنا ہوا دکھائی دیتا تھا جہاں ہمسایوں کی زیادتی اور ظلموں سے حضور انور آکے پناہ لیتے تھے (طبری صفحہ ۷۶)

اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جب آپ کعبہ میں آرہے تھے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو لپٹ گئے اور آپ کی دستار مبارک پر ہاتھ ڈالا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق دلیری سے پاس آکر للکارے۔ افسوس ہے تم لوگوں پر کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالےٰ میرا مالک ہے یہ ایسا پُر اثر نعرہ تھا کہ قریش حضور انور کو چھوڑ کے چلدیئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر سے خوب لڑائی ہوئی اور آپکی ریش مبارک کی مشرکین نے سخت توہین کی اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ ام کلثوم نے آپ کے سر پہ لکڑی کا ایک گہرا زخم دیکھا جس سے خون بہ رہا تھا (ہاشمی صفحہ ۷۷ طبری صفحہ ۱۳۱)

چھٹے سال نبوت حضرت امیر حمزہ آپ کے چچا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں میں جان پڑ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق ہم اپنی سیرت کے گذشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں مگر یہاں حضرت امیر حمزہ کے اسلام لانے کے متعلق مختصر طور پر لکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر حمزہ کا مسلمان ہونا

سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کے ایمان لانے کی کیفیت راویوں نے مختلف الفاظ میں بیان کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم صفا کی کوہ صفا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل کا اس طرف گذر ہوا اس بدنصیب کے دل میں چونکہ شافع روز محشر کی طرف سے عداوت بھری ہوئی تھی اس لئے اس نے خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کیں مگر حضور انور نے اس کے سب و شتم پر مطلق توجہ نہ فرمائی اور آپ نہایت صبر سے

اس کی گالیاں سنتے رہے۔ یہ ساری کیفیت عبداللہ بن جدعان کی لونڈی کو وصفا پر سے دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت امیر حمزہ شکار سے واپس آئے اور آپ کی یہ عادت تھی کہ شکار زیادہ کھیلا کرتے تھے اور شکار سے واپس آکے طواف کعبہ کیا کرتے تھے کعبہ میں آئے تو جاریہ مذکور نے آپ سے یہ سرگذشت بیان کی۔ یہ سن کے حضرت امیر حمزہ کو بہت غصہ آیا اور آپ سیدھے ابوجہل کی طرف روانہ ہوئے اور باآواز بلند کہا کہ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ابوجہل سے اس کی تعدی اور بدزبانی کا انتقام نہ لوں۔ مگر آپ پہلے حضرت خاتم النبیین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد تمہارا چچا آیا ہے تاکہ تمہارے دشمن سے اس کے مظالم کا بدلہ لے حضور انور نے ارشاد کیا ایسے شخص سے کیوں سروکار رکھتے ہو جس کا نہ کوئی چچا ہے، نہ باپ نہ ماں، نہ معاون نہ نصیر نہ کارگذار نہ وزیر۔ اس پر امیر حمزہ نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کے کہا میں تو صرف آپکی نصرت ومعاونت کے لئے آیا ہوں۔ حضور انور نے جواب دیا کہ اے چچا جان حمزہ اگر تم کافروں کو اسقدر قتل کرو کہ گھٹنوں گھٹنوں خون ہو جائے پھر بھی حضرت احدیت سے دوری رہے گی۔ جب تک تم دل اور زبان سے یہ نہ کہو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ سن کے حضرت امیر حمزہ ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور وہاں سے مجمع قریش میں روانہ ہوئے ابوجہل بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا آپ غصہ سے اسپر جھپٹے اور ایسا حملہ کیا کہ سات جگہ سے اس کا سر پاش پاش ہوگیا اور علانیہ کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ اول ابوجہل کا سر توڑا اور پھر حضور انور کی خدمت میں آکے مشرف باسلام ہوئے۔ (ہشامی صفحہ ۷۸۔ طبری صفحہ ۱۳۵۔ کاتب الواقدی صفحہ ۱۷۹)

حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے حضور انور اور جملہ مسلمین بہت خوش ہوئے۔ ان دونوں صحابہ میں جسمانی قوت کیساتھ حد درجہ دلیری اور قوت تھی اور انکا اثر ان کی بہادری اور بیجگری کی وجہ سے

مکہ میں بہت تھا۔ حضرت حمزہ نے مسلمان ہوکے وہ وہ شجاعت دکھائی کہ اسلامی مورخ یک زبان ہوکر آپ کو شیر خدا کا لقب دیتے ہیں۔ حضرت عمر ایسے پچھتیارے جوان تھے کہ جب آپ بھیڑ میں چلتے یا کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ کیونکہ آپ کی گردن کل آدمیوں سے نکلی رہتی تھی۔ نہایت مضبوط ہاتھ پیر کے اور خوشرو جوان تھے۔ آپ کی رنگت سرخ و سفید تھی آپ ابتدا میں بہت تیز مزاج اور غصیلے تھے لیکن قرآن مجید کا کوئی جملہ سن کے آناً فاناً میں آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں تو آپ کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی آپ جنگ الفجار سے چار برس پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضور انور کی نبوت کے چھٹے سال بماہ ذالحجہ آپ مسلمان ہوئے۔ کل مورخ یک زبان ہیں کہ اشاعت اسلام آپ ہی کے مسلمان ہونے سے شروع ہوئی اور اسلام کا وعظ علے الاعلان ہونے لگا۔ دنیا میں اسلام پھیلانے کے آپ ہی بہت بڑے مؤید ہیں اس وقت دنیا کی جو آبادی میں اسلام پھیلا ہوا ہے یہ سب آپ ہی کا صدقہ ہے

آپ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور انور نے ارقم کے مکان کو چھوڑ دیا۔ ابھی تک مسلمان چھپ چھپ کے اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے مگر فاروق اعظم کے مسلمان ہوتے ہی جماعت کے ساتھ کعبہ میں اور کعبہ کے باہر ڈھڑا کے سے نمازیں ہونے لگیں (کاتب الواقدی صفحہ ۲۳۲۔ ہشامی صفحات ۱۰۸ و ۱۰۵)

اس سے قریشوں میں مزید بے چینی پیدا ہوگئی اور ان کے غصہ کی آگ اور زیادہ بھڑکنی شروع ہوئی۔ ان کا غصہ بھی ضرور نبیاد رکھتا تھا اول تو سفارت حبش کی ناکامی نے انہیں جلا کے خاک کر دیا تھا اُن کا ہزار ہا روپیہ کا مال جو بطور تحفہ شاہ حبش کو بھیجا گیا تھا وہ بالکل بیکار رہا۔ دوسرے مسلمانوں کی آؤ بھگت جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں دیکھی اس سے اور بھی ان کا دل ٹوٹ گیا۔ انہیں یہ بھی خوف ہوا کہ اگر نجاشی نے فوج سے مسلمانوں کی مدد کی اور مکہ پر قبضہ کر لیا تو لات عزے کی کیا گت بنے گی۔ دوسرے انہیں یہ دہشت تھی کہ آج تک [illegible]

گروہ بہت کمزور ہے اور جبکہ روز بروز یہ بڑھتا جاتا ہے اور با اثر شہری مسلمان ہوتے جاتے ہیں۔ قوت پکڑنے پر یہ کہیں مکہ پر خود تسلط نہ کر بیٹھیں آخر ان باتوں سے دہشت کھا کے انہوں نے پہلی ترکیب تو یہ کی کہ تمام تمدنی تعلقات مسلمانوں سے قطع کر لئے۔ لین دین شادی بیاہ آمد و رفت سب چھوڑ دی۔ ابو طالب مع اپنے بھائیوں کے ابھی تک برحضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دیتے چلے جاتے تھے (صرف ابو لہب علیحدہ تھا) نہ صرف بھائی بلکہ ہاشم کے خاندان کا بچہ بچہ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو کچھ نہ کچھ تائید حضور رسالت پناہی کی ضرور کرتا رہتا تھا۔ اب بنی ہاشم تو ایک طرف تھے اور باقی عربی قبایل ایک طرف (اس صورت سے تمدنی کشمکش دونوں میں پیدا ہوئی۔ آخر ایک دن سوائے بنی ہاشم کے کل قریش کعبہ میں جمع ہوئے۔ ایک طوفان خیز جلسہ میں یہ تجویزیں منظور کی گئیں "کہ نہ ہم بنی ہاشم کی لڑکیوں کو بیاہیں اور نہ اپنی لڑکیاں انہیں دیں نہ ان کے ہاتھ چیز فروخت کریں اور نہ ان سے خریدیں۔ غرض ہر قسم کا لین دین اور آمد و رفت ان سے مطلقاً بند کر دینی چاہیئے" یہ پاس شدہ تجویزیں لکھ لی گئیں اور سب کی اس پر مہریں ہو گئیں۔ پھر وہ نوشتہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا اور اس طرح ان قبائل کے عہد نامہ کی تعمیل ہوئی۔

یہ سن کے حضرت ابو طالب نے بھی کل بنی ہاشم کو اپنے گھر میں مدعو کیا اور ان سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے بھائی محمد کے خلاف کل قریشوں نے اتفاق کر لیا ہے اب تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا ہم بدل و جان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں اس پر ابو طالب نے خاندان بنی ہاشم کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھا جو ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے قصیدہ کا مختصر مضمون حضور انور کی شرافت نسبی اور حسبی اور عادات و اطوار کے بیان میں ہے اور ساتھ ہی خاندان کے متعلق کچھ تذکرہ ہے۔ خدا کی شان دیکھئے جس شخص نے قبائل قریش کا عہد نامہ لکھا تھا کہ بنی ہاشم کے ساتھ وا دوستد بند کر دو اور اسی نے اس عہد نامہ

کو کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا تھا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا ہشامی نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے مگر واقدی نے اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عہد نامہ ہوا اور اس پر مہریں کی گئیں۔ مگر کعبہ کے دروازہ پر نہیں لٹکایا گیا بلکہ ابوجہل کی حفاظت میں رکھا گیا۔ یہ کچھ بڑا اختلاف نہیں ہے مگر تو بھی واقدی کی روایت کے متعلق کلام ہے کیونکہ اہل مکہ میں یہ دستور تھا کہ ہر ایک ایسی چیز کو جو دوسرے کے مقابلہ میں ہوتی تھی اور جس کا اشتہار دینا مقصود ہوتا تھا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض قصائد کے آویزاں کرنے سے پایا جاتا ہے اس لئے واقدی کی روایت زیادہ قابل وثوق نہیں معلوم ہوتی۔

بنی ہاشم کی سرافگندگی

الغرض بنی ہاشم نے قبائل قریش کے مقابل میں اتحاد قائم کر لیا لیکن پھر بھی وہ سخت خائف تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور انہیں خوف تھا کہ میادا کل مجتمع ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ کل تعلقات کے قطع ہو جانے سے دشمنی اور بھی بڑھ گئی تھی اور بنی ہاشم کو ہر وقت حملہ کا خوف رہنے لگا تھا۔ آخر سب نے متفق ہو کے شعب ابوطالب میں جا کے پناہ لی۔ اس مقام کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ اور مکہ کی مشرق کی جانب واقع تھا۔ یہاں سے شہر میں جانے کا راستہ ایسا تنگ تھا کہ ایک اونٹ بہ مشکل نکل سکتا تھا۔

نبوت کے ساتویں سال کے پہلے مہینہ اور پہلی شب میں بنی ہاشم حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے اسوقت عبدالمطلب کے خاندان کے کل لوگ ان کے ہمراہ تھے صرف ابولہب باقی رہ گیا تھا جو فریق مخالف کے ساتھ رہا۔ اور بنی ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں نہ آیا۔ اب قریش کے معاہدہ پر بہت شدت سے عمل درآمد ہونے لگا [illegible] زندگی کی دوسری چیزیں [illegible] ہونی تقریباً بند کر دی گئیں۔

ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنا علیحدہ ایک کاروان بھیج کے دوسری جگہ سے چیزیں خرید لاتے اس کے علاوہ قریشوں نے یہ ظلم کر رکھا تھا کہ باہر سے جو تاجر آتے تھے اُنہیں منع کر دیتے تھے کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرنا اور اگر بیچ بھی تو گنی چوگنی قیمت پر فروخت کرنا جسے وہ نہ لے سکیں شعب میں سے ایک بچہ بھی باہر نہیں نکلتا تھا ہاں حج کے دنوں میں جبکہ کوئی جھگڑا فساد نہ ہوتا تھا یہ لوگ باہر نکلتے تھے اور حضور انور ﷺ اپنے صحابہ کے آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر تشریف لیجاتے تھے۔ دو تین سال تک یہی کیفیت رہی اور فریقین کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی۔ آخر ہوتے ہوتے نبی ہاشم کی حالت سخت زبوں ہوگئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے چیخنے اور رونے کی آوازیں گھاٹی میں سے سنائی دینے لگیں جو بھوک سے اپنی ماؤں کی گودیوں میں تڑپ تڑپ کے بلبلا رہے تھے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو عربوں کے سنگین دل بھی پسیجے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ ان بیچارے بچوں نے کیا قصور کیا جو ان پر اتنی سختی کی جاتی ہے۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو چند قریشوں نے چوری چھپے ان مصیبت زدہ پناہ گیروں کے لئے شعب ابو طالب میں کھانا وغیرہ پہنچانا شروع کیا اور ہشام بن عمرو نے تو کمال کیا کہ غلّہ کا ایک اونٹ بھرا ہوا گھاٹی کے اندر پہنچا دیا۔ اسی طرح حاکم خویلد کے پوتے نے بہت کچھ سامان خورد و نوش بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے لئے وقتاً فوقتاً روانہ کیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حاکم ایک بوری غلّہ کی غلام کے سر پر رکھے ہوئے شعب ابو طالب کی طرف جا رہا تھا کہ ابو جہل راستہ میں ملا۔ اور پوچھا یہ غلّہ کہاں لے جاتے ہو حاکم کچھ پس و پیش کرنے لگا اس پر ابو جہل نے غضبناک ہو کر کہا یاد رکھنا اگر تم نے ایسی حرکت کی تو مکّہ میں ہزار آدمیوں کے سامنے بے عزت کروں گا۔ اتنے میں ابو بختری آ گئے اور انہوں نے بمشکل ابو جہل کو ٹھنڈا کیا اور کہا تو نہیں سمجھتا کہ حاکم اور خدیجہ میں کیا رشتہ ہے قرابتی طور پر

اس کا فرض ہے کہ یہ خدیجہ کی مدد کرے کچھ دیر ابوجہل خاموش رہا مگر جب حاکم چلنے لگا تو اُسے پھر جذبہ آگیا وہ حاکم پر دوڑ پڑا دونوں کی پھینا جھپٹی ہونے لگی۔ آخر گھوسے اور لاتیں مار کر ابوجہل کو بھگا دیا اور آپ سامان لے کے چلتا بنا (ہشامی صفحہ ۱۰۹)

اس پناہ گزینی کے زمانہ میں اشاعت اسلام کچھ بھی نہیں ہوئی اور ہو کیونکر سکتی جبکہ باہر نکلنا اور وعظ و پند سب بند ہو چکی تھی۔ ہاں یہ حضور انور ضرور کیا کرتے کہ جو لوگ وہاں موجود تھے اُن کے آگے روزمرہ وعظ فرما دیا کرتے تھے وہ پاک اور بے لوث نفس اس سختی میں بھی خدا کے کام میں ہمہ تن مصروف تھا اور کوئی لمحہ یاد خدا سے غافل نہ تھا۔ یہ سخت آزمایش کا وقت تھا اور ایسا وقت تھا کہ خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں معصوم بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا۔ بیکس عورتوں کا سخت مایوسی کے عالم میں اپنے بے پناہ اور مجبور شوہروں اور بھائیوں پر نظر ڈالنا ایک قہر آلودہ نقشہ تھا جو آنکھوں کے آگے پھر رہا تھا۔ اس پر بھی آپ کا ثابت قدم رہنا اور اپنا فرض نبوت ادا کرتے رہنا ایک عجیب معاملہ ہے جس کی تہ تک روحانی مبصر پہنچ سکتے ہیں۔

ہاں زمانہ حج میں تلقین نبوت کرنے کے لئے حضور انور کے آگے میدان کھل جاتا تھا۔ قومی لڑائیاں اور جھگڑے سب بند ہو جاتے تھے اور کسی شخص میں کسی کی مخالفت کرنے کا یارا نہ ہوتا تھا۔ اس وقت آپ آزادی سے باہر نکلتے اور خوب وعظ فرماتے۔ نئے قبایل مکہ میں آتے تھے آپ انہیں ازادی سے خدا کا کلام سناتے تھے۔ مگر ابوجہل۔ نضر بن الحارث عاص بن وایل۔ عقبہ بن ابی معیط اور اسی طرح اور لوگ ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہکانے میں نہ آنا۔ ابوطالب ہر وقت اپنی طب کی نگرانی میں مصروف رہتے تھے اور انہیں خوف تھا مبادا کسی وقت قریش اندر آکے حملہ کر دیں آپ یہ بھی کرتے تھے کہ جس جگہ

حضور انور آرام فرماتے تھے برہنہ تلوار سے شب کو پہرہ دیتے تھے کہ کوئی مشرک اندر آکے حملہ نہ کر بیٹھے۔

جب پانی سر سے گذر گیا اور مصیبت انتہا پر پہنچ گئی تو ہشام بن عمرو بن الحارث جس کا باپ اپنی ماں کی طرف سے فضل بن ہاشم بن عبد مناف بھائی ہیر بن اُمیہ مخزومی کے پاس گیا اور کہا انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ تو تو لذیذ لذیذ کھانے کھائے اور خوشگوار ٹھنڈا پانی پیئے اور عیش سے اپنی زندگی بسر کرے اور تیرے بھائی بند فاقوں کی تکلیف سے تڑپیں اور دن رات آہ وزاری میں گذاردیں۔ تجھے تو یہ ہرگز شایاں نہیں ہے۔ زہیر نے جواب دیا میں تنہا عہد نامہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا ہاں دو شخص اور بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عہد نامہ کو جو قریش میں ہوا ہے توڑ ڈالوں گا۔ ہشام نے کہا ایک شخص تو موجود ہے۔ زہیر نے کہا وہ کہاں ہے ہشام نے اپنی طرف اشارہ کیا زہیر نے کہا اچھا تیسرے شخص کو اور تلاش کر۔ پس اُن کے ہشام مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ تو اس بات سے راضی ہے کہ دو بطن بنی عبد مناف میں سے تو فاقہ کشی میں ہلاک ہوں اور تو آنکھوں سے دیکھے اور پھر اُن کی مخالفت میں قریشوں کے ساتھ موافقت کئے جائے۔ مطعم نے جواب دیا کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں ہشام نے کہا گھبرانا کیوں ہے میں اس کام میں تیرے ساتھ ہوں۔ مطعم نے کہا ایک اور شخص کی بھی ضرورت ہے۔ ہشام بولا زہیر کو بھی اپنے ساتھ سمجھ لو۔ مطعم نے پھر یہ کہا کہ چوتھا آدمی اور بھی ہونا چاہیئے۔ یہ سنتے ہی ہشام ابو البختری کے پاس آیا اور اسی طرح کے غیرت دلانے والے کلمے اُس سے کہے۔ ابو البختری نے دریافت کیا تیرا ہمزبان کون کون ہے۔ ہشام نے یہ سن کے نام گنوا دیئے۔ اس پر اس نے کہا اور کوئی بھی اگر ہمارا شریک ہو جائے تو بہتر ہے۔ ہشام پھر ربیعہ بن الاسود بن مطلب بن عبد المطلبی کے پاس گیا اور اسی قسم کی باتیں کیں۔ ربیعہ نے بھی یہی دریافت کیا کہ اور کوئی بھی ہمارے ساتھ اس معاملہ میں موافق ہے۔ ہشام نے

سب کے نام بتا دیئے۔ آخر یہ مشورہ ٹھیرا کہ شب کو سب ایک جگہ جمع ہوں اور نقض عہد کے لئے بیان کریں۔ یہ باتیں کر کے ہشام چلے آئے۔ شب کو پانچوں آدمی جمع ہوئے۔ بہت گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ علے الصباح وثیقہ قاطع کو قطع کر دینا چاہیئے زہیر نے کہا کہ قطع کرنے کی ترکیب یہ بہتر ہوگی کہ میں صبح کو مجلس قریش میں یہ ذکر چھیڑوں گا۔ اور پھر تم سب میری مدد کرنا اور فوراً تائید شروع کر دینا۔ یہ مشورہ کر کے سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

علے الصباح طواف کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد زہیر نے قریشیوں سے کہا اے اہل مکہ کیا یہ مناسب ہے کہ ہم فارغ البال زندگی بسر کریں۔ لذیذ لذیذ کھانے کھائیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور مشرت کے قدحے اڑائیں اور ہمارے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب اپنے بال بچوں کے ساتھ غسرت و ملال سے زندگانی گذرانیں اور گرسنگی کی شدت سے ہلاک ہوئے چلے جائیں۔ خدا کی قسم ہم نخفیت ہو کے نہیں بیٹھنے کے۔ جب تک اس صحیفہ قاطعہ ظالمہ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ اڑا دیں گے۔ زہیر یہ کہہ رہا تھا کہ مسجد الحرام کے گوشہ میں سے ابوجہل کڑک کے بولا تو جھوٹا ہے اور صحیفہ کو پارہ پارہ نہیں کر سکتا۔ یہ سنتے ہی ربیعہ بن الاسود بولا واللہ تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے ہم تو اس صحیفہ کی تحریر کے وقت اسکے مضمون سے راضی نہیں تھے۔ پھر ابوالبختری نے کہا خدا کی قسم کہ ربیعہ نے بالکل سچ کہا اسلئے جو کچھ صحیفہ میں لکھا گیا ہے ہماری مرضی کے بالکل خلاف ہے اس پر مطعم بن عدی نے کہا کہ ربیعہ اور ابوالبختری اپنے اپنے قول میں سچے ہیں اور جو شخص اس کے علاوہ کہے وہ بالکل جھوٹا ہے پھر ہشام بن عمرو نے اپنے دوستوں کے اقوال کی تصدیق کی پھر تو کیا تھا بہت سے قریشی انکے جانب دار بن گئے۔ ابوجہل یہ کیفیت دیکھ کے گھبرایا اس نے کہا اچھا تو اس کا فیصلہ ہی کر لیا جائے۔

مخبر مورخوں کے بیان کے بموجب قریشیوں میں اس امر کے متعلق باہم

جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابو طالب نے یہ شور و غل شعب میں سے سنا آپ چند رشتہ داروں کے ساتھ قریشیوں کے مجمع میں چلے آئے۔ مشرکین قریش یہ سمجھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حمایت سے دل تنگ ہو کے یہ یہاں آئے ہیں۔ سب نے بہت تعظیم و تکریم کی اور کہنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قتل کر ڈالنا بہتر ہے کیونکہ ہماری تمہاری خیر اسی میں ہے۔ ابو طالب نے جواب دیا کہ میں تو تمہارے پاس ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو صحیفہ ہماری مخالفت میں لکھا گیا ہے اُسے یہاں لے آؤ۔ ابو جہل سمجھا یہ صحیفہ اس لئے منگاتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کر کے اس جھگڑے کو چکا دیں گے۔ چنانچہ وہ صحیفہ لایا گیا۔ ابو طالب نے اس صحیفہ کے کھلنے سے پہلے یہ کہا کہ اے قوم یہ صحیفہ تمہارا مہری ہے جواب ملا ہاں ہمارا مہری ہے۔ ابو طالب کہنے لگے کہ خداوند تعالےٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر دی ہے کہ جو کچھ جور و ستم و قطع صلہ رحم کے متعلق اس میں لکھا تھا اس کو تو سب جھینگر چاٹ گئے صرف اس میں خدا کا نام باقی رہ گیا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس خبر میں سچے ہیں تو اُن کی تکذیب کرنے سے کیا حاصل اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبر صحیح نہیں دی تو میں اُنہیں تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں جو تمہارا جی چاہے گا اُن کے ساتھ سلوک کرنا۔ یہ سُن کے قریش خوش ہو گئے اور اُنہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ جب یہ طے پا گیا تو وہ صحیفہ کھولا گیا۔ اس میں سوائے کلمہ باسمک اللھم کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھتے ہی قریش سخت شرمندہ ہوئے اور سب نے اپنے گریبان میں منہ ڈال دیا۔ مگر ابو جہل اس بین معجزہ پر بھی اسی طرح مخالفت کئے گیا اور اپنی سرکشی پر تلا رہا۔ اس کے بعد ابو طالب کعبہ میں آئے اور مشرکین قریش پر لعنت ملامت کی اور کل رشتہ داروں کے ساتھ شعب میں چلے آئے۔ پھر کیا تھا ان پانچ آدمیوں کی بن آئی۔ جنہوں نے شب کو مشورہ کیا تھا۔ مطعم نے اس صحیفہ کو ہاتھ میں لیکر پھاڑ ڈالا اور کہا ہم تو اول ہی اس سے بیزار تھے۔ صحیفہ کے پارہ پارہ ہوتے ہی مخالف شعب میں آئے اور لوگوں کو انکے مکانوں پر جانے کی اجازت دی۔

دوسرا باب

نبوت کے دسویں سال سے ہجرت تک

یعنی

حضور انور کے پچاس سال کی عمر سے ترپن سال کی عمر تک کے حالات

جب قریشوں کے معاہدہ کو دیمک کھا گئی اور قریش شرمندہ ہوئے تو تمدنی تعلقات پھر جوں کے توں بن گئے اور اب حضور انور کے ساتھی باآرام اپنی زندگی گذارنے لگے حضور انور کو بھی گونا اطمینان ہوا کہ بھوکے بچوں کے غل اور شور کی آوازیں بند ہوگئیں۔ مگر قدرت ابھی اس سے بھی زیادہ شدید آزمائش کا سامان کر رہی تھی اور حضور انور عنقریب اس آزمائش میں آنے والے تھے آپ کی نبوت کا دسواں سال ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ آپ کی مددگار رسمی رفیق اور چاچی بی بی کی وفات ہوگئی اور پھر چند ہفتے کے بعد حضرت ابوطالب بھی دنیا سے سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ان دونوں کی وفات کی تاریخ میں مورخوں کا اختلاف ہے۔

کاتب الواقدی اپنی کتاب صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ ابوطالب کے ایک مہینہ اور پانچ دن بعد بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہوا۔ ایک اور مورخ نے بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا مہینہ رمضان لکھا ہے۔ (دسمبر ۶۱۹ء) اور ابوطالب کی وفات شوال میں بیان کرتا ہے یوروپی مورخ اسپرنگر کو غلطی ہوئی ہے وہ کہتا ہے پہلے ابوطالب کا انتقال ہوا پھر خدیجہ کا۔

کاتب الواقدی میں ابوطالب کے بیمار ہونے کا بیان ہے جو وسط شوال میں ہوئے تھے اور یہ بات بایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ دونوں وفاتیں تیس پینتیس دن کے عرصہ میں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔

بلاشبہ حضرت بی بی خدیجہ کی وفات نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معصوم دل پر بہت صدمہ دیا اس بے نظیر اور محبتی بی بی نے پچیس سال تک

حضور انور اپنے شوہر کی معاونت کی اور ہر بات کی تائید کرتی رہیں اس وقت کوئی بھی معاون اور مددگار گھر میں نہ رہا تھا لیکن سچے ہمدرد سے خالی تھی مگر آسمان پر خالق ارض و سما حضور انور کا حامی موجود تھا۔ حضرت بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی تھی۔ کہ آپ اپنی مادر مہربان سے جدا ہوئیں ایسے مصیبت کے وقت میں ماں کی آغوش محبت سے علیحدہ ہونا ایک قہرناک امر تھا۔ حضور انور نے چاہا کہ حضرت علی سے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کر دیں وقت وفات بی بی خدیجہ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ حالانکہ عرب میں کثرت ازدواج کا قاعدہ جاری تھا لیکن حضور نے کبھی بی بی خدیجہ کی زندگی میں دوسرے نکاح کا نام نہیں لیا اس وقت آپ کو دوسرے نکاح کی ضرورت تھی۔ کیونکہ نکاح کرنے کا کوئی سیاسی پہلو نہ تھا۔ مگر بعد ازاں جتنے نکاح آپ نے کئے وہ سب اصول سیاست پر مبنی تھے

ابو طالب کی اسی سال کی عمر تھی جب آپ کی وفات ہوئی ہے آپ نے بحالت کفر وفات پائی لیکن جس طرح مرنے دم تک آپ نے حضور انور کی مدد کی اس کی مثال دنیا میں نہیں ہے۔ کاتب الواقدی نے اپنی کتاب صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے کہ جس وقت ابو طالب کی وفات ہونے لگی ہے تو حضور انور آپکے پاس تشریف لائے اور کہا چچا جان اب اخیر وقت ہے آپ کلمہ طیبہ اسلام پڑھ لیں۔ اس کا جواب ابو طالب نے دیا کہ میں مسلمان تو کبھی کا ہو گیا ہوتا لیکن اپنے خاندان اور آبائی مذہب کی وجہ سے میں مسلمان نہیں ہوا۔ یہ سن کے آپ خاموش ہو رہے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ کوئی شخص اپنے سچے مربی کو بستر مرگ پر دیکھ اپنی حالت میں نہیں رہ سکتا مگر حضور انور کا استقلال اور شجاعت دیکھنی چاہیئے کہ ایسے نازک وقت میں تبلیغ اسلام سے درگزر نہ کی۔ اور آپ اپنا فرض نہایت سرگرمی سے ادا کرتے رہے۔ اس سے زیادہ صداقت کی دلیل اور ہو نہیں سکتی۔ شاباش ہے ابو طالب کو کہ مرتے دم بھی اپنے بھتیجہ کی حفاظت اور حمایت کا خیال رکھا جب آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بلایا اور اس بات کی سفارش کی

کہ جہاں تک تم سے ہو سکے میرے بھتیجہ کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ بس یہی سفارش کرتے کرتے آپ کی روح پرواز کر گئی۔ دم نکلتے ہی آپ کے بستر کے گرد شور برپا ہوا حضور انور کی مبارک آنکھوں سے برابر آنسو ٹپک رہے تھے آپ نے اسی وقت کی حالت میں اپنے چچا کے لئے بخشش اور ابدی نجات کی دعا مانگی۔ ممکن روح القدس نے خبر دی کہ آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہونے کی۔ کیونکہ ابو طالب کی وفات حالت شرک میں ہوئی ہے۔

جب تک ابو طالب زندہ رہے کسی مشرک قریش کی یہ مجال نہ ہوئی کہ حضور انور پر دست درازی کرتا اگرچہ تکلیف دینے اور ستانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر جان لینے کا خیال کسی کو نہیں آیا۔ اب کوئی ایسا معزز اور محترم محافظ نہ رہا تھا کہ آپکی حفاظت کرتا آپ کی تجہیز و تکفین حضور کی ہدایت کے بموجب حضرت علی نے کی۔ آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ تم اپنے ابا جان کو نہلاؤ۔ اور کفن دو۔ چنانچہ حضرت علی نے تعمیل ارشاد کی اور انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کے دفن کر دیا لیکن یہ روایت کچھ ضعیف سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا جس کا اتنا بڑا کنبہ ہو اور جسکے بکثرت بھائی بند موجود ہوں۔ وہاں صرف حضرت علی نہلانے دھلانے اور کفنانے کے لئے چھوڑ دیے جائیں اور کوئی آکے بات تک نہ پوچھے۔

غرض جب ابو طالب کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو حضور اپنی قیام گاہ میں رہنے لگے اور اب آپ نے باہر نکلنا بھی بہت کم کر دیا۔ ابو لہب نے جب یہ دیکھا کہ بھتیجہ کو بہت صدمہ ہے اور اب کوئی اس کا محافظ نہیں رہا تو اس کے دل پر اس کا اثر ہوا۔ وہ بھاگا ہوا حضور انور کے پاس آیا اور کہا "اگرچہ ابو طالب ہم میں نہیں ہیں لیکن تم یہ نہ خیال کرنا کہ کوئی تمہارا محافظ نہیں رہا۔ جس طرح تم ابو طالب کی زندگی میں بے خوف و خطر رہتے اب بھی اسی طرح ہو۔ کسی کی مجال نہیں جو تمہاری طرف آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنے کا" ابو لہب یہ کہہ کے چلا گیا مگر بعد ازاں مشرکین قریش کے

زور سے وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہا۔ اور اپنے معصوم بھتیجہ کی اسی طرح مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔

حضور انور کے لئے بہت نازک زمانہ

اب حضور انور کی حالت روز بروز نازک ہوتی گئی۔ اور وہ وقت آگیا کہ کیا تو آپ اپنے دعوے نبوت سے دست بردار ہوں یا قریشوں کے ساتھ دست بدست جنگ کریں۔ اور اس جھگڑے میں کیا تو اسلام بت پرستی کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کے پھینک دے۔ یا اسلام مغلوب ہو جائے اگرچہ آپ کے صحابہ ہر وقت آپ پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ لیکن ہزار ہا جنگجو قریشوں کے مقابلہ میں مٹھی بھر آدمی کیا کر سکتے تھے۔ نئے مذہب نے مکہ میں ابھی تک قدم نہیں جمائے تھے تین چار سال گزر چکے تھے کہ امیر حمزہ اور حضرت عمر فاروق کے مسلمان ہونے کے بعد ایک متنفس بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مایوسیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ایک دیکھنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ بس اسلام اسی چار دیواری میں مٹ مٹا کے رہ جائے گا۔

اب حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چاروں طرف نظر کی اور اپنی اور اپنے صحابہ کی حالت کو اچھی طرح دیکھا اور سب کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے اخیر یہ رائے ملے پائی کہ طائف چلنا چاہیئے (اس کا فاصلہ جانب مشرق مکہ سے ساٹھ یا ستر میل ہے) شاید مکہ والوں کا دل میری غیر موجودگی میں کچھ پسیجے اور وہ سمجھیں کہ ان کی مخالفت بے بنیاد ہے اس کے علاوہ جب اہل مکہ نے خدا کے کلام سننے سے انکار کر دیا تو اہل طائف کو کلام خدا کیوں نہ سنایا جائے۔ ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں یہ زبردست استقلال تھا جو روز ازل سے حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طبیعت میں ودیعت ہوا تھا۔

ابو طالب کے انتقال کو زیادہ سے زیادہ پندرہ روز گذرے تھے کہ حضور انور

اپنے غلام زید کو ساتھ لے کے مکہ سے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ اب اس میں اختلاف ہے۔ ہشامی (صفحہ ۱۳۶) اور طبری (صفحہ ۱۴۵) کا تو یہ بیان ہے کہ آپ تنہا طائف تشریف لے گئے تھے۔ لیکن کاتب الواقدی (صفحہ ۴۰۲) لکھتا ہے کہ میں آپ کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا۔ آپ شوال کے آخری دنوں میں روانہ ہوئے تھے۔

حضور انور نے سات دن تک تو زائروں کے راستہ سے سفر طے کیا اور پھر آپ ویران چٹانوں سے نیچے اُتر کے قریب قریب پچاس میل بے آب و دانہ صحرا میں قدم زن ہوئے۔ آخر اتنی مسافت طے ہونے کے بعد طائف کے شاداب باغات نظر پڑے جن سے کسی قدر طبیعت کو تازگی ہوئی۔ رستہ میں آپ بنی بکر و ہذیل قبائل کے پاس قیام کرتے گئے اور انہیں سچے دین کا وعظ سناتے گئے مگر ان قبیلوں میں سے ایک متنفس نے بھی اپنی خوش قسمتی کا اظہار نہ کیا۔ اور سچے دین کی دعوت قبول نہ کی حضور انور اپنا فرض پورا کرکے آگے بڑھے اور اہل طائف اور قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔

حضور انور جب طائف پہنچے ہیں تو آپ نے وہاں دس روز قیام فرمایا اکثر لوگ آپ کے پاس چلے آتے تھے مگر دعوت اسلام قبول کرنے میں عذر کرتے تھے آپ انہیں ہر چند نصیحت فرماتے تھے مگر سوائے انکار کے وہاں کچھ نہ تھا۔ اگرچہ لوگ حضور انور سے ناواقف نہ تھے اور مکہ میں زمانہ حج میں آپ کے وعظ وغیرہ سن چکے تھے مگر اسلام کی طرف رجوع کرنا اپنے قومی غرور اور عظمت کے منافی خیال کرتے تھے۔ زمانہ دراز سے اہل طائف اور اہل قریش میں کشیدگی چلی آتی تھی۔ اہل طائف کے بت کا نام لات تھا۔ جس کو وہ بڑی قدرت والا جانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اہل قریش کے کل بتوں سے زیادہ قوی ہے اس کشش کی وجہ سے اہل طائف سمجھتے تھے کہ قریش کی قوم کا ایک شخص کیوں ہم سے اطاعت کرانی چاہتا ہے۔ اس لئے انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ایسے دین کو سلام ہے جس میں قریشوں کی اطاعت کرنی پڑے۔ حضور انور اب ابھی

مایوس نہیں ہوئے اور آپ روسار قبیلہ ثقیف عبد ثالیل و مسعود و حبیب پسران عمرو بن عمیر کے بیٹوں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انہیں سمجھایا کہ بت پرستی ایک فضول چیز ہے اسے چھوڑ کے وحدہ لاشریک کی پرستش کرو۔ ان تین بھائیوں نے یہ سُن کے اونٹ پٹانگ سوالات کئے۔ ایک نے کہا کہ تجھ سے بہتر خدا تعالےٰ کو کوئی ملا ہی نہیں کہ تجھے نبی بنا کے بھیجا۔ ایک نے کہا کہ کعبہ کو یہاں منگوا دو۔ غرض ایسے ہی لغو اور بے ہودہ سوال جو دنیا کے حرام کار اور بدکار لوگ کیا کرتے ہیں حضور انور سے کئے۔ آپ اُن سوالوں کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا دیتے چُپ ہو رہے اور انہیں انکی حالت پر چھوڑ دیا (ہشامی صفحہ ۱۳۷)

جب اس کا چرچہ عام ہوا کہ حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ وعظ فرما رہے ہیں تو چند سرداران طایف حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عوام میں مخالفت بڑھتی جاتی ہے بہتر یہی ہے کہ آپ کہیں تشریف لے جائیں مبادا آپ کو چشم زخم پہنچے ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ یہ جملہ آپ کے نازک دل پر کسقدر با اثر ہوا ہوگا۔ ایک مقدس نفس جسے شب و روز اپنی قوم کی اصلاح کے سوا دوسرا خیال نہ ہو اور جس کے صلہ میں ہموطنوں کی طرف سے تشدد اور مظالم کے سوا کچھ نہ ملا ہو جس کے مددگار اور دوست ہمیشہ کی نیند میں سو گئے ہوں اور جس کا کوئی نہ رہا ہو۔ اور وہ ایسی مجبوریوں کی حالت میں امید بھرے ہوئے دل سے شدید مسافت طے کر کے طایف پہنچا ہو اور یہاں اُس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہو۔ سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت دل کی کیا کیفیت ہو گی یا جس پر گذری ہے وہ پورا اندازہ کر سکتا ہے۔

آپ اہل طایف کی یہ باتیں سن کے خاموش ہو رہے اور مکہ واپس چلنے کا ارادہ کیا۔ زید آپ کا وفادار غلام آپ کے ساتھ تھا۔ آپ شہر کی شاہراہوں میں سے ہو کے نکلے چند بدمعاش اور ناخدا ترس شہریوں کا گروہ آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کو بُرا بھلا کہا اور پتھر مارے یہاں تک کہ آپ زخمی ہو گئے۔ آپکی

دونوں مبارک ٹانگوں سے شرشر خون جاری تھا۔ جب پتھر زیادہ برسنے لگے تو زید نے آپ کو بچانا چاہا اس سے زید بھی بہت سخت مجروح ہو گیا۔ کیسا خونی اور دل دہلا دینے والا منظر تھا کہ فخر دو جہاں۔ پیغمبروں کا سردار اور خداوند تعالےٰ کا برگزیدہ صبر اور خاموشی کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور خدا کی ناواقف سنگدل مخلوق اس پر پتھر برسا رہی ہے اور وہ اپنے پروردگار کے راستہ میں لہولہان چل رہا ہے کہیں اُس کے پیروں سے خون جاری ہے اور کہیں اس کی مبارک پیشانی لہولہان ہو رہی ہے مگر شان نبوت دیکھئے کہ دم خم اب بھی وہی ہیں اور دین خدا کا وعظ کہنے کا جوش اب بھی جوں کا توں بنا ہوا ہے۔

ان آوارہ سنگدل بدمعاشوں نے حضور انور کا تین چار میل تک پیچھا لیا اور آپ کو اس ریتلے میدان سے باہر کر دیا جو ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے جو شہر کے گرد کھڑی ہوئی ہیں۔ جب آپ اس حد تک پہنچے اور آوارہ گرد بدمعاشوں نے پیچھا چھوڑا تو آپ نے انگور کی بیل کے نیچے بیٹھ کے یہ دعا مانگی "بارخدایا میں اپنے ضعف قوت کا اعتراف کر کے تیرے دربار عزت میں شکایت لایا ہوں تیری بارگاہ عظمت میں قلت صبر کی حکایت کرتا ہوں اور اپنی ذلت و خواری کی طرف تیری توجہ مبذول کرتا ہوں اس لئے کہ تو ارحم الراحمین اور ضعیفوں کا پروردگار ہے اور میرا بھی پروردگار ہے۔ مجھے ایسے دوست سے بچا جو میری صورت دیکھتے ہی ترش رو ہو جائے اور ایسے دشمن سے جو میرے کاموں پر غلبہ پالے اگر تیری آبادی غضب کے ساتھ نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ فکر نہیں۔ میں تیرے نور اور حفاظت میں پناہ لی ہے تو میری تاریکیوں کو روشن کر دے اور میرے سارے کام سنوار دے۔

جب انگور کی بیل کے نیچے حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آرام لیا تھا وہاں ایک نہایت بارآور شاداب باغ تھا جس کے دو بھائی مالک تھے اور وہ گرمیوں کے موسم میں یہاں آ کے رہا کرتے تھے تو اتفاق سے آج کل وہ یہاں

آئے ہوئے تھے۔ ایک کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام شیبہ تھا وہ ایک بلند مقام سے یہ ساری کیفیت دیکھ رہے تھے کہ کس طرح لوگ آپ کو ستا رہے ہیں اور کیسا مجروح کر دیا ہے۔ انہیں سخت شرم آئی۔ اور انہوں نے ایسے ماندہ۔ خستہ بے بس اور مجروح مہمان کے لئے اپنے نصرانی غلام نینوائی عداس نامی کے ہاتھ کچھ تازہ انگور بھیجے۔ جب عداس انگور لے کے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عداس نے حضور انور کی مبارک صورت کی طرف نظر کر کے کہا کہ یہ کلام اس نواح میں میں نے کسی کی زبان سے نہیں سنا ہے۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ تو کون ہے اور تیرا کیا مذہب ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور میں نصرانی غلام نینوائی ہوں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اسی شہر میں تو ایک نیک مرد یونس بن متی رہتا تھا۔ عداس نے حیران ہو کے پوچھا حضور یونس کو کیا جانیں۔ حضور نے جواب دیا وہ میرا بھائی ہے وہ بھی پیغمبر تھا اور میں بھی پیغمبر ہوں۔ عداس یہ سنتے ہی حضور انور کے قدموں پر گر پڑا۔ عتبہ اور شیبہ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے غلام کو آواز دے لی۔ اور کہا کہ یہ شخص (مراد حضور انور) تجھ سے کیا باتیں کر رہا تھا۔ اور تو کیوں اس کے قدموں پر گر پڑا۔ عداس نے اپنے آقاؤں سے کہا کہ اس نیک مرد نے مجھے ایسے امر کی خبر دی کہ سوائے انبیاء کے اُسے اور کوئی نہیں جانتا۔ عتبہ نے کہا تو غلطی پر ہے۔ تیرے دین کو برباد کرنے کے لئے تجھے فریب دیا گیا ہے تو ہرگز اس دھوکے میں نہ آئیو۔ عداس نے بہت عرض کیا نہیں ایسا نہ کہیئے روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ ایسی مقدس ذات پر فریب کا الزام لگانا اپنے کو سخت بلا میں مبتلا کرنا ہے۔ یہ سُن کے وہ ہنسے اور خاموش ہو رہے۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کچھ آرام لینے کے بعد وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ میں پہنچے یہاں سے مکہ کی مسافت صرف ایک شب کی رہ جاتی ہے آپ نے

اس آبادی میں قیام کیا۔ شب کو حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز میں آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ سات نفر جن نصیبین کا اس طرف گذر ہوا۔ انہوں نے حضور انور کی آواز سنی ٹھہر گئے اور غور سے سنتے رہے۔ جب حضور انور نماز پڑھ چکے تو وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطیب خاطر مشرف باسلام ہوئے۔ حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد کیا کہ جب تم اپنی قوم میں جاؤ تو اسے بھی اس ملت بیضا کی دعوت دینا۔ یہ سن کے وہ چلے گئے اور انہوں نے اپنی قوم کے بہت سے افراد کو مسلمان بنایا۔ قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔

حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نخلہ میں چند روز رہنے کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ مکہ میں جانے سے پھر قریش ستائیں گے آپ شمالی راستہ سے نکل کوہ حرا پر مقیم ہوئے جو حضور انور کا قدیم مسکن تھا۔ قریشوں کو خبر ہو گئی تھی کہ طایف نے بھی ہمارے ساتھ کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پتھروں کی بوچھاڑ کر کے نکالا ہے۔ انہوں نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ میں آئیں تو ہم بھی یہی سلوک کریں گے۔

اور آپ نے ایک شخص کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں مجھے امید ہے کہ تو مجھے اپنی حفاظت میں لے گا اور اگر میں کعبہ میں آؤں تو تو میری نگرانی کرے گا اخنس نے انکار کر دیا اور شافع روز محشر کی حفاظت سے روگردانی کی۔ وہ شخص مایوس ہو کے چلا آیا اور حضور انور کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے اسی شخص کو پھر سہیل بن عمرو مطعم کے پاس بھیجا۔ مطعم نے حضور کی حفاظت کی حامی بھر لی اور کہلا بھیجا حضور شوق سے تشریف لائیں میں ہر طرح حضور کی مدد کرنے کو موجود ہوں۔ دوسرے دن مطعم ہتھیار بند ایک اونٹ پر سوار ہو کے اور اپنے خویش و اقارب ہمراہ لے کے مسجد الحرام میں آئے اور باآواز بلند یہ کہا۔ اے قریشو! میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی

حفاظت میں لے لیا ہے تمہیں آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آپ کی طرف آنکھ بھر کے نہ دیکھے۔" ابوجہل یہ سُن کے سخت سراسیمہ ہوا اور گھبرا کے بولا "تابی یا مجیر" مطعم نے کہا ہاں میں مجیر ہوں۔ ابوجہل بولا جس شخص کو تو نے امان دی ہے۔ ہم بھی اُسے امان دیتے ہیں۔ اس کے بعد حضور انور حرم میں تشریف لائے۔ کعبہ میں آ کے طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور پھر منزل ہمایوں میں آپ تشریف لے آئے۔

مطعم کی اس فیاضی اور ایمانداری پر مدینہ کے مشہور شاعر نے یہ برجستہ اشعار کہے جو برابر معتبر تاریخوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔

لاعینی ابکی سید الناس السفح وان تک قد اثرفته فاسکبی الدما

اے میری آنکھ آدمیوں کے سردار کو رو اور خوب آنسو بہا اور اگر تو روتے روتے (آنسو کو) خشک کر چکی ہو تو (پھر) آنسو بہا (خون)

فلو کان مجد یخلد الدھر واحدا من الناس ابقی مجدہ الیوم مطعما

پس اگر عزت و جاہ کسی شخص کو لازمی عمر طبعی سے زیادہ کچھ زمانہ تک باقی رکھ سکتا + تو آج مطعم کو اُس کی عزت ضرور باقی رکھتی

اجوت رسول اللہ منھم فمیحوا عبیدک ما ابتی محل واحرما

تو نے اے مطعم! رسول خدا کی مشرکوں سے حفاظت کی لہٰذا جبتک حاجی لبیک پکارتے ہیں اور احرام باندھتے رہیں گے تیرے

اسی زمانہ میں حضور انور نے بی بی سودہ سے نکاح کیا آپ بیوہ تھیں اور آپکا شوہر

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا۔ حضرت سودا اور اُن کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہو گئے تھے آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا۔ اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ حبش چلی گئیں۔ آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا۔ جب بی بی سودا حبش سے واپس آئیں تو اُن کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے۔ اور اب انہیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ

محض اس جرم میں کہ مسلمان ہو گیا تھا دشمنان خدا کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا۔ سوائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) آپ کی عمر کتنی تھی۔ لیکن اندازہ اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں۔ حضور انور کی عمر جب ہی بی سودا سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات ۲۳ھ ہجری میں بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے۔ مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کرینگے اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلیٰ درجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے۔ پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی۔ اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے ایک دو برس کچھ بڑی تھی۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذائذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت کو دیکھ کے نکاح کیا تھا کیونکہ بی بی سودا آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھی۔ نکاح کرنے کی کوئی غایت ضرور ہو گی اگر کوشش کرنے سے اس کا پتہ لگ جائے گا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا۔ حضرت انس کی روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی۔ آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جاتا اور غربا اور مساکین کی حتی الامکان سرپرستی کرتا۔ آپ نے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے میرے لئے کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی۔ اس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے جبراً

حضور انور کے اور کوئی آپ کا وارث نہ تھا۔ اس لئے انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) آئی ہو ایسی حالت میں بھی اسے اپنا ہاتھ نہ دوں تو نبوت کے عالی منشار کے خلاف ہے یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اسلئے سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا۔ بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبیین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا۔ کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں۔ جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفیں اُٹھائیں جلاوطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اس کا قدم نہیں ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اسکا معاوضہ ملتا وہ ملتا ہی۔ لیکن زندگی میں بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہونا کہ اس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا بجز اسکے وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور ام المؤمنین کا معزز لقب پاتی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب و غریب ہے۔ اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے اُسے عطا ہوا۔

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو اُن کی عمر اور بے سروسامانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اس لئے کہ اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے در پے حملے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی۔ یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمائش کا تھا اور اسی وجہ سے خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی اور اس زمانہ پرستیز میں بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مجروح القلب بے بس اور عاقبت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں

کہ آپ اس بیوہ کو اپنے نکاح میں قبول فرمائیں۔ بی بی سودا خاندان قریش میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے آپ نے بی بی سودا سے نکاح کرکے نفس نکاح کی ایک غایت بتا دی اور ظاہر فرما دیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے اور سب سے بڑی بات جو اس نکاح میں پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح چمک جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشے محض نہ سمجھیں۔ ہم مقدمہ تفسیر الفرقان میں بیان کر چکے ہیں کہ عرب ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی۔ اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام نے کبھی عورتوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی۔ اور نہ اُن کی خدمات کا کبھی اُن کو صلہ دیا گیا۔ انسانی تمدن میں اُن کی . . . کوئی وقعت نہیں تھی اور اُن سے مثل چوپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گذر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی بی بی سودا نہ تو امیرزادی تھیں نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھیں۔ اس پر بھی اُنہیں وہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور اخیر میں بڑے بڑے نہار سلاطین کی ماں کہلائیں۔ کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی ہے اور آجتک کسی ملک میں بھی عورتوں کو اسقدر آسمان پر چڑھایا گیا ہے؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں۔ لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا صاف جواب دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہو گی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اُسے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی اُنہیں تسلیم نہیں کر سکتی۔

پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُن کے پہلے خاوند مریض ہوئے تو اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر رکھ دیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی۔ یہ خواب اور اسکی تعبیر

تھیں۔ لیکن حضور انور سے خاندان کے لحاظ سے بہت قریب کا تعلق نہ تھا۔ یہ نکاح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) عجیب وغریب ہے۔

عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم ورواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اس لئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔

بی بی سودا کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جبکہ اسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی تعبیر بھی ثانی نکاح کی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اسکی تعبیر اور بی بی سودا کے خاوند کا مریض ہو کے مرجانا ہی غلط ہے۔ جبکہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہو گئیں تو آنحضرت نے انہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور انہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں۔ اے نبی کریم تم مجھے طلاق نہ دو۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور انہیں طلاق نہ دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودا کے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں۔ آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں۔ جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرما کے آپ کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پھر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں۔ اور ایسی بے پناہ بی بی کو طلاق دے کے نکال دینے کا ارادہ کیا ہو۔ جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اس کی نصائح کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں۔ اس قسم کی روایتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر انہیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور ان ہی پر لکھ کر کے بیٹھ رہنا تحقیق اور انصاف کے

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے دو مہینے کے بعد ظہور میں آیا تھا۔ اس کے بعد حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) خلاف ہے۔

اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اسلام کا مفہوم نہیں نکلتا کہ جو قرآن مجید پیش کرتا ہے اسلام کی بے نظیر کامیابی جس کی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف اپنے دعوے میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا الواقدی کو تیسرا ابو الفدا کو چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے اُنہیں کوئی سند صداقت کی مل گئی ہے نہ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہے کیونکہ یہ کتابیں اسلام کے بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اس سے کیوں نہ تحقیق کریں اور کیا وجہ ہے کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کریں۔ اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا تکیہ محض مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں۔ وہاں آپ یہ بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہہ چکے ہیں۔ صحیح مانا جائے اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں۔ خیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور اُنہیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لئے حجت ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اسکی حقیقت کیونکر ہے۔ مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ کو اپنی باری دینے کا خیال آنا۔ اور اُس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی سودا

صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہ سے نکاح ہوا۔ یہ نکاح محض اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) کی تضعیف پر دال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودہ اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں۔ اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں۔ پھر بھی آپ میں معمولی خون کا اثر موجود تھا۔ جو نسلاً بعد نسل آپ میں چلا آتا تھا۔ اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بڑھاپا بیبیوں کو بلاوجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھیں۔ اس لئے آپ کے دل میں یکایک یہ خوف گذرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جاتی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنیٰ درجہ سے یکایک اُسے کوئی عزت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے مائیگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معمولی طور پر یہ خیال ضرور آیا کرتے ہیں۔ کہیں پھر وہی کیفیت نہ ہو جائے اور ایسی صورت میں کہ اُس عزت پر پہنچنے کی اُسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اُسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے حضرت بی بی سودا ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں اور آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں اُٹھائی تھیں۔ ادھر اُن مہیب رسوم کا اثر آپ کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ جو صدہا برس سے آپ کی قوم میں چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھیں۔ اور اس ضعیفی کا اثر آپ کے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا۔ آپ نے یکایک یہ تصور کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا۔ اور آپ نے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی صحیح روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودا کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپ نے اُن کی اس پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی۔ یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودا کے

دلی دوست حضرت صدیق اکبرؓ سے تعلقات بڑھانے کی بنا پر کیا گیا تھا اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) پاس گئی یا نہیں یا اخیر دم تک انکی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلتا باری سونپنے اور اس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے اُن سے زن وشوئی کا تعلق قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپ نے بی بی سودا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر بہت ہی بعید ہے۔ جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروڑوں بندگان خدا صرف آپ کے مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُن کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے۔ اس کی نسبت ایسے سہل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت کو بہ وجوہ صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں ہوتا۔ کیونکہ درخواست کی بی بی سودا نے اپنے موروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزوری دل ہونے کی وجہ سے۔ از خود بی بی سودا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کر کے کر دیا اور ساتھ ہی باری سے دست بردار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی ہے میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آجاؤں اور بس باری دینے کے معنے یہی ہیں اور بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ صحیحین میں ہوں یا قرآن مجید میں۔ تواریخ میں ہوں یا تفسیروں میں سب کے ایک ہی معنے لیتے ہیں۔ اور کل روایتوں کا ایک ہی پہلو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے۔ اصل میں اس خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بیت ہی خطرناک صورت پکڑ گیا تھا اس لئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ

آپ کی عمر چھ یا سات برس کی تھی۔ لیکن حضور انور کی مبارک عمر پچاس برس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے۔ جب نبی سے خطاب کیا جائے گا، تو مسلمانوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اور وہ نہایت کوشش سے اس پر عمل کریں گے جس طرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں۔ ان میں بھی دور اندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سودا ہی کے معاملہ سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمہاری اور جوان بیبیاں موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینی نہیں چاہیئے اور باہم اس معاملہ کا طے ہو جانا لازم ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر (سورہ نساء) یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جب اُن کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اور اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جائز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہو جانے کے بیا دیکھی ہو سکتا ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہہ ہو کہ یہ مجھ سے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت میں خیالات کی صفائی ضرور ہونی چاہیئے۔ اور یہی حکم خاوند کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بُری لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے نہ کہہ سکتا ہو مگر

کم نہ تھی۔ نکاح سے تین سال کے بعد وداع ہوئی اور اس سے خاندانی تعلقات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مغارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکل جائے۔

غرض حضرت بی بی سودہ کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلا وجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اُن کے دل میں از خود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں اور اُنہوں نے اپنے بے بنیاد شبہہ کو آنحضرت سے عرض کرکے رفع کر لیا۔ بس اتنی بات ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے۔

بی بی سودا اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی شان بھی پائی جاتی تھی۔ اور ان ربانی صفات سے مملو تھیں۔ جو خاص نبیوں کو فطرت کیطرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونے کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے انہیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپ کے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپ کے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کرکے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور بیبیاں میلی جوتی کے برابر تھیں کہ پرانی ہوئی اور اُتار دے پھینکدی۔ یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی۔ یہ روایت منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تراشی ہیں اور کسی اعلےٰ درجہ کے

وہ مقاصد جو پہلے خیال کر لئے گئے تھے ظہور میں آئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) مورخ یا محدث کو واقعات یا حدیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال رہا ہو۔ اس لئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا۔ جب اسماء الرجال بنا ہے اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس بیس پچاس ایسی بھی انتخاب ہو گئی ہوں جنہیں سچا سمجھ لیا ہو۔ اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اسوقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سوائے رسول کریم کی ہم کسی کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم آئندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو لکھ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اس کے لئے کافی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتون اعظم کی نسبت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں۔ ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی اصلیت کیا ہے۔ مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھایا ہے اور جب ایک محقق شخص اس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اسے دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی منہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے بڑی کوشش اور دقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر مسیحی کا اطمینان کر دے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی

حضور انور سخت مایوسی کی حالت میں طایف سے واپس تشریف لا چکے تھے اور یہ مایوسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) صاحبزادی حضرت زینبؓ اور آپ کی سات سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی ہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ ان الفاظ کو نقل کریں گے نہ ان کا تُرکی بتُرکی جواب دیں گے۔ بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شایستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہے اس سے ہم تجاوز نہیں کریں گے اور ان ہی مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اس لئے ملکی رسوم کے موافق اُن پر کاربند ہونا پڑتا ہے اگر ایک شخص کا نکاح اپنی عمر سے بہت کم لڑکی سے ہوا تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوئے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا۔ جب جایز طریقہ مناکحت کا برتا گیا پھر اس کے ناجایز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اس لئے وہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عمریں پچاس ساٹھ سال سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں۔ مگر ان کی بیبیوں کی عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ کی نہیں ہے اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہیئے۔ مثلاً یوسف نجار کی ستر اسّی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی پندرہ سولہ سال کی تھی۔ جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجایز رکھیں گے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصّہ ناجایز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور غریب استدلال ہے کہ جس کا سرد پیر رسول کریم بدنیت تھے اس لئے انہوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ

کچھ اپنی ناکامیابی پر نہ تھی بلکہ مخلوق خدا کی تباہی اور بربادی کی تھی۔ تلقین دین حق کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷) الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالہ مارا۔

اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور انہیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی۔ ہجرت کے وقت بھی انہوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کرکے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار بھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے خیال میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تا کہ رشتہ داروں کی غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے بھی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہتی بیٹی آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ رسول کریم نے قبول فرما لیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم نبی کو سمجھائے ہوں گے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہو گی۔ غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

اس جدید تلقین نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بیبیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی۔ سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بیبیوں سے محبت کر کے اس بات کی نظیر قایم کر دی

عزم بالجزم ان مصائب پر بھی جوں کا توں بنا ہوا تھا۔ آپ کسی اچھے موقع کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) کہ بیبیاں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے بحقارت پیش آیا جائے اور اُنہیں مثل لدا ؤ جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کی جائے۔ اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کرکے اپنی امت کو بتا دیں کہ کس طرح بیبیوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے فرایض کیا ہیں اور انہیں کیونکر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بیبیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا تھا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کرکے دکھا دیں جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اس طرح اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھکیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیونکر سمجھا سکتے تھے کہ بیبیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت محبت تھی۔ یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس انیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورت

انتظار میں تھے کہ یکایک حج کا زمانہ شروع ہو گیا یہ وہ زمانہ تھا کہ لڑائی اور فساد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) نفرت کرنے کی موروثی عادت جاتی رہے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہیئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان بن نہیں سکتا۔ اس صفت پر دریدہ دہن معترض حملہ کرتے ہیں اور اس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب نمایدہنرش در نظرش کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز۔ خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں۔ مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلےٰ مدارج کہ پورا خاکا کھینچ دیا ہے اور بتا بھی دیا ہے کہ عورتوں کے کیا مدارج ہیں۔ اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا۔ اور تمام قدیم خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کر سکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی۔ اور کون دعوےٰ کر سکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپ نے عورتوں سے محبت کرنے کا بڑا سرگرمی سے اس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس رستخیز اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھ دینا ایک زبردست دلیری اور اعلےٰ درجہ کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور ان کا اس واسطے ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیونکہ انہیں آپ نے آباء و اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ

سب بند ہو جاتے تھے حضور انور نے علانیہ وعظ فرمانے شروع کئے اور آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) کیسی ہی باتیں بنائیں۔ لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اس نفرت کو مٹا دیں جو انکے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ عملی ثبوت بھی اس کا دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جس کے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو۔

حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر تین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جس کے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو۔ جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المومنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اس کا وہی احترام کیا ہے جو اُن کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہو سکتا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں۔ اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں۔ یہاں تک آپ کا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اخروی نجات کا دارومدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کر دیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دارومدار صرف آپ کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قایم ہے وہ آپ کا ممنون رہے گا۔

حضرت بی بی عائشہ کی مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپ کا سیاسی دماغ آپ کی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہو جائے گا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور انکی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس۔ سوا اسکے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل

ایک دن عرفات سے منا میں آکے قیام پذیر ہوئے کیونکہ لوگ عرفات میں اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ انہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اس محبت کو بتایا جو حضور انور آپ سے رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم ان روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور انہیں انکا فائل بتایا جاتا ہے وہ روایتیں یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں۔ اول آپ کی ساری بیبیوں میں میں ہی کنواری آئی۔ دوم میرے ماں باپ مہاجر تھے۔ سوم جب زناکاری کا بہتان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بے گناہ ہونے پر آیت نازل ہوئی تھی چہارم جب میں بن بیاہی تھی۔ جبرئیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کر۔ پنجم میں اور پیغمبر خدا ایک برتن میں دونوں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی رہا کرتی تھی۔ ہفتم۔ کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی نہیں آئی۔ مگر میرے ہاں اس وقت کبھی کبھی وحی بھی آتی تھی۔ ہشتم آپ نے اسوقت وفات پائی جب میرے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔ نہم جس شب آپ نے وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنے آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی تو میری عمر نو برس کی تھی۔ میرا مہر پانسو درہم کا تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کر دی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بیبیوں سے زیادہ خصوصیت تھی اب ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کہاں تک واقعات کا کتنا مادہ ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اس کی

مذہبی ارکان ختم کرکے منا میں قربانی کرنے کو جمع ہوتے تھے۔ اور جب قربانی کر چکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲) خاص وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلاوجہ حضرت عائشہؓ نے اُن رازدارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو۔ کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی امہات المومنین کی تحریم اور عزت کرنے اور اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قایم کیا ہو۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تحریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر فرق بھی کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا۔ حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ انہیں کوئی جاگیر بخش دی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ تک قایم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کسی بی بی نے حضور انور کے ساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس وقت اور جدا کے اسے ان تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریر میں آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اسکے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہے اور لغویات کتنی اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زایل ہونے کا اندیشہ ہے پھر ممکن نہیں ہو سکتا

تھے تو اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے۔ اس ہجوم میں منا کی تنگ گھاٹی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سو) کہ وہ بلا وجہ بولنے لگے کہ مجھ سے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو ان روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے راز دارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علی الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوہرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی کتب صحیح میں بھی ملتا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُن روایتوں کا مفہوم سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تحریم کا خیال تھا۔ اسی طرح آپ کے بعد علماء اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی۔ چونکہ یہ قوم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی۔ اس لئے علماء اسلام کو خیال تھا کہ مبادا نومسلم پھر اپنی موروثی عادت پر اُتر آئیں اور عورتوں کو اسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُن کے آباؤ اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے۔ اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جس میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائے زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور مساوی معاشرتیں تھیں جو اُن کے دل میں تھا وہ اُن کی زبان پہ تھا اور وہ

اِدھر اُدھر پھر کے حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھ یا سات آدمیوں کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اسی طرح نکتہ چینیاں ہوں گی اور یہ طوفان بے تمیزی اٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انہیں اسلام نے اول روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہو گا کہ کسی طور سے بھی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور ممکن نہیں کہ انہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنی زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہو سکتیں۔ بے شک جتنے اقوال کہ مشہور کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم اُن روایات کو صحیح سمجھ کے ہر ایک کی توضیح کریں گے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک روایت سے کوئی نقص حضور انور یا ام المومنین کی ذات میں نہیں آ سکتا۔

جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ سب تحقیقی ہوں گے۔ ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ یہ نقائص ہیں۔ جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کسی بات کی گنجائش ہی نہیں رہی اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہوتا۔ مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض یا بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اصلی مقصد اس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں

چھوٹی سی جماعت ملی۔ یہ لوگ پردیسی معلوم ہوتے تھے اور مدینہ سے آئے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵) بات کا بتنگڑ بنانے کے ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوسیوں کی بی اس قدر ممارست ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور انہیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ ان کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان کے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے بایں ہمہ ہم ان پر کچھ سب وشتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں راہ ہدایت دکھائے۔

اول حضرت عائشہ کا فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا برائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ ان بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں تھی۔ چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوگئی تو اس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کیگئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوارپنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے اور نہ کوئی افترا ہے۔ یہ صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپتے میں کیوں لایق سرزنش خیال کیا جاتا ہے اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے۔ اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں، شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مہذب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اس قدر عیان ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

حضور انور فخر دو جہاں نے اُن سے مل کے سوال کیا، تم کس قبیلہ کے لوگ ہو؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی بہائی عاید ہو سکتی ہے۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ اُن کے والدین مہاجر ہیں یعنی انہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے شاید ہجرت کرنا عیسائیوں کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہو گا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا اور جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کے مال اڑاتے تھے اُنہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے سچی رفاقت اور اس پر فخر کرنے کو آیندہ جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اس کا اظہار کرے اس لئے وہ اس فخر کو جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونے کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ ان کے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم یہی ہے۔ اسلئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اٹھایا گیا تھا خداوند تعالےٰ نے اس کی تردید کرکے آسمان سے آیت اُتار دی۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو۔ حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑ گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو ان ہی معمولی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھے لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہ جانے پر شبہ ہوا تو حضرت رسول خدا کو بحیثیت اس کے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے معمور تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست

اُنہوں نے جواب دیا ہم قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد کیا یہود یوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷) کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر اُنہوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیونکہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی مشورہ دیتے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ اُن پر گمانیوں یا شبہات کا جو لوگوں کو اُن کی طرف ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ چونکہ وہ حق پر تھیں اس لئے وہ تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے ان کی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کے لئے آیت نازل کرکے ان کی تقدیس کی شہادت دی۔

کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی ہے وہ ملزم ہیں۔ حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں۔ اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے۔ نہ حضرت مسیح کا کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اس الزام کی تردید ہو۔ جو یہودی اُن پر قایم کرتے ہیں۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت حضرت بی بی عائشہ کی پاک دامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاک دامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو لفظی شہادت ہزار ہا روایتوں اور شہادتوں

گروہ میں سے ہوا نہوں نے اقرار کیا۔ حضور انور نے فرمایا آؤ یہاں تھوڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) سبقت رکھتی ہے۔ جب قرآن مجید نے شہادت دے دی پھر اُنہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا فخر قابل اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ آپ جتنا فخر کریں زیبا ہے۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبرئیل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کرو اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہے اور کیوں حضرت جبرئیل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جن کا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنے کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہ بھی نہ صحیح اس روایت کے وہی معنے لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے لئے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ جبکہ انجیلوں اور توریت میں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم کس بنا پر انہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت درست تھا۔

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنے ہیں۔ اگر یوں تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اسی میں صابون گھلتا ہے اور

دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے بہت شوق سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹) ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہے اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے۔ پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو۔ اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اسی کو وہ استعمال کرلے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ہی ایک برتن میں نہانے کا فخر کیا تو ان کی یہ اعلےٰ درجہ کی نشانی ہے کہ رسول کریم کی ادنےٰ ادنےٰ مہربانیوں کا اُنہیں کس قدر فخر تھا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی تھیں اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین انسانیت کے خلاف ہے اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہے کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس انیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ اگر یہ امور صحیح بھی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اس مغائرت کو مٹانے کی تدبیر کی گئی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر۔ پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے کہ یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بھی آکے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں۔ تو یہ بھی اپنی امت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اس وقت کہ جب انکی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کرکے خدا کی

حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کی۔ کیونکہ حضور انور کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ اور مدینہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) عبادت کر سکتا ہے۔ یہاں گویا انسانی قوت اور ولی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر ہر بات کو جی سمجھ کے غور کیا جائیگا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہی ہوگا اگر ہیئے کے پھوٹے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ ولی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بھی بہت ہی درست کہا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✤ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا۔ آپ کا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی۔ اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے متعدد نکاح کئے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قایم رکھے اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے ایک اعلےٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنے ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو ان کے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں ایک قسم کا کھانا اور ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو مساوی۔ فاقہ ہے تو سب پر یکساں ہے۔ اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانہ نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بیبیاں بڑی عمر کی تھیں۔ بعض جوانی سے ڈھلی ہوئیں اور بعض ادھیڑ بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں۔ اس پر بھی آپ نے یکساں برتاؤ کر کے بتا دیا۔ کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیبیوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیئے۔ اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنواریوں کے نہ کرہ

اکثر اشخاص آپ کی بابت سن چکے تھے اور لوگ اس بات کے مشتاق تھے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) کرتے رہتے۔ اور دولہا دلہن سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ نہ انہیں حقوق ملتے اور نہ اُن کی عزت کی جاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسی طرح مردوں کی خواہشوں کی شکار رہتیں اور اُن کا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اسوقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نا مہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔ ساتواں فخر پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھ کے وفات پائی۔ یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنے رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان میں بتایا ہے۔ حضرت جبرئیل روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم و تلقین سے خالی نہ ہوتا تھا بی بی عائشہ کے حجرہ میں جاکے بجائے اس کے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی کوئی اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یاد خدا اور اصلاح نبی نوع سے خالی نہ تھا۔ ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں بھی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا اُبھار اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اچھلنا کسی خاص تنہائی میں ہو سکتا تھا۔ خاص حجرہ ہی پر کیا مقرر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے وہ مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس و لحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی بیشک جس طرح

جس شخص نے مشرکین میں یہ سراسیمگی پیدا کر رکھی ہے اس سے ملیں اور اسکی باتیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۲) بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کرکے تعلقات زن و شوئی کی کیسی تصویر کھینچ دی ہے۔

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں سے وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً جب عبد اللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبد اللہ یہ کیوں نہیں فتوی دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوالیں اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں حضور انور کی ازواج پاک سے بھی بہت سی حدیثیں منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علما کل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کرتے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون ام المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور انہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت کردہ ہوں۔ جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر و اقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کونسی بڑی بات تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دیجاتی ایسے راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لیتا اور اپنے موضوعی قول کو اس کی نسبت دیتا کہ سننے والے

سنیں پھر آپ نے دین آلہی کے اصول کی انہیں تعلیم دی اور آسمانی نبوت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳) اس پر اعتراض نہ کریں اور انہیں اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہ ہو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اس لئے آپ کی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر نئے نئے الزام قایم کئے گئے ہیں حتے کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھایا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں ان اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپ کے سر چسپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب میں اُن میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا آپ کے اقوال نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے۔ جب سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے الزاموں اتہاموں اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنے انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے۔ عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی سوائیں بھی نہیں لگی ہیں جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئی۔ اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہگیا تھا اور آپ کی تطہیر کی نسبت پھر وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہگئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی۔ یہ ساری باتیں بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور انہیں نفس صداقت کی محک پر رکھ کے پرکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور

ضرورت بتائی۔ اور ارشاد کیا کہ اہل مکہ نے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴) ساری شرمناک باتیں صرف اس مخالف فریق کی معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہو گیا اور اسی نے ان مصنوعی روایات کو اسقدر شہرت دی کہ وہ درجہ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی روایتوں کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کھوج مل سکتا۔ حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ ہتی کہ اُن کے حالات قلمبند نہ ہوتے اور بہت سی جھوٹی باتیں انکے نام سے مشہور نہ ہوتیں جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں ان کے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہو گئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنہیں صداقت سے کوئی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پا گئیں اگرچہ بعد ازاں انکی تحقیق و تدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہگئیں جن کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور ان میں کشش ہونی روایتوں کے موضوع ہونے کی کافی شہادت ہو سکتی ہے ہزاروں اقوال جو حضرت ابو بکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی الحقیقت ان کے نہیں ہیں۔ اسی طرح نئے نئے اقوال کو ہر خلیفہ اور ام المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جن سے واقعی انہیں کچھ بھی سروکار نہیں تھا۔ مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اس حال میں نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہے۔

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوتی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جن کا سلسلہ

اور ان کے مظالم کی انتہا ہو چکی ہے اس لئے یہاں رہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ طفحہ ۸۵) دراز عرصہ تک رہا اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں اور صدیوں کا غبار ان کے خون میں ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمہ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر برا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے متن پر بھی اثر ڈالا ہے اور مجبوراً اس کی آیتوں کو ان ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا کبھی ظہور نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی کچھ اصل ہے بھلا کہاں شام۔ کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اس کی شاخوں کا چین جا کے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت ہوگا تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے اُن واقعات کو تسلیم کر لیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا تطابق بھی اس زمانہ کی معاشرت سے ہو سکتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اس پر چسپاں بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کی معاشرت

میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں مدینہ آجاؤں تو تم مجھے مدد دو گے۔ انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) اس کی شان اور اس کی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشم دید بیان کرتا ہے اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اُس نے کس شخص سے سنا اور آیا جس شخص نے اس سے بیان کیا ہو اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے اور اگر لکھنے والا چشم دید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالنے میں تو اس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جب تک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کر لیا جائے گا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہو سکتا کون ہے جو یہ عرق ریزی کرکے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے ایسی جاں کاہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کاربند ہونے کی کوشش کریں گے اور حتے الامکان انہیں نبھائیں گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے فسرناک واقعہ کی اپنے اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کارواں سے پیچھے رہ گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہہ ہوا تھا اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت بھی ہو تو وہ اس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو متعزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے

اقرار کیا۔ ان چھ آدمیوں کے نام یہ تھے۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) قلمبند کیا اور اُن کی نیک نیتی اسی سے عیان ہے کہ انہوں نے ساتھ ہی آیۂ تطہیر کو بھی قلمبند کر دیا کہ جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے لازمی تھی اور اُس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ پھر انہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے۔ اور بہ نسبت ہمارے انہیں صدہا درجہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ انہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا انہیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ انہیں عامۂ خلایق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنہیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح روایت کے جانچنے کا اُن کے پاس نہ تھا۔ پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تا بقائے اسلام یعنے قیامت تک داد دے گا۔ چونکہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اسلئے ممکن ہے کہ اُن سے کہیں اغلاط رہگئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگذاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگذاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر ام المومنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہراً طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذ اللہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیونکہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہجانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی برا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کس وجہ سے

بن عفران - رافع بن مالک بن عجلان - قطبیہ بن عامر بن حدیدہ عتبہ بن عامر بن مالی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) ایسا ہوا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دنوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو۔ بس معلوم ہو گیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسی واقعہ کا ایک پہلو اور بھی غور کرنے کے قابل ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا۔ اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اس پر شبہ کیا جائے۔

عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے در پے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور وقت بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کا انجام دینا اس امر کی شہادت کافی ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں جانا اور اسی میں پھنس کے مرجانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رہ جانا اور بہ سبب بھٹک جانے کے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور

جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس چلے آئے تو انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تواریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گذرے اور انہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا۔ اس کی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کے شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ وغیرہ ہونے کی گزریں اُن سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہو سکتا تھا مگر جبکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بیشک پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

جب حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قایم کئے گئے ہیں۔ پھر بھی آپ کی غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کے طفیل سے ہزاروں ایسے مسایل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسایل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی از حد حاجت تھی۔ اور بغیر اس کے پاکی کے مسایل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے جبتک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسایل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپ نے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ وہ واحد امیر معاویہ سے

اپنے احباب میں حضور انور کی بابت تذکرہ کیا اور اس طرح تمام مدینہ میں شہرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰) حسنین کے بارے میں لڑی ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ (دہر اگر دہر کی باتیں کرکے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے۔ اس انکار پر بھڑک اُٹھے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھ کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں امام حسین نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سُنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسہ سے اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دوں گی یہ سُن کے معاویہ نے باادب عرض کیا کہ اے ام المومنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ میں کرسکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ غبار اُڑی ہے حالانکہ میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھ کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپ کے پر جلال اقوال اور آپ کے زبردست کارنامے ابھی تک موجود ہیں۔ جنگ جمل میں جب بنا گمسان کا میدان ہو چکا ہے تو حضرت علی نے آپ کے بھائی کو آپ کے پاس سمجھانے کے لئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے

ہو گئی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ لیکن علی بن ہاشم کی اس معاملہ کی نسبت یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) کہا دے پر ہاتھ رکھ کے پاس آ کے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھ سکیں نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے۔ میں تلوار سے اُڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹالے۔ یہ سن کے آپکے بھائی نے جا بہن میں تم کو علی کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے پاس بلا کے وہ پیغام سُنا۔ اللہ اکبر جس خاتون کا یہ رتبہ اور یہ جلال ہو اس کی نسبت شبہ کرنا اور بلا وجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپ کے آگے آنے والے مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قایم کر دینی جسے تیرہ سو برس گذر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہو سکتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہؓ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پید عیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں اُنہیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا اور صداقت کی محک پر کسنے کے بعد وہ کھرا اترتا ہو۔

اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پید اگردھوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور انہوں نے وہ گالیاں سُنائیں کہ العظمۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیاء پاک سے انہیں کا ہے کی دشمنی پڑ گئی اور اُنہوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا تاہم ہم تیرہ میں مثل لونڈے کے پسینے کے بیچ میں آ کودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں

روایت ہے کہ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوئی اور آوس کا غلبہ رہا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲) گستاخی کی جاتی اور یہود یا کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندوؤں کی دیویوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور شمل جنگ جمل وغیرہ کے کتابچے ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے سوا اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے پہلو پر لاکے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے۔ کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگذاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں تو منہ نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دیجائیں۔

ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ ہم نا ملایم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں۔ بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہیئے۔ اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہو گئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب دینا کچھ خوبی کی بات نہیں ہے انسان کی عین خلافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ عالی میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہ ہو۔ اور خوب یقین کرے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اس میں منہ ڈالیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جانے کا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن امہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں ان کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے ان پر سر جھکانے والے کروڑوں موجود ہیں اور انکی

ماہ رجب میں اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مکہ میں آئے کہ قریشوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے ان گالیوں سے اُن کے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ جبکہ تیرہ سو برس سے گالیاں دی جارہی ہیں انکا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پید اعیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائے گا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریقوں میں پڑ گئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اُس نے ظاہر کر دی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو ان کی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہل بیت سے کچھ عداوت ہو ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر ان کے اختلافات سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ سات سال کی عمر کی تھیں۔ جب آپ کا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کی زندگی کے واقعات کچھ عجیب و غریب ہیں۔ جو جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ اُن سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ آپکو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اس کا نتیجہ بعد ازاں امت نے دیکھا۔ آپ کی فقیہانہ

اوس کے خلاف مدد مانگیں اور اسعد کی دوستی چونکہ عتبہ بن ربیعہ سے تھی اس لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کے متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہوسکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنے شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا۔ آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن و تشنیع نہیں۔ لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہوگئی تھیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہل چل پیدا ہوگئی ہے۔

واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں اُن کی بنیاد دراصل کچھ بھی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر ان غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اُنکو دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے آنحضرت سے بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جبکہ اُس کا خاوند اُس پر فدا ہو بلا وجہ اور سبب دشمنی کرے گی۔ اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں..... وہ ایسی مہمل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ اخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا ایسے شرمناک امور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں۔

وہ اپنے دوست کے گھر میں اترا اور اپنے آنے کی پوری کیفیت بیان کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) ڈھائی پونے تین صدی تک تو باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا۔ ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کی جانے لگی تھی کہ اس کے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے تحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس سال کا عرصہ گذر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بننی شروع ہوئیں اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا مگر سلطنت ایسے خلفاء کی تھی جو ایسی صریح غلط باتیں شایع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اسلئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد ازاں صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العقلہ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور کہیں مجبوری کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے اقوال درج کئے گئے ہیں وہ فرضی ہیں یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں خیال نہیں ہوسکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جبکہ ہزارہا انقلاب ہوچکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گذر گئی ہوں اور پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے مل گئے اور انہوں نے ان کی صحت کی کیونکر تصدیق کرلی پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں انہیں مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ ابھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا چونکہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف خلیفہ ثالث ہی کے وقت سے پیدا ہوگیا تھا اس لئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر منضبط ہوگیا ہے تو اس نے بھی

عتبہ نے کہا ایک بات تو یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں مسافت زیادہ ہے اگر یہ بات بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کرکے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اسے مرتب کیا۔ کیونکہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے اقوال یا اُن کی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر اُن کی اس بری طرح سے ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں۔ مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اُس سے آنحضرت کو بہت ہی رنج ہوا تھا۔ اور آپ نے تیس روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کے افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسرین نے اس راز والی آیت کے عجیب و غریب معنی بیان کئے ہیں۔ جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ مارپہ قبطیہ حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک روایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو ایک موقعہ ہاتھ لگا اُنہوں نے فوراً اسے رنگ آمیزی کرکے شائع کر دیا دور از کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملایم الفاظ کہدیئے اور اپنی بُزدلانہ فتحمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں۔

مسلمان فی الحقیقت اُس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ اُنہوں نے اس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدا تعالیٰ کی مرضی کی اُس میں جستجو کی۔ کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آٹھ سو سنین ہجری سے مشہور چلا آتا تھا۔ سب نے اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھیرا کے وہ نئے نئے معنی اُسے پہنائے ہیں کہ جس کا سر نہ پیر اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب خاص ایک ہی

تسلیم نہ کی جائے تو ایک بڑی آفت میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اور ہمیں ایک مہم عظیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نبأہا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر۔ یعنے اس وقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا راز دارانہ کہی پس اس عورت نے وہ راز افشا کر دیا اور آپ کو خدائے تعالےٰ نے اس کی خبر دیدی اور آپ نے اُن میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ سے اس عورت نے پوچھا کہ آپ کو کہاں سے خبر ہوئی آپ نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔

اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جس کا سر نہ پیر خیر ہم اس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے۔ پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں۔

اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کر دی اور بس سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کر دیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب محض مردوں کی ناقدر دانی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں آپ نے ہزاروں صورتیں ان کی اصلاح کی نکالی تھیں۔ اور خداوند تعالےٰ کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو۔

جن بیبیوں سے آپ نے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاح سے آپ کی یہ غرض تھی کہ

درپیش ہے۔ جس کی وجہ سے ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ اسعد نے دریافت کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) ان ہی کے ذریعہ سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بیبیاں اُسی آب وہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے۔ اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ ان جیسی عورتوں سے تو آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا آپ نے انہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا انہیں بتایا کہ راز داری کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور راز داری کے کسقدر فوائد ہیں۔ شوہر اور زوجہ میں اتحاد قایم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں میں ہونے کی پہلی سیڑھی راز داری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی بات فرمائی ہو اور بہ تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا اور پھر اُس کے راز کے افشا کرنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے احتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا۔ یہ گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دی گئی اور اصل یہ ہے کہ راز داری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور اُن کے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو مخفی رکھنے کا عیب اگرچہ مردوں میں زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہار نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی سہیلیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اُس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا کہ اس کی بابت تاکید کی جاتی اور جس پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر ہو بھی نہ سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر امہات المومنین کو تنبیہ نہ کی جاتی تو اس راز کا اثر مومنوں کی مستورات کے

کہ وہ کیا بات ہے جس سے تم ایسے خایف نظر آتے ہو۔ عتبہ نے کہا کہ ایک شخص نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) نہ پڑتا اب ہر خاتون اسلام سمجھ لے گی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ نظگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور انہیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں اور نہیں ہو سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھول دے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے دنیا کے تمام کاموں کا دارمدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں سے لیکے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا رازہی پر سمجھنی چاہیئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ ہونے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلجائے تو اس کی بنیادیں ہل جائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی۔ جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردے میں عورتوں کو دی۔ اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے۔ اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضایع کریں۔ اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہم نے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی۔

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY.

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اتاری گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لئے اُن روایتوں کی

ہم ہی میں سے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے وہ علانیہ ہماری قوم کے عقلا کو بیوقوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی۔ سمجھنے کی بات ہے۔ جب رسول کریم نے مرد ہو کے زن وشوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو امہات المومنین عورتیں ہو کے کیونکر بیان کرتیں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم وبیش کل محدثوں مفسروں اور مؤرخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جبکہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اُسے سنی کیوں نہیں مانتا اور جو کچھ شیعوں نے قلمبند کیا ہے۔ اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتا۔ اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں تسلیم کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائیگا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ اُن روایات کا اس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیعہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور اُنہوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کر کے کئی بار رسول کریم کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُن کی آرزو دل کی دل ہی میں رہی۔

سنی اس واقعہ سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی۔ اور آپ اُن پر کس قدر مہربان تھے یہانتک کہ جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرے میں آپ کو وصال باری تعالیٰ ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اُسے فی الحقیقت بہت ہی

بتلاتا ہے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے نوجوانوں کے عقائد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے یہی اس وقت ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کریں۔ ہر فریق نے اپنا دعوے مضبوط کرنے کے لئے خود اُن ہی کی زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والے کو پھر شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون وچرا یقین کرلے مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہوگئے ہیں ورنہ اُن کے منضبط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ایسی روایتوں کا دفتر دریا برد کردینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشا رہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں جسے عقل کبھی گوارا نہیں کرتی اور ہرگز خیال میں نہیں آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے جو محض معمولی آدمی کی وضع کے خلاف ہو مثل اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے حضرت رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا۔ اس کی نسبت مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے۔

لوقیل ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصۃ قالت یارسول اللہ ان لی الی ابی حاجۃ فاذن لی ان ازورہ فاذن لھا فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الی جاریۃ ماریۃ القبطیۃ ام ابراھیم وقد کان اھداھا المقوقس فادخلھا بیت حفصۃ فوقع علیھا فاتت حفصۃ فوجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ووجھہ یقطر عرقا فقالت حفصۃ انما اذنت لک من اجل ھذا دخلت امتک بیتی ثم وقعت علیھا فی یومی وعلی فراشی ما رأیت لی حرمۃ وحقا فقال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس ھی جاریتی قد احل اللہ ذلک لی اسکتی وھی حرام علی التمس بذلک رضاک ولا تخبری بذلک

کو برباد کر رہا ہے۔ سعد نے پوچھا کہ اس دعوے کرنے والے کا نام کیا ہے۔ عقبہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) امرأۃ منھن وھو عندک امانۃ فدخل خوج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فبرعت حفصۃ الجدار الذی بینھما وبین عائشۃ فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد حرم علیہ امتہ مادیۃ وقد اراحنا اللہ منھا واخبرت عایشۃ بمزأت وکانتا متصافیتین متظاھرتین علیہ سائر ازواجہ فنزلت یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ فاعتزل نساءہ تسعۃ وعشرین یوما وقعد فی مشربۃ ام ابراھیم مادیۃ حتی نزلت آیۃ التخییر وقیل ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا یوم عائشۃ مع جاریۃ القبطیۃ فوقفت حفصۃ علے ذلک فقال لھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تخبری عایشۃ بذلک وحرم مادیۃ علے نفسہ فاعلمت حفصۃ عایشۃ واسکتھا ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علے ذلک وھو قولہ تعالیٰ واذ اسر النبی الے بعض ازواجہ حدیثا یعنے حفصۃ ولما حرم مادیۃ القبطیۃ اخبر حفصۃ انہ یملک من بعدہ ابوبکر وعمر فعرفھا بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواہ العیاشی باسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذلک ان کلوا حدھما حدثت ایاھا بذلک فعاتبھا فی امر مادیۃ وما افشتہ علیہ من ذلک واعرض ان یعاتبھا فی الامر الاخر انتھے۔

یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بیبیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں۔ جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیہ بھیجا تھا بلوایا۔ وہ آئی اور آپ نے اس سے مقاربت کی۔ پھر حفصہ آئیں تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں۔ پھر

جواب دیا۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب اور وہ ہماری قوم میں شریف ترین ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے یہ میرے لئے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آئندہ کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بیبیوں سے اس کی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے۔

جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کر کے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کر لیا ہے خدا نے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اُس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر دی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر لی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بیبیوں سے صحبت ترک کر دی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اسکا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ لیکن بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدائے تعالےٰ نے رسول کریم

اسود نے دریافت کیا کہ رسالت پناہی کا مکان کہاں ہے۔ عتبہ نے سب پتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) اس پر مطلع کر دیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا یعنے جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابو بکر و عمر خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطا المکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بیبیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جون ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا۔ اُس سے آپ نے اعراض کیا۔ وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چسپاں کیا گیا اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرے میں آئے کیونکہ اُس دن اُن کی باری تھی۔ پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اُسی دن انہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُن کی باری آئی تھی۔ اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا تھا کہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی۔ اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا۔ جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے

بتا دیا مگر یہ ہدایت کر دی کہ تم نہ اس کے پاس جانا نہ بات کرنا کیونکہ وہ بہت بڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اس قدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو عائشہ سے اسکا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ انکے حجرے میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کی باری کے روز ایسا ہوا۔ پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا یہ اسقدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا اسقدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہو گا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرمایا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اوپر حرام کر لیا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کر دیا ہے تو اُسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اترنے سے آپ ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا اُن دو بیبیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو

جادوگر ہے ایسا نہو کہ تجھے فریب نہ دیدے اسود نے کہا خواہ کچھ ہو ایک بار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) اس قدر خوف زدہ بنایا کہ جس کی انتہا نہیں یعنے آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن تاؔ قبطیہ کے بالا خانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی مونہ سے نکالتی۔ اور ذرا بھی زبان ہلاتی۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یہ کیفیت کہ آپ کسی بی بی کی پروا نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ بھر گذارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں انکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا۔ پھر خوف کھانے کے کیا معنے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں۔ جبکہ اسلام میں پردہ ہوگا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت

ایسے شخص کو دیکھنا تو چاہیئے۔ عشہ منع کرتا تھا اور اسعد جانے پر اصرار کر رہا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷) بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہے جس دن جا سکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز ان کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ برا اور رہنے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لے کے چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں۔ جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اس نے مذکورۂ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا کلبی شامی ہوں یا مدنی ہوں۔ جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدائے سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی اور جسکا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اس قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی۔ مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی اور اس سے موضوع روایت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اٹھانا اور انہیں ہر صورت ملزم بنانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا۔

آخر زیادہ قیل و قال کے بعد اسعد نے یہ کہا وہاں میں نہیں جاؤنگا مگر طواف کعبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸) کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں۔

عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور انہیں ذرا بھی حجاب نہ آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی خاص اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص الجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا تو اس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخاری نے کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس نے اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی۔ اس کی وجہ بھی ہے کہ اسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہل بیت کی نہ تھیں۔ مگر ان کے نام سے رواج پا گئی تھیں۔ اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں۔ لیکن ان کی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہو گئی تھی اس نے کوشش تو ضرور کی ہو گی کہ ان صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی ان کی ہو سکتی ہیں۔ مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے طوفان بے تمیزی کے آگے اس کی کوشش کارگر نہیں ہوئی۔ اور اخیر اس دفتر بے پایاں سے اس نے اپنا پہلو بچایا۔ اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہل بیت کی روایتوں سے گریز کی ہے۔ اس نے اپنے اوپر ہیفہ کے لئے لینا قبول کیا۔ مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اس نے خاندان نبی امیہ کی دانستہ

کے لئے ضرور جاؤں گا چنانچہ وہ گیا اور پہلے مراسم عمرہ میں مشغول ہوا مگر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) نہیں لیا۔ اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنو امیہ میں بھی وہی کشش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی۔ اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دی گئی ہے تو بنو امیہ کا خاندان برباد ہو چکا تھا۔ اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنی امیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا۔

جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اس کی پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ جتنی روایتوں کی ان یا ان جیسی کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ ان میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہوں گی۔ مگر کوئی محک ان کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح سنیوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر ایک روایت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد صحیح کامیابی ضرور ہو سکتی ہے۔ اسماء الرجال کا علم اس قدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما بنے۔ اور ان دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آ کے حائل ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اگر صرف اسماء الرجال پر تکیہ کر لیں گے۔ تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہو گا۔ اور پھر ہمیں اسماء رجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑے گا۔ مثلاً اسماء الرجال نے ایک راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی شہادت دی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں۔ جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں۔ نہ اُس کے کارنامیاں کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کما حقہٗ واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ میں تھا۔ معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا اس میں

اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے زیادہ کوئی برا اور احمق نہیں ہو سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں۔ ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور صاحب کشف الظنون نے علماء کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسماء الرجال کے مرتب ہونے کے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی اور نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اٹھائی۔ اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا جھگڑا قطعی اٹھ جاتا اور فردی اختلافات جنہوں نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا منشاء اصلی یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابو القاسم (یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص۔ اور

کہ مکہ میں آؤں اور ایسے بڑے شخص کی صورت نہ دیکھوں جس نے عرب نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱) صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے بطور نص کے ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ بیشک اس صحابی کا قول ہے کہ جس کے نام سے روایت کیا گیا ہے خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی روایت میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی فقاہت ضبط حدیث میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اُس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں۔

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصلی معنے کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کی معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ الفاظ کا سب نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُن ہی معنوں میں لیا ہو جو معنے قائل کے ذہن میں تھے عام طور پر راویوں نے کبھی زواید اور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ راوی سنی ہوں یا شیعہ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور زواید سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جب یہ امر مسلّم ہو گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں سے جو راوی ثقہ ہو گا اور اُس قصّہ اور واقعہ سے خوب واقف ہو گا۔ اسی کو اختیار کریں گے اور اگر ثقہ راوی کے قول میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہو گا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے قام کا اور راغض علی جو لا اُمارہ آیا ہے۔ نہ اقتسل تو اُسے بھی اختیار کریں گے اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہو گا۔ اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے۔ اور کوئی مرجح نہ ہو گا تو وہ تمام خصوصیتیں مختلف فیہ لغو ہوں گی۔

زلزلہ ڈال رکھا ہے اور بت پرستی خوف زدہ کانپ رہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزوری یا خیالی بات نہیں ہونے کی جن روایتوں میں صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا۔ سب باادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ رسول اللہ کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اُسکا جواب دیتے نہ آپ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی حالات بلا سبب صحابہ کے آگے بیان فرماتے نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا۔ خدا کو ایک مانو اور محمد کو اس کا برحق نبی جانو۔ روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھو زکوۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایک بار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مین میگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہو گئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات بھی نہ تھی راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہم نے اوپر مختصر آ بیان کی۔ فقہا کی سن لیجئے۔ انہوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور ان ہی مفروضہ صورتوں پر گفتگو کی اور جہاں تک ہو امحض اپنی ذاتی رائے سے انہیں طول دیا اور وہ وہ باریک مسایل نکالے جو کبھی خیال میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ چونکہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف بھی اسقدر ہے کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ وہی نقطہ کہنے کا اثر صحابہ پر اسقدر پڑتا تھا کہ

غرض اسود حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رسم جاہلیت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳) وہ معمولی باتوں سے کوئی دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے۔ آنحضرت نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر فرض ہے۔ اور وہ مستحب ہے۔ اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے۔ اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتے دیکھتے تھے۔ اسی طرح پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسی طرح اعمال حج ادا کئے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا اور فرض و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسایل کے سمجھانے کی کوئی ضرورت تھی۔ یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انہیں کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اگرچہ فقہا نے انہیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے۔ مگر ٹھیٹھ اسلام اس کو بالکل مبرا ہے اور اس نے ایسی باریکیوں اور پیچیدگیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرایض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ بھی فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرلے اور اسوقت وضو رہے یا نہ رہے کا حکم کیا جائے الا ماشاء اللہ صحابہ اس قسم کے فضول امور دریافت نہ کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا انہوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسایل میں سے ہیں کہ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہدے اس مہینہ میں لڑنا بہت بُرا ہے۔ ویسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں۔ ویسئلونک عن المحیض۔

اس نے سلام نہ کیا۔ حضور انور نے کہا السلام علیکم اور پھر فرمایا کہ یہ سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوں حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے وہ امور دریافت نہ کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی ملک وقوع میں نہ آئے ہوں۔ قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم دریافت نہ کرتے تھے اور ہم نے ایسے امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم انہیں جانتے تو اُن کا چھپانا کسی طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اُن کی تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے اُن سے اس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مر گئی تھی اُس کا کوئی ولی نہ تھا انہوں نے بیان کیا کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کیا کرتے تھے نہ تمہارے ان مسایل کو وہ دریافت کرتے تھے۔ (یہ تمام آثار دارمی نے روایت کئے ہیں) دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ آئے ہوں۔ اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جس کی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی۔ پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہو گی۔ جبتک صحابہ زندہ رہے انہوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا۔ اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی برائی کی

اہل بہشت کا ہے اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس سے بہتر سلام نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسایل میں رد و کد ہوتی تھی اور جب صحابہ کی وفات ہو گئی اور کوئی صحابہ زندہ نہ رہا تو غلط روایات کا طوفان چاروں طرف سے اٹھا اور وہ مفسد طبایع جو صحابہ کے دباؤ سے رکی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی اُن میں آمیزش دے دی گئی۔

خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جنکا سر نہ پیر اور وہ وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمۃ للہ یہانتک کہ آپکی شان اقدس و اطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں بالکل اصحاب ثلاثہ پر وہ وہ ناملایم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں وہ انکے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہانتک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد نہ کی کیفیت بیان کر دی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنہیں کوئی نہیں کھول سکا ہے۔ اپنی فسانہ پسند طبایع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ ان کی زندگی ہی کے واقعات بیان کئے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُن کی نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی وہاں تو یہ غضب ہوا جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہو گئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گذر رہی ہے۔

اگرچہ اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں، جس سے معلوم ہوگا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کسقدر ہے

اسعد نے حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کس دین کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں ان کا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو میل گز ایک وادی میں ہوا میں نے مور کی ایک پہاڑی میں دھواں اٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکا کی آوازیں سنیں۔ جب میں قریب گیا تو میں نے سنا کہ عمر اور ابوبکر پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور یہ آگ اُن ہی کے لئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے انہیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتے ہوئے دیکھا۔ اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھ سے طلب آمرزش کی۔ میں نے کہا تمہاری سزا یہی ہے تم اسی طرح رہو۔ یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنہیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہزارہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریقین میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا منکر یا اُن میں شبہ کرنے والا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا اس تلخ ترین عداوت پر کب ممکن ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے۔ سچ ہے کہ ازواج پاک اپنے ان تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا۔ کیونکہ ہر فقیہ اُسوقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا۔ جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی پرکھ بالکل اس کی ذاتی تحقیق اور اُس کے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی

دعوت کرتے ہیں حضور انور نے ارشاد کیا کہ میں تمہیں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷) حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو باہم فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنے ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک مزالی ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنے کی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں خود تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آکے واقع ہوئی ہیں اسمیں شک نہیں کہ ہمارے علما محض نیک نیت تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلام کو فایدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگذاشت کی عادت سے بھی وہ مبرا نہ تھے۔ اور مسلمانوں کا کوئی فریق اپنے علما کو معصوم نہیں تسلیم کرتا۔ ضرور اُن پر ان لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں۔ اور اگرچہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اُنہیں انقطاعی یقین اپنی جمع احادیث پر نہ تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دے دیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانیٔ اسلام سے رکھتے تھے۔ یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ لوگوں کے پاس اس سے زیادہ صحیح احادیث پہنچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں۔ مبادا اس کتاب کی اشاعت سے اُنہیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں۔

محمد رسول اللہ کی دعوت دیتا ہوں اور یہ حکم کرتا ہوں کہ کسی چیز کو خداوند تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جسکی نظیر کسی قوم کے علماء میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیونکہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اس پر یقین ہوتا۔ بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا۔ اس لئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلوان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسایل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہو سکتیں۔ حضرت بی بی عائشہؓ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے۔ اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے باہر کہیں چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسایل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اس کے پاک ناپاک ہونے کی نسبت فیصلہ کیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کو پردہ کرنے کا صاف حکم آگیا تھا کہ نہ کوئی صحابی در انا اندر چلا آئے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے جب قرآن مجید میں یہ حکم آ چکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عملدرآمد ہونا بھی لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے ایسے مسایل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہؓ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اس پر ایسا جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے اور وہ جواب ایسا ہے کہ اسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح کہ فقہا کو ایسے مسایل کی تنقیح کرنے کی ضرورت

کے ساتھ شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اپنے بچوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) پڑی ہو گی لیکن انہوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی کرنے کے لئے ان غلط روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کر دی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا اور انہیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی سی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کرے گا۔

کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسی طرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسایل کا دار و مدار ہے۔ اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم و بیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے۔ مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا۔ اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اُس سے ہزارہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفاء راشدین کے زمانہ تک قرآن مجید کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اس کے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں یا حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی۔ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہو گئے اور اُن میں کشیدگی یہاں تک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ۔ یہ صحیح ہے کہ باہم مسایل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہو جاتی تھی مگر خاتمہ کلام پر پھر باہم شیر و شکر ہو جاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی

قتل نکرو پھر حضور انور نے سورۃ انعام میں سے چند آیتیں پڑھیں اسعد نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب و غریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ ان روایات کا پایا جاتا ہے اور جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہو گئی ہیں۔ مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتی الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے اس میں کسی طرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلےٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لیکے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں اسی طرح تفسیر اہل بیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ائمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ آیا ائمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں ان کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں۔ یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے۔

ناظر تفسیر بخوبی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اس کی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایات کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی مشکل امر ہے۔

ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں۔ سنیوں۔ خوارج اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے

کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ پڑھا اور دل سے مسلمان ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) فریق کی تفسیروں کو مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اُسکی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علمائے اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اسکے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ کاش حضرت صدیق اکبرؓ یا حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عثمانؓ غنی یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفاء میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے۔ تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی اور بے شک اُس وقت ہر مفسر جو اُن کے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو کہ رسول خدا سے سنی تھیں۔ اور انہیں اور روایات درج کرنے کا خیال بھی نہ آتا اور ایسی حالت میں اُنکی تفسیر پر جرح و قدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا۔ مگر جب یہ بات نہیں ہے اور اُن میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس لئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اُس پر وحی اُترتی ہے زبردستی سے تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بددین کہیں جو اُنکی مخالفت کرے۔ جب کہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لے کے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہو جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا۔

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقایق اور نکات کے سمجھانے میں

میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں ہم اہل یثرب اور خزرج سے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) عجیب کمال پیدا کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگذاشت ضرور ہو گئی ہو کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اُس نے قرآن مجید کے اصل منشا کے خلاف لکھ دیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیوں مفسر بھی آخر انسان ہی تھے اور انسان کیساتھ جو کمزوری اور فروگذاشت لگی ہوئی ہے وہ اس کی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے ہر انسان کے ساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہم نے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا۔ چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اس پر بالتفصیل بحث کریں گے۔ اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

الفضل عام طور پر یہ مشہور کرتے ہیں کہ اہل بیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت سخت عداوت تھی۔ اور اس عداوت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنا لئے ہیں کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جب تک وہ حیات رہیں غایت درجہ الفت تھی۔ آپکو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپکے لڑکے صغیر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کے دو بچے حسنین موجود تھے اس لئے آپ ان ہی کو اپنے بچے سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے اولاد کے شوق میں آپ نے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا اور آپ اُس کو بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی اس قدر کیوں زاری فرماتے ہیں

ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں رشتہ اتحاد قطع ہو چکا ہے اگر خداوند تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) جبکہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب وغریب ہیں۔ میں نہیں رو رہا میرا دل رو رہا ہے۔ یا اسی قسم کی دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپ کی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے۔ اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں برکت دیتے تھے جب آپ کی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُن کے بچوں سے آپ کس قدر محبت کرتے ہوں گے۔ آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے۔ آپ چڈھی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اٹھاتے تھے۔ اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج سے کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد۔ تو اس وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ توجہ فرماتے اور انہیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی سہی جلتیں۔ اور قدرتی دشمن بن جاتیں جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہل بیت میں بیان کی جاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اسکا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت بی بی فاطمہ کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطہ انہوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو۔

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول اللہ کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں۔ حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کر لیں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے۔ اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت

حضور کی برکت سے ہم میں پھر رشتہ اتحاد قایم کر دے تو پھر حضور انور سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) بی بی عائشہ میں دشمنی تھی۔ مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی۔ اور آپ نے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں اور اگر فرض کر لیں کہ حضرت علی نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں اور انہوں نے اُس کے جواب میں یہ برا بھلا کہا۔ اور جب ان سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ پھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قایم کئے گئے ہیں یہ روایات کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا۔ سراسر غلط ہے اور ہم اُس کی لغویت کے دلایل اُوپر بیان کر چکے ہیں۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے۔ ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قایم کرنا۔ شرم کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نے اول مدعا میں کامیاب ہوئے دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں منافق۔ بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایسا بدیہی دروغ ہے جس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے اور آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپ نے اتحاد کی نیو میں بھی مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علیؓ ہوں یا حضرت فاروق اعظمؓ۔ حضرت بی بی فاطمہؓ ہوں یا حضرت عائشہؓ سب آپس میں متحد تھے اور

زیادہ کوئی عزیز نہیں ہو سکتا۔ اے رسول اللہ ہم نے یہودیوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) ایک دوسرے سے ذرا بھی مخالف نہ تھی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جب تک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی۔ آپ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قایم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اُسامہ کی ماتحتی میں شام کو مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی۔ جب بدوؤں نے حملہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس حملہ کو پسپا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور اخیر کل صحابہ نے مل کے اس سخت مہم کو سر کیا تھا جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی پشت پناہی نے اپنی خلافت کے لئے موقع ڈھونڈا ہو۔ آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصّہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمرؓ ہی انجام دیتے۔ مگر حضرت علی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔

یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانۂ خلافت میں باغ فدک کا جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے لڑی ہوں۔ باغ فدک اصل میں کوئی چیز ہی نہیں تھا۔ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر سنی شیعوں نے بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کئے ہیں حضور انور رسول

آپکا وصف بہت سنا ہے اور انہوں نے ہی حضور کے ظہور کی ہمیں بشارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶) صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جائداد نہ تھی۔ نہ خیبر میں نہ فدک میں۔ اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ بکتر یا تلوار تھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن نہ تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا نہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے۔ اگر آپکے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہؓ خود بہت بڑی سیر چشم خاتون تھیں۔ اگر ہم نے فرض کیا کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انہیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں۔ انکھیں ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے صاف کرا کے گذر گئے ہیں اور چولہے وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سایل نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اس سائل کو دے دیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت زدہ نہ دیکھ سکتی تھیں۔ دنیا آپکی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی۔ آپ کو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے کبھی حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ نہیں کہا کہ ابو بکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے۔ آپ حد درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپ کی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی۔

اسکے علاوہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائداد میں خلفا نے تصرف کیا۔ جبکہ خود اُن کی حکومت وسیع حصہ زمین میں پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو اور خیبر میں آپ نے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لئے اس واسطے مخصوص کر لیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زرعی کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا۔ اس میں آپ شریک تھے اور بس اور اسکے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی۔ یا آپکو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف

دی ہے ہم امیدوار ہیں کہ آپ ہمارے گھر میں ہجرت کر کے رونق افروز ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) کر دیئے تھے حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ کھجور اور دودھ جب کبھی میسر آگیا تو گویا آپ نے بڑا پر تکلف کھانا کھایا۔ آپ نے بارہا کئی کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپ کے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے۔ جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اس خاص آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ کیسا باغ اور کس کی خیبر کی زمین۔ اگر قیصر و کسریٰ کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہؓ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں۔ وہ بھی تو اخیر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول اللہ کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا کہ اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر میں چپ کے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے۔ حضرت علیؓ کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئی بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدمستی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہوگئیں۔ اور اس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف ان کو اس لئے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے چاہے حضرت علی کی چھوٹی اور دور از قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو۔

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں کہ کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکتا آپ جیسے بہادر تھے اسی قدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ

کیونکہ اہل کتاب نے ہمیں خوشخبری دی ہے کہ ہمارے غریبانہ آنے قدم رنجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) گلے میں رسی ڈلوائیں۔ پھر مدت تک نائب میر منشی کا کام بھی دیتے جائیں اور شیر وشکر ہو جائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض جھوٹ ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفاء راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہل بیت کے جانی دشمن تھے۔ دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں اُن کا اتنا زور ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم کر لیا اور پھر روایتیں رواج پا گئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسی طرح حضرت عمر کو بھی مدد دی۔ اور آپ اُن کے مدار المہام بن گئے کیونکہ جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لیگئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرایض انجام دینے کے لئے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت علی روکتے تھے۔ اور نجانے دیتے تھے۔ مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لیگئے اور حضرت علی نے آپ کے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اُسوقت بھی ویسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ (جس سے تنگ آکے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اٹھاتا) نہ سنبھل سکی اور آپ مروان کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سانگ دیکھا تو پہلو تہی اُسوقت تک نہیں کی۔ جب تک کئی کئی بار حضرت عثمان کو نہ سمجھا دیا۔ ہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کی حالت میں امور سلطنت کا چلانا سخت دقت تھا۔ بیشک انہیں بہت دھوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دھوکے میں آگئے آپ کی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپ نے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی سے کیا آپ نے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپ کو خلیفہ

فرمائیے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں آپ کی قدمبوسی حاصل ہوگئی۔ میں خدا کی قسم کھا کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) تسلیم کیا اور اس لئے مجبوراً آپ نے ضعیفی کی حالت میں خلافت کا بوجھ اُٹھایا۔ یہ صحیح ہے کہ جو آپکو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا۔ جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہوگئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی۔ ایسی شہادت جس پر سنگدل سے سنگدل بھی افسوس کریگا اور اُس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپ نے فی الحقیقت امت محمدی کا تو بھلا ہی کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی مگر آپکو معلوم تھا کہ آپ کے قریبی رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہوں گے۔ اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ تو آپ ضرور اس کا انتظام فرماتے۔ آپ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کی وجہ سے اسلام میں فساد پھیلے۔ ہمیشہ جو کچھ فساد اُٹھا کوفہ سے اُٹھا۔ ابھی المیان سے خلافت ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں کو عامل بنا کے بھیجتے ہیں اسلئے انھیں خلیفہ نہیں ماننا چاہیئے۔

سعید بن العاص والئے کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوفی حضرت عثمان کے خلاف چہ میگوئیاں کر رہے ہیں تو اُس نے فوراً حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں کو امیر معاویہ کے پاس بھیج دیں تاکہ امیر معاویہ ان کے شکوک رفع کر دیں۔ چنانچہ والئے کوفہ نے فوراً ان لوگوں کو معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ امیر معاویہ نے اُن کی بڑی خاطر داری کی اور سمجھایا کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ ان سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ تمہیں کچھ اسلام کا بھی پاس و لحاظ کرنا چاہیئے۔ یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے۔ اور اُن میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا۔ امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈاڑھی پکڑ لی۔ واہ رے تحمل اور بردباری کہ امیر معاویہ نے اُف تک

کہتا ہوں کہ میں صرف اپنی قوم کی فتحمندی کی سیر کرنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰) نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو ان کی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔

حضرت عثمان نے لکھا کہ ان پر ہرگز سب وشتم نہ کیا جائے بلکہ انہیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیجدیا جائے۔ سعید بن العاص نے انہیں بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور انہیں بتایا کہ اگر تمہاری ان باتوں سے کوئی فساد ہو گیا تو اسلام میں خونریزی کے تم ذمہ دار ہو گے۔ یہ لوگ بظاہر تو کچھ دھیمے ہو گئے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی۔ چونتیسویں سال ہجری کو سعید خود حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ آخر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں سعید نے عرض کیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا والی بنا دیا۔

اس سے زیادہ آپ اور کیا کر سکتے تھے۔ آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض نہ تھی۔ یوں تو اپنے رشتہ داروں سے فطرتاً سب کو محبت ہوتی ہے۔ مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے۔

کوفیوں کے کہنے سے ابو موسیٰ اشعری بھی حاکم ہو گئے۔ پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ بند نہ ہوا۔ اور اخیر یہانتک نوبت پہنچی کہ صحابہ میں سے چند صحابی آپ کے کھلم کھلا مخالف بن گئے۔ ان میں زید بن ثابت ابو رشید السعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت تھے۔ یہ صحابہ اس قدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتوی دینے پر راضی ہو گئے۔

ہم ان صحابہ کی شان میں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مخالف ہو گئے تھے اور کوئی سوء ظنی نہیں رکھتے۔ بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں نے ان کے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلا تحقیق بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جو الزام

اُس کارساز حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس سے بھی زیادہ نعمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱) اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے وہ یہ تھے۔

اوّل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن العاص کو جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے اُسے گھسنے نہ دیا تھا۔ مدینہ میں واپس بلا لیا۔ دوم آپ نے مروان ابن الحکم کو پانچواں حصّہ افریقہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی دے دیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا جھین کے مروان کو دے دیا۔ اور عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک مروان کی اولاد اس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اسی زمانہ میں قایم ہوئے تھے اور ان الزاموں کا یہاں تک چرچہ ہوا تھا کہ عبد الرحمٰن کندی نے چند اشعار بھی موزوں کر دیئے تھے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے قسم ہے خدا کی خدائے تعالےٰ کوئی امر بے قاعدہ اور لغو نہیں بنایا مگر تو نے (حضرت عثمان غنی کی طرف خطاب) ہمارے واسطے فتنہ پیدا کیا ہے۔ تاکہ اس میں ہماری اور تیری آزمائش کی جائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گذرے وہ ہدایت کا ایک مینار بنا گئے اور کبھی اُنہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گذشتہ سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصّہ جو حق العباد تھا۔ لوگوں کے گلے پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا۔ غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بُو آتی تھی۔ چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تھلکہ عظیم برپا ہو گیا۔ اگرچہ مذکورہ بالا اعتراض محض لغو اور بے معنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں۔ جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہو گیا۔

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ اور بصرہ اور مصر سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے

ہمیں دی۔ آخر کار جب خزرجی مدینہ میں واپس ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) مصری تو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بنیں اور کوئی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ جب پہلا جمعہ ان لوگوں کے داخل ہونے پر آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر ہمیشہ رسول خدا نے لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولہ ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی اُن کے ساتھ شریک ہو گئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں بمشکل چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپ کے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو کے ممبر پر گر پڑے تھے۔ مدینہ کے لوگوں میں سے جنہوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے۔ سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ حضرت عثمان گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے واپس جانے کی نسبت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں۔ آپ سیدھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اوّل تو مروان کو میر منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر دیجئے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا مجھے بدل منظور ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھایا کہ تمہارے حسب منشا کام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

اسلام کی طرف بلایا اور حضور انور کی شمائل کو خلق خدا کے آگے بیان کیا۔ خواجۂ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جاتے ہی مروان آیا۔ اُس نے کہا دیکھئے۔ ایسا نہ کیجئے گا۔ آپ کے لئے بہتر نہ ہوگا۔ حضرت عثمان غنی نے جواب دیا کہ میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا۔ اور حضرت علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سر پٹکا۔ لیکن حضرت عثمان غنی نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو موقوف کر دیا۔ اور محمد حضرت ابو بکر کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ انصار اور مہاجرین کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا۔ جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو اُنہوں نے ایک ساندنی سوار آتے ہوئے دیکھا اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں مصر کے ایک حاکم کے پاس جاتا ہوں۔ محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عامل تو یہ ہو گئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا ہے۔ یہ سنتے ہی محمد نے اُسے گرفتار کر لیا۔ جب اُس کی تلاشی لی۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک مہری خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے پاس پہنچے۔ اُسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد مع ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کر کے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور و غوغا مچ گیا۔ سب مل کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے۔ مگر مجھے علم نہیں ہے۔ غرض آپ نے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کر دی۔ صحابہ کو یقین آگیا اور اب چونکہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا۔ کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مانگا۔ مگر آپ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا۔ بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی پھر بھڑک اُٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب حضرت عثمان غنی کی جان کے لینے کے دینے پڑ گئے

کونین سید الثقلین کی شہرت تمام شیرب میں ہوگئی۔ اور بعض لوگ نور ایمان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کر دیا اور حکم دے دیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے اسی طرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لئے مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا تینوں صاحبزادوں نے روکا یہانتک کہ حضرت امام حسن علیہ السلام تو اسقدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسی کو اندر نہیں گھسنے دیا۔ اخیر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان غنی کے مکان میں آگئے۔ ان میں محمد حضرت ابو بکر صدیق اکبر کے صاحبزادے بھی تھے جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے۔ آپ کے غلاموں نے مقابلہ کیا۔ طرفین کے کچھ لوگ مقتول اور مجروح ہوئے۔ اخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی بڑی توقیر کیا کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے پر اثر لفظ تھے کہ جنہوں نے جادو کا اثر کیا۔ محمد ڈاڑھی چھوڑ کے پیچھے قدموں ہٹ گئے۔ پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا۔ آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا۔ ان کی انگلیاں اور آدھا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر آپ کو شہید کیا۔ جس وقت آپ شہید ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸ ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال تک خلافت کی۔ آپ کی عمر شہادت کے وقت نوّے سال کی تھی۔ تین روز تک آپ دفن نہیں کئے گئے۔ اخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

منوّر ہو کے عامۃ خلایق کو دین اسلام کی دعوت کرنے لگے اگرچہ یہ نہیں کہہ سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) کہ آپ کے بارہ میں کس قدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں۔ ہم مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر ان پر رائے دیں گے یہ وہ واقعات ہیں جو ایک حد تک مسلم ہیں اور اُنہیں کم و بیش سب نے تسلیم کیا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کرنے گئی ہوئی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ جس شخص نے آپ سے یہ روایت بیان کی۔ اُس سے آپ نے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا۔ اُس نے جواب دیا کہ علی مرتضےٰ۔ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس واقعہ کا حال مکہ کے راستے میں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں مدینہ اب میرے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ حضرت عثمان غنی مظلوم شہید ہوئے اور میں ضرور ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ اُس پر عبید سلمان نے کہا کہ تعجب ہے اے عائشہ پہلے تو تم یہ کہا کرتی تھیں۔ اُقتلوا نعثلا فقد کفر یہ ہے روایت جو بیان کی گئی ہے جس کا سر نہ پیر اوّل تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے ہی حضرت بی بی عائشہ صدیقہ نے یہ کہا ہو۔ دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو یہ خبر لگی۔ آپ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے آپکو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے یہ خبر دی تھی۔ اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی ان کو بھی خواہش تھی۔ اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آپکے بھی ساتھ تھا۔

جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن ہو چکے تو یہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنئے۔ حضرت علی نے خلیفہ بننے سے انکار کیا۔ کیونکہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی کشش کو دیکھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے

کہ آج سے دین اسلام کی بنیاد خیرب میں پڑ گئی مگر ہاں اس کہنے میں تامل نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶) ہرگز منظور نہیں ہے تم چاہے جس کو خلیفہ بنا دو۔ جب کوئی خلیفہ ہو جائیگا میں اُسکے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل نہیں ہے۔ آپ انکار نہ کیجئے اور بسم اللہ کیجئے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علیؓ بڑی گفت وشنود کے بعد راضی ہو گئے۔ اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی۔ حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں ٹنڈا ہو گیا تھا۔ جونہی حبیب بن ذویب نے یہ سنا کہ ٹنڈے طلحہ نے بیعت کی تو انہوں نے بیساختہ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون" کیونکہ اوّل جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ کا ٹنڈا ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور آپ خلیفہ بن گئے۔ مگر بڑی غلطی جو آپ نے کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ کو سزائے موت دینی چاہی۔ کیونکہ انہوں نے ایرانی شہزادے کو قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا۔ چونکہ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ سب کی رائے تھی کہ اسے سزائے موت نہ دینی چاہیئے۔ اور کل صحابہ مع حضرت عثمانؓ غنی اسکے خلاف تھے اِس لئے عبداللہ چھوڑ دیئے گئے تھے اسمیں شک نہیں کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور وہ اس بے رورعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام نے قایم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی سننا ضرور چاہیئے تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنی چاہیئے تھی۔ بہرحال کچھ ہو اخالفت کی بنیاد اول تو اس سے قایم ہوئی۔ اور اس سے اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہرگز فساد نہ ہو سکتا تھا مگر ڈر یہ تھا کہ مبادا زیادہ خونریزی نہ ہو جائے اور مدینہ پر نئے سرے سے مصیبت آ پڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر ٹھہرنے میں فساد نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلین

کہ ایک غیر معمولی تحریک اسلام کی نسبت ضرور پیدا ہو گئی اور لوگ چوکنے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) انتقام لیتے مگر سروست قاتلوں کو گرفتار کرنا اور انہیں سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپ کے خیال میں کسی طرح بھی خامی نہ تھی۔ اُدھر صحابہ کا جوش بڑھ رہا تھا اور جوش بھی بیجا نہ تھا۔ کیونکہ ضعیف اور مقدس خلیفہ واقعی بے گناہ بہت ہی بے دردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مردان کا ہے پھر مردان ہی کو پکڑا ہوتا بھلا حضرت عثمانؓ نے کیا بگاڑا تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ ان سے زیادہ بزدل اور کون ہوگا جن کا ہاتھ نوّے برس کے بوڑھے پر اُٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے در پے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دے دیا کہ جب تک میں کافی طور پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کر لوں حضرت عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو صدہا اصحاب ناامید ہو گئے اور انہوں نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے۔ مگر انہوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے۔

کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کروا ڈالیں گے۔ جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ سے ساری کیفیت بیان کی تو انہیں سخت ناگوار گذرا۔ اور انہوں نے کہا کہ علی کا پہلا فرض یہی تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا۔ ابھی طلحہ اور زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبد اللہ بن عامر بصرہ سے آ گیا اور یعلی بن امیہ یمن سے۔ اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ لے کر آئے اور پھر باہم مشورے ہونے لگے۔ حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آ گئیں۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ تقاضائے فطرت انہیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اسقدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی وہ صرف حضرت عثمان کے لئے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے۔ اور یہ جوش انکا

ہو گئے اور جدید مذہب کی باتیں سننے کے لئے طبائع رجوع معلوم ہونے لگیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸) اسلامی تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورے ہونے لگے۔ اخیر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں۔ بصرہ میں جانے تک متعدد روایتیں ہیں۔ اور ان میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ عبد اللہ بن عامر نے ورغلا کر آپ سے کہا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت کثرت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہوگی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے یہ کہا تھا کہ بصرہ میرا معتقد ہے اگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بآسانی خون عثمان کا عوض لے سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ کا ارادہ ہو گیا تو مکہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کمربستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ دو ہزار مسلمان اور مدینہ منورہ کے ہمراہ ہو گئے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ ام المومنین ام سلمہ کے پاس آئیں اور ان سے مشورہ لیا کہ میں امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ حضرت بی بی ام سلمہ نے سمجھایا کہ یہ تم کیا غضب کرتی ہو۔ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار ہوتی ہو۔ تمہیں وہ حدیث یاد ہے کہ جب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں سے ایک بی بی باغی ہوگی اور ایک تیز اونٹ پر سوار ہو کے جدال و قتال کرے گی تو میں یہ سن کے خوف کے مارے گر پڑی تھی اور میرے اس خوف زدہ ہو کے گرنے پر رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا کہ تم کیوں ڈرتی ہو فلاں بی بی ایسا کرے گی اشارہ تمہاری طرف تھا دیکھو بچو! اور اس آفت میں نہ پڑو! علی کا مقابلہ کرتی ہو؟ یہ بات ٹھیک نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب تم ہی اسے امیر المومنین کہتی ہو یہ سن کے عائشہ ڈر گئیں اور کہا میں

بیعت عقبۂ اولیٰ۔ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) اپنا ارادہ عراق عرب جانے کا ترک کرتی ہوں اب کبھی نجاؤں گی۔ ام سلمہ تم سچ کہتی ہو۔ جب حضرت عائشہ اپنے جائے قیام پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلوگی تو میں دیوانہ وار جنگلوں میں نکلجاؤں گا اور پھر کبھی مونہ نہ دکھاؤں گا اور ساتھ ہی میں خودکشی کرلوں گا۔ زبیر حضرت بی بی عائشہ کے بھانجے تھے۔ آپ اپنے بھانجے سے محبت بہت کرتی تھیں ناچار راضی ہوگئیں اور ام سلمہ کی نصیحت کا کچھ خیال نہ رہا۔ یہ روایتیں ہیں جو اٹکل پچو بیان کی جاتی ہیں کجا حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور کجا ام سلمہ کا اُس حدیث کو دوہرانا۔ یہ سب بے بنیاد اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جنھیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ حضرت جانتے بھی تھے کہ عائشہ باغی ہوگی اور پھر موانست بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ نہ اُسوقت ام سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے نہ حضرت بی بی عائشہ کا اُن سے مشورہ لینے کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم مدینہ میں گئیں تو علی اچھا سلوک نہیں کرنے کے۔ ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے آپ چونکہ خاتون تھیں یقین آگیا اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپ نے کبھی حضرت عثمان کو کافر کہا نہ آپ کو امور سلطنت میں دخل دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آپ نے حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر وقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کو ایک دن بھی خلافت کیوں نصیب ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی فی حضرت عثمان میں دیکھتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اس کا اثر پڑتا اور سب برسرپرخاش اٹھ کھڑے ہوتے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی پروا نہ کی تو حضرت عثمان سے برسرپیکار ہونا بہت بڑی بات نہ تھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ ایک ام المومنین مدینہ ہی میں رہے اور خلیفہ وقت کی نسبت کفر کا فتوے دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے نہ حضرت عثمان اپنی بریت کریں اور نہ مسلمان کچھ چون وچرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیر القرون اور عقل

پشت سے بارہویں سال بارہ آدمی مدینہ سے کعبہ کی طواف کی غرض سے مکہ میں آئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی ان واقعات پر غور کی ہے ہرگز اُن کی صداقت کی شہادت نہیں دینے کا۔

یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ آپ بصرہ تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت علی سے جنگ ہوئی جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ بصرہ پہنچیں تو پہلا حملہ عثمان بن حنیف پر ہوا جس نے خفیف مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور قید کر لیا گیا اُس کی ڈاڑھی منڈنے اور موچھیں اکھڑنے کا قصہ گہڑا ہوا ہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سُنا آپ ایک فوج کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے حضرت علی کی فوج کا علمدار محمد بن حنفیہ تھا لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین رسالہ پر عمار بن یاسر اور پیادہ فوج پر محمد بن ابی بکر الصدیق یعنی بی بی عائشہ کے بھائی تھے کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپ کے ہمرکاب تھا مقام خریبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھسے آکے ملجاؤ چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تم کو یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں روز رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھ سے لڑتے ہو۔ حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادۂ جنگ ملتوی کر دیا مگر جب وہ اپنے لشکر گاہ میں واپس آئے آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اس کا کفارہ دیدو۔ چنانچہ آپ نے عہد شکنی کے کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کر دیا اخیر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی جس اونٹ پر آپ سوار تھیں اس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے شکست ہونیکے بعد حضرت علی نے محمد بی بی عائشہ کے بھائی کو آپ کے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبد اللہ بن خلف کے مکان میں اُتارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا۔ اس جنگ میں

اور بمقام عقبہ حضور رسالت پناہی سے شرف ملازمت حاصل کیا۔ اور اُن سب نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) طلحہ اور زبیر بھی کام میں آئے جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بیساختہ رونے لگے اور اُن کے جنازہ کی خود نماز پڑھائی اور اُنہیں دفن کر دیا یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی۔ طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس سے یہاں تک طول کھینچا کہ حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نکرتے تھے اور جو لوگ اس میں تساہل کو ناواجب سمجھتے تھے وہ آمادہ پرخاش ہو گئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزاروں صحابہ بلا وجہ شہید ہوئے اور اسلام کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلمانوں نے دیکھا اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں کو ہوئی وہ صرف حضرت عمر ہی کی صائب تدبیر کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت تھی جسے مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے اور اب بھی موجود ہے۔ مخالفت کی اس میں کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت علی اس امر کو خوب جانتے تھے اور آپ نے کبھی انکو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرمائی ہیں۔ دشمن کے جنازہ کی نماز پڑھا کے آپ نے اسکا ثبوت دیدیا کہ یہ مذہبی لڑائی نہ تھی۔ ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مر چکا ہو اس کے لئے دعائے خیر ہی کرنی چاہیئے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں اول روز سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اس سے غیر معمولی رعایتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور اُسے دینے میں تامل ہوتا ہے اس لئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ کامیاب ہو گئے وہ حقوق لے لئے ناکام ہوئے پھر اپنی اُسی حالت پر آ گئے اور بس

سچے دل اور یقین سے بیعت کی۔ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنے کے چوری نہیں کریں گے۔ جھوٹ نہیں بولیں گے اور مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اور حضور انور کے حکم سے نافرمانی نہیں کرنے کے۔ جب یہ عہد کر چکے تو رسالت پناہی نے ارشاد کیا اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو تمہارے لئے بہشت بریں ہے۔ اور اگر سوائے شرک و کفر کے تم نے ان میں سے کسی چیز کو بھلا دیا تو تمہارا معاملہ خدا کے ساتھ ہے خواہ وہ تم پر عذاب کرے یا بخشدے ان بارہ آدمیوں کے یہ نام ہیں۔ سعد بن عبادہ۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف و معاذ پسران عفران۔ رافع بن مالک منذر بن صامت۔ یزید بن ثعلبہ۔ عقبہ بن عامر۔ قطبہ بن عامرہ۔ جدیدہ۔ ابو الہاشم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) بی بی عائشہ کی بھی یہی مثال ہے اگر چہ ہم انہیں باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہو جاتیں لے لیتیں ناکام رہیں اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا

یہ ہے حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری جو نہایت اختصار کے طور پر بیان کئے گئے آپ کے واقعات زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو عیب ہو اور ساتھ ہی آپکے شایاں بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی پڑ گئی تھی کہ حضرت علی قدرت ہونے پر بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑتے اور حضرت علی نے اُن کے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی کوئی مصلحت سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے۔ حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک برابر خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور اخیر آپکی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضائع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد اور قتل و غارت سے مسلمان عاجز آ گئے تھے اخیر امیر معاویہ عمر بن العاص اور حضرت علی کو قتل کروانا چاہا کہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں تو بچ گئے اور حضرت علی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں منقول ہیں۔

بن تیہان۔ عویم بن ساعدہ۔

روایت ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیرہ کو اس جماعت کے ساتھ مدینہ بھیجا تاکہ قرآن مجید کی تعلیم دیں اور شرع شریف کے قواعد بیان کریں۔ مصعب نوجوان صحابی تھے اور اپنے ماں باپ کے بہت ہی ناز پروردہ تھے۔ مگر مسلمان ہونے پر اُن کے والدین نے اُن پر بہت سختی کر رکھی تھی اور جب وہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں بمقام شعب حاضر ہوتے تھے تو انہیں سختی کے ساتھ روکا جاتا تھا۔ مگر وہ یہ ساری سختیاں خوشی کے ساتھ سہتے تھے اور اُف نہ کرتے تھے۔ غرض جب وہ انصار کے ساتھ مدینہ میں تشریف لائے۔ تو اسعد بن زرارہ کے گھر میں اُترے۔ اور انھوں نے حسب الارشاد حضرت رسالت پناہی تلقین دین اسلام مدینہ میں شروع کی۔ اہل مدینہ ایمان لانے لگے ایک دن اسعد بن زرارہ و مصعب بن عمیرہ بنی اظفر اور بنی عبدالاشہل کے محلوں میں گئے ان دونوں محلوں کے لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے اور وعظ سننے کے بعد بہت سے آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ جب یہ خبر سعد بن معاذ کو پہنچی جو اسعد بن زرارہ کا خالہ زاد بھائی تھا تو وہ سخت برہم ہوا۔ کیونکہ اس قبیلہ کا وہ رئیس اعظم تھا۔ اس نے اُسید بن حضیر کو مخاطب کرکے کہا ایو یامہ یعنے اسعد بن زرارہ ایک عجیب وغریب شخص کو مدینہ میں لایا ہے۔ اور قوم کے ضعیف لوگوں سے وعدے وعید کرکے انھیں ان کے آبائی دین سے برگشتہ کر رہا ہے۔ اگر صلہ رحم مانع نہ ہوتا تو صرف میں ہی اُس کے مہم کا خاتمہ کر دینے کو کافی تھا۔ تجھے اب یہ لازم ہے کہ تو جا اور اُسے اس حرکت سے باز رکھ۔ یہ سنتے ہی اُسید مسلح ہوکے اُن لوگوں کے پاس آیا۔ اسعد نے اُسے آتا دیکھ کے کہا کہ یہ شخص اشراف اور اخیار قوم میں سے ہے اگر یہ ایمان لے آئے تو بہت سے اسکے ساتھ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ غرض اُسید ان لوگوں کے پاس پہنچا تو زہر خندہ کرکے اور غصہ میں بھر کے کہا کہ تم ہمارے قوم کے ضعیف لوگوں کو برباد کرنے کیوں آئے ہو اسعد نے جواب دیا اے

اور کیجئے تو ایک ہوشیار اور عقلمند شخص ہے کچھ دیر تامل کر ہمارے پاس بیٹھ جا اور ہماری سُن اگر تیری سمجھ میں آئے تو اُسے مان اور جو امر تجھے مکروہ معلوم ہو ہم اُس کا ازالہ کرنے کے لئے موجود ہیں۔ اُسید نے کہا بیشک تو نے ٹھیک کہا یہ کہکے اپنے حربہ کو زمین پر رکھدیا۔

اِس کے بعد مصعب نے اِدھر اُدھر کی چند باتیں کرکے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور جب دیکھا کہ اُسید اُن سے متاثر ہوا ہے تو اسے دعوت اسلام دی اُسید کے چہرہ پر بشاشی پیدا ہوگئی اور نور اسلام جلوہ کرنے لگا اس نے بکمال انبساط یہ کہا کہ جو شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے تو تم اسے کیونکر مسلمان کرتے ہو مصعب نے کہا کہ تو پہلے غسل کر اور پاک و صاف کپڑے پہن اور کلمۂ توحید پڑھ کے نماز کی دو رکعت ادا کر ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

اُسید نے بڑی خوشی سے مصعب کے حکم کی تعمیل کی اور کلمۂ شہادت پڑھا اور کہنے لگا کہ ہماری قوم میں ایک شخص ہے اگر وہ ایمان لے آئے تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ اس سے سرتابی کرسکے یہ کہکے اُٹھ کھڑا ہوا اور سعد بن معاذ کے پاس آیا۔ سعد نے دیکھتے ہی کہا خدا کی قسم جس کام کے لئے اُسید کو بھیجا تھا وہ اس نے نہیں کیا۔ اسکا تو رنگ بالکل بدل گیا سعد نے بولا کے دریافت کیا آپ کیا کرکے آئے ہیں۔ اُسید بولا کہ میں نے ان لوگوں پر بہت سختی کی اور دھمکایا لیکن میں نے یہ سُنا کہ اُن کی نگاہ تیری طرف ہے اور اُن کی یہ بھی خواہش ہے کہ تیرے پسر خالہ اسعد بن زرارہ کو قتل کر ڈالیں اور تیرے عہد کو توڑ ڈالیں اس کہنے سے مراد یہ تھی کہ سعد بن معاذ آپکو پاس جائے اور اپنے بھائی کی حمایت کرے جب یہ وہاں پہنچے گا تو اسلام کے معجزہ کا اثر اس پر بھی ہو جائے گا اور وہ مسلمان بن جائے گا۔ اُسید کی باتیں سنتے ہی سعد کو غصہ آگیا وہ اسی غضبناک حالت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسید کا ہاتھ پکڑ کے کہا ہمارے ساتھ چل۔ اُسید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ دونوں مسلمان گروہ کے قریب پہنچے تو اسعد بن زرارہ کی نظر میں سعد بن معاذ پر پڑیں اسعد نے اپنے احباب سے کہا واللہ سعد کے چہرہ سے

اِس وقت میں اسلام کا نور نکلتا ہوا دیکھتا ہوں اور یہ شخص سید قوم معلوم ہوتا ہے جب وہ مسلمان ہو جائے گا تو کوئی شخص اُس سے سرکشی نہیں کرنے کا غرض سعد ان کے پاس پہنچا اور جس طرح اُسید نے غصّہ کی باتیں کی تھیں اسی طرح اُس نے بھی وہی باتیں بنائیں اسعد نے نہایت ہی نرم جواب دیا اور کہا آپ تشریف رکھئے غصّہ کی کوئی بات نہیں ہے نرم زبانی اور سہولت سے تمام کام انجام پا سکتے ہیں۔ مصعب نے السلام علیکم کہا اور پھر یہ الفاظ زبان پر لایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حٰمٓ تنزیل من الرحمٰن الرحیم۔ ان کلموں نے سعد پر ایسا غیر معمولی اثر کیا کہ اُس نے اپنے گھر سے کپڑے منگوائے پھر غسل کیا کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا اس کے بعد صدق دل سے نماز کی دو رکعتیں ادا کیں اور دونوں یعنی اُسید اور سعد مل کے اپنی قوم کے پاس آئے اور سب گھروں میں یہ آواز دی کہ آج پردے کا دن نہیں ہے سب عورتیں مرد بچّے باہر نکل آئیں۔ جب سارے قبیلے کے لوگ مرد عورتیں اکٹھی ہو گئیں تو سعد نے اُن سے خطاب کر کے کہا کہ تم مجھے کیسا جانتے ہو اور تم لوگوں میں میرا کتنا رسوخ ہے سب نے ایک زبان ہو کے جواب دیا کہ ہم تجھے اپنے میں بہتر اور بہتر جانتے ہیں اور تیری ہر رائے پر چلنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو کچھ تو حکم کرے گا ہم اس پر عمل کریں گے سعد نے کہا سنو اگر تم لوگ خدا پر ایمان نہ لاؤ گے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرو گے تو تم سے خطاب کرنا مجھے حرام ہے۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس دن قبیلہ بنی عبد الاشہل کے مردوں، عورتوں بچّوں میں سے ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں رہا تھا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ اسکے بعد مصعب علانیہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور لوگ جوق جوق اور فوج فوج مسلمان ہونے شروع ہوئے زیادہ تر قبیلہ اوس اور خزرج کے اشراف مسلمان ہوئے۔ مصعب نے جب اپنی مشن میں پوری کامیابی حاصل کر لی تو خود حضرت مقدس نبوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کر دی۔

مدینہ کی حالت

اسلام کی تحریک جب مدینہ میں پھیلنی شروع ہوئی ہے تو سر ولیم میور تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ کی حالت بہت ہی متزلزل تھی وہ اپنی سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ میں یہودیوں کے بے شمار قبیلے آباد تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قبیلے دو بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم تھے۔ ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا ان دونوں میں اکثر خونریز لڑائیاں رہا کرتی تھیں اور جب یہودی مدینہ کے بت پرستوں سے لڑنے نکلتے تھے تو اکثر انکی زبان پر یہ ہوتا تھا جن الفاظ کو ابن اسحٰق نے بہت سادہ طور پر اس طرح بیان کیا، عنقریب ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے اُس کا وقت بہت ہی نزدیک آگیا ہے ہم اسپر ایمان لائیں گے اور پھر تمہیں قتل کریں گے، چنانچہ جب حضور انور نے منا میں زائرین مکہ کو تلقین اسلام کی تو ان میں سے ایک شخص نے یہ کہا تھا دیکھو یہ وہی پیغمبر ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں سب سے پہلے ہمیں اسپر ایمان لانا چاہیئے۔ میور صاحب تحریر فرماتے ہیں اگرچہ اس روایت میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے مگر بات ہے سچی ہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں میں حضرت مسیح کے پیدا ہونے کا ایک عام خیال تھا اور یہ بات کہیں سے تحقیق نہیں ہوئی کہ بت پرستوں اور یہودیوں سے زیادہ میل جول رہتا ہو تو بھی یہودیوں کے ایک عام اثر سے انکار نہیں کیا جاتا کہ عیسایوں اور یہودیوں کا اثر بہ نسبت عرب کے اور شہروں کے مدینہ کی تمدنی حالت پر بہت تھا مدینہ سے جنبی دور مکہ تھا اس سے نصف فاصلہ پر جنوبی شام کی عیسائی قومیں آباد تھیں حسان عرب کا لاثانی شاعر اکثر اوقات مسیحی غسانی شاہ کے دربار میں جاکے قصیدے پڑھا کرتا تھا اور اس طرح اہل مدینہ کے تعلقات یہودیوں اور نصرانیوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔

طولانی لڑائیوں سے شہر کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی اور قبیلہ خزرج

والے تو بہت ہی ضعیف کر دیئے گئے تھے۔ قبیلہ میں ایک شخص کا قتل ہوا اور پھر مکمل مکمل جنگ ہونے لگی مگر ان دونوں یعنی اوس اور خزرج میں ایک قبیلہ بھی ایسا طاقتور نہ تھا جو سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتا اور اہل شہر خواہ بت پرست ہوں یا یہودی عجیب حالت میں مذبذبین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ہمارے دوست سر ولیم میور کا استدلال ہے صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام میں درحقیقت کوئی خاص خوبی نہ تھی اور اہل مدینہ کی حالت ہی ایسی تھی کہ جو نسا مذہب اُن کے آگے پیش کیا جاتا وہ قبول کر لیتے ہم اس کمزور استدلال کو نہیں مانتے یہ میور صاحب کی غلطی ہے۔ اول بات یہ ہے کہ یہودیوں میں ایک آنے والے پیغمبر کا خیال تھا اور وہ بت پرستوں سے لڑتے وقت یہ کہا کرتے تھے کہ ٹھیرو ایک پیغمبر آنے والا ہے پھر ہم اس کی پیروی کر کے تمہیں مزا چکھائیں گے۔ اگر یہودیوں کا یہ مقولہ صحیح ہے تو اس سے زیادہ تصدیق حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا ہو سکتی ہے کہ در و دیوار سے آوازیں نکلنے لگی تھیں اور لوگوں کی زبان پر یہ بات ہو گئی تھی۔ دوسرے یہ بات کہ اسی خوف سے سب سے پہلے بت پرست جو مکہ میں آئے تھے ایمان لائے ایک غلط استدلال اور لغو بحث ہے۔ سب سے پہلے تو ان لوگوں کو ایمان لانا چاہیئے تھا جو شب و روز جیتے پھرتے تھے کہ پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ نہ کہ وہ لوگ جو صرف اپنے دشمنوں کی باتوں کو سنتے تھے مگر اس خیال پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طولانی لڑائیوں نے مدینہ کی حالت خراب کر دی تھی اسے ہم مانتے ہیں مگر اس خرابی سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لوگ اپنا مذہب بھی تبدیل کر دیں۔ صدہا ممالک اب بھی موجود ہیں۔ جہاں نہ کوئی باقاعدہ گورنمنٹ ہے نہ کوئی انتظام ہے اور جب کوئی زبردست قوم ان پر حملہ کرتی ہے تو وہ مفتوح تو ضرور ہو جاتے ہیں مگر تحریک در تحریک پر بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑتے ایسی باتوں سے اسلام کے معجزہ میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب دنیا کی خراب حالت ہو گئی تو خداوند تعالےٰ نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ورنہ حضور کی بعثت اگر دنیا کی

اچھی حالت ہوتی تو زیادہ ضرورت تھی۔ اس کے بعد سر ولیم میور مدینہ کی اندرونی حالت کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں "مکہ کے سیاسی معاملات اور پیغمبر اسلام کے حالات سے مدینہ کے لوگ ناواقف نہیں تھے قریشوں کے شام والے قافلے یہاں نہ صرف آکے ٹھیرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات اہل مدینہ سے شادی بیاہ بھی کر لیتے تھے خود پیغمبر اسلام اس خاتون کے بطن سے ہیں جس کا تعلق قبیلہ بنی خزرج سے تھا ابو قیس مدینہ کا ایک شاعر قریشوں سے اپنی نظم میں یہ کہا کرتا تھا کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کے معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کرو۔ یہودی بھی پیغمبر اسلام کو اپنی کتب مقدسہ کا پرجوش موئید سمجھتے تھے مدینہ کے گروہ کے گروہ سالانہ مکہ کے معابد میں جاتے تھے۔ اگرچہ مسلمان تھوڑے سے ہوئے تھے مگر آپ کو اور آپکے دعووں کو جانتے سب تھے۔ یہی وجہ اتنی جلدی مسلمان ہونے کی ہوئی۔ ایسی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً جنگ ختم ہونے پر بنی اوس کی ایک سفارت مکہ میں طلب مدد کے لئے آئی اور مکہ میں داخل ہونے پر اُن کے کانوں میں حضور انور کی آواز میں پڑیں اس گروہ میں سے ایک بچہ بیتاب ہو کے کہنے لگا کہ چل کے یہ باتیں سنیں مگر سفارت کے ایک مسن شخص نے اس پر ایک مٹھی خاک کی ڈال کے کہا کہ ہمارا کیوں ہرج کرتا ہے جس کام کے لئے آئے ہیں اُسے کرنے دے اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضایع کرنے سے کیا فائدہ ہے (ہشامی صفحہ ۱۴۲، طبری صفحہ ۵۹) فقط

سر ولیم میور کی تحریر ختم ہوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل مسیح مورخ اس سے کیا نتیجہ نکالنا چاہتا ہے ایسے خیالات اور ایسی معمولی مجبوریاں مذہبی تبدیلی کا کبھی باعث نہیں ہوا کرتیں۔ منطق کی ان کمزور دلیلوں سے اسلام کی سچائی پر دھبہ نہیں آسکتا یہ سارے جلے پھپھولے صرف اس لئے پھوڑے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا اور بس۔

بیعت عقبہ ثانیہ اور مدینہ منورہ کی طرف اصحاب سکینہ کی ہجرت

آپ کی مبارک نبوت کا تیرھواں سال تھا کہ حج کا زمانہ شروع ہوا۔ مدینہ سے

مشرکوں اور کافروں کا ایک عظیم گروہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ میں آیا۔ جب مکہ میں پہنچ گئے تو ان لوگوں میں سے مسلمانوں نے شب کے وقت حضور انور سے بیعت کی۔ کعب بن مالک کا بیان ہے کہ حرم میں پہنچ کے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کا شرف حاصل کیا اور حضور انور سے وعدہ کیا کہ دوسری شب ایام التشریق میں ہم لوگ شعب عقبہ میں حاضر ہو کے حضور سے دیر تک شرف ملازمت حاصل کریں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے کیونکہ بُت پرست تاک میں لگے ہوئے تھے اور ہم بہتیرا چاہتے تھے کہ ان سے چھُپ چھُپا کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوں مگر ممکن نہیں ہوا آخر تیسری رات متفرق ہو کے اور ایک ایک کر کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم سب جمع ہو گئے تو حضور انور اپنے چچا عباس کو ساتھ لے کے تشریف فرما ہوئے دوسری روایت یہ ہے کہ حضور پہلے سے وہاں موجود تھے غرضیکہ کعب بن مالک کا بیان ہے کہ ہم سب ستر تن تھے اس میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے اس وقت تک حضرت عباس حضور انور کے چچا مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر چونکہ صاحب تدبیر تھے اس لیے حضور انور آپ کو ساتھ لے آئے تھے تاکہ وہ انصار سے معاہدے کی شرطیں خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر لیں۔ جب لوگ آ کے بیٹھ گئے تو حضرت عباس نے اس طرح باتیں شروع کیں۔

"اے خزرج کے لوگوں تم جانتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قرب ہم میں کہاں تک ہے اور وہ اپنی قوم میں اور اپنے خویش و اعزا میں زیادہ محترم ہے اور ہم نے جہاں تک ہم سے ہو سکا دشمنوں کی زد سے آپ کی اب تک حفاظت کی ہے اور اب تک ہم اسی ارادہ پر مستحکم ہیں لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے چلے جائیں اور تمہارے ساتھ محبت کا تعلق پیدا کریں۔ اگر تم آپ کی یہ استدعا قبول کرو گے

تو آپ مدینہ منورہ جا سکتے ہیں مگر یہ شرط ہے کہ تم ہماری طرح
دشمنوں سے حفاظت کرنے کا وعدہ کرو اگر ایسا عہد تم کر لوگے
تو آپ قطعی مدینہ روانہ ہو جائیں گے اگر یہ بات تم سے ممکن نہ ہو
تو صاف جواب دے دو تاکہ تمہارا خیال چھوڑ دیا جائے۔

کعب نے جواب دیا اے عباس ہم نے تیری باتوں کو سنا اور قبول کیا۔ پھر میں نے حضور انور کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد کریں کہ آپ ہم سے کیا کیا شرط کرنی چاہتے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت عباس پہلے آپ کے ہمراہ نہیں تھے مگر جب آپ باتیں کرنے لگے تو حضور انور کی آواز مبارک پہچان کے حضرت عباس مجلس میں آ گئے اور لوگوں سے خطاب کر کے یہ کہا۔

اے اوس اور خزرج کے لوگوں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
میرے بھتیجے ہیں اور میں تمام مخلوق سے آپ کو زیادہ عزیز سمجھتا
ہوں اگر تم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور آپ پر ایمان لائے
ہو اور یہ چاہتے ہو کہ آپ کو اپنے ہمراہ لے جاؤ تو تم مجھ سے
ایک مضبوط عہد کر لو تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ میرا منشا یہ ہے
کہ مدینہ جانے پر آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے اور غربت کی
زحمت نہ معلوم ہو کیونکہ یہودی جو کہ تمہارے ہمسائے ہیں آپ
کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور میں اُن کے مکر سے بے خوف
نہیں ہوں۔

یہ باتیں سُن کے اسعد اور زرارہ کچھ پریشان سے ہو گئے اور اپنی اسی پریشانی میں کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں اس وقت تو رخصت دیجئے تاکہ ہم سوچ کے اسکا جواب دیں۔ کیونکہ ہم خود بھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کی مبارک ذات کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے حضور انور نے انہیں رخصت کر دیا۔ چلتے وقت

ایک شخص نے انہیں سے کہا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں اُس چیز کی دعوت کی ہے کہ آج اس کا قبول کرنا لوگوں پر دشوار ہے کیونکہ آپکا حکم ہے کہ ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ملت اسلام کی متابعت کریں۔ بس یہی بوجھ بہت بڑا ہے۔ ہم نے رغبت کے ساتھ آپ کی باتوں کو قبول کیا ہے۔ ہم میں اور کل اہل عرب میں جو کچھ تعلقات تھے ان کے قطع کرنے کا آپ نے اشارہ کیا اور ہم نے نہایت خلوص نیت کے ساتھ اُسے مان لیا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت ہم کتنی بڑی مصیبت میں ہیں کہ کل لوگوں سے ہمارا قطع تعلق ہوتا ہے مگر اس مصیبت پر آپ کی محبت غالب ہے ایسی حالت میں اپنے عہد پر وہی شخص قایم رہ سکتا ہے جس کے دل میں خدا کا پاک نور بھر گیا ہو اور وہ تمام دنیا کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔ ان سب باتوں کو نظر انداز کرکے ہم پھر بھی آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس خدا کے ساتھ جو آپ کا اور ہمارا پروردگار ہے مضبوط عہد باندھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ کل ہاتھوں سے زیادہ بلند ہے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ پر فدا ہو جائیں گے۔ ہم اپنے نفسوں اور اپنے بدنوں کی آپ کے لئے قربانی کریں گے۔ اگر ہم اس عہد کو توڑ ڈالیں جو آپ کے ساتھ کیا ہے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے خدا کے عہد کو توڑ ڈالا۔ یا رسول اللہ ہم اپنے قول میں سچے ہیں۔

اسکے بعد اسعد بن زرارہ نے حضرت عباس کی طرف خطاب کرکے کہا کہ رسول مقبول سے پہلے آپ نے جو باتیں کہیں اس سے آپ کا مقصد کیا ہے آپنے جو فرمایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے بھتیجے ہیں اور مخلوق سے زیادہ میں آپکو عزیز رکھتا ہوں۔ ہم تو اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھے مگر ہم جو کچھ کہتے ہیں اُسے آپ سنیئے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کی طرف سے راستی کے ساتھ اس کی مخلوق میں بھیجے گئے ہیں آپ دروغ گو نہیں ہیں اور ایسا کلام آپ پر نازل ہوا ہے کہ کلام بشر سے اُسے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ اب یہ جو آپنے فرمایا ہم

کہ جب تک ہم آپ سے باقاعدہ عہد نہ کریں آپ کا اطمینان نہیں ہونے کا لہذا ہم آپ سے کہتے ہیں کہ جس طرح چاہیں آپ ہم سے شرطیں کرلیں اور جس قسم کا چاہیں ہم سے عہد لے لیں جب یہاں تک نوبت پہنچی تو حضور انور نے یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ شرط کرتا ہوں کہ تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی غیر کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور اپنے لئے صرف یہی عہد کرتا ہوں کہ جتنی حفاظت تم اپنے عزیز و اقارب کی کرتے ہو اسی قدر میری بھی کرو انصار نے ایک زبان ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ حضور نے ارشاد فرمایا ہے اُسے ہم دل سے مانتے ہیں اور اس پر سر جھکاتے ہیں ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ جب حضرت عباس نے اپنی باتیں ختم کیں تو حضور نے اپنی زبان مبارک سے پہلے کچھ آیتیں قرآن مجید کی پڑھیں۔ قرآن مجید کی آیتیں سنکر انصار بہت ہی متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ ہم کیا بیعت کریں۔ حضور نے ارشاد کیا کہ میری متابعت اور فرمانبرداری کی بیعت کرو کہ فضلی اور دولتمندی میں خوف اور امن میں ہم حضور کا ساتھ نہیں چھوڑنے کے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جائے گا اُسے نہیں کرنے کے۔ اور جن باتوں کا حکم کیا جائے گا اُسے دل سے بجالائیں گے اور سچ بولنے پر کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں کرنے کے جب یہ ساری باتیں ختم ہوئیں تو سب سے پہلے ابو امامہ بن زرارہ نے آپ سے بیعت کی بعضے کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے پہلے بیعت کرنے والا ابو الہیثم بن التیہان تھا۔ کہتے ہیں اس رات ابو الہیثم نے کہا یا رسول اللہ ہم میں اور یہودیوں میں باہم عہد و پیمان ہو رہے ہیں اگر ہم ان عہدوں کو توڑ ڈالیں اور حضور کے ساتھ ملجائیں اور خداوند تعالے حضور کو فتح دے تو ایسا نہ ہو کہ حضور اپنی قوم کے ساتھ مل جائیں اور ہمیں دشمنوں کے آگے تنہا چھوڑ دیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کہنے سے مسکرائے اور بڑے جوش سے یہ ارشاد کیا بل الدم الدم و الھدم والھدم انتم منی وانا منکم احارب من حاربتم واسلم من سالمتم لفظ ہدم تحریک دال اور تسکین میم کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس کلمہ سے

مراد قبر ہے یا منزل۔ مقصود یہ ہے کہ میری قبر تمہاری قبروں کے پاس ہوگی۔ یا تمہاری منزل میری منزل ہے اور اگر دل کو سکون دیں تو اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ فتح کے زمانہ میں قبیلہ عرب یا کعبہ کی طرف رُخ نہ کیا جائے گا۔ غرض جب بیعت کے قواعد مستحکم ہوگئے تو رسول خدا نے نو نقیب خزرج سے اور تین نقیب اوس سے چنے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ برآء بن معرور۔ رافع بن حضیر بن مالک العجلان۔ سعید بن عبادہ۔ سعد بن خثیمہ۔ سعد بن ربیع بن عبادہ۔ عبداللہ بن عبداللہ۔ عمرو بن رواحہ۔ عبداللہ بن حزم۔ منذر بن عمیر بن حبیش۔ وہ نقیب جو قبیلہ اوس میں سے منتخب کئے گئے ان کے نام یہ ہیں۔ ابوالہیثم بن التیہان۔ اُسید بن حضیر۔ رفیع و اسعد بن زرارہ۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کے وکیل اور کفیل ہو جس طرح حضرت عیسٰے اپنے حواریوں کے کفیل تھے انہوں نے بزبان ہو کے عرض کیا کہ ہاں ہم ہیں اور ہم وکالت اور کفالت کو قبول کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ بیعت عقبہ کی رات میں عباس یا ابن عبادہ یا ابن فضل انصاری نے کہا اے بنی خزرج تم نے جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی جانتے ہو کہ اس کی غایت کیا ہے وہ کہنے لگے آپ کہئے انہوں نے کہا کہ اگر تم نے محض روپے کے لالچ میں بیعت کی ہے اور محض اس خیال سے بیعت کی ہے کہ ابھی تمہارے سردار زندہ و سلامت ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب تمہارے پاس روپیہ نہ رہیگا اور تمہارے سردار مارڈالے جائینگے تو تم حضور سے روگردانی کرلوگے نتیجہ یہ ہوگا کہ تم برباد بھی ہوگے اور ذلیل بھی ہوگے۔ اور اگر تمہیں نہ اپنے بال بچوں کا کچھ اندیشہ ہو نہ روپے کا نہ اپنے سرداروں کا۔ اور دل میں یہ پختہ ارادہ کرلو کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ہم کبھی حضور کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے جب تم دل میں ایسے مضبوط ہو جاؤ۔ تو اس وقت یہ سمجھ لو کہ تمہاری بیعت بیعت ہے اور تم نے سچا عہد باندھا ہے اور دین و دنیا دونوں میں

تمہاری فلاح یقینی ہے سب نے متفق اللفظ یہ جواب دیا ہمارے چاہے سردار مارے جائیں۔ چاہے ہم پر مصیبت پڑے اور چاہے ہم مفلس ہو جائیں۔ لیکن حضور کا دامن نہیں چھوڑنے کے۔ اسکے بعد ان سب نے حضور کی طرف خطاب کرکے کہا یا رسول اللہ جو ہم نے عہد کیا ہے اگر ہم اس پر قایم رہیں تو کیا جزا ہمیں اس کی ملے گی۔ حضور نے ارشاد کیا کہ بہشت۔

یہاں یہ ہو رہا تھا اور وہاں مکہ میں کسی مخبر نے یہ خبر پہنچا دی کہ مدینہ کے لوگ اپنے دین سے برگشتہ ہوکے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور تم پر حملہ کرنے کا مشورہ ہو رہا ہے اس کی خبر حضور انور کو بھی پہنچی اس پر عباس بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ اُس خدا کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ حکم دیں تو ہم اہل منا کے ساتھ جنگ کریں حضور نے ارشاد کیا کہ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی اپنی قیام گاہوں کو واپس چلے جاؤ۔ اور جب تک مکہ میں ہو جنگ کا خیال دل سے بھلا دو۔ حکم ہوتے ہی قبیلہ خزرج اور اوس کے کل آدمی اپنی اپنی قیام گاہوں میں واپس چلے گئے۔

صبح ہوتے ہی مکہ کے آدمی یعنے قریش اہل مدینہ کے پاس آئے اور کہا اے خزرج ہم نے سنا ہے کہ تم ہمارے صاحب یعنے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس رات کو گئے تھے اور ہم نے یہ سنا ہے کہ تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم انھیں اپنے ساتھ مدینہ لے جاؤ اور انہیں جنگ میں مدد دو۔ ہم تم سے قسم کھاکے کہتے ہیں کہ جتنی تمہارے ساتھ جنگ کرنی ہمیں دشوار ہے کسی قبیلہ کے ساتھ نہیں مگر تو بھی ہم تم سے لڑیں گے اور جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے بغیر لڑائی کے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ قبیلہ خزرج کے اُن لوگوں نے جو نہ حضور انور کی خدمت میں شب کو حاضر ہوئے تھے اور نہ انھیں اس واقعہ کی خبر تھی۔ قریش کے آگے صاف انکار کر دیا اور

قسمیں کھائیں کہ ہمیں اس کی بالکل خبر نہیں۔

اس کے بعد قریش عبد اللہ بن ابی سلول کے پاس گئے اور کہا کہ تیرے قبیلہ کے لوگوں نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیعت کی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ عجیب بات ہیں نے تم سے سُنی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ بغیر میرے مشورے کے میری قوم سے کسی شخص کو ایسی جرأت نہیں ہے کہ کوئی نیا کام کرے یہ بات سُن کے قریش عبد اللہ کے پاس سے چلے گئے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب اہل مکہ کھڑے ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ قریش کے ایک جوان کے پیر میں بہت قیمتی جوتی ہے اس پر میں نے ابو جابر سے کہا کہ تو قوم کا سردار ہو کر اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ ایسی اچھی جوتی تیرے ہاتھ لگ جائے اس جوان نے سُن کر وہ جوتی اپنے پیر سے اُتار کے میرے آگے پھینک دی اور کہا کہ تجھے خدا کی قسم دیکے کہتا ہوں کہ یہ جوتی تو پہن لے ابو جابر بولا واللہ تو نے اس جوان کو شرمندہ کر دیا تو اُسکی جوتی اُسے واپس دیدے کعب نے کہا کہ نہیں میں کبھی نہیں دینے کا یہ شخص مجھے نیک دل معلوم ہوتا ہے اسکے بعد منٰی سے لوگ تتر بتر ہو کے اِدھر اُدھر چلے گئے قریشوں کے دل میں ابھی تک اس بات کی کُرید باقی تھی کہ بیعت کے متعلق تحقیق کریں۔ چنانچہ جس مخبر نے اُنہیں اطلاع دی تھی اُس نے اسبات کا یقین دلایا کہ یقیناً اہل مدینہ نے بیعت کی تھی اس تحقیق کے بعد قریش اہل مدینہ کے پیچھے ہوئے اور اُنھوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر کو جا لیا منذر تو ہاتھ پاؤں مار کے میدان سے بھاگ گیا مگر سعد مشرکوں کے پنجہ سے نہ نکل سکا۔ قریش اسکی مشکیں باندھ کے اسے مکہ واپس لائے۔ قریشوں میں جو لوگ صاحب عقل تھے اُنہوں نے کہا کہ اہل مدینہ سے بگاڑنی نہ چاہیئے ہمارا ان کا تجارتی تعلق ہے۔ اس شخص کو چھوڑ دینا چاہیئے نہیں تو ان سے زیادہ نپ جائے گی۔ مگر جو شیطان اور کوتاہ اندیش نوجوان قریشوں نے اس بات کو

پسند نہ کیا۔ جماعت کے تجربہ کار لوگوں نے پھر اصرار کیا اور بہت سختی سے کہا کہ نہیں اسے چھوڑ دو چنانچہ قریشوں نے سعد کو چھوڑ دیا۔ سعد مدینہ چل دیئے اب قریشوں نے نئی طرح سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے شروع کئے اور جب سختیوں اور ظلم کی انتہا ہوگئی تو ناچار حضور انور نے اپنے صحابہ کو ارشاد کیا کہ تم ہجرت کرکے مدینہ چلے جاؤ۔ کچھ لوگ تو جا چکے تھے اور جو باقی تھے وہ یکے بعد دیگرے مدینہ روانہ ہونے شروع ہوئے۔ پہلے جس صحابی نے ہجرت کی اُن کا نام مصعب بن عمیرہ تھا اور بعض کے قول کے مطابق پہلے ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبد الاسد تھے کہ جو ابھی حبش کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔

تیسرا باب

معراج

حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ قطعی طور پر یہ ہوگیا تھا کہ آپ مکہ سے ہجرت فرما کے یثرب روانہ ہو جائیں آپ اپنی خوابگاہ میں آرام فرما رہے تھے کہ آدھی رات کو محض سنسانی اور خاموشی میں جبکہ تمام دنیا آرام کر رہی تھی اور ستارے مقدس فرشتوں کی آنکھیں بن کے اہل زمین کی طرف نظارہ کناں تھے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت جبریل بہت تیزی کے ساتھ اپنی بارد پر بٹھا کے آپ کو مدینہ کی راہ سے بیت المقدس لے گئے ہیں جہاں کل گذشتہ پیغمبروں نے مبارکبادی دی اور سب نہایت ادب سے آپ کا استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھے آپ کو معلوم ہوا کہ بیت المقدس سے میں آسمان کیطرف جا رہا ہوں آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف گذرتے ہوئے معلوم ہوئے اخیر آپ نے ملاحظہ کیا کہ میں اپنے خالق کے پاس پہنچ گیا ہوں جہاں خالق سے آپ کی باتیں ہوئیں اور اس خالق اکبر نے حکم کیا کہ تمہاری

اُمت پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ جب آپ صبح کو بیدار ہوئے اور اُسوقت آپ ابو طالب کے گھر میں تھے تو شب کی ساری باتیں اور کل واقعات آپ کی مبارک نظروں کے آگے گردش کر رہے تھے آپ نے سب سے پہلے ابو طالب کی بیٹی سے یہ تذکرہ کیا اور کہا کہ شب کو میں نے بیت المقدس میں نماز پڑھی وہ سنتے ہی چیخنے لگی خدا کے لئے آپ یہ ذکر کسی سے نہ کیجئے گا مخالفوں کو اور ہنسنے کا موقع ملیگا اور وہ مضحکہ اڑائیں گے مگر آپ نے نہ مانا آپ دوسرے آدمیوں سے اس کا تذکرہ کرنے کے لئے حجرہ سے باہر نکلے اور آناً فاناً میں یہ خبر کہ شب کو آپ نے آسمانوں کی سیر کی تمام مسلمانوں اور مشرکوں میں پھیل گئی بت پرستوں نے مضحکہ اڑانا شروع کیا اور بڑے بڑے قہقہے مارے مگر سب سے پہلے مسلمانوں میں حضرت صدیق اکبر نے بڑے جوش سے کہا کہ تو سچا ہے اور بیشک تجھے معراج ہوئی اسپوقت حضور انور نے صدیق کہکے پکارا۔ سر ولیم میور مسیحی مؤرخ اعظم یہ تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کا آسمان پر جانا اور وہاں سے اتر آنا فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا افسوس ہے کہ ہمارے مسیحی مؤرخ نے ایسے سخت الفاظ حضور انور کی معراج کی نسبت استعمال کرکے درپردہ اپنے یسوع مسیح کی معراج پر سخت حملہ کیا ہے اس سے زیادہ تعجب انگیز حضرت مسیح کے واقعات[1] ہیں کہ آپ مرکر زندہ ہوئے اور زندہ ہوکر مجسم آسمان پر

صلیب[1] پر جب حضرت مسیح چڑھائے گئے تو آپ ایک دردناک آواز میں چلائے اور جاں بحق تسلیم ہوئے اسکی بابت انجیل لوقا باب ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے۔ اور یسوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں یہ کہکے دم چھوڑ دیا۔ اور صوبہ دار نے یہ حال دیکھکے خدا کی تعریف کی اور کہا بیشک یہ آدمی راستباز تھا۔ اور سب لوگ یہ تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ جب یہ واقعات دیکھے چھاتی پیٹتے پھرے۔ اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو جلیل سے اُس کے ساتھ آئی تھیں دور سے کھڑی ہوکے یہ حال دیکھ رہی تھیں۔

چلے گئے اور اب تک زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کے ان معجزات کی نسبت قریب قریب ایک ہی بیان ہے کہ آپ کس طرح صلیب دیئے گئے اور پھر صلیب پر مر گئے اور پھر قبر میں دفن کئے گئے اور پھر قبر میں پہنچ کے فرشتوں نے آپ کو زندہ کیا پھر آپ تین بار اسی روحانی زندگی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) اور دیکھو ایک شخص یوسف نامی مشیر جو نیک اور ستبار تھا۔ اور وہ اُن کی صلاح اور کام میں شریک نہ ہوا یہودیوں کے شہر ارمتیا کا تھا اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا انتظار کرتا تھا۔ اس نے پلاطوس کے پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی اور اس کو اتار کے کتان میں لپیٹا اور ایک قبر میں جو پتھر میں کھدی تھی جہاں کوئی کبھی رکھا نہ گیا تھا رکھا۔ اور وہ تیاری کا دن تھا اور سبت کے دن کی پو پھٹنے لگی اور وہ عورتیں جو اس کے ساتھ جلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے چلیں۔ اور قبر کو اور اُس کی لاش کو کس طرح رکھی گئی دیکھتی تھیں اور پھر کے خوشبوئیاں اور مُرتیار کیا لیکن شرع کے موافق سبت کے دن آرام کیا۔

اور وہ اتوار کے دن تڑکے اُن خوشبوئیوں کو جو تیار کی تھیں لے کے قبر پر آئیں اور ان کے ساتھ کئی اور بھی تھیں اور انہوں نے پتھر کو قبر سے ڈھلکایا ہوا پایا۔ اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی۔ اور ایسا ہوا کہ جب وے اس بات سے حیران تھیں دیکھو دو شخص چمچماتی پوشاک پہنے اُن کے پاس کھڑے تھے جب وے ڈر گئی اور اپنے سر زمین پر جھکائی تھیں۔ انہوں نے اُن سے کہا تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتیاں ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ اُٹھا ہے یاد کرو کہ ہنوز جب جلیل میں تھا تم سے کیا کہا تھا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور صلیب دیا جائے۔ اور تیسرے دن اُٹھے۔ تب اس کی باتیں انھیں یاد آئیں اور قبر پر سے پھر کے اُن گیارہوں اور سب باقی لوگوں کو ان سب باتوں کی خبر دی اور مریم مگدلینی اور یوحنا اور مریم یعقوب کی ماں اور وہ عورتیں

اپنے مریدوں سے ملے انھیں اپنے جسم کو دکھایا کہ اس میں ہڈیاں نہیں ہیں یہ روحانی جسم ہے جب اس قسم کی مافوق الفطرت باتیں مسیحی مذہب کی جزو اعظم قرار دی گئی ہیں پھر خبر نہیں مسیحی مورخ سر ولیم صاحب بہادر کو کن امورات نے مجبور کیا کہ وہ حضور انور کی معراج پر جو درحقیقت روحانی معراج ہو اور مافوق الفطرۃ مسیحی جسمانی معراج کی طرح نہ کوئی اسمیں استحالہ لازم آتا ہو کیوں دریدہ دہنی سے حملہ کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) عورتیں جو ساتھ تھیں اُنہوں نے رسولوں سے یہ باتیں کہیں پر ان کی باتیں اُنہیں کہانی سی سمجھ پڑیں اور ان کا اعتبار نہ کیا۔ تب بطرس اُٹھ کے قبر کی طرف دوڑا اور جھککر دیکھا کہ صرف کفن پڑا ہے اور اس ماجرے سے تعجب کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

اور دیکھو اُسی دن اُن میں سے دو آدمی اُس بستی کی طرف جس کا نام اماوس اور یروسلم سے پونے چار کوس کے فاصلہ پر ہے جاتے تھے۔ اور اُن سب باتوں کی بابت جو واقع ہوئی تھیں آپسمیں بات چیت کرتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ جب وے بات چیت اور پوچھ پاچھ کر رہے تھے یسوع آپ نزدیک آکے اُن کے ساتھ چلا۔ لیکن اُن کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں کہ اس کو نہ پہچانا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ یہ کیا باتیں ہیں جو تم راہ میں آپسمیں کرتے جاتے ہو۔ اور اودا س ہو تب ایک نے جسکا نام قلیوپس تھا جواب میں اُسے کہا کہ کیا اکیلا تو ہی یروسلم میں پردیسی ہے کہ جو کچھ ان دنوں اس میں ہوا ہے نہیں جانتا۔ اس نے اُن سے کہا کیا انہوں اسے یسوع ناصری کے ماجرے جو نبی تھا اور خدا اور ساری قوم کے سامنے کام اور کلام میں قدرت والا۔ اور کیونکر سردار کاہن اور ہمارے سرداروں نے اُسکو قتل کے حکم کے لئے حوالہ کیا اور صلیب دی۔ پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو خلصی دینے کو تھا اور ان سب کے سوا آج تیسرا روز ہے کہ یہ واقعات ہوئیں

ہمارے مذہب میں معراج کے متعلق دو خیالات ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب معراج ایک خواب ہے مگر دوسری روایتوں کے بموجب حضور انور مع جسم آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ امور رکن مذہب قرار نہیں دیئے گئے ہیں یہ صرف اعتقادی باتیں ہیں جن پر مسلمان ہونے نہ ہونے کا دارومدار نہیں ہے۔ عیسائیوں نے ناحق نامعقول لفظ استعمال کرکے نصرانیت کی تہذیب کا پردہ اٹھادیا ہے۔ ہم اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) اور ہم میں سے کئی عورتوں نے بھی ہم کو گھبرا رکھا ہے کہ تڑکے اُس کی قبر پر گئیں اور اُس کی لاش کو نہ پاکر آئیں اور بولیں کہ ہم نے فرشتوں کی رویت دیکھی جنہوں نے کہا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے ہمارے ساتھیوں میں سے قبر پر جاکے جیسا کہ ان عورتوں نے کہا پایا پر اس کو نہ دیکھا۔ تب اُس نے اُن سے کہا کہ اے نادانو اور نبیوں کی ساری باتوں کے نہ ماننے میں سست مزاجو۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مسیح یہ دکھ اُٹھاوے اور اپنے جلال میں داخل ہو۔ اور موسیٰ اور سب نبیوں سے شروع کرکے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اُس کے حق میں ہیں اُن کے لئے تفسیر کیں اور وے اُس بستی کے جہاں جاتے تھے نزدیک پہنچے اور ایسا معلوم پڑا کہ وہ آگے بڑھا چاہتا ہے تب اُنہوں نے اُسے یہ کہکے روکا کہ ہمارے ساتھ رہ کیونکہ شام ہوا چاہتی ہے اور دن ڈھلا تب وہ بھیتر جاکے اُنکے ساتھ رہا اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُن کے ساتھ کھانے بیٹھا تھا روٹی لیکر اسے متبرک کیا اور توڑ کر اُن کو دی تب اُنکی آنکھیں کھل گئیں اور اسکو پہچانا اور وہ اُن کے پاس سے غائب ہوگیا تب اُنہوں نے آپس میں کہا جب راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے کتابوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہم لوگوں کے دل میں جوش نہ ہوا اور اُسی گھڑی اٹھکر وے یروشلم کو پھرے اور گیارہوں اور اُن کے ساتھیوں کو اکٹھے پایا۔

ہشامی اپنی تاریخ صفحہ ۱۳۰ میں لکھتا ہے کہ جب مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور انور شب کو بیت المقدس ہو آئے ہیں تو اُنہوں نے بیت المقدس کی نسبت حضور انور سے مختلف سوالات کئے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ جب بیت المقدس جا رہا تھا تو مجھے ایک کارواں ملا جو شام سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) جو کہتے تھے کہ خداوند سچ مچ اُٹھا اور شمعون کو دکھائی دیا ہے تب اُنہوں نے راہ کا حال بیان کیا اور یہ کہ کیونکر اُنہوں نے اسکی روٹی توڑنے میں اُسے پہچانا اور وے یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ یسوع آپ اُنکے بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہیں سلام۔ پر اُنہوں نے گھبرا کے اور ڈر کے خیال کیا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ مگر اُس نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشہ پیدا ہوا۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہکے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور تعجب تھے اُس نے اُنسے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے اُنہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ اسکو دیا اُس نے لیکر اُنکے سامنے کھایا اور اُنسے کہا کہ یہ وے ہی باتیں ہیں جنہیں میں نے جبکہ تمہارے ساتھ تھا تم سے کہا کہ ضرور ہے کہ سب کچھ جو موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے نوشتوں اور زبوروں میں میری بابت لکھا ہے پورا ہو۔ تب انکی ذہنوں کو کھولا کہ کتابوں کو سمجھیں اور اُنسے کہا کہ یوں لکھا ہے اور یوں ہی ضرور تھا کہ مسیح دکھ اُٹھاوے اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے اور یروسلم سے لیکے ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اُسکے نام سے کیجائے اور تم ان باتوں کے گواہ ہو۔ اور دیکھو میں اپنے باپ کے اُس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن تم جبتک عالم بالا کی قوت سے ملبس نہو یروسلم شہر میں ٹھیرو۔ تب وہ انہیں وہاں سے باہر بیت عینا تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اُٹھا کے انہیں برکت دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا اُنسے جدا ہوا اور آسمان پر اُٹھایا گیا اور انہوں نے اُسکو

آتا تھا اور اس کے ساتھ اتنے اونٹ اور اتنے آدمی اور یہ سامان تھا اور جب میں وہاں سے واپس آرہا تھا اسوقت بھی مجھے ایک کارواں سے سابقہ پڑا۔ جسکے ساتھ ایک ظرف میں ڈھکا ہوا پانی تھا اس ظرف کو کھول کے میں نے پانی پیا اور اُسے اُسی طرح ڈھانک دیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ دونوں کارواں مکہ میں پہنچے۔ تو اُنھوں نے حضور انور کی باتوں کی تصدیق کی اس پر نصرانی مورخ سر ولیم میور صاحب بہادر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صرف بچوں کی سی باتیں ہیں جسے عقل سلیم سے کچھ تعلق نہیں مگر ان کے دوست اسپرنگر صاحب تو اس سے بھی بڑھ گئے ہیں انہوں نے معاذ اللہ حضور انور کی اقدس و اطہر ذات پر فریب کا الزام لگایا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کو زبانی خبروں اور مختلف کتابوں سے بیت المقدس کے جو حالات معلوم ہوئے تھے انہوں نے بیان کر دیئے۔ ہم دونوں مورخ صاحبان کی توجہ یوحنا[1] کے مکاشفات کی طرف مبذول کرتے

---

[1] مکاشفات یوحنا باب ۴ ملاحظہ اس کے جو میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے اور پہلی آواز جو میں نے سنی نرسنگے کی سی تھی جو مجھ سے بولتی تھی اُس نے کہا کہ ادھر اُوپر آ اور میں تجھے وے باتیں دکھاؤں گا کہ اس کے بعد ضرور ہوں گی۔ ۲ تب انہیں میں روح میں شامل ہوگیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک تخت دھرا ہے اور اُس تخت پر کوئی بیٹھا ہے ۳ اور جو اس پر بیٹھا تھا وہ دیکھنے میں سنگ یشم اور عقیق سا تھا اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد سا تھا اس تخت کے گرد تھا ۴ اور اس تخت کے آس پاس چوبیس تخت تھے اور ان تختوں پر میں نے چوبیس بزرگ سفید پوشاک پہنے ہوئے بیٹھے دیکھے اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے ۵ اور بجلی اور گرج اور آوازیں اس تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ اس تخت کے آگے روشن تھے یہ خدا کی سات روحیں ہیں ۶ اور اُس تخت کے آگے شیشہ کا ایک سمندر بلور کی مانند تھا اور تخت کے بیچوں بیچ اور تخت کے گرداگرد

ہیں جو باوجودیکہ حضرت مسیح کا ایک زبردست اور پیارا حواری ہو اس قسم کی مجذوبانہ بڑھیں ہانکی ہیں جنہوں نے مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا ہے حضور انور کی معراج میں اگر وہ جسم کے ساتھ بھی مانی جائے جب بھی اتنی فسانہ انگیز اور داستان گوؤں کی سی باتیں نہیں ہیں مگر یوحنا نے تو غضب ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) چار جاندار تھے جو آگے پیچھے آنکھوں سے بھرے تھے ۷ اور پہلا جاندار ببر کی مانند تھا اور دوسرا جاندار بچھڑے کی مانند اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا سا تھا اور چوتھا جاندار اڑتے عقاب کا سا تھا ۸ اور ان چاروں جانداروں میں سے ایک ایک کے چھ چھ پر تھے اور ان کی چاروں طرف اور اندر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اور وے رات دن فراغت نہیں رکھتے مگر کہتے رہتے کہ قدوس قدوس قدوس خداوند خدا قادر مطلق جو تھا اور جو ہے اور جو آنے والا ہے ۹ اور جب وے جاندار اُسکی جو تخت پر بیٹھا ہے اور ابدالآباد زندہ ہے بزرگی اور عزت اور شکرگذاری کرتے ہیں ۱۰ تب وے چوبیس بزرگ اس کے سامنے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اس کو جو ابدتک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور اپنے تاج یہ کہتے ہوئے اس تخت کے آگے ڈال دیتے ہیں ۱۱ کہ اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لایق ہے کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وے تیری ہی مرضی سے ہیں اور پیدا ہوئی ہیں

باب ۵ - اور میں نے اس کے دہنے ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر اور باہر لکھی ہوئی اور سات مہروں سے بند تھی ۲ اور میں نے ایک زورآور فرشتے کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ کون اس لایق ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی مہریں توڑے ۳ پر کسی کو مقدور نہ ہوا نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے ۴ اور میں بہت رویا کہ کوئی اس لایق نہ ٹھہرا کہ کتاب کو کھولے اور پڑھے یا اُسے دیکھے ۵ تب اُن بزرگوں میں سے ایک نے مجھے کہا کہ مت رو دیکھ کہ وہ ببر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہوا ہے

اُڑھا دیا بوستاں خیال کی ساری کہانیاں اس کے آگے گرد ہیں۔ تعجب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴) کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی ساتوں مہروں کو توڑے ۶ اور میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برّہ یوں کھڑا ہے کہ گویا ذبح کیا گیا ہے جس کے سات سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی ساتوں روحیں ہیں۔ ۷ اور تمام روئے زمین پر بھیجی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اس کتاب کو لیا ۸ اور جب اس نے کتاب لی تھی تب وے چار جاندار اور چوبیس بزرگ اس برّے کے آگے گر پڑے اور ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے۔ یہ مقدسوں کی دعائیں ہیں ۹ اور وے ایک نیا راگ یہ کہتے ہوئے گاتے کہ تو ہی اس لایق ہے کہ اس کتاب کو لیوے اور اسکی مہریں توڑے کیونکہ تو ذبح ہوا اور اپنے لہو سے ہم کو ہر ایک فرقہ اور اہل زبان اور ملک اور قوم میں سے خدا کے واسطے مول لیا ۱۰ اور ہم کو ہمارے خدا کے لئے بادشاہ اور کاہن بنایا اور ہم زمین پر بادشاہت کریں گے ۱۱ پھر میں نے نگاہ کی اور تخت اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی جنکا شمار لاکھا لاکھ اور ہزار ہا ہزار تھا ۱۲ اور بڑی آواز سے کہتے تھے کہ برّہ جو ذبح ہوا اس لایق ہے کہ قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزت اور جلال اور برکت پاوے ۱۳ اور میں نے ہر ایک مخلوق کو جو آسمان پر اور زمین پر اور زمین کے نیچے ہے اور ان کو جو سمندر میں ہیں اور ساری چیزوں کو جو اُن میں ہیں یہ کہتے سنا کہ اُس کے لئے جو تخت پر بیٹھا ہے اور برّے کے لئے برکت اور عزت اور جلال اور قوت ابد تک ہے ۱۴ اور چاروں جاندار آمین بولے۔ اور چوبیس بزرگوں نے گر کے اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کیا۔

باب ۶۔ اور جب برّے نے اُن مہروں میں سے ایک کو توڑا تب میں نے

کہ نصرانی مورخ سر ولیم میور اور اسپرنگر نے ان مکاشفات سے کیوں چشم پوشی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵) دیکھا اور ان چاروں جانداروں میں سے ایک کی آواز بادل کے گرجنے کی مانند سُنی جو بولا آ اور دیکھ ۲ اور میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک نقرئی گھوڑا اور وہ جو اسپر سوار تھا کمان لئے ہے اور ایک تاج اسے دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا اور فتحمند ہونے کو نکلا ۳ اور جب اُس نے دوسری مہر توڑی تب میں نے دوسرے جاندار کو یہ کہتے سنا کہ آ اور دیکھ ۴ تب ایک دوسرا سُرخ رنگ گھوڑا نکلا اور اس کے سوار کو یہ دیا گیا کہ صلح کو زمین سے چھین لے اور یہ کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں اور ایک بڑی تلوار اس کو دی گئی ۵ اور جب اس نے تیسری مہر توڑی تب میں نے تیسرے جاندار کو یہ کہتے سنا کہ آ اور دیکھ پھر میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک مشکی گھوڑا اور جو اس پر سوار تھا ترازو ہاتھ میں لئے ہے ۶ اور میں نے ان چاروں جانداروں کے بیچ میں سے ایک آواز یہ کہتے سُنی کہ گیہوں دینار کا سیر بھر اور جَو دینار کے تین سیر پر تیل اور مے کو ضرر مت پہنچا ۷ اور جب اُس نے چوتھی مہر توڑی تو میں نے چوتھے جاندار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آ اور دیکھ ۸ اور پھر میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک گھوڑا پھیکے رنگ کا اور ایک اُس پر سوار ہے۔ جس کا نام موت ہے اور عالم غائب اس کے پیچھے رواں ہے اور اُنہیں زمین کی چوتھائی پر یہ اختیار دیا گیا کہ وے تلوار اور بھوک اور موت اور زمین کے درندوں سے ہلاک کریں ۹ جب اس نے پانچویں مہر توڑی تو میں نے قربانگاہ کے نیچے ان کی روحوں کو دیکھا جو خدا کے کلام اور اس گواہی کے لئے جو اُنہوں نے دی تھی مارے گئے ۱۰ اور اُنہوں نے بلند آواز سے چلّا کے کہا کہ اے مالک پاک اور برحق تو کب تک عدالت نہ کرے گا اور زمین کے رہنے والوں سے ہمارے خون کا بدلا نہ لے گا ۱۱ تب ان میں سے ہر ایک کو سفید پیراہن دیا گیا اور اُنہیں کہا گیا کہ اور تھوڑی مدت تک صبر کریں جب تک کہ اُن کے ہم خدمت اور اُنکے

کی اور کیوں اسے فریب اور مکر اور بچوں کی سی باتیں نہ کہا حضرت مسیح نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶) بھائی جو اُن کی طرح مارے جانے پر تھے تمام ہوں ۱۲ اور میں نے نظر کی کہ جب اس نے چھٹی مہر توڑی اور دیکھا تو بڑا بھونچال آیا اور سورج بالوں کے کمل کی مانند کالا اور چاند لہو سا ہو گیا۔

۱۳۔ اور آسمان کے ستارے اُسی طرح زمین پر گر پڑے جس طرح انجیر کے درخت سے اسکے کچے پھل گر جاتے ہیں جب اُسے بڑی آندھی ہلاتی ہے۔ ۱۴ اور آسمان طومار کی طرح جب آپ سے لپیٹا جائے دو حصہ ہو گیا اور ہر ایک پہاڑ اور ٹاپو اپنی اپنی جگہ سے ٹل گیا ۱۵۔ اور دنیا کے بادشاہوں اور امیروں اور مالداروں اور سپہ سالاروں اور زوروالوں اور ہر ایک غلام اور آزاد نے اپنے تئیں غاروں اور پہاڑوں کی چٹانوں کے درمیان چھپایا ۱۶ اور پہاڑوں اور چٹانوں سے یہ کہا کہ ہم پر گرو اور ہم کو اسکے چہرہ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اور برّے کے غضب سے چھپاؤ۔ ۱۷ کیونکہ اس کے قہر کا روزِ عظیم آپہنچا اب کون ٹھہر سکتا ہے۔

باب ۷۔ اور بعد اسکے میں نے زمین کے چاروں کونوں پر چار فرشتے کھڑے دیکھے کہ زمین پر چاروں ہواؤں کو تھامتے تھے تا نہ ہوے کہ ہوا زمین یا سمندر یا درخت پر چلے ۲ پھر میں نے ایک اور فرشتے کو پورب سے اُٹھتے دیکھا جسکے پاس زندہ خدا کی مہر تھی اور اُس نے ان چاروں فرشتوں سے جنہیں یہ دیا گیا تھا کہ زمین اور سمندر کو ضرر پہنچاویں بلند آواز سے پکار کر کہا ۳ جب تک کہ ہم اپنے خدا کے بندوں کے ماتھے پر مُہر نہ کریں تو زمین اور دریا اور درختوں کو ضرر نہ پہنچانا ۴ اور میں نے ان کا شمار جن پر مہر کی گئی تھی سنا کہ بنی اسرائیل کے سب فرقوں میں سے ایک سو چوالیس ہزار پر مہر کی گئی ۵ یہوداہ کے فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی۔ روبن کے فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی۔ جد کے

سچ کہا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا دکھائی دیتا ہے اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر نظر آتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی ۶ آشر کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ نفتالی کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ منسی کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ ۷ سمعون کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ لاوی کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ اشکار کے فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی۔ زبلون کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی یوسف کے فرقہ سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ بنیمین کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی ۹ بعد اس کے میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ہر ایک قوم اور فرقے اور لوگ اور اہل زبان میں سے ایک بڑی جماعت جسے کوئی شمار نہیں کر سکتا سفید جامہ پہنے اور خرما کی ڈالیاں ہاتھوں میں لئے اس تخت کے آگے اور برّے کے حضور کھڑی ہے۔ ۱۰ اور بلند آواز سے چلّا کے یوں کہتی ہے کہ نجات ہمارے خدا کو جو تخت پر بیٹھا ہے اور برّے کو۔ ۱۱ اور سارے فرشتے تخت اور اُن بزرگوں اور اُن چاروں جانداروں کے گرد کھڑے تھے۔ پھر تخت کے آگے اوندھے گر پڑے اور خدا کو سجدہ کیا۔ ۱۲۔ اور بولے آمین برکت اور جلال اور دانش اور شکرگذاری اور عزت اور قدرت اور طاقت ابد تک ہمارے خدا کے لئے۔ آمین۔ ۱۳۔ اور ان بزرگوں میں سے ایک نے جواب دیکے مجھ سے پوچھا کہ وے جو سفید جامہ پہنے ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئے۔ ۱۴۔ اور میں نے اُس سے کہا کہ اے خداوند تو جانتا ہے۔ تب اُس نے مجھے کہا یہ وے ہی ہیں جو بڑی مصیبت میں سے نکل آئے اور اُنہوں نے اپنے جاموں کو برّے کے لہو سے دھویا اور انہیں سفید کیا۔ ۱۵۔ اسی واسطے وے خدا کے تخت آگے ہیں۔ اور اُس کی ہیکل میں رات دن اُس کی بندگی کرتے ہیں اور وہ جو تخت پر بیٹھا ہے اُن کے درمیان سکونت کرے گا۔ ۱۶۔ وے

قرآن مجید میں صرف معراج کے متعلق اِس قدر بیان ہوا ہے۔ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ لنریہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸) پھر بھوکے نہونگے اور نہ پیاسے اور وے نہ دھوپ اور نہ گرمی اٹھاویں گے۔ ۱۷۔ کیونکہ برّہ جو تخت کے بیچوں بیچ ہے انکی گلہ بانی کرے گا اور انہیں پانیوں کے زندہ سوتوں کے پاس پہنچائے گا اور خدا اُن کی آنکھوں سے ہر ایک آنسو پونچھے گا۔

باب ۸۔ ۱۔ اور جب اُس نے ساتویں مہر توڑی تب آسمان میں قریب آدھی گھڑی کے خاموشی تھی۔ ۲۔ اور میں نے ان ساتوں فرشتوں کو جو خدا کے آگے کھڑے تھے دیکھا کہ انہیں سات نرسنگے دیئے گئے۔ ۳۔ پھر ایک اور فرشتہ آیا اور سونے کا بخور دان لئے ہوئے قربانگاہ کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور بہت بخور اُسے دیا گیا تاکہ اُسے سارے مقدسوں کی دعاؤں کے ساتھ سُنہری قربانگاہ پر جو تخت کے آگے ہے گذرانے ۴۔ اور اس بخور کا دھواں مقدسوں کی دعاؤں میں مل کے فرشتے کے ہاتھ سے خدا کے پاس اوپر گیا ۵۔ پھر اس فرشتے نے بخور دان کو لیا اور اُس میں قربانگاہ سے آگ لے کے بھری اور زمین پر پھینکی تب آوازیں ہوئیں اور گرج اور بجلی اور بھونچال ۶۔ اور اُن سات فرشتوں نے جن کے پاس سات نرسنگے تھے پھونکنے کیلئے اپکو تیار کیا۔ ۷۔ اور پہلے فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب اولے اور آگ خون آمیز موجود ہوئی اور زمین پر ڈالی گئی اور تہائی درخت جل گئے اور تمام ہری گھاس جل گئی۔ ۸۔ پھر دوسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تب جیسے ایک بڑا پہاڑ آگ سے جلتا ہوا سمندر میں ڈالا گیا اور سمندر کا تیسرا حصہ لہو ہو گیا ۹۔ اور مخلوقات کی تہائی جتنے سمندر میں جان رکھتے تھے مر گئے اور جہازوں کا تیسرا حصہ تباہ ہو گیا۔ ۱۰۔ پھر تیسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب بڑا ستارہ چراغ سا جلتا ہوا آسمان سے ٹوٹا اور ندیوں اور پانی کے سوتوں کی

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی (ترجمہ) پاکی (بیان کرو) اُس (خدا) کی جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام (یعنے کعبہ) سے مسجد اقصےٰ (یعنے بیت المقدس) کیطرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹) تہائی پر جا گرا ۱۰- ۱۱- اس ستارے کا نام نگدونا ہے اور پانیوں کی تہائی نگدونا ہو گیا اور بہت سے آدمی اُن پانیوں کے سبب سے مر گئے کہ وے کڑوے ہو گئے تھے ۱۲- پھر چوتھے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو تہائی سورج اور تہائی چاند اور تہائی ستارے مارے گئے یہاں تک کہ اُن کی تہائی تاریک ہو گئی اور دن کی تہائی اور ویسے ہی رات کی تہائی بھی روشن نہ تھی ۱۳- پھر جو میں نے نظر کی تو ایک فرشتے کو آسمان کے بیچوں بیچ اڑتے ہوئے اور بڑی آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ زمین کے رہنے والوں پر ان تین فرشتوں کے نرسنگے کی باقی آوازوں کے سبب جو پھونکنے پر ہیں۔ افسوس افسوس افسوس۔

باب ۹ - اور پانچویں فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب میں نے ایک ستارہ آسمان سے زمین پر گرا ہوا دیکھا اور اس کو ئے کی کنجی جس کی تھاہ نہیں اُسے دیگئی ۲- اور اُس نے اُس کوئے کو جس کی تھاہ نہیں کھولا تو اس کوئے سے بڑے تنور کا سا دھواں اُٹھا اور اس کوئے کے دھویں سے سورج اور ہوا تاریک ہو گئی ۳- اور اس دھوئیں سے زمین پر ٹڈیاں نکلیں اور اُنہیں ویسا ہی مقدور دیا گیا جیسا کہ زمین کے بچھوؤں کا ہے ۴- اور اُنہیں یہ کہا گیا کہ زمین کی گھاس یا کسی سبزی یا کسی درخت کو ضرر نہ پہنچائیں مگر صرف اُن آدمیوں کو جن کے ماتھوں پر خدا کی مُہر نہیں ۵- اور انہیں یہ دیا گیا کہ وے انکو جان سے ماریں بلکہ یہ کہ وے پانچ مہینوں تک اذیت اٹھاویں۔ اور ان کی اذیت بچھو کے ڈنک جیسی تھی جب وہ آدمیوں کو مارتا ہے ۶- اور ان دنوں آدمی موت ڈھونڈھینگے اور اُسے نہ پاویں گے۔ اور مرنے کے مشتاق ہونگے اور موت اُن سے بھاگے گی ۷- اور ان ٹڈیوں کی صورتیں ان گھوڑوں جیسی تھی جو لڑائی کے لئے تیار

لے گیا جس کے گرد ہم نے ایک برکت رکھی ہے تاکہ ہم اُسے (اپنی قدرت) کی بعض نشانیاں دکھائیں بیشک وہی (خدا) سننے والا (اور) بینا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) کئے گئے ہیں اور ان کے سروں پر ۔۔۔۔ گویا سونے کے تاج اور ان کے چہرے آدمیوں کے سے تھے۔ ۸۔ اور ان کے بال عورتوں کے بالوں کی مانند اور ان کے دانت ببر کے سے تھے۔ ۹ اور اُنکے بکتر لوہے کے بکتروں مانند اور ان کے پروں کی آواز رتھوں اور بہت گھوڑوں کی سی آواز جو لڑائی میں دوڑیں۔ ۱۰۔ اور انکی دُمیں بچھو کی سی تھیں اور ڈنک اُن کی دموں میں تھے اور انہیں اختیار ملا کہ پانچ مہینوں تک آدمیوں کو ضرر پہنچاویں۔ ۱۱۔ اور اس اتھاہ کوئے کا فرشتہ ان کے اوپر بادشاہ تھا اس کا نام عبرانی میں ابدّون اور یونانی میں اپلّیون ہے ۱۲۔ ایک افسوس گذر گیا دیکھو دو افسوس اور ان باتوں کے بعد آنے والے ہیں ۱۳ پھر چھٹے فرشتے نے نرسنگا پھونکا اور میں نے سونہلی قربانگاہ کے چاروں سینگوں میں سے جو خدا کے حضور ہے ایک آواز سنی ۱۴۔ جو اُس چھٹے فرشتے سے جسکے پاس نرسنگا تھا کہتی تھی کہ اُن چاروں فرشتوں کو جو فرات کی بڑی ندی پر بند ہیں کھول دے ۱۵۔ پھر وے چاروں فرشتے چھوڑے گئے جو ایک گھڑی اور ایک دن اور ایک مہینے اور ایک برس تک تیار رکھے تھے کہ آدمیوں میں سے تہائی کو مار ڈالیں ۱۶۔ اور فوجوں کے سوار شمار میں بیس کروڑ تھے اور میں نے ان کا شمار دیا سنا ۱۷۔ اور وے گھوڑے اور اُن کے سوار دیکھنے میں مجھے یوں نظر آئے کہ اُنکے بکتر آگ کی مانند سرخ اور دھوئیں کی مانند نیلے اور گندھک کی مانند پیلے تھے اور اُن کے گھوڑوں کے سر ببر کے سروں کی مانند تھے اور اُن کے مُنہوں سے آگ اور دھواں اور گندھک نکلتی تھی ۱۸۔ اور اس آگ اور دھوئیں اور گندھک سے جو اُنکے مُنہ سے نکلتی تھی یعنے ان تینوں آفتوں سے تہائی آدمی مارے گئے ۱۹ کہ اُن گھوڑوں کے مقدور اُن کے مونہہ میں اور اُنکی

قرآن مجید میں تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ ابتدائی روایتوں میں تو معراج بغیر جسم کے تسلیم کی گئی ہے مگر بعد کی روایتوں سے پایا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) ھوں میں ہیں کیونکہ اُن کی دمیں سانپوں کی مانند سر رکھتی تھیں اور وے اُن سے ضرر پہنچاتے ہیں۔ ۲۰۔ اور باقی آدمیوں نے جو اُن آفتوں سے مارے نہ گئے تھے اپنے ہاتھوں کے کاموں سے توبہ نہ کی کہ دیوؤں اور سونے اور روپے اور پیتل اور پتھر اور لکڑی کی مورتوں کی جو نہ دیکھ اور نہ سُن اور نہ چل سکتی ہیں پوجا نہ کریں۔ ۲۱۔ اور اُنہوں نے اپنے اُس خون اور جادوگریوں اور زنا اور چوریوں سے جو وے کرتے تھے توبہ نہ کی۔

باب ۱۰۔ مکاشفات یوحنا۔ پھر میں نے ایک اور زور آور فرشتے کو آسمان سے اُترتے دیکھا جو ایک بدلی کو اوڑھے اور اُس کے سر پر دھنک تھا اور اسکا چہرہ آفتاب سا اور اس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند تھے ۲۔ اور اسکی ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کتاب کھلی ہوئی تھی اور اُس نے اپنا داہنا پاؤں سمندر پر اور بایاں خشکی پر دھرا ۳۔ اور بڑی آواز سے جیسے ببر گرجتا ہے پکارا اور جب اُس نے پکارا تب بادل نے گرجنے کی اپنی سات آوازیں دیں۔ ۴۔ اور جب بادل اپنے سات رعدوں کی آوازیں دے چکا تھا تو میں لکھنے پر تھا تب میں نے آسمان سے ایک آواز سُنی جو مجھے فرماتی تھی کہ بادل کے اُن سات رعدوں سے جو بات ہوئی اُس پر مُہر کر رکھ۔ ۵۔ تب اس فرشتے نے جسے میں نے سمندر اور خشکی پر کھڑا دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھایا ۶۔ اور اُسکی جو ابد تک زندہ ہے جس نے آسمان کو اور جو کچھ اس میں ہے اور زمین کو اور جو کچھ اُس میں ہے اور سمندر کو اور جو کچھ اُس میں ہے پیدا کیا قسم کھائی کہ پھر اور مدت نہ ہوگی ۷۔ بلکہ ساتویں فرشتے کی آواز کے دنوں میں جب وہ پھونکنے پر ہوگا خدا کا پوشیدہ مطلب جیسا اُس نے اپنے خدمت گذار نبیوں کو خوشخبری

کہ معراج مع جسم کے ہوئی جمہور صحابہ باتفاق اسکے قایل ہیں کہ معراج مع بدن ہوئی تھی۔ چنانچہ معراج کے متعلق صحیح بخاری اور مسلم نے حسب ذیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) وی پورا ہوگا ۸۔ اور اُس آواز نے جو میں نے سُنی۔ پھر مجھ سے بات کی اور کہا جا وہ چھوٹی کھلی ہوئی کتاب جو اُس فرشتے کے جو دریا اور خشکی پر ہے ہاتھ میں ہے لے ۹۔ تب میں اس فرشتے کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ وہ چھوٹی کتاب مجھکو دے اُس نے مجھے کہا لے اور اُسے کھا جا وہ تیرا پیٹ کڑوا کر دے گی پر تیرے مُنہ میں شہد سے میٹھی لگے گی ۱۰۔ تب میں نے وہ چھوٹی کتاب اُس فرشتے کے ہاتھ سے لی اور اُسے کھا گیا اور وہ میرے منہ میں شہد کی طرح میٹھی تھی۔ پر جب میں اُسے کھا گیا میرا پیٹ کڑوا ہو گیا۔ ۱۱۔ اور اُس نے مجھے کہا ضرور ہے کہ تو بہت سے لوگوں اور قوموں اور اہل زبان اور بادشاہوں کی بابت پھر نبوت کرے۔

باب ۱۱۔ اور ایک سرکنڈا جریب کی مانند مجھے دیا گیا اور وہ فرشتہ کھڑا ہو کے کہتا تھا کہ اُٹھ اور خدا کی ہیکل اور قربانگاہ اور ان کو جو اس میں عبادت کرتے ہیں اندازہ کر ۲۔ مگر اس والان کو جو ہیکل کے باہر ہے چھوڑ دے اور اُسے مت ناپ کیونکہ وہ غیر قوموں کو دیا گیا ہے اور وے مقدس شہر کو بیالیس مہینوں تک پامال کریں گی ۳۔ اور میں اپنے دو گواہوں کو اختیار دونگا اور وے ٹاٹ پہن کر ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک نبوت کریں گے ۴۔ یہ وے دو درخت زیتون کے اور دو چراغدان ہیں جو زمین کے خدا کے حضور کھڑے ہیں ۵۔ اور اگر کوئی چاہے کہ اُنہیں ضرر پہنچائے تو اُن کے مُنہ سے آگ نکلتی اور اُن کے دشمنوں کو کھا جاتی ہے سو اگر کوئی چاہے کہ انہیں ضرر پہنچائے تو ضرور ہے کہ وہ اسیطرح مارا جائے ۶۔ ان کو اختیار ہے کہ آسمان کو بند کریں کہ اُن کی نبوت کے دنوں میں پانی نہ برسے اور پانیوں پر بھی اختیار رکھتے ہیں کہ انہیں لہو بنا ڈالیں۔ اور

بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک شب حرم کے اندر کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام سیر کے لئے براق لائے وہ گدھے سے کچھ اونچا اور خچر سے نیچا تھا ایک قدم اسکا اتنی دور جا پڑتا تھا کہ جہانتک نظر جاسکے میں اس پر سوار ہوا یہانتک کہ بیت المقدس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) جب چاہیں زمین پر ہر طرح کی آفت لادیں۔ ۷۔ اور وے جب اپنی گواہی دیچکیں گے تو وہ درندہ جانور جو اتھاہ کوئے سے نکلتا ہے اُن سے لڑے گا اور اُن پر غالب ہوگا اور اُنہیں مار ڈالے گا ۸ اور ان کی لاشیں اس بڑے شہر کے بازار میں جو تشبیہ کے طور پر روم اور مصر کہلاتا ہے جہاں ہمارا خداوند بھی صلیب پر کھینچا گیا پڑی رہیں گی۔ ۹۔ اور لوگوں اور فرقوں اور اہل زبان اور قوموں کے بعضے اُنکی لاشوں کو ساڑھے تین دن تک دیکھا کرینگے اور اُنکی لاشوں کو قبروں میں رکھنے نہ دیں گے۔ ۱۰۔ اور زمین کے رہنے والے اُن پر خوشی و خرمی کریں گے اور ایک دوسرے کو سوغاتیں بھیجیں گے کیونکہ ان دو نبیوں نے زمین کے رہنے والوں کو ستایا تھا۔ ۱۱۔ اور ساڑھے تین دن کے بعد زندگی کی روح خدا کی طرف سے اُن میں در آئی اور وے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ تب جنہوں نے اُنہیں دیکھا انہیں بڑا خوف آیا۔ ۱۲۔ اور اُنہوں نے آسمان سے ایک بڑی آواز سُنی جو انہیں کہتی تھی کہ ادھر اُوپر آؤ۔ اور وے بادل میں آکے آسمان پر چلے گئے اور اُنکے دشمنوں نے اُن کو دیکھا۔ ۱۳۔ پھر اُسی گھڑی ایک بڑا بھونچال آیا اور اس شہر کا دسواں حصہ گر گیا اس بھونچال میں سات ہزار آدمی جان سے مر گئے اور باقی جو تھے ہراساں ہوگئے۔ اور اُنہوں نے آسمان کے خدا کی بزرگی کی ۱۴۔ دوسرا افسوس گذر گیا۔ دیکھو تیسرا افسوس جلد آتا ہے۔ ۱۵۔ اور ساتویں فرشتے نے نرسنگا پھونکا اور آسمان پر بڑی آوازیں یہ کہتی ہوئی آئیں کہ دنیا کی

آیا پس میں نے براق اسجگہ باندھ دیا جہاں پیغمبر اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ پھر میں اسکے اندر گیا اور دو رکعت نماز میں نے وہاں پڑھی پھر میں وہاں سے نکلا تو جبرئیل علیہ السّلام میرے لئے ایک پیالہ شراب کا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴) بادشاہتیں ہمارے خداوند اور اُسکے مسیح کی ہوگئیں اور وہ ابد تک بادشاہت کرے گا۔ ۱۶۔ اور چوبیس بزرگ جو اپنے اپنے تخت پر خدا کے حضور بیٹھے تھے مُنہ کے بل گرے اور خدا کو سجدہ کیا ۱۷۔ اور بولے کہ اے خداوند قادر مطلق جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے ہم تیرا شکر کرتے ہیں کیونکہ تو نے اپنی بڑی قدرت اختیار کر لی اور بادشاہت کی۔ ۱۸۔ اور قومیں غصّے ہوئیں اور تیرا قہر آیا اور مردوں کا وقت پہنچا کہ انکی عدالت کیجائے اور کہ تو نے خدمت گذار نبیوں اور مقدس لوگوں کو اور اُن کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں کیا چھوٹے کیا بڑے اجر بخشے اور ان کو جو زمین کو خراب کرتے ہیں خراب کرے۔ ۱۹۔ اور خدا کی ہیکل آسمان میں کھولی گئی اور اس کی ہیکل میں اُس کے عہد کا صندوق دیکھنے میں آیا۔ اور بجلیاں اور آوازیں اور گرجیں اور بھونچال آئے اور بڑے اولے پڑے۔

باب ۱۲۔ اور ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے اور چاند اُس کے پاؤں تلے اور اُس کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا۔ ۲۔ اور وہ درد سے چلّاتی اور جننے کو اٹھتی تھی۔ ۳۔ پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا اور دیکھو ایک بڑا سُرخ اژدہا جس کے سات سر اور دس سینگ اور اُس کے سروں پر سات تاج تھے ظاہر ہوا ۴۔ اور اسکی دُم نے آسمان کی تہائی ستارے کھینچے اور انہیں زمین پر ڈالا اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جو جننے پر تھی جا کھڑا ہوا تاکہ جب وہ جنے تو اُس کے بچے کو نگل جاوے۔

ایک پیالہ دودھ کا لائے میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ شراب کا نہیں لیا پھر آسمان پر گیا۔ پہلے آسمان پر آدمؑ دوسرے آسمان پر یحییٰؑ اور عیسےٰؑ کو تیسرے آسمان پر یوسفؑ کو اور چوتھے آسمان پر ادریسؑ کو پانچویں آسمان پر ہارونؑ کو چھٹے آسمان پر موسےٰؑ اور ساتویں آسمان پر ابراہیمؑ کو دیکھا پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ گیا وہ ایک بیری کا درخت ہے پتے اس کے ایسے ہیں جیسے ہاتھی کے کان اور پھل اُسکے مٹکوں کے برابر ہیں اس کے اوپر عجیب عجیب روشنیاں تھیں۔ پھر اللہ نے مجھپر وحی کی جو کچھ کی اور میری اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ جب میں لوٹا اور موسےٰ سے یہ حال کہا تو اُنہوں نے کہا کہ آپ کی اُمت سے اتنی عبادت نہو سکے گی۔ غرضیکہ میں کئی بار حق سبحانہ کے پاس آیا گیا۔ اخیر میں پانچ وقت کی نماز رہ گئی انتہیٰ مختصراً۔ اور روایتوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا میں نے معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا۔ جنت دوزخ کے حالات کا معاینہ کیا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

خواجہ دراں پردہ بدید آنچہ دید ۔ و آنچہ نباید بزباں ہم شنید

یہ معراج آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو باتفاق جمہور صحابہ مع بدن کے ہوئی اور روحانی معراج تو بار بار ہوئی۔ جسکا ذکر احادیث میں بار بار آتا ہے۔ اسرا رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیلاً کا لفظ اسکے بعد صرف اس لئے لایا گیا کہ پوری رات اس سیر میں نہ صرف ہوئی تھی۔ بلکہ بہت ہی قلیل حصہ رات کا تھا باقی مباحث اس مقام کے مثلاً اتنی جلد اتنی بڑی مسافت حضرت نے کیونکر طے کی اور آسمان کے اوپر کس طرح گئے اور اس کے علاوہ جو حکما کی طرف سے شبہات وارد ہوئے سب کا جواب امام فخر الدین رازی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں بسط سے لکھا ہے۔ صبح کو جب حضرت نے لوگوں سے معراج کی کیفیت بیان کی تو کافروں نے امتحاناً آپ سے

بیت المقدس کے راستہ کے حالات پوچھنے شروع کئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ رہے تھے تو مجھے سخت تشویش ہوئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری نظر سے حجاب اُٹھا دیا۔ اور جو جو بات اُنہوں نے پوچھی میں نے فوراً بتا دی۔

یہ بات دیکھنے اور سمجھنے کی ہے کہ نہ تو قرآن مجید میں اور نہ صحیح احادیث میں ایسا کوئی جملہ ملتا ہے جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ حضور انور نے اپنی معراج کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ خاکی جسم کے ساتھ میں آسمان پر گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی توصاف یہ روایت موجود ہے جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر آئے ہیں کہ آپ کا جسم حجرہ سے غائب نہیں ہوا تھا آپ اپنی روح کے ساتھ آسمان پر گئے تھے حضرت معاویہ کی بھی ایک روایت کا پتہ لگتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا خیال آیا تھا اسی طرح یہ معراج بھی ہوئی۔ کاتب الواقدی اور ہشامی بھی روحانی معراج کی طرف گئے ہیں۔

ہشامی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ میں لکھتا ہے کہ جب آپ آسمان سے واپس آئے تو آپ نے اپنے خادم زید سے یہ فرمایا میں نے جنت میں اپنی چھوٹی بچی کو جو فوت ہو چکی تھی) اتنا خوش اور خوبصورت دیکھا۔ جھگڑا صرف یہ ہے کہ آیا یہ معراج وہی معراج ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور جس کا بیان ہم اوپر کر چکے ہیں یا یہ معراج دوسری معراج ہے۔ بہت سے مصنف تو اس پر متفق ہیں کہ یہ معراج وہی معراج ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یعنی خداوند تعالیٰ اپنے بندہ کو پہلے مکہ معظمہ سے بیت المقدس لے گیا اور پھر بیت المقدس سے آسمان کی طرف لے گیا مگر کاتب الواقدی اس سے اختلاف کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے اقلی

معراج سترہ رمضان المبارک کو ہوئی۔ اور اُس کے چھ مہینے کے بعد دوسری معراج ربیع الثانی کو وقوع میں آئی۔ (کاتب الواقدی صفحہ ۴۰)

حضور انور کی معراج پر خواہ جسمانی ہو یا روحانی۔ عیسائی یا یہودی تو قیامت تک اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ جب انکے مذہب میں بہت سی ناممکن باتیں جزو ایمان بنائی گئی ہیں پھر معراج جیسی معمولی بات پر کہ جو ایک سچے عارف اور محبوب خدا کو دن رات میں صدہا بار ہوتی رہتی ہے کیونکر نکتہ چینی ہو سکتی ہے ساری توریت کو جانے دو۔ صرف حضرت موسےٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر آگ لینے کے لئے جانے اور وہاں خدا سے باتیں کرنے کو دیکھو

۱؎ یہی باتیں خداوند نے پہاڑ پر آگ کے اور بدلی کے اور بے نہایت تاریکی کے درمیان سے تمہاری ساری جماعت کو بلند آواز سے کہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ اور اُس نے اُن پتھر کی دو لوحوں پر لکھا اور اُنہیں میرے سپرد کیا۔ اور ایسا ہوا کہ جب تم نے اندھیرے میں سے یہ آواز سنی۔ کیونکہ پہاڑ آگ سے جل رہا تھا۔ تم یعنے تمہارے فرقوں کے سرگردہ اور بزرگ میرے نزدیک آئے اور تم نے کہا کہ دیکھ خداوند ہمارے خدا نے اپنی شوکت اور اپنی بزرگی دکھائی ہے اور ہم نے اسکی آواز آگ میں سے سُنی ہم نے آج کے دن دیکھا کہ خداوند آدمی سے باتیں کرتا ہے اور آدمی جیتا بچتا ہے۔ سو اب ہم کس لئے ہلاک ہو دیں کہ یہ ایسی بڑی آگ ہم کو بسمسم کرے گی۔ اگر ہم خداوند اپنے خدا کی آواز اب کے پھر سنیں گے تو ہم مر ہی جائیں گے۔ کیونکہ سارے بشر میں کون ہے جس نے آگ کے بیچ سے زندہ خدا کے بولنے کی آواز سُنی ہے ہم نے سنی ہے اور جیتا رہا تو آپ ہی کے نزدیک جا اور سب جو کچھ خداوند ہمارا خدا فرمائے سُن اور جو کچھ خداوند ہمارا خدا تجھ کو کہے تو ہم اُسے سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ اور جس وقت تم نے مجھ سے یہ کہیں خداوند نے تمہاری آواز سُنی۔ تب خداوند نے مجھے فرمایا میں نے اُن لوگوں کی

اگر یہ وحشیانہ قصے ہیں تو وہ بھی وحشی فسانے ہو سکتے ہیں ایک واقعہ ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) آواز اور باتیں جو اُنہوں نے تجھ سے کہیں سنیں جو کچھ اُنہوں نے کہا اچھا کہا۔ اے کاش کہ اُن کے ایسے دل ہوں کہ وے مجھ سے ڈریں اور ہمیشہ میرے سب حکموں کی محافظت کریں تاکہ اُنکے لئے اور اُنکی اولاد کے لئے ابد تک بہتر ہووے جا اُنہیں کہہ کہ اپنے خیموں کو پھر جاؤ۔ پر تو یہاں پر کھڑا رہ اور میں ساری شریعت اور احکام اور حقوق تجھ سے بیان کروں گا جو کہ چاہیئے کہ تو انہیں سکھائے تاکہ وے اُس زمین میں جسکا وارث میں نے اُنہیں کیا ہے اُن پر عمل کریں۔ پس تم خبردار رہو کہ جس طرح خداوند تیرے خدا نے فرمایا اسی طرح عمل کرو اور دہنے یا بائیں ہاتھ کو نہ مڑو تم ان سب راہوں پر جن کی بابت خداوند تمہارے خدا نے تمہیں فرمایا ہے چلو۔ تم زندہ رہو اور تمہارا بھلا ہو اور اس زمین پر جس کے تم وارث ہوگے تمہارے عمر کے دن بہت ہو جاویں۔ پھر چند آیتوں کے بعد یہ لکھا ہے اُسوقت خدا نے مجھے فرمایا کہ اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراش کے بنا اور پہاڑ پر مجھ پاس چڑھ آ اور ایک چوبی صندوق بنا۔ اور میں اُن تختیوں پر وہی باتیں لکھونگا جو پہلی تختیوں پر جنہیں تو نے توڑ ڈالا لکھی تھیں بعد اسکے تم اُنکو صندوق میں رکھو۔ تب میں نے شیشم کی لکڑی کا صندوق بنایا اور پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراشیں اور اُن دونوں تختیوں کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پہاڑ پر چڑھا اور اُس نے اُن تختیوں پر لکھنے کے موافق وہی دس احکام جو خداوند نے پہاڑ پر آگ کے بیچ سے مجمع کے دن تمہیں فرمائے تھے لکھے اور خداوند نے مجھے دے دیں۔ تب میں پھرا اور پہاڑ پر سے اترا اور اُن تختیوں کو اس صندوق میں جو میں نے بنایا تھا رکھا۔ چنانچہ وہ ہنوز اُس میں جیسا کہ خداوند نے مجھے حکم کیا ہیں۔

اس کے بعد ملاقات خداوندی کا کتاب خروج باب ۱۹ میں یہ تذکرہ ہوا ہے اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر

دو صورتوں سے بیان ہوا ہے۔ انصاف شہادت نہیں دیتا کہ ایک صورت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۹) کالی گھٹا آندی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی۔ چنانچہ سارے لوگ ڈیروں میں کانپ گئے۔ اور موسے لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملا دے اور وے پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔ اور سب کوہ سینا پر دھواں دھواں تھا کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کے اُس پر اُترا اور تنور کا سا دھواں اُس پر سے اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا اور جب قرنائی کی صدا بہت بڑھائی گئی اور بلند سے بلند ہوتی جاتی تھی۔ موسے نے کلام کیا اور خدا نے اُسے ایک آواز سے جواب دیا اور خداوند کوہ سینا پہاڑ کی چوٹی پر نازل ہوا۔ اور خداوند نے پہاڑ کی چوٹی پر موسے کو بلایا اور موسے چڑھ گیا اور خداوند نے موسے سے کہا کہ اُتر جا اور لوگوں کو تاکید کرتا ایسا نہ ہووے کہ حدوں کو توڑ کے خداوند کے پاس دیکھنے کو آویں اور بہتیرے ان میں ہلاک ہو جاویں اور کاہنوں کو بھی جو خداوند کے نزدیک آتے ہیں کہہ کہ اپنے کو پاک کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ خداوند اُن میں رخنہ ڈال دے۔ تب موسے نے خداوند سے کہا کہ لوگ کوہ سینا پر آ نہیں سکتے کیونکہ تو نے ہمیں تاکید کر کے کہا ہے کہ پہاڑ کے لئے حدیں مقرر کر رکھو اور اسکو پاک کرو۔ خداوند نے اُسے کہا کہ چل نیچے جا اور تجھ کو پھر اُوپر آنا ہوگا تو اور ہارون تیرے ساتھ پر کاہن اور لوگ حدیں توڑ کے خداوند کے پاس اوپر نہ آویں۔ ایسا نہ ہووے کہ اُن میں رخنہ ڈالدے۔ چنانچہ موسے لوگوں کے پاس نیچے اُترا اور اُن سے کلام کیا۔

پھر خدا یہ سب باتیں بولا اور کہا کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو اُن کے آگے اپنے تئیں جھکا

کو قبول کرلیں اور ایک صورت کو غلط ٹھیراویں۔ جو باتیں مسلمانوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اور نہ انکی عبادت کر۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور باپ دادا کی بدکاریاں اور انکی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں تیسری اور چوتھی پشت تک پہنچاتا ہوں پر اُنمیں سے ہزاروں پر جو مجھے پیار کرتے اور میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرتا ہوں۔ تو بندہ اپنے خدا کا نام بے فایدہ مت لے کیونکہ جو اُسکا نام بے فایدہ لیتا ہے خدا اُسے بیگناہ نہ ٹھہرا دیگا۔ تو سبت کا دن پاک رکھنے کے لئے یاد کر۔ چھ دن تک تو محنت کرکے اپنے سارے کام کاج کرلیکن ساتوان دن تیرے خدا کا سبت ہے اس میں کچھ کام نہ کرنہ تو تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی نہ تیری مواشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو۔ کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسلئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھیرایا۔

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اُس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہووے تو خون مت کر۔ تو زنا مت کر۔ تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اُسکے غلام اور اُسکی لونڈی اور اُسکے بیل اور گدھے کا اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔

اور سب لوگوں نے دیکھا کہ بادل گرجے بجلیاں چمکیں قرنائی کی آواز ہوئی پہاڑ سے دھواں اُٹھا اور سب لوگوں نے جب یہ دیکھا تو اُٹھے اور دور جاکر کھڑے رہے تب اُنہوں نے موسےٰ سے کہا کہ تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں۔ لیکن خدا ہم سے نہ بولے کہیں ہم مرنہ جاویں موسےٰ نے لوگوں کو کہا کہ تم مت ڈرو اسلئے کہ خدا آیا ہے کہ تمہیں امتحان کرے اور تاکہ اُسکا خوف تمہارے سامنے ظاہر ہو کہ تم گناہ نہ کرو۔ تب وے لوگ دور ہی کھڑے رہے اور موسےٰ کالی بدلی کے جسمیں خدا تھا نزدیک گیا۔

اور خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ تم نے دیکھا میں نے آسمان پر سے تمہارے ساتھ باتیں کیں۔ تم میرے مقابل روپے کے معبود مت بنائیو اور نہ اپنے

مستند روایتوں میں معراج کے لئے بیان ہوئی ہیں اور جو باتیں حضرت موسےٰ کے خداوند تعالےٰ سے گفتگو کرنے کے متعلق توریت میں بیان ہوئی ہیں اُن میں کچھ زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا مگر تعجب یہ ہے کہ مسیحی مورخوں نے حضرت موسےٰ کی ان باتوں سے قطع نظر کرکے صرف حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج پر دریدہ دہنی سے حملہ کیا ہے جس سے مغربی نکتہ چینی کی انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے ہم نے حاشیہ میں جو کچھ توریت کتاب استثنا سے نقل کیا ہے اُسے دیکھ کے انصاف پسند طبیعت خود کہہ اٹھے گی کہ بیشک مغربی مصنفوں کی زیادتی ہے کہ وہ حضور انور کی معراج پر خواہ مخواہ حملے کرکے اسے وحشی فسانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعات کو اچھی طرح چھانا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر مغربی زمین کا مصنف تو کجا ایک مشرقی بچہ بھی مسکرا سکتا ہے جیسا کہ خداوند تعالےٰ کا حضرت موسےٰ کے خیمہ[1] میں آنا اور اُن سے باتیں کرنا مذکور ہے۔ خداوند تعالےٰ نے خیمہ میں آکے حضرت

---

[1] یہ خداوند نے موسےٰ کو فرمایا کہ دیکھ تیرے دن آپہنچے کہ جن میں تجھے مرنا ہے سو یشوع کو بُلا اور تم جماعت کے خیمہ میں آپ کو حاضر کرو تاکہ میں اُسے تاکید کروں چنانچہ موسےٰ اور یشوع روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے تئیں جماعت کے خیمے میں حاضر کیا اور خداوند بدلی کے ستون میں ہوکے خیمہ میں نمودہوا اور بدلی کا ستون خیمہ کے دروازے پر آکے قایم ہوا۔ تب خداوند نے موسےٰ علیہ السّلام کو فرمایا دیکھ تو اپنے باپ دادا ؤں کے ساتھ سو رہے گا۔ اور اُس قوم کے لوگ اُٹھیں گے اور اس سرزمین پر جہاں نئے بستے جاتے ہیں اسکے اجنبی معبودوں کی پیروی کرنے سے زناکار ہو جائینگے اور مجھکو چھوڑ دیں گے اور اُس عہد کو جو میں نے اُن کے ساتھ باندھا ہے توڑ دیں گے اور اُس دن میرا قہر اُن پر

موسےٰ سے کیا مزے مزے کی باتیں کیں۔ اور گنہگاروں کو ڈرایا اور ایسے قہرناک الفاظ استعمال کئے جن سے دل کانپتا ہے مع جسم کے آسمان پر جانا اور خداوند تعالےٰ کا دیدار نصیب ہونا اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ خداوند تعالےٰ دنیا میں آئے اور حضرت موسےٰ کے ڈیرے میں گھسے اور اُن سے باتیں کرے اس کے علاوہ توریت اور انجیل میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جو معراج سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔ ہم اُنہیں دوہرانا نہیں چاہتے جس قدر ہم نے توریت اور انجیل میں سے نقل کیا ہے۔ ہم اُسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہم صرف معراج کے متعلق اپنی رائے دیتے ہیں۔ ہماری ذاتی رائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) بھڑکے گا۔ اور میں اُنہیں چھوڑ دونگا اور میں اُن سے منہ چھپاؤنگا اور وے نگلے جائینگے اور بہت سی مصیبتیں اور آفتیں انپر پڑیں گی چنانچہ وے اُس دن کہینگے کیا مجھ پر یہ بلائیں اسلئے نہیں پڑیں کہ میرا خدا میرے درمیان نہیں اور اُن سب بدیوں کے سبب سے جو انھوں نے کی ہونگی اور اسلئے کہ اجنبی معبودوں کی طرف پھرے ہونگے میں اُس روز اپنا منہ چھپاؤں گا سو تم یہ گیت اپنے لئے لکھو اور اُسے بنی اسرائیل کو سکھاؤ اور اُسے اُن کے منہ میں رکھو تاکہ یہ گیت بنی اسرائیل پر میرا گواہ ہے اس لئے کہ جب میں انہیں اس سرزمین میں پہنچاؤں جسکی بابت میں نے اُنکے باپ دادوں سے قسم کی جسمیں دودھ و شہد بہتا ہے اور وے کھائیں گے اور سیر ہونگے اور موٹے ہو جائینگے تب وے غیر معبودوں کیطرف پھر جائینگے اور اُنکی عبادت کرینگے اور مجھے غصہ دلاوینگے اور میرے عہد کو توڑ ڈالینگے اور یوں ہوگا کہ جب بہت سی مصیبتیں اور آفتیں اُنپر پڑینگی تو یہ گیت اُنکے برخلاف گواہ کیطرح گواہی دیگا کہ اُسکا اُن کی نسل کے مونہ سے بھلایا نجائیگا کیونکہ میں انکے خیالوں کو جو وے اسوقت کرتے ہیں اس سے پیشتر کہ میں اس سرزمین

تو یہ ہے کہ معراج جسم سے ہوئی اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ انسان اگر خواب میں بھی اپنی ذاتی حالت پر غور کرتا ہے تو اپنے کو مع جسم کے پاتا ہے یہ مثال اگرچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج پر چسپاں نہیں ہوتی مگر ظاہر بینوں اور دہریوں کے سمجھنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ آسمان کو طے کرنا یا ایک غیر محدود بلندی تک جانا اور خداوند تعالےٰ سے باتیں کرنا اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے ملنا یہ مذہب اسلام کے خاص راز ہیں جنکا تعلق معرفت الٰہیہ سے ہے۔ چونکہ اسلام کے ظاہری اصول سے اُسے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ عامہ مسلمین کو سمجھنے کے لئے تکلیف دی گئی ہے اس لئے اُسکی بابت بحث کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اندھوں کے آگے کافوری شمع کا جلانا۔ دنیا میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں آپ دہقانیوں یا جاہلوں کو جمع کر کے ابن رشد بوعلی سینا یا مل اور قدارون کے اصول موضوعہ پر بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ایک دیوانہ ایسی بولی بول رہا ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی خدا کی معرفت سمجھنے کے لئے خدا کی محبت اور اپنی راستبازی کی ضرورت ہے اور یہ گویا معرفت کے مکتب کی الف ب ت ہے اگر انسان اپنی پوری قوت اور حواس کے ساتھ معرفت کے مکتب میں پڑھے اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرے تو اسکی آنکھوں سے کل پردے جو خداوند تعالےٰ کے رازوں کے آگے پڑے ہوئے ہیں بتدریج اٹھتے چلے جائیں اور وہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ اگر آپ مجھ سے یہ خواہش کریں کہ میں آپ کو اقلیدس کے مقالہ کی کوئی شکل سمجھا دوں حالانکہ آپ اقلیدس کے اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ سے محض نابلد ہیں تو میں کیونکر آپ کے ارشاد کی تعمیل کر سکتا ہوں ایسے موقعہ پر آپ کا مجھ پر یہ طعن کرنا کہ تم ہمیں

نہ سمجھا سکے آپ کی پوری جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

جو لوگ اسلام کے فروعات پر اعتراض کرتے ہیں ان کی بڑی بھاری غلطی ہے انہیں چاہیئے کہ اصول اسلام پر اعتراض کریں اور جب مطمئن ہو جائیں تو پھر فروعات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

ہم معراج کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھنے کے جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں ہمارے خیال میں وہی کافی ہے خداوند تعالےٰ ہمارے گناہوں اور خطاکاریوں سے چشم پوشی کرے اور ہم میں حق اور باطل کے تمیز کرنے کی قوت دے آمین۔

تیسرا باب

ہجرت

(مشورہ قتل اور غار ثور)

اُس حالت میں کہ مشرکوں کے مظالم روز بروز زیادہ ہوتے جاتے تھے اور بہت سے صحابہ ہجرت کر کے یثرب چلے گئے تھے اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ حضور انور کے پاس سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علیؓ کے کوئی نہ رہا تھا۔ حضور انور نے اسی اثنار میں خواب میں یہ مشاہدہ کیا۔ کہ آپ کو اس سرزمین سے ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے اور ایک غیبی آواز مقام ہجرت کو بتا رہی ہے کہ دو سنگستان کے درمیان نخلستان میں آپ کی جائے قیام تجویز کی گئی ہے حضور انور نے خواب سے بیدار ہو کے اپنے اصحاب سے یہ کیفیت بیان کی۔ جب پانی سر سے گذر چکا اور اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو بھی مکہ میں ٹھیرنا مناسب نہ معلوم ہوا تو آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم دیں کہ میں بھی مثل اور صحابہ کے یثرب چلا جاؤں

حضور نے ارشاد فرمایا میرے صدیق تم ٹھہر جاؤ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو گیا ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلونگا۔ یہ سنتے ہی حضرت صدیق اکبر خوش ہو گئے اور آپ نے جا کے سفر کی تیاری شروع کی سب سے پہلے آپ نے دو اونٹ بہم پہنچائے ایک حضور انور کے لئے خریدا جسکی چار سو درہم قیمت دی اور ایک اپنے لئے مول لیا۔ یہاں یہ تیاری ہو رہی تھی اور وہاں کل قریشوں میں اس بات کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اب وقت آگیا ہے کہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ کل قریش باہم مشورہ کرنے دار الندوہ میں جمع ہوئے یہ وہ مقام تھا جہاں بڑے بڑے مشکل کام اور عظیم قضیے فیصل پاتے تھے۔ ایک دن جلسہ کے لئے مقرر کیا اور اس دن ہزارہا قریش حسب معمول آکے جمع ہو گئے جب سب آدمی جمع ہو گئے تو ایک بوڑھا شخص دروازہ پر آکے کھڑا ہوا اور قریشوں سے کہا مجھے بھی اندر آنے کی اجازت دو انہوں نے کہا تو کون ہے اس بوڑھے شخص نے جواب دیا کہ میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کچھ مشورہ کرنے کو یہاں جمع ہوئے ہو اس لئے آیا ہوں شاید میں بھی تمہارے مشورے میں تمہیں کچھ رائے دوں۔ قریشوں نے مشورہ کیا کہ یہ شخص مکہ کا رہنے والا نہیں ہے تو اس کا ہمارے پاس بیٹھ جانا یا ہمارے جلسہ میں شریک ہونا کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ غرض اس شخص کو اندر بلا کے بٹھا لیا اور بڑی آمادگی اور احتیاط کے ساتھ یہ گفتگو شروع ہوئی یعنے سب سے پہلے ہشام بن عمرو نے کھڑے ہو کے یہ کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو انہیں کے گھر میں قید کر دینا چاہئے تاکہ وہ وہیں رہ جائیں اور ان کا وہیں خاتمہ ہو جائے۔ اس پر نجدی بوڑھے نے جو شیطان مجسم تھا یہ کہا کہ نہیں یہ رائے بالکل غلط ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پیرو بہت ہیں اور وہ ہر چہار طرف متفرق ہو گئے ہیں جب انہیں یہ حال معلوم

ہوگا وہ سب یہاں آ کے جمع ہو جائیں گے۔ پھر بنی ہاشم آپ کے ساتھ مل جائیں گے اور وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مکان سے نکال لیں گے اور تم میں اور اُن میں بہت بڑی جنگ ہو گی۔ اسپر ابو البختری نے کہا کہ اچھا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نکال دینا چاہیئے۔ اس رائے کو بھی شیطان مجسم یعنے نجدی بوڑھے نے پسند نہیں کیا اور کہا کہ یہ رائے ضعیف ہے۔ اس لئے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں حلاوت نطق اور لطف گفتار اس بلا کی ہے کہ وہ جہاں وعظ کہیں گے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ کر سکتے ہیں اور اس صورت سے جب اُنکے پاس جمعیت ہو جائے گی تو وہ تم پر حملہ کرینگے اور تم پارہ پارہ ہو جاؤ گے۔ قریشیوں نے بوڑھے شیطان کی باتوں کی بہت تعریف کی اور کہا کہ بیشک یہ بہت اچھی رائے دیتا ہے اور اب جلسے میں اس کی تعظیم و تکریم ہونے لگی۔ جب تعظیم و تکریم کا طوفان کم ہوا تو ابوجہل بن ہشام نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک نہایت جلد باز اور دلیر شخص انتخاب کیا جائے اور وہ سب مل کے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جائے قیام پر چلے جائیں اور اندر گھس کے آپ کو قتل کر ڈالیں۔ جب یہ خبر عام طور پر مشتہر ہو جائیگی تو بنو عبد مناف اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے اور اُن میں مقابلہ کی تاب نہ رہیگی اور ہم مظفر و منصور ہو جائیں گے اور پھر اس دغدغہ سے خلاصی ہو جائے گی نجدی شیطان نے مرحبا و صد مرحبا کا نعرہ بلند کیا اور کہا بیشک ابو الحکم کی یہ رائے درست اور ٹھیک ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ سب اس پر اتفاق کر لیں۔ غرض سب نے اس خونی رائے پر اتفاق کر لیا اور پھر جلسہ برخاست ہو گیا۔ تقدیر الٰہی ان کے اس مشورہ اور ہمہمی پر خندہ زن تھی۔ اِدھر یہ مشورہ ہو رہا تھا اور اُدھر حضور انور کے قلب مبارک میں وحیوں کا چشمہ اُبل رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ روح القدس رتی رتی اس خونی جلسے کے حالات بیان کر رہی ہے۔ دل کے آئینہ میں سارے عکس پڑ رہے تھے اور وہ مجسم

آنکھوں کے آگے کھڑے ہوئے سب باتوں کی شہادت دے رہے تھے۔
اس نورانی وحد اور معرفت کی حالت میں خدا نے اپنے پیغام سے آپکو آگاہ کیا کہ آپ جس جگہہ آرام فرماتے ہیں۔ آجکی شب وہاں آرام نہ کریں۔ اور علی الصباح شہر کی طرف روانہ ہو جائیں۔

جب رات ہو گئی تو باہمی قرارداد کے بموجب سب مشرکین مکہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مکان کے گرد جمع ہو گئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حضور انور سو جائیں تو آپکو شہید کر دیں تاکہ بنی ہاشم کو معلوم ہو جائے کہ ہم سب نے مل کے یہ کام کیا ہے۔ حضور انور کو یہ سازش کی کیفیت معلوم ہو گئی حضور نے علی بن ابی طالب سے فرمایا کہ مشرک میرے قتل کا قصد کرتے ہیں تو میری چادر اوڑھ لے اور میرے بستر پر لیٹ جا اور کسی قسم کا خیال نہ کر تجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے کی علی بن ابی طالب نے حضور کے ارشاد کے بموجب عمل کیا۔ آپ حضور کی چادر اوڑھ کے حضور کے بستر پر لیٹ گئے۔ حضرت علی کا اس طرح حضور کے بستر پر لیٹ جانا اور اپنی جان فدا کرنے کا قصد کرنا پکار پکار کے یہ کہہ رہا تھا ؎

سر یکہ داشتم انداختم بپائے توحیف ٭ کہ نیستم سر دیگر مرا بپائے دگر

سنا گیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے چند اشعار خاص اس نثار کے لئے موزوں فرمائے جن میں سے پہلا شعر یہ ہے ؎

وقیت بنفسی خیر من وطی الحصا ٭ ومن طاف بالبیت العتیق و الحجر

غرض جب حضرت علی حضور انور کے بستر پر لیٹ گئے اور آپ کی چادر اوڑھ لی تو پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) مکان کے دروازہ کے باہر نکلے اور مشرکوں کے قریب سے ہو کے گذرے تو کسی نے آپ کو نہ دیکھا۔ اتفاق سے ایک مشرک کی جو دوسرے راستہ سے آرہا تھا حضور پر نظر پڑی۔ مگر تنہا اسے روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ مشرکوں کے پاس بھاگا ہوا آیا

اور اُس نے اُن لوگوں سے کہا کہ تم یہاں جمع کیوں ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ شخص ہنسا اور اُس نے کہا تم عجب احمق ہو محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو اس گھر سے کبھی کے نکل گئے یہ لوگ بہت پریشان ہوئے اُس نے قسم کھا کے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں وہ اس گھر میں نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے پریشان ہو کے دیوار کے چھید میں سے جھانک کے دیکھا۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ حضور انور کا بستر خالی نہیں ہے یہ دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم موجود تو ہیں تو ہمیں خواہ مخواہ بہکاتا ہے۔ یہ کہہ کے وہ لوگ گھر میں گھس گئے۔ اور جب خواب گاہ کے پاس پہنچے تو اُن کے غل و شور سے حضرت علی چوکنے ہو کے اُٹھ بیٹھے۔ اُس وقت اُنہیں معلوم ہوا کہ ہمارا دوست سچ کہتا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت تلخ تر لہجہ میں حضرت علی سے دریافت کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کہاں ہیں حضرت علی نے جواب دیا کہ تم نے مجھے انکی نگہبانی کے لئے مقرر کیا تھا جو میں تمہیں بتاؤں وہ کہاں گئے۔ مشرک یہ جواب سُن کے سخت متحیر اور شرمندہ ہوئے اور جھنجھلا کے ہو کے حضرت علی کو قید کر لیا اسپر ابو لہب نے کہا بے وقوفو علی سے مطلب کیا ہے جو اسے قید کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ اور اپنے کام میں لگو۔ چنانچہ مشرکوں نے حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں اپنے باپ کے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور اس نے میرے باپ کو یہ خبر دی کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مستور الراس پہنچ گئے اور اب یہاں تشریف لا رہے ہیں ہمیں امید نہ تھی کہ پیغمبر خدا ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں گے اتنے میں حضور انور آ گئے میرے باپ نے صورت دیکھتے ہی کہا میرے والدین آپ پر فربان ہوں کہ آپ نے یہاں قدم رنجہ فرما کے ہمیں اور ہمارے

غریب خانہ کو شرف بخشا پھر حضور نے ارشاد کیا کہ میں خاص ایک مصلحت سے تمہارے پاس آیا ہوں مجھے ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے۔ میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی ہمرکابی کے لئے حاضر ہوں۔ حضور نے ارشاد کیا اچھا تمہارے گھر میں جو کوئی شخص ہو باہر نکل جائے میرے باپ نے عرض کیا کہ سوائے میری لڑکی عائشہ اور میری بہن کے اور کوئی نہیں ہے حضور نے ارشاد کیا بس تو پھر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب چلنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ یہ اونٹ حاضر ہے بعض روایتوں میں ہے حضور نے ارشاد کیا مجھ سے اس کی قیمت لے لو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ قیمت کی بابت آپ کیا فرماتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میرا کل مال و متاع آپ پر تصدق ہے۔ یہ اونٹ میں نے نو سو درم میں حضور کے لئے پہلے ہی سے خرید لیا ہے حضور کا قبول فرمانا اسکی پوری قیمت کا وصول ہو جانا ہے۔

بعض نے اُس اونٹ کی قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی چار سو درم بیان کی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اور میری پھوپی نے جلدی جلدی سامان سفر اور توشہ سفر جسقدر ہو سکا مہیا اور تیار کرنا شروع کیا۔ اور جھپاکے سے اتنی جلدی تیار کر دیا کہ حضور انور اور میرے والد بہت خوش ہوئے غرض جب سب سامان تیار ہو چکا تو پیغمبر خدا اور میرے والد غار ثور میں چلے گئے۔

حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ راستہ نہایت سختی۔ محنت اور تکلیف سے پورا کیا۔ آپ نے اپنے مبارک پیروں سے جوتیاں اتار ڈالی تھیں اور آپ برہنہ پا چلتے تھے کہ مشرک آپ کے قدموں کا نشان دیکھ کے آپ کا تعاقب نہ کریں۔ برہنہ پا چلنے میں آپ کے پیر مجروح ہو گئے اور تلووں سے خون بہنے لگا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

اپنے حقیقی نجات دہندہ کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ سے رہا نہ گیا اور آپ نے فوراً شہنشاہِ عرب و عجم کو کندھوں پر چڑھا لیا اور اس طرح غارِ ثور کے درہ پر لیکے پہنچے۔ اور حضور انور کو باہر کھڑا کر کے پہلے آپ غار میں گئے اس کو اندر سے خوب صاف کیا اور اسکے کل سوراخوں کو اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کے بند کیا۔ صرف ایک سوراخ رہگیا اُس کے لئے جب کپڑا نہ پایا تو اپنا پیر اُس سوراخ میں اڑا دیا۔ وہاں ایک زہریلے جانور نے آپ کے پیر میں کاٹ کھایا حالانکہ آپکو تکلیف بہت ہوئی لیکن آپ نے سوراخ سے پیر علیحدہ نہیں کیا۔ جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو سخت افسوس کیا اور اپنے خالقِ حقیقی کے حضور میں دعا کی کہ صدیق اکبر کے پیر کا درد جاتا رہے اللہ نے اپنے حبیب کی دعا قبول فرمائی اور حضرت صدیق بالکل اچھے ہو گئے اور آپ نے دعا کے ساتھ اپنا لعاب دہن بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیر میں لگایا تھا جس سے زہر کا اثر فوراً جاتا رہا ؎

تریاق در دہان رسول آفرید حق ✤ صدیق را چہ غم بود از زہر جاں گزا

تین دن اور تین رات حضور انور نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں مکڑی نے دروازہ پر جالا بنا لیا تھا اور کبوتر نے گھونسلے کے لئے تنکے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی کہ اگر کوئی مشرک ادھر آنکلے تو اس بات کو نہ پہچان سکے کہ اس غار میں کوئی شخص رہتا ہوگا۔ اس وقت مشرکین قریش کی خبریں عبد اللہ بن اُبی کی معرفت حضور انور کو پہنچتی تھیں۔ عبد اللہ بن ابی نہایت ہوشیار اور عقلمند نوجوان تھے۔ وہ دن بھر قریشوں میں رہتے تھے اور شب کو ساری خبریں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیتے تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ میں اپنے مکان پر چلے آتے تھے قریش یہ سمجھتے تھے کہ یہ مکہ ہی میں رہتے ہیں اور عامر بن فہیرہ کا یہ کام تھا

کہ دن بھر بکریاں چرائیں اور شب کو بکریوں وغیرہ کا دودھ لے کے غار ثور میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ آخر الذکر مسلمان تھے اور برابر حضور انور کی خدمت میں لگے ہوئے تھے اور بڑی ہوشیاری سے ہاتھ پاؤں بچا کے کام کرتے تھے۔

تیسرا شخص عبد اللہ بن اریقط دیلمی تھا جسے حضرت صدیق اکبر نے اجرت پر ٹھہرا رکھا تھا کہ فلاں روز فلاں وقت دو اونٹ لیکر غار ثور پر چپ چپاتا چلا آئے اسمار ذوالمناقبین (حضرت ابو بکر کی صاحبزادی) کا بیان ہے کہ جب حضور انور اور میرا باپ ابو بکر مکہ سے باہر گئے تو دوسرے دن بہت سے قریش ہمارے مکان پر آئے میں غل سن کے باہر نکلی انہوں نے دریافت کیا کہ تیرا باپ کہاں ہے میں نے جواب دیا کہ میں کیا جانوں وہ کہاں ہیں اور کہاں چلے گئے ابو جہل نے ایسا تھپڑ میرے کلہ پر مارا کہ میرے کان کی لو پھٹ گئی اور بندہ گر پڑا اور خون بہنے لگا۔ میں چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اتنے میں ابو قحافہ نے جو میرا دادا تھا (مگر نابینا ہو گیا تھا) یہ کہا کہ ابو بکر کل مال و متاع اپنے ساتھ لے گیا اور تمہارے لئے ایک پیسہ نہیں چھوڑا اصل بات یہ تھی کہ پانسو درم نقد جمع تھے جو میرے والد چلتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ سن کے میں چپکی ہو رہی اور میں نے کچھ جواب نہ دیا جب سب قریش چلے گئے تو میں نے اپنے دادا سے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے ہمارے لئے ہمارے والد کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں جو فلاں جگہ موجود ہے چنانچہ میں انکی انگلی پکڑ کے لے گئی اور انہیں ہاتھ سے ٹٹول دادیا وہ دیکھ کے خوش ہوئے اور کہا کہ یہ مال ہمارے گذارہ کے لئے کافی ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضور انور غار ثور میں تشریف لیگئے تو دوسرے روز ابو جہل نے مکہ میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا تھا کہ اگر کوئی

شخص خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کرکے لائیگا خواہ زندہ یا مُردہ اُسے میں سو اونٹ دوں گا۔ جب تمام اہل مکہ کو یہ خبر معلوم ہوئی۔ بہت سے طاقتور جوان مال کے لالچ میں تلواریں لے لیکے پہاڑوں اور جنگلوں میں حضور انور کو تلاش کرنے لگے اور اپنے ساتھ ایک شخص قائف نامی کو لیلیا جو کسی قدر اس بات سے واقف تھا اور قدموں کی شناخت میں اوّل درجہ کا مشہور تھا۔ چنانچہ وہ شخص نوجوان اور شمشیر بکف عربوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور غار ثورؔ کے قریب جاکے کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس جگہ سے آگے نہیں بڑھے ہیں وہ خواہ آسمان پر چلے گئے ہوں یا زمین میں چھپ گئے ہوں مگر اس مقام سے ایک انچ بھی آگے بڑھنا ناممکن ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ قائف نے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ حضور انور اس غار ثورؔ میں ہیں مگر جب مشرکوں نے کبوتر کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا غار کے دہانہ پر دیکھا تو انہوں نے کہا قائف تُو احمق ہے جو یہاں آدمی کا پتہ بتاتا ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص وہاں کھڑا ہوا تھا اُس نے کہا تم دیوانے ہو بھلا یہاں بھی کوئی آدمی ہوسکتا ہے کہ وہ کل آیا ہو آج کبوتر نے گھونسلا بنا لیا ہو اور مکڑی نے جالا تن لیا ہو۔ غرض یہ سُن کے وہ لوگ اِدھر اُدھر پراگندہ ہوگئے قائف اُنہیں آواز دیتا رہا کہ تم ناحق اِدھر اُدھر جاتے ہو تمہارا مطلوب اس مقام سے آگے نہیں بڑھا ہے جب یہ اصرار رائگاں کی آوازیں حضرت صدیق اکبرؓ کے کان میں پہنچیں تو اپنے نبی کی تقاضائے محبت سے آپ رنجیدہ[1] ہونے لگے اور اسی پریشانی میں آپ کی مبارک زبان سے یہ نکلا

[1] یہ غار ثورؔ کا واقعہ ہے جس سے سچا عشق اور سچی محبت تمام دنیا نے تسلیم کر لی ہے مگر یہ دیکھ کے تعجب ہوتا ہے کہ بعض تشیعی مورخوں۔ محدثوں اور مفسروں نے اس

کہ یارسول اللہ مشرکوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم صرف دو ہی ہیں۔ حضور نے ارشاد کیا ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی بات نہیں ہے ہم دو نہیں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳) عشق پر بھی دھبہ لگانا چاہا ہے اور اپنے بیان میں ایسی ناپاک اور بودی منطق سے کام لیا ہے جس کی خوبی کو اُن ہی کا دل و دماغ خوب جانتا ہوگا چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں کہ ابوبکر سخت بزدل تھے کہ غار میں نالہ و بکا کرنے لگے تھے۔ جب اُنہوں نے کفار مکہ کی آوازیں غار ثور کے باہر سنیں تو سخت خوف میں آکے رونے لگے۔ پھر دوسرا شیعی فاضل لکھتا ہے کہ ابوبکر کا غار میں ساتھ جانا اور جاکے رونا محض اس غرض سے تھا کہ کفار مکہ سنیں اور آکے گرفتار کرلیں جتنی روایتیں غار میں ساتھ جانے کی بابت لکھی گئی ہیں اُنکا خلاصہ یہ ہے۔ جو ہم نے درج کیا چنانچہ بڑے بڑے شیعی شعرا نے بھی غار کے قصہ کو نظم میں باندھا ہے اور وہ نظم اپنی فصاحت و بلاغت میں ضرور لاثانی ہے اس کی تو ہم داد دیتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ اصل واقعہ کا خون کیا ہے اور محض سلطنت یا اپنے گروہ کو خوش کرنے کے لئے صدیق کی سچی خدمت اور بےنظیر عشق کو دشمنی پر محمول کیا ہے باایں ہمہ نظم کے عمدہ ہونے میں شک نہیں ہے اگرچہ واقعہ کی طرف خیال کرکے دیکھا جائے تو نظم پر ہنسی آتی ہے۔ لیکن محض ان روایتوں کی جدت اور نظم کو دیکھ کے بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے۔

بس کن حدیث غار کہ عارست نزد عقل ✤ آن حزن و بیقراری شیخ معظم

مگر بعض شیعی روایتوں میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر ارشاد نبوی پر آپ کے ساتھ غار میں گئے تو رستہ میں کبھی آگے ہو جاتے تھے

لہ الثانی ان قولہ تعالیٰ اثنین بیان لمحال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالعتبار دخولہ فی الغار ثانیاً ودخول ابی بکر اولا کما نقل فی السیر۔ انتھی ۱۲۔

بلکہ تین ہیں ایک خداوند تعالےٰ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ واقعی بہت ہی سخت اور نازک وقت تھا۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صدیق اکبر کی یہ گھبراہٹ محض

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) اور کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں حضور انور نے دریافت کیا ابوبکر! میں نے تجھے کبھی اس طرح چلتے نہیں دیکھا۔ آج یہ کیا بات ہے جو تو یوں چل رہا ہے ابوبکر نے جواب دیا یا رسول اللہ میں آگے پیچھے دائیں بائیں اس لئے چلتا ہوں کہ آپکی کفار مکہ سے نگہبانی کروں اور کوئی مخالف آپ پر ادھر ادھر سے نکل کر وار نکر دے اور راستہ میں یہ بھی ہوتا تھا کہ جب آنحضرت تھک جاتے تھے تو صدیق اکبر اپنے کندھے پر چڑھا لیتے تھے۔

دوسری حکمت علی کندھے پر چڑھانے کی یہ تھی کہ کفار مکہ قدموں کے نشان دیکھ کر اس طرف نہ آنکلیں غرض آپ اور حضور انور غار میں آپہنچے پہلے ابوبکر غار میں گھس گئے اور اُسکے تمام سوراخوں کو بند کیا اور جو سوراخ ابوبکر کے کپڑوں سے بند نہ ہوسکے اُن میں اپنے پیر رکھ دیئے پھر حضور انور کو بلا لیا۔ حضور انور تشریف لائے اور بآرام بیٹھ گئے تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ایک بچھو نے آپکے پیر میں کاٹ کھایا۔ حالانکہ حد سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ لیکن آپ نے ہوں تک نہ کی مبادا حضرت کی استراحت میں فرق پڑ جائے۔ اسی اثناء میں حضور انور کی نظر مبارک ابوبکر پر پڑی دیکھا کہ آپ برہنہ ہیں اور بچھو کے ڈنک کی تکلیف سے ایک رنگ آتا ہے اور ایک رنگ جاتا ہے ارشاد کیا "لا تحزن ان اللہ معنا" پھر آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور کہا خدا کی رحمت تجھ پر ہو کہ تو نے میری تصدیق میں مبادرت کی ایسے وقت میں کہ اور لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے تھے اور اس وقت جب چاروں طرف سے حملے ہونے لگے تو تو میرا سینہ سپر ہوا الحمد للہ کہ تیری مدد اور رفاقت سے میں نے کل آفتوں سے نجات پائی۔ بعض شیعی علماء بیان کرتے ہیں۔

کہ ابوبکر کے پیر میں بچھو نے صرف اس لئے کاٹا تھا کہ وہ آنحضرت کو غار میں

عشق رسول پر مبنی تھی اپنی جان کی کچھ پروا نہ تھی اور یہ خیال تھا کہ حضور انور کا بال بیکا نہ ہو۔ مگر شان نبوت یہ تھی کہ استقلال اور خداوند تعالےٰ پر بھروسہ اپنی پوری قوت پر آگیا تھا اور اس کی حد یہاں تک ہوئی تھی کہ خداوند تعالےٰ آنکھ سے دکھائی دینے لگا تھا۔ مخالف برہنہ تلواریں لئے ہوئے در غار پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵) پکڑوانا چاہتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حزن و ملال محض نامردی کی دلیل تھا۔ بعض شیعی علماء کا یہ خیال ہے کہ حزن و ملال مواعید الٰہی کے عدم وثوق پر ہوا تھا اور بھی بہت سے اقوال ہیں جو ہم بسبب طول کے یہاں درج کرنا مناسب نہیں جانتے۔ اختلاف روایات کے جانچنے کے لئے شاید اس واقعہ کے متعلق یہی اقوال کافی ہوں گے۔

بخاری میں فاضل مجلسی لکھتا ہے اور یہی روایت بصائر الدرجات میں بھی بیان ہوئی ہے کہ جب آنحضرت نے ہجرت کا تہیہ کر لیا اور یہ بھی ارادہ کر لیا کہ حضرت علی کو اپنی جگہ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ تو آپ نے جا کے اپنا مافی الضمیر حضرت علی سے کہا کہ میں ہجرت کرنا چاہتا ہوں اور میری مرضی ہے کہ تم میری جگہ لیٹ رہو۔ حضرت علی نے کہا آیا میری اس طرح لیٹنے سے آپ کی جان بچ جائے گی اور آپ کفار سے محفوظ ہو جائینگے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ ضرور ہو جائے گا۔ غرض آنحضرت علی کو سلا کے آپ غار ثور کی طرف چلے گئے۔ جب کفار کو معلوم ہوا کہ محمد نکل گئے تو سخت مایوس ہوئے اور غار کی طرف تلاش کرنے کے لئے روانہ ہوئے حضرت علی کو فکر اور پریشانی ہوئی۔ مبادا آنحضرت پر کوئی حملہ نہ ہو آپ فوراً اٹھے اور غار ثور میں آنحضرت سے مل گئے۔

دوسرا فاضل شیعی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ حضرت علی غار ثور میں گئے تھے بلکہ وہ یہ روایت بیان کرتا ہے کہ جب کفار مکہ مکان کے اندر گھس گئے اور انہوں نے حضرت علی کو پایا تو بہت برہم ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد کہاں گئے

کھڑے ہوں اور موت کی آوازیں سرگوشیاں کر رہی ہوں پھر اطمینان کے ساتھ یہ آواز نکلے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے ایک زبردست بھروسہ کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ایک حضرت مسیح تھے کہ مارے خوف کے جان نکلی جاتی تھی اور سولی کے وقت بھی پکار رہے تھے کہ گھڑی بھر تو یہ پیالہ مجھ سے الگ کر لیا جائے۔ ایک اُن کے صحابہ تھے جنہوں نے چند روپوں میں اپنے نجات دہندہ کو فروخت کر ڈالا تھا۔

وزیرے چنیں شہریارے چنان

مقابلہ کرنے سے ایک کامل نبی اور غیر کامل نبی کا فرق معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور اور حضرت صدیق اکبر کے مکہ سے چلے جانے کے بعد آپ کے اہل و عیال کی کیا حالت رہی اور قریشیوں نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جہاں تک دیکھا جاتا ہے قریشیوں نے کسی قسم کی تکلیف آپ کے بال بچوں کو نہیں دی۔ پہلے پہل حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر خفیف سا جبر کیا تھا جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن بعد ازاں کسی قسم کا بُرا برتاؤ نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) حضرت علی نے اپنی لاعلمی بیان کی۔ کفار نے پکڑ کر حضرت علی کو خوب مارا۔ فاضل شوستری محمد بن جریر طبری کے حوالہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے کہ آنحضرت علی سے تنہا مشورہ کرکے غار کی طرف روانہ ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر آئے اور علی سے پوچھا کہ حضرت رسالتمآب کہاں ہیں انہوں نے چپکے سے کہدیا کہ غار ثور کی طرف چلے گئے ہیں ابوبکر بھاگے ہوئے آپ کے پیچھے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ سے چند قدم فاصلہ پر رہگئے جب آنحضرت نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تو آپ نے سمجھا کہ مجھے کوئی مشرک پکڑنے آیا ہے اور بھی تیز بھاگے کہ رستہ میں ایک پتھر سے آپکو ٹھوکر لگی اور آپ کی جوتی کا تسمہ اُکھڑ گیا انگلی میں ایسی ضرب آئی کہ آپ ٹھہر گئے ابوبکر نے اتنے میں جالیا۔ آپ کی انگلی سے خون شر شر بہ رہا تھا۔

حضور انور کے چلے جانے کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تین روز تک مکہ میں رہے۔ آپ روز مرہ حرم میں آتے تھے۔ اور لوگوں کو جمع کر کے انکا مال و اسباب اُن کے حوالہ کر دیتے تھے یہ وہ مال و اسباب تھا جو لوگوں نے حضرت ابو طالب کے پاس امانتاً رکھا تھا۔ غرض تین دن میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ایک ایک چیز لوگوں کو ان کی دیدی۔ بعد ازاں کسی قسم کی کوئی مخالفت یا کوئی مزاحمت حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں کی گئی۔ اور آپ باآرام اور باآزادی مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔

حضور انور کی صاحبزادی حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) ایک عرصہ تک مکہ میں رہیں اور آپ کی دوسری صاحبزادی حضرت بی بی رقیہؓ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اسی عرصہ میں مدینہ میں تشریف لے جا چکی تھیں۔ آپ کی اور دو صاحبزادیاں اُم کلثومؓ اور بی بی فاطمہؓ حضرت بی بی سودہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ محترمہ کے ساتھ کئی ہفتے تک مکہ میں رہیں اور حضورؐ کی منگیتر حضرت بی بی عائشہؓ اپنی خاندانی مستورات کے ساتھ ایک عرصہ تک مکہ میں قیام پذیر رہیں (کاتب الواقدی صفحہ ۱۸۲، ہشامی صفحہ ۶۷ طبری صفحہ ۲۰۰)

حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابو بکرؓ صدیق یہ جانتے تھے کہ قریش ہمارے بال بچوں کو محض ایک قومی اعزاز کی وجہ سے کسی قسم کی نہ تکلیف دیں گے اور نہ اُن کی کسی قسم کی ذلت گوارا کریں گے۔ یہاں سر ولیم میور نے ایک اعتراض کیا ہے وہ لکھتا ہے جب قریشوں کی یہ کیفیت تھی کہ اُنہوں نے حضور انور کے بال بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی تو پھر جو مظالم قریشوں کے حضور انور کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں ان میں مبالغہ ضرور ہے۔

سر ولیم میور جیسے مورخ کا یہ اعتراض بہت ہی ادنیٰ درجہ کا ہے۔ عربوں کا قاعدہ تھا کہ وہ عورت پر ہاتھ اُٹھانا اپنی شان نامردی کے خلاف سمجھتے تھے۔ انہیں حضور انور کے کنبہ سے کچھ بحث نہ تھی۔ خود حضور انور کی موجودگی میں

جب آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے آپ کے کنبہ کے کسی شخص کو قریشیوں نے نہ حضور کی طرح سے ستایا اور نہ تکلیف دی۔

ابو طالب جنہوں نے حضور انور کو اپنے گھر میں رکھا اور ہر دم آپ کی حفاظت کی۔ کس قریش نے آپ پر ہاتھ ڈالا اور آپ پر حملہ کیا قریش کو بذاتہ حضور انور سے دشمنی تھی اور وہ اگر آپ کے صحابہ کو تکلیف دیتے تھے تو محض آپ ہی کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ قرآن مجید پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ اور بے انتہا ستاتے تھے کہ یہ لوگ حضور انور کی پیروی چھوڑ دیں۔ بظاہر کوئی خاندانی عداوت نہ تھی۔ اسلام اور کفر نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب حضور انور ہی مکہ میں نہ رہے اور مدینہ میں ہجرت کر کے چلے گئے تو پھر اُن کی صاحبزادیوں سے کیا سروکار رکھا جاتا۔ یہ بات روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے ہوتی رہتی ہے کہ دو خاندانوں کے دو شخصوں میں باہم لڑائی ہے جب تک دونوں مقابلہ میں موجود ہوں تو یہ ضرور ہوگا کہ ایک شخص اپنے مخالف کی وجہ سے اُس کے احباب اور اُسکے اور رشتہ داروں کو بھی تکلیف دے۔ کیونکہ ہر حالت میں وہ اس کی تائید کرینگے۔ مگر جب وہ شخص مرجائے گا یا اپنا وطن چھوڑ کے چلا جائے گا تو اس کا مخالف اپنی دشمنی کا وہیں خاتمہ سمجھے گا اور کبھی نئی لڑائی اپنے مخالف کے احباب اور رشتہ داروں سے نہیں کرنے کا تو سر ولیم میور کا یہ اعتراض کہ حضور انور کے چلے آنے کے بعد جب آپ کے بچوں کو تکلیف نہیں دی تو آپ کو بھی نہ ستایا ہوگا۔ ایک لاطائل استدلال اور لغو اجتہاد ہے۔

حضور انور نے مدینہ پہنچنے پر اپنے خادم زید کو اپنی صاحبزادیوں کے لانے کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا تھا۔ اور زید کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق کا صاحبزادہ عبداللہ بھی اپنی بہنوں اور پھپیوں کو لینے کے لئے مکہ روانہ ہوا تھا۔

ایک دردناک منظر

مکہ ایک عرصہ کے لئے خدا کے کلام کی صداؤں سے خالی ہو چکا ہے۔ وہ مقدس انفاس جو سالہا سال سے اسی پاک سرزمین میں رہتے تھے جنکی اب وجدی ہڈیاں اسی مقدس زمین میں آمیز ہو چکی تھیں۔ جس شہر کی آب و ہوا نے ان کی پرورش کی تھی۔ جن کو صدیاں اس شہر میں رہتے ہوئے گذر گئی تھیں۔ آج وہ مقدس نفس اپنے اس عزیز اور مقدس وطن سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیئے گئے محض اس جرم سے کہ انہوں نے خدا کے پاک کلام کی منادی کی تھی۔ انسانی تبدل حالت سے ترقی کر کے قدوسیوں سے انکا درجہ بڑھانا چاہا تھا۔ وہ اپنی غنودہ ذلیل بلکہ مردہ قوم کو اوج ترقی پر لانا چاہتے تھے۔ ایک ذلیل اور وحشی قوم کی نظروں میں اس سے زیادہ جرم ان کا اور نہیں ہو سکتا تھا۔ محض اس جرم میں کہ انہوں نے علی الاعلان پکار کے کہا تھا کہ درختوں۔ پتھر کے ڈھیروں اور شیطانوں کی پرستش کرنی خالق ارض و سما کے مقابلہ میں منافی عین انسانیت ہے۔ وہ دختر کشی کی رسم کو روکنا چاہتے تھے۔ غرض انہوں نے کل زمانہ جاہلیت کی رسموں کو مٹانا چاہا تھا۔ مگر فی الحال ان کی بدنصیب اور وحشی قوم ان کی دلپسند اور خوش آئند نصیحتوں پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہدایت والوں کو تکلیف دی۔ انہیں بھوکا اور پیاسا مارا۔ یہاں تک کہ انھوں نے کئی کئی بار وطن سے بے وطن ہونے کے لئے سفر کیا۔ اس وقت جب کل مظلوم مسلمان ہجرت کر چکے تو مکہ کے بہت سے مکانات بالکل خالی ہو گئے ان کی افسردہ حالت اس بات کی شہادت دے رہی تھی کہ یہ مکان اپنے مکینوں کے لئے رو رہے ہیں۔ حالانکہ ان مکانوں میں نہ حس ہے نہ روح ہے بلکہ پتھر اینٹوں۔ اور چونے کا ایک تودہ ہیں۔ ان بے جانوں کو تو رونا آئے۔ مگر قریشوں کو جو جاندار بھی ہیں اور اشرف المخلوقات میں بھی داخل ہیں ذرا بھی

افسوس نہ ہو۔ دلوں کی سختی حد سے گذر گئی تھی انسانیت اور رحم جو لازم و ملزوم ہیں۔ ان ظاہر صورت انسانوں کی ذات سے کبھی کے نکل چکے تھے۔ مکہ کے مقدس اور محترم حرم کے بُرے دن ابھی اور دیکھنے تھے اس لئے قضا و قدر فیصلہ کر چکی تھی۔ کہ ایک عرصہ تک اس حرم محترم میں خدا کے کلام کی آوازیں نہیں سنائی دینگی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ اس کا محبوب اس بے بسانہ حالت میں اپنی جان بچانے کے غار ثور میں چھپے تاکہ منکروں پر حجت پوری ہو اور پھر کوئی عذر باقی نہ رہے۔ وہ آناً فاناً میں تمام مشرکوں کو غارت بھی کر سکتا تھا اور ہدایت بھی دے سکتا تھا مگر ایسی باتیں اسکے قوانین کے خلاف تھیں۔ اُس نے ہر فعل کے صدور کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔ جو ایسے اسباب ہیں کہ انسان کی ظاہر پرست آنکھ ان کا اچھی طرح مکوج لگا سکتی ہے اس خالق حقیقی کے ہر فعل میں اس کی مخلوق کے لئے انہیں اسباب کی بنا پر ہزاروں سبق پوشیدہ ہیں۔ جنہیں بالغ نظریں اچھی طرح دیکھ سکتی ہیں

ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکہ میں خدا کے کلام کی ایک آواز بھی نہیں آئی تھی اور ایک غیر معمولی سناٹی سارے شہر پر چھائی ہوئی تھی۔ لیکن اب مکہ کی حالت میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ کئی سو آدمیوں کا ایک گروہ بت پرستی سے تائب ہو چکا تھا اور علانیہ رسوم جاہلیت کی حقارت کر چکا تھا۔ اور اُس نے بتوں کے بجائے خدائے احد و مطلق کی پرستش اختیار کر لی تھی۔ اور انہوں نے نہایت صدق دلی سے حضور انور کے وحیوں کے سلسلہ پر اپنا یقین اور ایمان کر لیا تھا اور علانیہ اپنے گناہوں کے لئے ایک ان دیکھی ذات کے آگے استغفار کرنے لگے تھے جسے نہ انہوں نے دیکھا اور نہ محسوس کیا تھا۔ وہ نہایت سرگرمی سے اُس ان دیکھی ذات کے آگے رکوع و سجود کرنے لگے تھے اسی سے دعا مانگتے تھے اور اُسی سے طلب مدد کرتے تھے۔ اُسی کے نام پر خیرات دیتے تھے اور اسی کے نام پر دوستی و دشمنی کرتے تھے۔ جسے محبت تھی تو اللہ کے لئے اور عداوت تھی تو اللہ کے لئے اور یہ ان کا ایمان ہو گیا تھا

کہ جس ان دیکھی ذات پر ہم ایمان لائے ہیں۔ اس کا علم ایک بڑے سے بڑے ذرے سے لگا کے ایک ذرہ تک محیط ہے اور اس سے ایک قطرہ کا پردہ نہیں چھپا ہوا ہے فطرت کی تمام بخششوں میں زندگی کے کل تعلقات میں ذاتی اور عامۂ خلایق کے کل معاملات میں اُنہیں اُن دیکھے خالق کا ہاتھ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا غرض نئی روحانی زندگی میں جس میں وہ سرخوش اور محترم ہوئے تھے وہ اپنے نادیدہ خالق کی مرضی کو تمام دُنیا پر حاوی سمجھتے تھے۔ ان کے رونگٹے رونگٹے سے وحدت کے چشمے اُبل رہے تھے۔ پتھر سے۔ درخت سے۔ پانی سے آفتاب سے۔ اور چاند سے۔ ستاروں سے وہ خدا کا نور اور جلوہ آنکھ سے دیکھتے تھے اور اس میں سرمست ہو رہے تھے۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے سچے آقا تھے اور ان کی نئی امیدوں کے حقیقی سرچشمے تھے جن کی وہ سچے دل سے اطاعت کرتے تھے۔ اس عجیب و غریب جنبش سے بہت تھوڑے عرصہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ اگرچہ انہیں قبیلے اور خاندان کی وجہ سے باہم ایک زبردست اتحاد تھا مگر اب بڑی سخت دشمنی آ کے پڑ گئی۔ ایک گروہ کمزور اور ایک گروہ قوی تھا۔ کمزور گروہ یعنے مسلمان نہایت صبر اور عالی ظرفی سے اپنے ہموطنوں اور بھائیوں کے مظالم سہتے تھے اور اس صبر اور عالی ظرفی نے اُنہیں گمنامی کی تاریکی سے نکال کے دنیا کی نامور اور پرشان قوم بنا دیا۔ پہلے سو مردوں اور عورتوں نے دین خدا قبول کر کے اپنے گھر چھوڑ دیئے تھے اور حبش جا کے پناہ لی تھی کہ جب یہ طوفان جاتا رہیگا تو پھر اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور اب حضور انور کے ساتھ ایک بڑا گروہ اپنے عزیز اور مقدس معبد سے مدینہ چلا گیا تھا۔ یہ وہ عزیز وطن تھا جس کی نسبت ان کا خیال یہ تھا کہ اس سے زیادہ بزرگ دنیا میں اور کوئی مقام نہیں ہے حضور انور کا ایک عجیب معجزہ تھا جن کی اطاعت میں انہوں نے سب باتیں گوارہ کر لی تھیں۔ اور وہ حضور انور پر اپنا خون بہانا اپنی اعلیٰ درجہ

کی عزت اور راحت سمجھتے تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کی صداقت کا بہت بڑا اسکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور ہر مقام پر ایک عام اثر انکا پایا جاتا تھا مگر جب دین خدا مثل دریا کے لہریں مارتا ہوا مدینہ پہنچا تو ایک عام شادابی اور تازگی مدینہ والوں کے دماغوں میں پیدا ہو گئی اور اس نئے دین کی معجز انگیز تعلیم نے انہیں یک لخت اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ہمارے دوست سر ولیم میور کو اس زمانہ کے مسلمانوں پر یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں زیادہ اطمینان نہیں ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے یہودی اور عیسائی اخلاق اور عادات کے لحاظ سے مسلمانوں سے بدرجہا بہتر تھے۔ فاضل مورخ کا ایسا لکھنا تاریخ کے صفحوں پر خاک ڈالنا ہے اس کا جواب ہم سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتے کہ اگر ان کی عادتیں اور ان کے اخلاق اچھے ہوتے تو وہ ایک نئے دین سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک چھوٹا سا بد اخلاق گروہ کبھی ایک خوش اطوار اور خلیق جماعت پر فتحمندی حاصل نہیں کر سکتا یہ بات قانون قدرت کے بھی خلاف ہے۔ باقی اس ثبوت میں کہ اس زمانہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کی کیا حالت تھی۔ کم سے کم مورخ اعظم گبن ہی کی تاریخ دیکھ لینی چاہیئے۔ میور صاحب مسلمانوں کی بد اخلاقی کی ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دینے میں بے انتہا آزاد تھے اور ہر ایک مسلمان کو اجازت تھی کہ علاوہ بیبیوں کے خواہ وہ کتنی ہی لونڈیاں رکھے۔ ایک قصہ عبد الرحمن کا سر ولیم میور صاحب نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ جب وہ مدینہ آئے تو انہوں نے دوست سعد کے ہاں قیام کیا اور جب کھانا کھانے بیٹھے تو اپنے دوست سے کہا کہ میرے پاس بہت دولت ہے میں اس دولت کا ایک حصہ تجھے دیدوں گا۔ اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جونسی تجھے اچھی معلوم ہو اس سے تو شادی کر لے چنانچہ عبد الرحمن نے اپنی ایک بی بی کو طلاق دی اور سعد نے بغیر کسی مدت کے معاً اس مطلقہ عورت سے نکاح کر لیا۔ یہ قصہ سر ولیم میور نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ مسلمانوں کی بد اخلاقی اس سے

ثابت کریں ہم اسکا جواب مفصل طور پر تو انشاء اللہ کثرت ازدواج کی بحث میں دیں گے۔ مگر یہاں صرف سر ولیم میور صاحب سے اتنا عرض کرتے ہیں کہ عیسائیوں میں عام دستور تھا کہ ہوتیل ماں کو جوروبنا کے گھر میں ڈال لیا کرتے تھے اس صورت سے تو عیسائیوں کی بد اخلاقی زیادہ ہوئی عدت وغیرہ کی نسبت جو انہوں نے اعتراض کیا ہے یہ بھی ان کی نری خام خیالی ہے اسلئے کہ اس وقت تک عدت کے متعلق کوئی حکم آسمان سے نہیں دیا گیا تھا۔

اس سے آگے اپنی دوسری جلد کے اختتام پر سر ولیم میور صاحب نے حضور انور اور حضرت مسیح علیہ السلام سے مقابلہ کیا ہے۔ مگر ہم اپنی دوسری جلد میں یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے۔ ہم انشاء اللہ حضور انور کی سوانح عمری ختم ہونے کے بعد نہ صرف حضرت مسیح سے بلکہ تمام اولوالعزم پیغمبروں اور کل ادیان کے بانیوں سے مقابلہ کر کے دکھائینگے تاکہ معلوم ہو اور یہ بات ثابت ہو جائے کہ بیشک حضور انور اور سب نبیوں کے سردار تھے۔

میں سیرۃ الرسول کی دوسری جلد کو یہیں تمام کرتا ہوں۔ میں نے واقعات کے جمع کرنے میں اسقدر تحقیق اور کوشش سے کام لیا ہے کہ ایک چھوٹے واقعہ سے لیکر بڑا واقعہ تک نہیں چھوڑا جس کا تعلق حضور انور کی زندگی کے ساتھ ہو۔ میں فخر دو جہاں کے سوانح عمری کو ایسا کامل لکھنا چاہتا ہوں کہ زمانہ دراز تک بلکہ اس وقت تک جب تک اردو زندہ ہے پھر کسی کو جدید سوانح عمری لکھنے کی ضرورت نہ پڑے ممکن ہے کہ یہ سوانح عمری اگر زندگی نے وفا کی تو پانچ چھ جلدوں میں ختم ہو۔ کیونکہ میں علاوہ سوانح عمری لکھنے کے تمام ان اعتراضات اور نکتہ چینیوں کا جو حضور انور کی ذات اقدس و اطہر پر اور اسلام کی تعلیم پر ہو چکی ہیں جواب دوں گا۔ یورپ میں اعتراضوں کے متعلق جرمنی۔ فرانسیسی۔ اور انگریزی میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور جسقدر کتابیں عیسائیوں اور آریاؤں کی ہندوستان میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے جواب دیئے جائیں گے۔ اگر روح القدس کے فیض سے اور خداوند کی توفیق سے یہ عظیم الشان کام مجھ سے بن پڑا اور میری زندگی میں پورا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فرض ادا کیا۔ یہ کام حقیقت میں بہت بڑا ہے اور اس میں مجھے ان پاک دعاؤں کی مدد کی ضرورت ہے جو ایک سچا مسلمان صدق دلی سے اور نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ اپنے معبود برحق کی بارگاہ عالی میں صبح کی پو پھٹنے سے پہلے جبکہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں انسان کے غل و شور پر غالب رہتی ہیں مانگا کرتا ہے فقط۔

سیرۃ الرسول کی دوسری جلد ختم ہو گئی

سیرۃ الرسول

جلد سوم

یعنی

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY

حضور انور رسول خدا افخر نبی ہاشمی و مطلبی شافع روز محشر محمد عربی
صلی اللہ علیہ وسلم
کی سوانح عمری

مصنفہ میرزا حیرت دہلوی

مترجم قرآن مجید و صحیح بخاری شریف و مصنف مقدمہ تفسیر القرآن
حیات حمیدیہ خلافت
شیخین وغیرہ وغیرہ

مصنف کے اہتمام سے کرزن پریس دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ایک دردناک منظر ہے کہ حضور انور اپنے عزیز اور مقدس وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑتے ہیں اگرچہ آپ ایک آدھ بار بصورت فاتح یا حاجیوں کی صورت میں ہنگامی طور پر ضرور تشریف لائیں گے لیکن مقدس وطن میں مستقل طور پر آپ کی لوو باش کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اہل مکہ کی جور و تعدی کا اس سے زیادہ ثبوت اور نہیں ہو سکتا کہ ایک مقدس اور معصوم نفس اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑتا ہے زمانہ کی خیزگیاں اور اُس کے گوناگوں حالات اس قسم کے ہیں جن کا راز سمجھ میں نہیں آتا کیا وہ زمانہ تھا کہ حضور انور نے اسی سرزمین میں پرورش پائی تھی مکہ کی شاہراہوں میں آپ پھرتے تھے یہیں آپ پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی یہیں آپ نے اس بات کا اعلان کیا سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور دنیا کے کل نیک و بد امور میں حلال و حرام یا اچھے برے کی تمیز کر کے بتا دی تھی مگر قوم ان باتوں سے ایسی برانگیختہ ہوئی کہ اُس نے نہ صرف شفیق ناصح یا ہادی کی ہدایت سننے سے انکار کیا بلکہ یہ بھی گوارا نہ کیا کہ اُن کا شفیق ناصح اپنے وطن میں بھی رہے۔

غرض جب غار ثور میں تیسری شب ہوئی تو حسب وعدہ عبد بن اریقط دو ملیحی اونٹوں کو غار کے پاس لے آئے اور عامر بن فہیرہ اس موضع میں موجود تھے۔ حضور انور اور حضرت ابوبکر ایک اونٹ

پر سوار ہوئے اور دوسرے اونٹ پر عبداللہ و عامر بیٹھے اور بہت جلدی ساحل آب کے راستہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب تک شدت کی دھوپ نہ ہوگئی کسی جگہ قیام نہ کیا آخر سخت گرمی میں ایک مقام پر اُترے اور ایک پتھر کے سایہ میں تکیہ لگا کے بیٹھ گئے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور کے لئے مختصر سا بچھونا وہیں زمین پر کر دیا اور آپ علیحدہ بیٹھ گئے۔ حضور انور نے تھوڑی دیر آرام فرمایا اور آپ کو نیند آگئی۔ اسی اثنا میں حضرت صدیق اکبر نے ایک گوالے سے تھوڑا سا دودھ مول لیا اور دودھ کا قدح اپنے ہاتھ میں لئے بیٹھے رہے۔ جب حضور انور نیند سے جاگے تو آپ نے دودھ کا پیالہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے نہایت خوشی سے اپنے صدیق کے ہاتھ سے پیالہ لے کے دودھ پی لیا۔ پھر حضرت صدیق نے عرض کیا کہ سفر کا وقت قریب آگیا ہے حضور تیار ہو جائیں۔ معصوم پیغمبر اٹھ بیٹھے اور پھر اونٹوں پر سوار ہو کے آگے کی طرف روانہ ہوئے۔

اس مختصر مگر ہولناک سفر میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جو اکثر معتبر مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے اور وہ واقعہ سراقہ بن مالک کا ہے۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے۔ سراقہ کا بیان ہے کہ قریشیوں کے قاصد ہمارے قبیلہ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ مکہ کے سردار کہتے ہیں کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اُن کے صاحب یعنی ابوبکر صدیق کو قتل کر ڈالے اُسے سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے میں اس وقت اپنے قبیلہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس بات کو کان لگا کے سنا کہ اتنے میں ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور اس نے یہ بیان کیا کہ میں نے ساحل آب کی طرف چند آدمیوں کو اونٹوں پر جاتے ہوئے دیکھا ہے غالباً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب ہوں گے۔ یہ سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا اور مجھے یقین ہوگیا کہ ہو نہ ہو ضرور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب ہوں گے مگر میں نے محض مغالطہ دہی کے طور پر اُن سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے رفیق نہ ہوں گے بلکہ یقیناً فلاں فلاں لوگ ہوں گے جو میرے آگے سے گزر کے گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنی قوم میں ذرا دیر کی اور میں کچھ عرصہ تک بیٹھا رہا۔ پھر میں وہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر پر آیا اور میں نے حکم کیا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دیں۔ فوراً گھوڑا تیار کر دیا گیا۔ میں زین سے نیزہ کو اکھیڑ لے گھوڑا

دوڑاتا ہوا اس طرف روانہ ہوا۔ جب میں اُن کے قریب پہنچا یکایک میرا گھوڑا چرغ پا ہوا اور میں دھڑام سے نیچے آپڑا۔ اتفاق سے میرے چوٹ نہیں لگی اس لئے میں جلدی سے اٹھ بیٹھا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی پہلی مہم میں ناکام ہو جاتا تھا تو وہ سہ شاخہ تیر لے کے ان پر کچھ عبارت لکھ دیتا تھا۔ پہلے تیر پر تو یہ عبارت ہوتی تھی امر بنی ربی۔ اور دوسرے تیر پر یہ لکھا تھا نھانی ربی۔ اور تیسرے تیر پر اسی طرح سے ایک وہ سرا جملہ لکھ دیتا تھا اور تیروں کو جعبہ میں رکھ کے ایک ایک تیر علیحدہ علیحدہ نکالا جاتا تھا۔ اگر اس تیر سے کوئی کام بن جاتا تو دوسرا تیر نکالا جاتا ورنہ پھر کوئی تمت جدید مہم کے لئے نہیں کیجاتی۔ غرض میں گھوڑا دوڑاتا ہوا حضور انور کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ آپ کی آواز میرے کان میں آنے لگی۔ اسوقت آپ حضرت ابوبکر صدیق سے باتیں کر رہے تھے ہر چند آپ کو میرے گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں پہنچ گئی ہیں مگر آپ نے مطلق میری طرف التفات نہیں کیا اور حضرت ابوبکر صدیق سے باتیں کرتے رہے۔ میں نے سوں غنیمت جان کے پہلا تیر جعبہ سے نکالا اور میں اسے مارنا چاہتا تھا کہ فوراً میرے گھوڑے کے دو آگے کے پیر زمین میں دھس گئے اور مجھے کچھ ایسا جھٹکا لگا کہ میں چاروں خانے چت آرہا اب بھی میں ضرب شدید سے بچ گیا۔ میں نے اپنے گھوڑے کو سنبھال کے بہتیرا مارا کہ وہ اٹھ کھڑا ہو پھر میں اس پر سوار ہو کے حملہ کروں مگر گھوڑے نے جنبش نہ کھائی آخر میں نے پاپیادہ دوسرے تیر کو نکالا اور حضور انور کی طرف مارا مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ اتنے میں مجھے حضرت ابوبکر صدیق کی آواز آئی۔ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کر رہے تھے کہ جب ہم غار ثور سے روانہ ہوئے تو ہماری قوم میں سے ہمیں کسی نے بھی نہ دیکھا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ سراقہ بن مالک نے ہمیں دیکھ لیا تھا جو اب گھوڑا دوڑاتا ہوا بالکل ہمارے لگ بھگ ہو گیا اور اب وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ حضور انور نے بڑے استقلال سے فرمایا کہ کچھ خوف کی بات نہیں ہے خداوند تعالیٰ ہمارا نگہدار موجود ہے جو ہمیں مخالف کے حملہ سے بچائے گا یہ ایسے پر اثر جملے تھے جنہوں نے ادھر صدیق اکبر کے دل کو تسکین دی اور ادھر ہمارا آور کے چھکے چھوٹ

وادیٔ معمولی دل وگردہ کے آدمی کا کام نہیں ہے کہ جس نے ایسی پریشان حالت میں وطن چھوڑا ہو اور محض غربت میں بے سروسامانی کی حالت میں صحرانوردی کر رہا ہو اور پھر ایک مخالف عقب سے حملہ کرے اور ایسی نازک حالت میں بھی محض خدا کے بھروسہ کی قوت سے انتہا درجہ کا دلیر ہو۔ اس کے بعد سراقہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ صرف ایک دو نیزے کا فرق رہ گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ حملہ آور بالکل قریب آگیا ہے یہ کہہ کے آپ زار زار رونے لگے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد کیا میرے صدیق تم کیوں روتے ہو۔ حضرت صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم میں اپنے لئے نہیں روتا بلکہ حضور کے لئے رو رہا ہوں آپ نے فرمایا رو نہیں کچھ بات نہیں ہے اسے اپنی پڑ جائے گی اور یہ ہماری بھول جائے گا۔ ادھر یہ لفظ حضور انور کی زبان مبارک سے نکلے اور ادھر سراقہ کے گھوڑے کے دونوں پیر زمین میں دھنس گئے ہر چند سراقہ نے ٹھوکریں ماریں اور بہتیری کوشش کی لیکن گھوڑے نے جنبش نہ کھائی۔ آخر سخت مایوس اور پریشان ہو کے سراقہ نے غل مچایا کہ جو کچھ مجھ پر مصیبت آئی ہے یہ صرف یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر حملہ کرنے کی وجہ سے آئی ہے آپ دعا فرمائیں۔ کہ میں اس مصیبت سے خلاصی پاؤں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جو شخص آپ کے تعاقب میں آرہا ہوگا اسے میں واپس کر دوں گا اور میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ میرے جتنے اونٹ و بکریاں آپ کو راستے میں ملیں آپ اُن پر قبضہ کر لیں اس پر حضور انور نے التفات نہ فرمایا پھر سراقہ نے غل مچایا اور کہا مجھ پر اور میرے بے زبان جانور پر رحم کیجئے۔ پس میں اپنی سزا کو پہنچ چکا۔ آپ نے اس وقت اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ ارشاد کیا۔ اللھم ان کان صادقا فاطلق فرسہ "فوراً گھوڑے کے پیر زمین سے نکل آئے سراقہ کا بیان ہے کہ جب مجھے اس مصیبت سے نجات مل گئی تو جو کچھ میرا مال ومتاع تھا میں نے حضور انور کے آگے پیش کیا کہ یہ چیزیں میں رکھتا ہوں اگر حضور قبول فرمالیں گے تو حضور کی خدمت میں پہنچا دوں گا حضور انور نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ تو کسی سے ذکر نہ کیجو جو کچھ تجھ پر گزری ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ آپ ایک امان نامہ مجھے لکھ کے دیدیں۔ حضور انور نے عامر بن فہیرہ سے اشارہ کیا کہ

کہ اسے نامہ لکھ کے دیدے چنانچہ عامر نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر مجھے امان نامہ کے چند لفظ لکھ دئے میں اسے لے کے واپس چلا آیا راستہ میں جو شخص مجھے ملتا تھا میں اُس کہدیتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش میں میں خود سرگردان ہو کے آیا ہوں مجھے دور دور آپ کا پتہ نہیں لگا ہر شخص کو میں راستہ ہی میں سے واپس کر دیتا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سراقہ حنین کی لڑائی کے بعد اپنے قبیلہ سے نکل کر حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور منزل جعرانہ میں وہی امان نامہ جو حضور انور نے دیا تھا اپنے ہاتھ میں لیکے عرض کیا یا رسول اللہ یہ امان نامہ وہی ہے جو مجھے بخشا گیا ہے اس کے بعد سراقہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے علاوہ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ راستہ میں حضور انور کو ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ کے پاس سے گزرے یہ ایک بڑی سیا عورت تھی اور اکثر خیمہ میں رہا کرتی تھی اور اس کا قاعدہ تھا کہ آنے جانے والے سافروں کو کھانا کھلایا کرتی تھی اور جہاں تک اُس سے ممکن ہوتا تھا سافروں کی خاطر داری کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتی تھی جب حضور انور اُس کے خیمہ میں پہنچے تو اس سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ خرمے اور گوشت ہے اس نے نہایت افسردہ دلی سے جواب دیا کہ اب کے بارش نہ ہونے سے کچھ ایسا قحط پڑا ہے کہ میں بالکل مفلس ہو گئی اور میرے پاس کچھ نہ رہا اس کے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری بندھی ہوئی تھی حضور انور نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ بکری تو موجود ہے کیا تو ہمیں نہیں دی سکتی اس نے جواب دیا کہ یہ بچاری بکری بہت ہی کمزور ہے اور بوجہ کمزوری کی وجہ سے یہ گلہ کے ساتھ چرنے بھی نہیں جا سکتی۔ پھر حضور انور نے ارشاد کیا کہ تیرے پاس کچھ دودھ بھی ہے اس عورت نے عرض کیا کہ جب بکری کی یہ کیفیت ہے تو دودھ کہاں سے آیا حضور انور نے فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو میں اس کا دودھ دوہ لوں اس عورت نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میری طرف سے اجازت ہے چنانچہ حضور انور اس بکری کے پاس تشریف لیگئے اور اس کے تھنوں سے دودھ دوہنا شروع کیا خدا کی شان سے دودھ پیدا ہو گیا جو حضور نے خود بھی پیا اپنے اصحاب کو بھی پلایا اور اس عورت کو بھی پلایا اور جو کچھ بچ رہا وہ اس کے برتن میں بھر کے رکھدیا اور پھر آپ اس عورت سے رخصت ہو کے

آگے کی طرف روانہ ہوگئے یہ بات اگرچہ موجودہ مذاق کے بموجب ایک تعجب انگیز معلوم ہوگی لیکن درحقیقت اس میں تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں ہے جو لوگ روحانیت اور اس کی قوت اور فطرت انسانی کی عظمت کو جانتے ہیں وہ ہرگز ایسی باتوں کے قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کرنے کے۔ ایک کمزور بکری کے تھنوں سے دودھ نکال لینا درحقیقت ایک بلکہ نبوت کے مقابلہ میں کوئی بڑی بات نہیں ہے اس کی شہادت بلکہ عینی شہادت ہم خود دیکھ سکتے ہیں کہ ایک شخص نے جس کو مسمریزم کے علم میں کمال مہارت تھی ہمارے سامنے پانی کو دودھ بنا دیا تھا اور سب حاضرین کو پلا دیا تھا۔ اگرچہ مسمریزم کی بنیاد محض قوت نظری پر ہے جس سے ایسے ایسے افعال کا صدور ہو جاتا ہے تو پھر بلکہ نبوت یا اعلیٰ درجہ کی قوت روحانی سے اگر ایسے افعال صادر ہو جائیں تو کوئی تعجب نہ کرنا چاہئے تیسرا واقعہ بریدہ بن الخصیب الاسلمی کا ہے اس کی نسبت یہ بیان ہوا ہے کہ یہ شخص مکہ سے ساٹھ ستر آدمیوں کو لیکے حضور انور کی تلاش میں نکلا تھا۔ اور تلاش کرتے کرتے اس نے ایک مقام پر حضور انور کو جا لیا جب یہ قریب پہنچا تو حضور انور نے دریافت کیا کہ تو کون ہے جواب دیا کہ میں بریدہ بن الخصیب ہوں۔ حضور نے اس پر حضرت صدیق اکبر کی طرف خطاب کرکے ارشاد کیا کہ ہمارا کام بن گیا۔ اس کے بعد حضور انور نے فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جواب دیا کہ اسلم سے حضور ارشاد کیا کہ سلمنا یعنی ہم سلامت رہے۔ پھر دریافت کیا کہ تو کس قوم کا ہے جواب دیا کہ بنی سہم میں سے آپ نے فرمایا خرج سہمک حضور انور کی اس جلادت نطق اور حسن مقال سے بریدہ سخت متعجب ہوا اور عرض کیا آپ کون ہیں حضور نے ارشاد کیا میں محمد بن عبداللہ خدا کا رسول ہوں یہ سنتے ہی بریدہ کو غیر معمولی جوش آگیا اور آواز سے پکار کے کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔ نہ صرف بریدہ پر بلکہ بریدہ کے ساتھیوں پر کچھ ایسی حالت طاری ہوگئی کہ سب زور زور سے کلمہ پڑھنے لگے اور مسلمان ہوگئے پھر بریدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کہاں تشریف لیجاتے ہیں آپ نے فرمایا یثرب۔ بریدہ نے عرض کیا کہ ایک جھنڈا اور جھنڈے بردار حضور کے ساتھ ضرور ہونا چاہئے۔ چنانچہ میں اس فرض کے انجام دینے کے لئے تیار ہوں یہ کہتے ہی بریدہ نے اپنا عمامہ کھولا اور اسے نیزہ پر باندھ لیا اور حضرت مقدس نبی کے آگے آگے ہولئے۔

یہ تین واقعے جو ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں ان میں سے پہلے دو مستند روایتوں سے ثابت نہیں ہوتے مگر

ہاں تیسرے اخیر واقعہ کی نسبت اکثر مورخوں کا اتفاق ہے مگر ہم نے محض اس خیال سے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹے سے چھوٹا واقعہ آپ کے حالات زندگی میں نہ رہ جائے کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ نقل کر دیا ہے مگر ہاں ہم یہ ضرور کریں گے کہ ہر روایت کی نسبت تحقیق کر کے اس کا معتبر اور غیر معتبر ہونا لکھ دیں گے۔

حضور انور نے وہ عام راستہ اختیار کیا تھا جو بحر احمر کے ساحل کے قریب شام کی طرف جاتا ہے۔ تیسرے دن صبح کو ایک چوتھا واقعہ پیش آیا جس پر کل مورخوں کا اتفاق ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ دور سے آپ کو ایک کاروان آتا ہوا معلوم ہوا۔ جب وہ قافلہ نزدیک آیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے دیکھا کہ ان کا قرابتی طلحہ اس قافلہ کا سردار ہے۔ جو تجارت کا مال لیکے شام سے آرہے تھے باہم بہت شوق سے ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو مبارک باد دی۔ طلحہ نے اپنا سامان کھولا اور شام کے بنے ہوئے سفید کپڑے حضور انور اور حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے وہ کپڑے بہت خوشی سے قبول کر لئے کیونکہ ایسے شدید اور ماندہ سفر کے لئے وہ کپڑے بہت موزوں تھے۔ اور جب طلحہ نے یہ کہا کہ مدینہ کے لوگ بہت شوق سے آپ کے منتظر ہیں تو حضور انور اور حضرت صدیق اکبر بہت خوش ہوئے۔ کہتے ہیں کہ طلحہ نے حضور انور کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی مدینہ ساتھ چلوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم پہلے مکہ چلے جاؤ اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آنا تاکہ مہاجر کا معزز لقب تمہیں حاصل ہو جائے۔

اس ملاقات کے بعد حضور انور آگے کی طرف روانہ ہوئے پہاڑیوں کو طے کرتے ہوئے گڑھوں اور غاروں کو پھلانگتے ہوئے حضور انور جب مدینہ سے دو دن کے راستہ پر پہنچے تو آپ کا اونٹ بالکل بیکار ہو گیا قبیلہ اسلم کے ایک سردار نے آپ کی خدمت میں ایک تازہ دم اونٹ پیش کیا آپ اس پر سوار ہو کے آگے روانہ ہوئے۔ گرمی کی انتہا درجہ شدت تھی کیونکہ آفتاب بالکل نصف النہار پر آگیا تھا۔ لوئیں اور باد صرصر کے طوفان غضب برپا کر رہے تھے اور جب وہ ایک پہاڑ پر سے نیچے اترے تو برسنہ چٹانوں پر سے ایک ایسا طوفان اٹھا جس نے بالکل گرد آباد کر دیا کئی گھنٹے تک آپ اس طوفان میں سخت پریشان رہے۔ طوفان سے نکلنے کے بعد مضافات مدینہ سامنے نظر آنے لگے سبز باغ اور خوشنما پودے اور خرمے کے بار آور درخت آنکھوں میں تازگی

پیدا کرنے لگے۔ حضور انور اور حضرت صدیق اکبر اس خوشنما نظارہ سے بہت ہی محظوظ ہوئے یہ نظارہ ایک ایسے مسافر کے لئے جو باد صرصر کے طوفان برپنہ اور تپتے ہوئے چٹانوں اور ثیل میدانوں سے آیا ہو بہت ہی جاں فزا ہو سکتا ہے۔ نجد کا وسیع میدان جانب جنوب پھیلا ہوا نظر آیا ادھر جانب شرق تاریک پہاڑیوں کی نیچی قطار معلوم ہوئی۔ جانب شمال تین یا چار میل کے فاصلہ پر احد کی گھاٹی دکھائی دی جس کو ایک بہت بڑا اونچا پہاڑی سلسلہ کہنا چاہیے اور شہر کے بہت ہی قریب جنوب شرق کی طرف بہتا ہوا پانی نظر آیا جس نے ساری تکان اور پریشانی کو دور کر دیا۔ اور جوں جوں جانب جنوب بڑھتے گئے خرمے کے سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آتا گیا اس کے علاوہ وہ ہرے بھرے کھیت اور ان میں سبزیوں کے چھوٹے چھوٹے مکانات ایسے بھلے معلوم ہوئے کہ دل کو تازگی ہی ہو گئی۔ حضور انور کے دل میں سب سے پہلا خیال یہ آیا تھا کہ میں اس مقام کو دیکھو جہاں میں صغیر سنی میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مدینہ میں آیا اور وہاں ٹھہرا تھا اور پھر آپ کو یہ بھی خیال تھا کہ دیکھئے مدینہ کے لوگ کلام خدا کے سننے کے شائق ہیں یا نہیں اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں آیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ دین خدا کی پوری حمایت کر سکیں گے۔

دوسرا باب

حضور انور کی یثرب میں تشریف آوری

جب سے اہل یثرب نے یہ خبر سنی تھی کہ حضور انور نے مکہ چھوڑ دیا ہے اور مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ہے تو وہ روزانہ مدینہ سے نکل کے مکہ کی سڑک پر ایک میل کی دوری پر بیٹھ جاتے تھے اور بڑے بڑے پیڑوں کے سایہ میں ٹھہر کے حضور انور کے تشریف لانے کا انتظار کرتے تھے اور جب آفتاب زیادہ چڑھ جاتا تھا اور گرمی کی شدت ہونے لگتی تھی تو بادل ناخواستہ اپنے گھروں کو واپس چلے آتے تھے۔ ایک دن وہ حسب معمول مدینہ سے نکل کے مکہ کی سڑک کی طرف جا کے بیٹھ گئے سامنے بلند ٹیلہ پر ایک یہودی کھڑا ہوا تھا۔ ناگہاں اس کی نظر حضور انور اور آپ کے اصحاب پر پڑ گئی اس نے زور سے غل مچایا کہ اے جماعت جس کا تم انتظار کر رہے ہو وہ قریب آگیا ہے۔ جب بنی قیلہ نے خیر الانام کے آنے کی خبر سنی اپنے ہتیار اٹھا کے استقبال کے لئے دوڑے اور پہاڑ کی چوٹی پر

حضور انور کا استقبال کیا ایک روایت میں آیا ہے کہ سب لوگ دف بجاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا

ما دعی للہ داع ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اور بچے اور لونڈی غلام بھی اُن کے ساتھ دف بجاتے تھے اور کہتے تھے اللہ اکبر محمد رسول اللہ آگئے اور جب قبیلہ عمرو بن عوف بخاری کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگوں کا غول کا غول یہ گانے لگا تھا نحن جواری من بنی النجاری۔ ومن حبذ محمد ومن جار۔ حضور انور اُن کے جواب میں یہ فرماتے جاتے تھے کہ خدا جانتا ہے میں تمہارا دوست ہوں۔

غرض حضور کی تشریف آوری سے بچے بڑے بوڑھے سب کے سب اس قدر خوش ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاتا کل مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور دوشنبہ کے روز اور ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ میں داخل ہوئے تھے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کی کون سی تاریخ تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یثرب نے باہم یہ مشورہ کیا کہ کون سا مقام حضور کے فروکش ہونے کے لئے موزوں ہوگا کوئی کچھ مقام تجویز کرتا تھا اور کوئی کچھ اس پر حضور نے فرمایا کہ آج رات تو میں بنی النجار میں رہوں گا کیونکہ میرے دادا کے اس قبیلہ کے لوگ ماموں ہیں اس لئے ہاشم بن عبد مناف کی شادی اس قبیلہ کی ایک خاتون سے ہوئی تھی جس کا نام سلمیٰ تھا اور اسی سے عبد المطلب پیدا ہوئے تھے۔ غرض حضور انور نے بعض اصحاب کو اپنی قدم بوسی کا شرف عنایت فرما کے قوم بنی عمرو بن عوف کی طرف رخ کیا اور کلثوم ابن الہدیٰ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ یہ شخص عرب کے رئیسوں میں تھا اور مسلمان ہوگیا تھا مگر بعض مورخوں کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے کچھ دیر ابو سعد بن خثیمہ کے مکان میں قیام فرمایا تھا اور بعضے متاخرین نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ روایتوں کے اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل قیام تو آپ کا ابن کلثوم بن الہدیٰ کے مکان میں ہوا تھا مگر جب لوگوں کا کثرت سے ہجوم ہونے لگا اور آنا جانا زیادہ ہوا تو حضور انور نے عام جلسہ کے لئے ابو سعد بن خثیمہ کا مکان تجویز کیا تھا کیونکہ یہ مجرد تھے اور ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے گھر میں زنانہ نہ تھا بلکہ وہ گھر سارا مردانہ بن رہا تھا اور یہ مکان محلہ قبا میں تعمیر تھا اسی

محلہ میں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جس کا نام مسجد قبا رکھا گیا یہی وہ مسجد ہے جس کی نسبت خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى الآیہ۔ غرض سب سے پہلی مسجد یہی مسجد قبا ہے جس میں اوّل اوّل نماز پڑھی گئی۔ کہتے ہیں کہ تین دن کے بعد حضرت علی بن ابی طالب بھی محلہ قبا میں حضور انور کے ساتھ آکے مل گئے تھے اور آپ مکہ سے مدینہ تک پاپیادہ آئے تھے اور آپ کے پیروں میں آبلے پڑ گئے تھے مورخوں کا بیان ہے کہ آپ چار روز تک قبا کے محلہ میں رہ کے پھر مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ لیکن بعضے مورخوں کا یہ بیان ہے کہ چودہ یا پندرہ روز کے بعد آپ نے مدینہ کا رخ کیا تھا اور بعض بیس روز بتاتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ جمعہ کے دن آپ تن تنہا قبا سے مدینہ تشریف لے گئے تھے یہ مقام جہاں قبا واقع تھا بلند یثرب مدینہ کہلاتا تھا۔ اس بلند یثرب مدینہ پر تین قبائل آباد تھے ایک قبیلہ خثیمہ اور دوسرا یہودیوں کا قبیلہ قریظہ اور نضیر اور چھوٹے چھوٹے قبایل کے آباد تھے۔

(کاتب الواقدی صفحات ۱۰۱۔ اور ۲۸۲)

روایت ہے کہ جب حضور انور مدینہ کے قریب پہنچے ہیں اور لوگوں نے آپ کو دیکھا ہے تو پہلے وہ یہ نہ پہچان سکے کہ ان دونوں میں رسول خدا کون سے ہیں مگر جب آفتاب کی کرنیں آپ پر چمکیں تو حضرت صدیق اکبر نے آپ کو ایک سایہ کی جگہ میں کر دیا اس وقت لوگوں نے رسول خدا کو پہچانا اس لئے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا۔

کاتب الواقدی اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو لوگ پہلے سے پہچانتے تھے کیونکہ آپ تجارت کی غرض سے کئی بار شام میں جا چکے تھے غرض مکہ سے مدینہ کا سفر جو عموماً طور پر گیارہ روز میں طے ہوتا ہے حضور انور نے آٹھ روز میں طے کیا اور آپ ۸ ربیع الاول ۱۳ مطابق ۲۸ جون ۶۲۲ء کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق دوسرے مقام میں فروکش ہوئے تھے۔ غرض آپ نے بروز جمعہ خواہ دس دن یا آٹھ روز یا پندرہ روز یا بیس روز قبا میں قیام فرما کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور بنی سالم بن عوف کے مکان میں قیام فرما کے نماز جمعہ ادا کی اور ایک خطبہ پڑھا اور خطبہ میں آپ نے یہ بیان فرمایا۔

حمد ہے اس خالق ارض وسما کی جو تمام کائنات کا مالک ہے۔ میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی کی آمرزش طلب کرتا ہوں اور اسی پر میرا ایمان ہے۔ میں اس کا دشمن ہوں۔ جو ناسپاس ہو اور شکر نعمت نہیں کرتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور سب سے بے نیاز ہے اور میں اس کا رسول ہوں اس نے مجھے رہنمائی بخشی اور مجھے اپنا کلام دیا۔ کیوں کہ انبیا کو گزرے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا لوگوں میں عقل کم ہو گئی اور گمراہی پھیل گئی۔ قیامت قریب آگئی ہے جو شخص خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہی راہ راست پر سمجھا جائے گا اور جو اُن کی نافرمانی کرے گا وہی گمراہ ہوگا۔ پس میں تمہیں خدا پرستی کی وصیت کرتا ہوں جس سے بہتر سامان میں کوئی اور چیز نہیں ہے ہر ایک کو چاہیے کہ سلامتی جان اور فیروزی مال کا جویاں رہے تمہیں نیکی کرنا چاہیے جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے تم اپنے خالق کے اعدا کو اپنا دشمن سمجھو اور جو راستہ اس نے بتایا ہے اُسی پر قدم رکھو کہ اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور تمہیں مسلمان بنایا ہے۔ قوت وہی قوت ہے جو خداوند تعالےٰ نے تمہیں بخشی ہے اس کو ہر وقت یاد رکھو اور سمجھ لو کہ دنیا اور آخرت کی خیر اسی میں ہے اور ایسا کام اختیار کرو کہ تمہیں میرے بعد نفع دے اور خدائے تعالےٰ کی توفیق طلب کرو اور جان لو کہ توفیق اسی سے ہے۔

روایت ہے کہ جب آپ قبا سے یثرب میں تشریف لائے تو اشراف اور رؤسا قبائل نے حضور انور کی اونٹ کی نکیل پکڑلی اور ہر ایک سردار نے علیحدہ علیحدہ استدعا کی کہ حضور ہمارے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں حضور نے فرمایا کہ تم میرے اونٹ کی نکیل چھوڑ دو جہاں اسی حکم ہوگا وہ خود چلا جائے گا چنانچہ سب نے نکیل چھوڑ دی وہ اونٹ اُس مقام پر پہنچا جہاں آج کے دن مسجد بنی ہوئی ہے اور خود بخود وہاں جا کے بیٹھ گیا وہ جگہ دو یتیموں کے قبضہ میں تھی ایک کا نام سہل تھا اور دوسرے کا نام سہیل تھا اور یہ دونوں یتیم بچے اسعد بن زرارہ کی سرپرستی میں پرورش پاتے تھے حضور انور نے فرمایا کہ ہماری تو یہی منزل ہے مگر خیر الانصار نے یک زبان ہو کے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمارے مکان میں کیوں نہیں تشریف لے چلتے۔ اس واقعہ پر سر ولیم میور نے عجیب بے تکی نکتہ چینی کی ہے اُن کا بیان ہے کہ رسول خدا نے اس لئے کسی کے مکان میں قیام کرنا بہتر نہیں سمجھا تاکہ اُن کا قیام بھی آسمانی حکم سے معلوم ہو۔ اونٹ کا ایک جگہ ٹھیرنا اسی لئے مسلمانوں کو جتایا کہ

وہ یہ سمجھ جائیں کہ آسمانی مرضی پر یہ بات ہوئی ہے اس قسم کے شبہات سر ولیم میور جیسے محقق مورخ کے شایاں نہیں ہیں کیونکہ اگر اسی طرح کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کیجائے گی تو سب سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات مورد طعن و تشنیع بن جائے گی۔

غرض تھوڑی دیر اونٹ وہاں بیٹھ کے پھر آگے بڑھا اور دو تین قدم آگے چل کے پھر وہ بیٹھ گیا اس پر ابو ایوب انصاری نے حضور انور صلعم پناہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جگہ سے ہماری منزل بہت ہی قریب ہے اگر حضور اجازت دیں تو میں حضور کو اپنے گھر کی طرف لیجاؤں۔ حضور انور نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور پھر ابو ایوب اس مبارک خدمت کے انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے اسی اثنا میں انصار میں سے بعض آدمیوں نے یہ درخواست کی کہ اب حضور کا قیام تو ابو ایوب کے مکان میں قرار پایا ہے اگر حضور انور صرف اتنا کریں کہ چلتے ہوئے صرف تھوڑی دیر ہمارے غریب خانہ میں قیام فرمائیں تو ہم پر بڑا احسان کریں۔ حضور نے اس پر ارشاد کیا۔ المرء مع رحلہ"۔

روایت ہے کہ آپ سات مہینے تک ابو ایوب انصاری کے گھر میں مہمان رہے اور اسی عرصہ میں حضور انور نے اس زمین کو جہاں اونٹنی بیٹھ گئی تھی یتیموں سے خرید لیا چونکہ وہ زمین ناہموار تھی آپ نے حکم دیا کہ اس کو ہموار بنا دیا جائے۔ اس کے بعد ایک مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ چنانچہ مسجد بننی شروع ہوئی بجملہ انصار اور مہاجرین کے خود بھی اینٹیں اور گارا بھر بھر کے ٹوکریوں میں لاتے تھے۔ اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ اللھم لا خیر الا خرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ"

حضور انور ابو ایوب کے مکان کے نیچے کے حصہ میں قیام پذیر تھے بالاخانہ پر ابو ایوب کے بال بچے رہتے تھے۔ ابو ایوب نے ہر چند عرض کیا کہ حضور بالاخانہ پر تشریف رکھیں لیکن حضور نے نہ مانا اور حضور نے مکان کے نیچے ہی کا حصہ پسند فرمایا یہاں لوگ کثرت سے آنے لگے اور مسلمانوں کے ہر گھر سے حضور انور کے لئے گوشت۔ مکھن۔ روٹی اور دودھ بکثرت آنے لگا اور جب تک حضور انور ابو ایوب کے مکان میں قیام پذیر رہے یہ مہمانداری روز بروز بڑھتی گئی۔

جس زمین کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں جو حضور انور نے یتیموں سے خریدی اور وہاں مسجد بنائی۔ اس کی جغرافیائی حالت یہ ہے یہ زمین گویا بالکل ایک بے وارثی حالت میں پڑی ہوئی تھی اس کے ایک طرف تو کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے اور دوسری جانب جنگلی بوٹے۔ یہاں کیا تو مشرکین

حمد ہے اس خالق ارض وسما کی جو تمام کائنات کا مالک ہے۔ میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی کی آمرزش طلب کرتا ہوں اور اسی پر میرا ایمان ہے۔ میں اس کا دشمن ہوں۔ جو ناسپاس ہو اور شکر نعمت نہیں کرتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور سب سے بے نیاز ہے اور میں اس کا رسول ہوں اس نے مجھے روشنائی بخشی اور مجھے اپنا کلام دیا۔ کیوں کہ انبیا کو گزرے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا لوگوں میں عقل کم ہو گئی اور گمراہی پھیل گئی۔ قیامت قریب آگئی ہے جو شخص خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہی راہ راست پر سمجھا جائے گا اور جو اُن کی نافرمانی کرے گا وہی گمراہ ہوگا۔ پس میں تمہیں خدا پرستی کی وصیت کرتا ہوں جس سے بہتر سلائم میں کوئی اور چیز نہیں ہے ہر ایک کو چاہئے کہ سلامتی جان اور فیروزی مال کا جویاں رہے تمہیں نیکی کرنا چاہئے جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے تم اپنے خالق کے اعدا کو اپنا دشمن سمجھو اور جو راستہ اس نے بتایا ہے اُسی پر قدم رکھو کہ اُس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور تمہیں مسلمان بنایا ہے۔ قوت وہی قوت ہے جو خداوند تعالےٰ نے تمہیں بخشی ہے اس کو ہر وقت یاد رکھو اور سمجھ لو کہ دنیا اور آخرت کی خیر اسی میں ہے اور ایسا کام اختیار کرو کہ تمہیں میرے بعد نفع دے اور خدائے تعالےٰ کی توفیق طلب کرو اور جان لو کہ توفیق اسی سے ہے۔

روایت ہے کہ جب آپ قبا سے یثرب میں تشریف لائے تو اشراف اور رؤسا قبائل نے حضور انور کی اونٹ کی نکیل پکڑلی اور ہر ایک سردار نے علحدہ علحدہ استدعا کی کہ حضور ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں حضور نے فرمایا کہ تم میرے اونٹ کی نکیل چھوڑ دو جہاں اسی حکم ہوگا وہ خود چلا جائے گا چنانچہ سب نے نکیل چھوڑ دی وہ اونٹ اُس مقام پر پہنچا جہاں آج کے دن مسجد نبی ہوئی ہے اور خود بخود وہاں جا کے بیٹھ گیا وہ جگہ دو یتیموں کے قبضہ میں تھی ایک کا نام سہل تھا اور دوسرے کا نام سہیل تھا اور یہ دونوں یتیم بچے اسعد بن زرارہ کی سرپرستی میں پرورش پاتے تھے حضور انور نے فرمایا کہ ہماری تو یہی منزل ہے مگر خندالنصار نے یک زبان ہو کے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمارے مکان میں کیوں نہیں تشریف لے چلتے۔ اس واقعہ پر سر ولیم میور نے عجیب بے تکی نکتہ چینی کی ہے اُن کا بیان ہے کہ رسول خدا نے اس لئے کسی کے مکان میں قیام کرنا بہتر نہیں سمجھا تاکہ اُن کا قیام بھی آسمانی حکم سے معلوم ہو۔ اونٹ کا ایک جگہ ٹھیرنا اسی لئے مسلمانوں کو جتایا کہ

وہ یہ سمجھ جائیں کہ آسمانی مرضی پر یہ بات ہوئی ہے اس قسم کے شبہات سر ولیم میور جیسے محقق مورخ کے شایاں نہیں ہیں کیونکہ اگر اسی طرح کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کی جائے گی تو سب سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات مورد طعن و تشنیع بن جائے گی۔

غرض تھوڑی دیر اونٹ وہاں بیٹھ کے پھر آگے بڑھا اور وہ تین قدم آگے چل کے پھر وہ برابر اسی جگہ پر آ بیٹھا اس پر ابو ایوب انصاری نے حضور انور حتمی پناہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جگہ سے ہماری منزل بہت ہی قریب ہے اگر حضور اجازت دیں تو میں حضور کو اپنے گھر کی طرف لیجاؤں۔ حضور انور نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور پھر ابو ایوب اس مبارک خدمت کے انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے اسی اثنا میں انصار میں سے بعض آدمیوں نے یہ درخواست کی کہ اب حضور کا قیام تو ابو ایوب کے مکان میں قرار پایا ہے اگر حضور انور صرف اتنا کریں کہ چلتے ہوئے صرف تھوڑی دیر ہمارے غریب خانہ میں قیام فرمائیں تو ہم پر بڑا احسان کریں۔ حضور نے اس پر ارشاد کیا۔ المرء مع رحلہ"۔

روایت ہے کہ آپ سات بیتے تک ابو ایوب انصاری کے گھر میں مہمان رہے اور اسی عرصہ میں حضور انور نے اس زمین کو جہاں اونٹنی بیٹھ گئی تھی یتیموں سے خرید لیا چونکہ وہ زمین ناہموار تھی آپ نے حکم دیا کہ اس کو ہموار بنا دیا جائے۔ اس کے بعد ایک مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ چنانچہ مسجد نبی شروع ہوئی بجملہ انصار اور مہاجرین کے خود بھی اینٹیں اور گارا بھر بھر کے ٹوکریوں میں لاتے تھے۔ اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ اللھم لا خیر الا خیر الآخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ"

حضور انور ابو ایوب کے مکان کے نیچے کے حصہ میں قیام پذیر تھے بالاخانہ پر ابو ایوب کے بال بچے رہتے تھے۔ ابو ایوب نے ہر چند عرض کیا کہ حضور بالاخانہ پر تشریف رکھیں لیکن حضور نے نہ مانا اور حضور نے مکان کے نیچے ہی کا حصہ پسند فرمایا یہاں لوگ کثرت سے آنے لگے اور مسلمانوں کے ہر گھر سے حضور انور کے لئے گوشت۔ مکھن۔ روٹی اور دودھ بکثرت آنے لگا اور جب تک حضور انور ابو ایوب کے مکان میں قیام پذیر رہے یہ مہمانداری روز بروز بڑھتی گئی۔ جس زمین کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں جو حضور انور نے یتیموں سے خریدی اور وہاں مسجد بنائی۔ اس کی جغرافیائی حالت یہ ہے یہ زمین گویا بالکل ایک بے وارثی حالت میں پڑی ہوئی تھی اس کے ایک طرف تو کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے اور دوسری جانب جنگلی پودے۔ یہاں کیا تو مردے

دفن ہوتے تھے یا اونٹ باندھ دیے جاتے تھے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ دو یتیم بچے اسعد کی سرپرستی میں اس کے مالک تھے۔ اسعد نے حضور انور کے نزول اجلال سے پہلے یہاں ایک چھوٹا سا عبادت خانہ بنا رکھا تھا جہاں وہ وقتاً فوقتاً آکے اُن کھلی ہوئی دیواروں کے نیچے عبادت کیا کرتے تھے حضور انور نے ان یتیم بچوں کو اپنے پاس بلایا اور اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ تم اپنی یہ زمین میرے ہاتھ فروخت کر دو انہوں نے نہایت ادب سے نیچی نگاہیں کر کے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ ہم اس کی قیمت نہیں لیتے بلکہ بلا قیمت اسے حضور انور کی خدمت میں نذر گزرانتے ہیں حضور انور نے ارشاد کیا کہ ہم بلا قیمت نہیں لینے کے۔ چنانچہ اس کی دس دینار ٹھیرے جس پر حضور انور کے حکم سے حضرت صدیق اکبر نے یتیموں کو دس دینار دیدیے۔

جو مسجد یہاں تعمیر کی گئی اس کے علاوہ دو چھوٹے چھوٹے مکان مسجد کے متصل اور بھی بنائے گئے ایک حضرت بی بی سودا کے لئے اور ایک حضرت بی بی عائشہ کے لئے۔ تمام جھاڑیاں اور کھجور کے بیکار درخت کاٹ ڈالے گئے۔

جس زمانہ میں حضور انور ابو ایوب کے مکان میں قیام پذیر تھے آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید کو ایک اور غلام کے ساتھ مکہ روانہ کیا تاکہ وہ حضور کی بیوی اور بچوں کو لے آئیں۔ دو اونٹ اور پانسو دینار حضور انور نے زید کو دیے جب زید مکہ میں پہنچے تو اُن کی بہت سخت مخالفت کیگئی تو بھی وہ اپنے ارادہ پر قائم رہے اور بالآخر حضرت بی بی سودا آپ کی محترم بیوی اور آپ کی صاحبزادیوں ام کلثوم اور بی بی فاطمہ کو ساتھ لے کے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے ام کلثوم ابولہب کے خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں مگر ایک عرصہ سے وہ اپنے خاوند سے علیحدہ ہو کے اپنے باپ کے گھر میں رہتی تھیں۔ زینب دوسری صاحبزادی اپنے خاوند کے ساتھ مکہ میں قیام پذیر تھیں ان کے خاوند کا نام ابو العاص تھا۔ اور بی بی رقیہ اپنے خاوند حضرت عثمان کے ساتھ مدینہ ہجرت کر کے چلی آئی تھیں زید چلتے وقت اپنی ام ایمن اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے آئے۔

حضرت زید کے ساتھ حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہ معہ حضرت صدیق کی محترم بیوی کے اور کل خاندانی ستورات کے مدینہ روانہ ہو گئیں۔ ان خاتونوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ چلے آئے تھے۔

حضرت صدیق اکبر کے بال بچے مدینہ پہنچ کے منزل ابوایوب کے قریب ہی مقام میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت بی بی سودا حضور انور اپنے شوہر کے ساتھ ابوایوب کے مکان میں رہیں۔ یہ وہی بی بی ہیں جو اپنے پہلے خاوند کے ہمراہ مکہ سے حبش ہجرت فرما گئی تھیں اور بہ نسبت اور خواتین کے یہ اسلام سے ایک فدائیانہ عشق رکھتی تھیں۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بعد آپ صرف ایک ہی بی بی تین چار سال تک حضور انور کی رہیں۔

مدینہ کا موسم مکہ کی نسبت بہت مختلف تھا۔ گرمیاں اس شدت کی پڑتی تھیں کہ الامان والحفیظ اور لطف یہ ہے کہ شب کو خوب خنکی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح جاڑا بہت شدید پڑتا تھا اور گاہ بگاہ بارش بھی ہوا کرتی تھی اور جاڑے میں مینہ برس نے کے بعد جب کھلتا تھا اور ہوا چلتی تھی تو برفستان کا مزا آنے لگتا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ مدینہ کے قرب وجوار میں اکثر بارش ہوتی رہتی تھی جس سے ہر طرف ایک سیرابی نظر آتی تھی۔

مدینہ میں کوئی باقاعدہ نالہ یا ندی نہیں تھی جب بارش زور سے ہوتی تھی تو پانی ایک بڑی جھیل کی صورت شہر کے وسط کھلے میدان میں جنوبی حصہ کی طرف بہنے لگتا تھا۔ اور اس پانی سے مدینہ کے قرب وجوار میں دلدل پیدا ہو جاتی تھی جس کی سیرابی سے چارہ گھانس تو بکثرت پیدا ہوتا تھا مگر خاص موسم میں بخار بہت پھیل جاتا تھا اور اس بخار کا خاصہ یہ تھا کہ اخیر میں نمونیہ پرورم آجاتی تھی اور بعض اوقات یہ ورم مہلک ثابت ہوتی تھی۔ غرض کہ یہ موسم صحت کیلئے اچھا نہ تھا۔ مہاجرین چونکہ مکہ کی خشک ہوا اور خشک زمین کے پرورش پائے ہوئے تھے انہیں مدینہ کی سخت گرمی برسات کی دلدل اور جاڑے کی شدت سے بہت سخت تکلیف پہنچی۔ حضور انور کو تو بخار نہیں آیا لیکن اور صاحبوں کو بخار آنے لگا۔ حضرت صدیق اکبر اور اُن کے سارے بال بچے شدید تپ میں مبتلا ہو گئے۔ اور اسی گھبراہٹ اور بخار کی شدت میں اکثر مہاجرین یہ پکارنے لگے کہ مکہ کی خشک ہوا ہماری زندگی کا باعث ہے کیا ہم پھر مکہ واپس جائیں گے۔ جب حضور انور نے اپنے صحابہ کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ بہت متاثر ہوئے اور قاضی الحاجات کی عالی بارگاہ میں یہ دعا کی "اے رب الافواج اور مختلف موسموں اور مرد بوم کے مالک تو اپنے مہاجرین کے مدینہ ہی میں مکہ کی سی خشک ہوا پیدا کر دے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور کل مہاجر تندرست۔

ہوگئے۔ جب بخار جاتا رہا اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کی دعا قبول فرمائی تو اب حضور انور نے یہ چاہا کہ مہاجر اور انصار میں بھائی چارہ قائم ہو اور سب اخوت کی ایک زنجیر میں بندھ جائیں۔ آپ اپنے اس عالی ارادہ میں کامیاب ہوئے اور آپ نے ایک جدید اتحاد و یکجہتی اور مدنیوں میں قائم کر دیا۔ آپ نے اس اتحاد کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے یہ فرمایا کہ تم میں سے دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو اپنے سگے بھائی کے برابر قرار دے لے چنانچہ میں عثمان کو اپنا بھائی بناتا ہوں یہ دیکھتے ہی ہر شخص نے مہاجرین میں سے ایک ایک انصار کو اپنا بھائی نامزد کر لیا اس سے ان دونوں کے مقاصد حیات وابستہ ہوگئے۔ اور ہر ایک اپنے بھائی کے مال و متاع کا مالک بن گیا اور یہ بھی قرار پایا کہ مرنے کے بعد بھی ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال کا وارث ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بے نظیر کامیابی حضور کو ہوئی جو کسی نبی کو آدم علیہ السلام سے لیکے عیسےٰ تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ بظاہر تو یہ معمولی بات معلوم ہوگی لیکن غور سے دیکھنے کے بعد کیفیت کھلے گی کہ دو لفظوں نے غیر آدمیوں کو کس طرح دو قالب اور ایک جان کر دیا ان الفاظ میں تو برق سے زیادہ تیزی اور شعلہ سے زیادہ چمک تھی جس نے دو خونوں کو کس طرح مختلف آب و ہوا ہونے پر بھی باہم ملا دیا۔ شان تیری قدرت۔ پینتالیس سے پچاس مہاجروں تک انصار سے یہ اتحاد پیدا ہوگیا۔

(کاتب الواقدی صفحہ ۴۹۶ ہشامی صفحہ ۱۷۹)

واقدی دوسری روایت میں مہاجرین کی تعداد پچاس اور انصار کی تعداد ایک سو پچاس بیان کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ہر مہاجر مہاجروں کے بھائی بنے تھے اور انصار انصار کے۔ مگر فاضل ہشامی اس سے انکار کرتا ہے اس نے ان جدید بھائیوں کی ایک طولانی فہرست اسم وار بتائی ہے۔ ڈیڑھ سال تک یہ معاہدہ اخوت قائم رہا مگر فتح بدر کے بعد اس معاہدہ اخوت میں صرف اتنی ترمیم کر دی گئی کہ وراثت کا ذکر اڑا دیا گیا۔ باقی حقوق تو ایک دوسرے پر بھائی بنے کے قائم رہے لیکن ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال کا وارث قرار نہیں دیا گیا۔

حضور انور کی سکونت مدینہ پر سب سے پہلی خواہش یہ ہوئی کہ کسی طرح ایک بڑی مسجد تعمیر ہو جائے چنانچہ چھ ہی مہینے میں یہ آرزو پوری ہوئی اور اس زمانہ کے قابل ایک بڑی مسجد بنائی گئی جو چار

تھی اور جس کے ہر حصہ کی وسعت سو ہاتھ سمجھنی چاہئے۔ تین ہاتھ تک تو بنیاد پتھر سے اٹھائی گئی اور باقی دیوار اینٹوں کی تعمیر کی گئی۔

کڑیاں کھجور کے درخت کی ڈالی گئیں اور چھت کو کھجوروں کے پتوں اور ٹہنیوں سے پاٹ دیا گیا۔ اور قبلہ جانب شمال مقرر کیا گیا۔ نماز کے وقت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شمالی دیوار کی طرف کھڑے ہوتے تھے اور آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہوتا تھا۔ جانب جنوب قبلہ کے سامنے مسجد کا دروازہ تھا جہاں سے لوگ مسجد کے اندر آتے تھے۔ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف یعنی جانب جنوب بدل گیا تو قبلہ کا بدلنے اس مسجد کا موقوف کر دیا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ جانب غرب بنایا گیا تھا اور اس دروازہ کا نام باب الرحم کہا گیا تھا یہی نام اب تک اس دروازہ کا چلا آتا ہے۔ جانب شرق تیسرا دروازہ خاص حضور انور کے لئے مخصوص تھا اس دروازہ کے جانب جنوب اور مسجد کی شرقی دیواروں کے قریب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کے حجرے بنے ہوئے تھے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ کا حجرہ بالکل جنوب مشرقی گوشہ میں تھا اور اس حجرے کے پیچھے سے مسجد میں راستہ جاتا تھا۔ دوسرا حجرہ حضرت بی بی سودا کا تھا اور اس کے پرے حضرت بی بی رقیہ اور آپ کے شوہر حضرت عثمان اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے حجرے تھے۔ آخر دنوں میں چونکہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اس لئے بعد ازاں حسب ضرورت اسی سمت میں برابر حجرے بنتے چلے گئے۔ ہر حجرے میں ایک دروازہ رکھا گیا جس سے حضور انور مسجد میں آسکتے تھے اور یہ دروازہ خاص آپ ہی کے استعمال کے لئے مخصوص تھا۔ اس دروازہ کا نام باب النساء ہے ابھی تک یہ نام دروازہ کا باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یوں تو ہر دروازہ سے عورتیں مسجد میں داخل ہوتی تھیں مگر اس دروازہ کا نام باب النساء اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس میں سے حضور انور کی ازواج پاک کے حجروں میں جانے کا راستہ تھا۔ جانب شمال زمین بالکل کھلی ہوئی تھی وہاں حضور انور کے غریب صحابہ کے لئے جو گھر بنے تھے جھونپڑے ڈال دئے جاتے تھے اور وہ وہاں رہتے تھے۔ وہ شب کو مسجد میں آکے سو رہتے تھے۔ ان لوگوں کا نام اہل صفہ تھا ان کی تعداد تیس بیان کی گئی ہے۔ یہ بہت ہی غریب اور بے بضاعت تھے۔ حضور

انور ہمیشہ اپنے کھانے کا کچھ حصہ انہیں بھیجا کرتے تھے اور اسی طرح خوشحال مہاجرین اور انصار بھی انہیں کھانا بھیجا کرتے تھے چند روز میں جب مسلمانوں نے ترقی کی اور اسلام کی فتوحات ہوئیں تو یہ پریشانی اور مصیبت ساری جاتی رہی اور پھر اہل صفہ کا نام ہی نام رہ گیا۔

چند روز کے بعد آپ کے بعض صحابہ نے مسجد کے قریب اپنے لئے مکان بنانے شروع کئے بعض مکانوں میں مسجد میں آنے کے دروازے بھی بنائے گئے جیسا کہ روایت ہے۔ حضور انور نے وصال باری تعالےٰ کے وقت سوائے صدیق اکبر کے سب صحابہ کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیدیا تھا مسجد کے جانب شمال جو عمارتیں بڑھائی گئیں وہ حضور انور کے وصال کے بعد تعمیر ہوئی تھیں۔

موجودہ پرشان عمارت یعنی حضور انور کا روضہ مبارک اس زمانہ کی نسبت تین یا چار ایکڑ زمین پر بنا ہوا ہے حضور انور کی مسجد اگرچہ موجودہ لحاظ سے ایک بہت ہی معمولی درجہ کی عمارت تھی لیکن اپنی عظمت میں وہ تمام دنیا کے شاہی محلات سے زیادہ سمجھی جاتی تھی اس زمانہ میں حضور انور کی کل ضروریات کے لئے بہت کافی تھی۔ مذہبی اور سیاسی کل معاملات یہیں طے ہوتے تھے اور یہیں تمام صحابہ اور تمام سفیر جمع ہوتے تھے یہاں حضور انور اور آپ کے صحابہ اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کرتے تھے۔ سب سے پہلے علی الاعلان خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی گئی تھی۔ یہاں اتھوں روز یعنی جمعہ کو بہت بڑا مجمع ہوتا تھا۔ اور آسمانی احکام سامعین کو سنائے جاتے تھے اسی جگہ سے حضور انور نے اپنے سفیر مشرقی شاہوں اور شہنشاہوں کے پاس بھیجے۔ اور ان کی دعوت اسلام کی یہیں حضور انور نو مسلم قبایل کے سرداروں سے ملا کرتے تھے اور یہیں سے جزیرہ نما کی آخری حد تک حضور انور کے فرمان پر احکام جاری ہوئے تھے اور یہیں حضرت بی بی عائشہ صدیقہ کے مبارک حجرہ میں آپ مدفون ہوئے۔

مدینہ پہنچنے کے سات مہینے کے بعد حضرت بی بی عائشہ صدیقہ اور حضرت بی بی سودا کے حجرے تیار ہوئے تھے۔ جاڑے کے وسط میں حضور انور ابو ایوب کے مکان سے حضرت بی بی سودا کو لے کے اس نئی عمارت میں چلے آئے تھے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت بی بی عائشہ آپ کی ازواج پاک میں داخل ہو کے یہاں تشریف لے آئی تھیں۔

طبری اپنی کتاب (صفحہ ۲۲۱) میں لکھتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے حضور انور نے مدینہ

پہنچنے سے آٹھ مہینے کے بعد شادی کی تھی وداع حضرت صدیق اکبر کے گھر سے ہوئی تھی۔
غرض تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں حضور انور کی زندگی کا ایک نیا دروازہ کھلا۔ عیسائی مؤرخین کا بیان ہے کہ حضور انور نے اس زمانہ میں کثرت ازدواجی میں قدم رکھا اس کا جواب ہم اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں لکھ چکے ہیں اور یہ دکھا چکے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ یا اور بی بیوں سے شادی کرنے کے کیا اسباب تھے۔ عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ حضرت بی بی عائشہ بہت کم عمر تھیں محض غلط اور لغو ہے کسی آسمانی کتاب کا کوئی قانون اس کی شہادت نہیں دیتا کہ چھوٹی عمر میں شادی کرنا ناجائز ہے آپ اگرچہ کم عمر تھیں لیکن اول درجہ کی قابل۔ روشن ضمیر اور عقلمند تھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل مصنف ویل اور سر ولیم میور نے کیوں اس شادی پر اعتراض کیا ہے اگر وہ حضرت مسیح کا نمونہ پیش کریں کہ انہوں نے ایک بھی شادی نہ کی تھی تو یہ اُن کی بڑی بھاری غلطی ہے۔ انجیل کی شہادت کے بموجب تو اُن پر سر منڈاتے ہی اولے پڑے اور انہوں نے آسمانی بادشاہت کا وعظ کہنا شروع کیا اور اُدھر اُن کی زندگی کا پرآشوب زمانہ شروع ہوا اور وہ پرآشوب زمانہ دو ڈھائی سال کے بعد ختم ہو گیا یعنی یہودیوں نے انہیں پکڑ کے صلیب پر چڑھا دیا اور بچارے تیتیس برس کی نوجوان عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر وہ ستر اسی تک زندہ رہتے تو اس وقت معلوم ہوتا کہ آیا وہ سابق کی الہامی قوانین کو توڑتے یا نہیں غالباً ہرگز نہ توڑتے کیونکہ اُن کا یہ دعوے تھا کہ آسمان کا ٹل جانا آسان ہے لیکن توریت کے ایک شوشے کا ٹلنا ناممکن ہے اگرچہ یہ قول یہودیوں کی خوشامد پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے اپنی عمر میں توریت نہیں دیکھی تھی صرف حضرت یحییٰ کی وعظوں سے کچھ باتیں یاد کر لی تھیں اور جب وعظ کہنے لگے تو وہی باتیں الٹ پلٹ کے یہودیوں کے آگے بیان کر دیں۔
سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے دوسری شادی کر کے عیسائیت یا نصرانیت کے اصول کو توڑ ڈالا ہے جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے انجیل میں کوئی قول حضرت مسیح کا کثرت ازدواجی کی ممانعت کے بارہ میں نہیں دیکھا۔ بنی اسرائیل کے اکثر پیغمبر اس رسم کو جائز سمجھتے تھے اور بہت سے پیغمبروں کا پتہ لگتا ہے جن کی بی بیوں کی تعداد درجنوں سے بھی زیادہ بڑی ہوئی تھی اس کا تو خدا کو علم ہے کہ اُن پیغمبروں نے ملک کے رواج کے مطابق یا کسی مصلحت سے اتنی شادیاں کی تھیں مگر حضرت

انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نکاح کی ایک خاص مصلحت اور غایت ہوتی تھی آپ کے متعدد نکاحوں سے بڑے بڑے دشمن قبیلے جن میں خاندانی عداوت چلی آتی تھی آپس میں شیر و شکر ہو گئے تھے غرض اس پر مفصل بحث ہم اپنے مقدمہ تفسیر الفرقان میں کر چکے ہیں اور اس حملہ کو ایسا صاف کر کے دکھا دیا ہے کہ اس میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عیسائیوں کی تو عادت ہے کہ جو اعتراض اول دن سے کیا گیا ہے اگرچہ اس کے جواب صدہا ہو چکے مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ کئے جاتے ہیں اور جب اُن کا جوش مخالفت ابھرتا ہے اور ولولہ اٹھتا ہے تو وہ اسی پرانے اعتراض کو پیش کر دیتے ہیں اور گزشتہ جوابات کو نہیں دیکھتے اور نہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

معترضین اسلام کا کوئی اعتراض ایسا نہیں ہے جس کے صدہا جوابات نہ ہو چکے ہوں مگر عیسائیوں نے اُن جوابات سے عمداً چشم پوشی کی ہے اور شل کولہو کے بیل کے اپنے مرکز کو نہیں چھوڑتے تو بھی ہر قرن میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ ہر ہر پہلو سے جوابات دیتے اور عیسائیوں کو ساکت کرتے رہتے ہیں۔ فقط

تیسرا باب

ہجرت کے بعد دو سال

حضور انور کے مدینہ میں داخل ہونے اور وہاں قیام کرنے سے چند گروہوں میں ایک سمجھوتہ ہوگیا اور سب باطمینان اپنا کام کرنے لگے وہ لوگ جو حضور انور کے ساتھ مکہ سے مدینہ آئے تھے یا جنھوں نے محض آپ کی خاطر پہلے ہی اپنا وطن چھوڑ دیا تھا انہیں مہاجرین کے معزز لقب سے پکارا گیا ان مہاجرین کی تعریف خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں بھی کی ہے۔ یہ مہاجرین حضور انور کے دل دادہ اور سچے عاشق تھے جنہوں نے اپنے عزیز گھر اور اپنا مالوفہ وطن صرف حضور انور کے لئے چھوڑ دیا تھا وہ حضور انور کو نہ صرف روحانی پیشوا یا نجات دہندہ سمجھتے تھے بلکہ اپنا اصلی بادشاہ اور حقیقی آقا جانتے تھے جو لوگ مکہ سے وقتاً فوقتاً مدینہ میں داخل ہوتے گئے ان کے سب مہاجر کا لقب برابر چسپاں ہوتا گیا مگر جب مشرکوں کی عملداری کا خاتمہ ہوگیا ہجرت کا زمانہ بھی ختم ہوگیا اب ان لوگوں کو دیکھنا چاہئے جو مدینہ میں حضور انور پر ایمان لائے انھوں نے حضور انور سے ایسا معاہدہ کرلیا اور اپنے معاہدہ پر ایسے قائم رہے گویا کہ بالکل ایک خون ہوگئے۔ انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم پر اگر کوئی حملہ ہوا تو حضور انور کی مدد کریں گے اس عہد پر وہ قائم رہے اور حملہ کے وقت مہاجرین کے ساتھ مل کے خوب مردانگی کی داد دیتے رہے۔ اسی لئے ان کا لقب انصار یا مدد دینے والا رکھا گیا۔ اوس اور خزرج کے دیرینہ تعلقات کو انھوں نے بالکل بھلا دیا اور انھوں نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا کہ حضور انور ہمارے روحانی پیشوا ہیں اور جو قوانین حضور انور کی طرف سے نافذ ہوں انہیں کی پابندی ہم پر لازم ہے وہ بالکلیہ حضور انور کی مرضی کے تابع ہوگئے اور دیرینہ قضیوں، جھگڑوں اور دشمنی کو بھلا دیا اگرچہ ابتدا میں بعض اوقات صدیوں کی دشمنی کا رنگ ان میں ظاہر ہوتا رہتا تھا لیکن یہ بات تعجب سے دیکھی جائے گی کہ چند روز میں جا کے وہ دشمن کس طرح آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔ ٹھیک تعداد انصار کی ہمیں نہیں معلوم لیکن جن لوگوں نے سب سے پہلے حضور انور سے بیعت کی ہے ان کی تعداد پچھتر تھی ممکن ہے کچھ آدمی ایک بہت بڑے قبیلے کے وکیل ہوں مگر مدینہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی اس بات

کی شہادت دیتی تھی کہ خاص ایک قوت جاذبہ ہے کہ جو انجان آدمیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔
اول اول تو حضور انور کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی کیونکہ عربوں کے تمدن اور معاشرت کے بموجب ہر قبیلہ اپنی جداگانہ زندگی بسر کرتا تھا اور ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہ تھا اور نہ ابتدا میں کوئی بات ایسی ہوئی تھی کہ مدینہ قبائل نئے مسلمانوں کے دشمن ہو جاتے اور انھیں تکلیفیں دیتے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ حضور انور کے احکام کی فرمانبرداری کرتے تھے اور جو لوگ مسلمان نہیں تھے وہ اپنے کاروبار اور اپنے مذہبی عقاید میں سرگردان تھے اور اپنے دوسرے بھائی سے یا دوسرے قبیلہ سے زیادہ سروکار نہ رکھتے تھے مگر تو بھی ان میں ناراضگی پیدا ہوتی چلی تھی اور عام طور پر مخالفت کی آگ ان کے دلوں میں لگ چکی تھی کیونکہ عبداللہ ابن اُبی جو قبیلہ خزرج کا سردار تھا اور مدینہ کا بہت بڑا رئیس تھا وہ حضور انور کی روز افزوں ترقی سے چوکنا ہو گیا تھا روزمرہ عبداللہ کے پاس لوگ آ آ کے حضور انور کے حالات بیان کرتے تھے کہ آج حضور انور نے یہ فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے اور آج اتنے آدمیوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُسے جتایا جاتا تھا کہ اگر کوئی انتظام نہ ہوا تو سارا مدینہ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔
جشامی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۵ میں لکھتا ہے کہ ایک دن حضور انور نے گھوڑے کو کسوایا اور سعد ابن عبیدہ کی عیادت کے لئے اب سوار ہو کے روانہ ہوئے اور راستے میں آپ نے دیکھا کہ عبداللہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں سے باتیں کر رہا ہے جب آپ ادھر سے گزرے تو آپ کے اخلاق کریمانہ نے یہ بات نامناسب خیال کی کہ اس کے پاس سے گزر جائیں اور اس سے کچھ بات چیت نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے گھوڑے کو ٹھہرایا اور اُتر پڑے۔ عبداللہ کے پاس جا کے اُسے سلام کیا اور اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اور آپ نے چند آیتیں قرآن مجید کی اس کے آگے پڑھیں اور اُسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی جب تک آپ قرآن مجید کی آیتیں پڑھتے رہے عبداللہ نہایت خاموشی سے قرآن مجید کو سنتا رہا جب آپ ختم کر چکے تو اس نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تمہاری یہ باتیں سچی ہوں تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے مگر آپ کیلئے یہی بہتر ہے کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھ کے اس قسم کی باتیں کیا کیجئے جو آپ کے پاس آئے اُسے قرآن سنائیے اور مسلمان ہونے کی ترغیب دیجئے۔ مگر جو شخص آپ کے پاس نہیں آتا نہ آپ کو بلانے کا کوئی

پیغام پہنچتا ہے آپ کو مناسب نہیں ہے کہ آپ اُس کے پاس آکے اُس کو پریشان کریں۔ اس کو تکلیف دیں اور اُس کا وقت ضائع کریں۔ ایک شخص آپ کی باتوں کو ناپسند کرتا ہے پھر آپ کیوں اُسی باتیں سناتے ہیں۔ حضور انور یہ دل آزار جملے اور یہ خلاف تہذیب جواب سن کے خاموش اُٹھ بیٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو کے سعد ابن عبیدہ کے پاس آئے جہاں آپ کا تشریف لیجانے کا ارادہ تھا اور عبداللہ کی باتوں کی ساری کیفیت بیان کی۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کوئی بات نہیں ہے جو وہ کہتا ہے اُسے کہنے دیجئے آپ جب خدا کی طرف سے عالم کی رحمت بنا کے بھیجے گئے ہیں اور صرف ہماری ہدایت کے لئے آپ مبعوث ہوئے ہیں تو پھر ایسی باتوں کا خیال کرنا نہ چاہئے۔ آپ تلقین اسلام کئے جائیے چاہے کوئی سنے یا نہ سنے۔

سر ولیم میور صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی خفت مٹانے کے لئے ایک نیا الزام مسلمانوں پر یہ رکھا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں چونکہ روزمرہ لوگ بکثرت مسلمان ہو رہے تھے اس لئے قدرتاً اُن کا سچا ایمان حضور انور یا اسلام پر نہیں تھا وہ بظاہر تو مسلمان ہو جاتے تھے لیکن دل میں حضور انور سے نفرت کرتے تھے اور جب وہ حضور انور سے علیحدہ ہو جاتے تھے تو آزادی سے اپنے اصلی عقاید کا اظہار کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایک غیر ملک کے شخص پر کیوں ایمان لانے لگے اور ہم کیوں اپنی آزادی اس شخص کے ہاتھ بیچنے لگے۔ ان لوگوں کا نام منافقین رکھا گیا ہے یہ سر ولیم میور اور اُن کے ہمخیالوں کا الزام ہے کوئی شخص مثل حضرت مسیح کے حواریوں کے مسلمان ہو کے اسلام کی طرف سے مشتبہ کبھی نہیں ہوا یہ صفت تو حضرت مسیح کے حواریوں میں ہی تھی کہ جو محض زبانی حضرت مسیح پر ایمان لے آئے تھے مگر دل سے اُن پر یقین نہ رکھتے تھے روزمرہ مختلف سوال کر کر کے انھیں پریشان کر دیا تھا۔ کبھی کہتے تھے کہ ہمیں یہ معجزہ دکھاؤ۔ کبھی کہتے تھے یہ معجزہ دکھاؤ جب اِن لوگوں کے سوالات کی بھرمار ہوئی اور ہر وقت معجزے طلب ہونے لگے تو آخر کار حضرت عیسےٰ نے جل کے یہ کہدیا تھا کہ اس زمانہ کے حرامکار اور بدکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں اسی طرح سر ولیم میور صاحب نے حضرت مسیح کی یہ کمزوری تقسیم کرلے کے لئے حضور انور پر الزام لگایا ہے کہ بہت سے آدمی جو آپ پر ایمان لائے تھے اُن کا ظاہری ایمان تھا اور دل سے آپ پر ایمان نہیں رکھتے تھے قرآن مجید اور صحیح حدیثیں اس بات کا صاف انکار کرتی ہیں یہ لوگ جب حضور

انور کے آگے کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اپنے دوستوں کے مجمع میں آکے اسلام کا انکار اور اپنے عقاید کا اصرار کرتے تھے یہ کیا تو یہودیوں کے مخبر تھے جو مسلمانوں کا اندرونی حال دریافت کرنے آتے تھے یا قوم کے اوباش اور بدمعاش لوگ تھے جو محض مذاق اڑانے کے لئے مسلمانوں میں آکے مل جاتے تھے اور پھر اپنے دوستوں میں جاکے مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے پھرتے تھے ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور اُن کی شرارت۔ بے ایمانی۔ بددیانتی اور شیطنت کے متعلق خداوند تعالےٰ نے تہدید آمیز احکام نافذ فرمائے ہیں ایسے لوگوں کو سر ولیم میور کا مسلمان کہنا عامۂ خلائق کو سخت دھوکا دہی اور ابلہ فریبی ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان منافقوں کا قرآن مجید میں جو کچھ ذکر آیا ہے اسے نقل کریں تاکہ ناظرین اس بات کو سمجھ لیں کہ یہ لوگ چند منٹ کے لئے بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انھیں مسلمان سمجھنا خواہ مخواہ ایک غلط واقعہ کی تصدیق کرنا ہے چنانچہ قرآن مجید میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے جو آلمٓ کے شروع ہی میں بیان ہوا ہے جس کا صرف ترجمہ کر دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔

(ترجمہ) اور لوگوں میں سے بعض ایسے (بھی) ہیں جو (فقط زبان ہی سے) کہتے ہیں (کہ) ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائے حالانکہ (درحقیقت) وہ مومن نہیں ہیں بلکہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے دھوکا دیتے ہیں۔ اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے۔ اُن کے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ نے اُن کا (اور) مرض بڑھا دیا اور اس سبب سے (کہ وہ) جھوٹ بولتے تھے۔ اُن کے لئے تکلیف دہ عذاب ہے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت ڈالو (تو) کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرتے ہیں۔ خبردار رہو (کہ) بیشک وہی ہیں جو فساد ڈالتے ہیں ولیکن سمجھتے نہیں۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا (کہ اور) لوگ ایمان لائے ہیں (تو) کہتے ہیں کیا ہم (اس طرح) ایمان لائیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار رہو (کہ) بیشک وہی ہیں (جو) احمق ہیں مگر جانتے نہیں۔ اور یہ لوگ جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں (تو) کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (مسلمانوں سے) استہزا کرتے ہیں اللہ ہنسی اڑاتا ہے اُن کی اور مہلت دے رکھی ہے انھیں (کہ) اپنے کفر میں غلطاں و پیچاں رہیں یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی سو نہ اُن کی (اس تجارت نے

(اُن کو) نفع دیا اور نہ راہ (ہدایت) پر رہے۔ اُن کی مثال اُس شخص کی مانند ہے جس نے (مجمع میں) تیز آگ جلائی۔ بس جب (آگ نے) اُس کے آس پاس کی چیزوں کو خوب روشن کر دیا تو خداوند (تعالےٰ) نے اُن روشنی بجھادی اور انھیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا (اب انھیں کچھ) نہیں سوجھتا۔ (یہی لوگ) بھرے (ہیں کہ حق بات سُن نہیں سکتے) گونگے (ہیں کہ زبان سے کلمہ خیر نکال نہیں سکتے)۔ اندھے (ہیں کہ راہ ہدایت نہیں دیکھ سکتے) کہ وہ (کسی صورت سے بھی اپنی گمراہی اور نفاق سے) نہیں باز آئے۔ یا (اُن کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جن پر) آسمان سے مینھ (برسا کہ) جس میں (طرح طرح کی) تاریکیاں اور گرج اور بجلی ہے موت کے خوف سے بجلی کی کڑک کے مارے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیتے ہیں۔ اور اللہ منکروں کو (اس طرح) گھیرے ہوئے ہے (کہ اس کی گرفت سے ذرا بھی نہیں) بچ سکتے) قریب ہے کہ بجلی اُن کی بینائیوں کو اُچک لے جائے۔ جب اُن کے آگے (بجلی) چمکتی تو (اُس کی روشنی) میں ٹہک ٹہک کے چلنے لگتے اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا تو کھڑے (کے کھڑے) رہ جاتے اور اگر اللہ چاہے (یوں بھی) اُن کی سماعت اور اُن کی بصارت کو سلب کر لے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شامی اپنی تاریخ صفحہ ۸۳ میں ابن اسحٰق کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہودی علماء کو بڑی بھاری دشمنی حضور انور سے صرف اس بنا پر تھی کہ پیغمبر ہم میں سے کیوں نہ پیدا ہوا اور اہل عرب میں پیغمبر کا کیوں ظہور ہوا۔ ایسے لوگ زیادہ تر اوس اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے باپ دادا کی طرح سے بت پرستی پر مائل تھے اور سچے ایمان سے نفرت کرتے تھے وہ سچا ایمان جو اسلام نے تلقین کیا تھا یہ لوگ اسلام کو صدمہ پہنچانے کی طرح طرح کی ترکیبیں کرتے تھے منجملہ اُن کی اور ترکیبوں اور تدبیروں کے یہ بھی تھی کہ وہ بظاہر مسلمان ہو جاتے تھے لیکن دل میں حضور انور کے دشمن تھے اور الٹی سیدھی باتیں بنا کے آپ کو اور دین خدا کو بدنام کرتے تھے۔

مدینہ کے نواح میں یہودیوں کے قبائل زیادہ تر آباد تھے اور اُن سب کی بالکل مختلف حالت تھی۔ سر ولیم میور صاحب دیباچہ حضور انور پر نکتہ چینی کرتے ہیں چونکہ یہودیوں کا زور بہت تھا اس لئے حضور انور خصوصیت سے اِن کی طرف رجوع تھے۔ اُن کا سا روزہ رکھتے تھے اور بہت سی رسمیں یہودیوں کی لے لی تھیں یہاں تک کہ یہودیوں کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور مع حضور انور کے آپ کے کل صحابہ

اپنی پانچ وقت کی نماز یہودیوں کے قبلہ کی طرف منہ کرکے ادا کرتے تھے۔ کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں یہودیوں سے اختلاف ہوتا ہاں صرف اگر تھی تو یہ بات تھی کہ آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا اور یہ باتیں کرکے انھیں اپنا بنانا چاہتے تھے اور آپ کا دلی منشا یہ تھا کہ یہودیوں سے کامل اتحاد پیدا ہو جائے۔

مدینہ میں پہنچتے ہی چند روز کے بعد آپ نے اُن کے کل طریقے اختیار کرلئے تھے کیونکہ آپ نے باہمی رضامندی کا اُن سے معاہدہ کرلیا تھا اور اُن کے مذہب اور ملکیت کے برقرار رکھنے پر مہر کردی تھی۔ میور صاحب کی میٹھے لفظوں میں یہ نکتہ چینی قابل التفات نہیں ہے یہودیوں کا مذہب یا اُن کی کتابیں صرف حضور انور نے آسمانی تسلیم نہیں کیں بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے تو مُرتے دم تک یہ فرمایا تھا کہ زمین و آسمان کا ٹل جانا آسان ہے مگر توریت کا ایک شوشہ بھی نہیں ٹلنے کا ہمارے خیال میں اس سے زیادہ اتحاد قائم کرنے کی ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی جبکہ وہ بعض موقعہ پر صریح طور پر توریت کے احکام کی مخالفت کر چکے تھے مگر پھر بھی یہودیوں کے غلبہ سے مغلوب ہوکے انھوں نے مذکورہ بالا قول یہ فرمادیا تھا تو اب ہمارے مسیح مورخ کی یہ نکتہ چینی کہ حضور انور نے یہودیوں کو قوی دیکھ کے اُن کے کل طریقوں پر عمل کرنا شروع کردیا تھا محض غلط اور لغو ہے۔ یہودیوں کا مذہب آسمانی تھا یہودیوں کو جو کتاب ملی تھی آسمانی تھی اور ابھی تک اس کتاب میں جو یہودیوں کے پاس تھی کچھ نہ کچھ آسمانی احکام باقی تھے مثلاً روزے رکھنا قربانی کرنا ختنہ کرنا اور یہ وہ احکام تھے جو سب نبی یکے بعد دیگرے ان پر عمل کرتے چلے آئے تھے جو عیب کہ سر ولیم ہمارے ہادی برحق آقائے نامدار کے سر تھوپتے ہیں وہی الزام اُن کے خداوند مسیح پر بھی عاید ہوتا ہے۔ حضرت مسیح نے کیوں اقرار کیا تھا کہ آسمان کا ٹل جانا آسان ہے مگر توریت کا ایک شوشہ نہیں ٹلنے کا محض اسی لئے کہ وہ آسمانی کتاب مانتے تھے اسی طرح اگر حضور انور نے بھی ان احکام الٰہی کی پابندی کی۔ جن میں خداوند تعالےٰ نے کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ نہیں کی تو اس سے کونسا الزام عاید ہو سکتا ہے حضرت مسیح نے سر ولیم میور جیسے خواہ مخواہ عیب لگانے والوں کی نسبت کیا اچھا کہا ہے جیسا کہ متی باب سات آیت ایک لغایت پانچ میں لکھا ہوا ہے۔

۱۔ عیب نہ لگاؤ کہ تم پر بھی عیب نہ لگایا جاوے۔ ۲۔ کیونکہ جس طرح تم
عیب لگاتے ہو اسی طرح تم پر بھی عیب لگایا جائے گا اور جس پیمانہ سے

تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ ۳۔ اور کیوں اُس
تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے دیکھتا ہے پر اُس کانڑی پر جو تیری
آنکھ میں ہے نظر نہیں کرتا۔ ۴۔ یا کیونکر تو اپنے بھائی کو کہتا اُس تنکے کو جو
تیری آنکھ میں ہے نکال دوں اور دیکھ خود تیری آنکھ میں کانڑی ہے
۵۔ اے ریاکار پہلے کانڑی کو اپنی آنکھ سے نکال تب اُس تنکے کو اپنے
بھائی کی آنکھ سے اچھی طرح دیکھ کے نکال سکے گا۔

ابن اسحٰق نے وہ معاہدہ نقل کیا ہے جو حضور انور سے اور یہودیوں سے ہوا تھا جس سے مطلق یہ نہیں پایا جاتا کہ حضور انور یہودیوں کی قوت دیکھ کے آپ اُن سے زیادہ متحد ہونا چاہتے تھے غرض وہ معاہدہ یہ ہے جو ہم ذیل میں ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عہد نامہ ہے مسلمان قریشیوں اور یثرب کے رہنے والوں کے درمیان اور اس شخص کے درمیان جو جب کبھی اس معاہدہ کی شرطوں کا پابند ہونا چاہے کیونکہ ایمان کے لحاظ سے یقیناً وہ بہ نسبت اور مخلوق خدا کے خاص لوگ ہیں۔ مہاجرین اپنے مختلف گروہوں کے مطابق اگر ان میں کوئی خون ہو جائے گا تو وہ اس کا خون بھا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کو عزت کے ساتھ فدیہ دے کے رہائی دلوائیں گے۔ بنی عوف کے لوگ اپنی ذات اور قوم کے مطابق اسی طرح اس شرط کے پابند ہوں گے جو شخص سرکش ہوگا یا شنی یا جھوٹی خبریں مسلمانوں میں مشہور کرے گا تو ہر شخص کا فرض منصبی ہوگا کہ اس کے خلاف ہو جائے خواہ ان میں سے وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو کوئی مسلمان ایک کافر کے قتل پر قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی کافر کی ایک مسلمان کے مقابلہ میں تائید کی جائے گی یہودی کا حق ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو مدد دے پھر انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے گی اور نہ کسی بیرونی حملہ آور کی اُن خلاف مدد کی جائے گی کوئی غیر مسلم مکہ کے کسی قریش کو اپنے ماں پناہ نہیں دینے کا اور نہ اپنے مال سے اس کو مدد دے گا جو شخص ایک مسلمان کو بلا وجہ قتل کر ڈالے گا اس سے قصاص لیا جائے گا اور کل مسلمان قاتل کے خلاف مثل ایک شخص کے سمجھے جائیں گے خدا کی نعمت اور

روز انصاف میں خدا کا غضب اس پر نازل ہوگا جو اس قاتل کو مدد دے گا یا اُسے اپنے ہاں پناہ دے گا۔ اور جب مسلمان کسی قوم سے جنگ کریں گے تو یہودیوں کا فرض ہوگا کہ انھیں مدد دیں اور وہ یہودی جو نبی عوف۔ نبی نضیر اور نبی اوس وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں گویا وہ مسلمانوں کے ساتھ قوم واحد سمجھے جائیں گے۔ اگر یہودیوں میں سے کوئی یہودی اس معاہدہ کے خلاف کوئی کارروائی کرے گا تو نہ صرف اُسے بلکہ اس کے خاندان کو بھی سزا دی جائے گی۔ کوئی شخص بغیر حضور انور کی اجازت کے باہر نہیں جا سکے گا (مطلب صرف یہ ہے کہ مدینہ سے باہر جاتے اطلاع کر دے کہ میں فلاں مقام پر فلاں کام کے لئے جاتا ہوں) یہودی اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔ اگر کسی شخص پر حملہ ہوگا تو دوسرے پر اس کی مدد فرض ہوگی جو لوگ اس معاہدہ کے پابند ہوں گے اُن کے لئے مدینہ ایک پاک مقام اور امن کی جگہ سمجھا جائے گا۔ باہر کے لوگ جو شہر والوں کی حفاظت میں ہوں گے ان سے مثل اُن کے محافظوں کے برتاؤ کیا جائے گا۔ نئے سوالات اور شکوک جن سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہوگا وہ سب خدا اور اُس کے رسول کے آگے فیصلہ کے لئے پیش ہوں گے۔

جو شخص اس عہدنامہ کی شرطوں میں کچھ ترمیم کرے گا وہ ظالم اور بدکار متصور ہوگا۔ فقط

ہشامی نے جو یہ معاہدہ ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کامل نہیں ہے کیونکہ خود ہشامی لکھتے ہیں کہ میں نے محض اختصار کے طور پر اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ میور صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ ابن اسحٰق نے اصلی تحریری معاہدہ سے نقل نہیں کیا بلکہ یادداشت کے طور پر شرطوں کی ترتیب دی ہے ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں مگر صرف اپنے فاضل مسیحی مورخ سے اتنا دریافت کرتے ہیں کہ موجودہ چار انجیلیں کس دستاویز کی نقل ہیں اگر یہ ایک زمانہ دراز کے بعد صرف یادداشت پر نہیں لکھی گئیں تو حضرت مسیح کی مہری انجیل کہاں سے آئی جس سے چار حواریوں نے یہ چار ٹکڑے ترتیب دے لئے۔ ابن اسحٰق نے جب معاہدہ کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے تو مثل انا جیل کے یہودیوں نے اس معاہدہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور نہ اس کی کسی شرط کو مصنوعی بتایا تھا لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور انور اور یہودیوں کا یہ عہدنامہ نہایت ایمانداری سے ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اگرچہ یہ معاہدہ حضور انور اور یہودیوں میں ہو گیا تھا مگر یہودیوں کی دشمنی

پے در پے بڑھتی گئی جبکہ صاف طور پر اعلان دیا گیا کہ جس طرح یہ لوگ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح حضور انور کی شان اور عظمت کو جانتے ہیں مگر تعصب۔ حسد اور دشمنی سے انکار کرتے ہیں قرآن مجید میں صاف طور پر بنی اسرائیل کی بد عہدی اور بد افعالی کا ذکر آیا تو ان لوگوں کو اور بھی برا معلوم ہوا اور یہ سمجھے کہ ہمارے باپ دادا کو علانیہ گالیاں دی جاتی ہیں وہ حضور انور کی خدمت میں آتے تھے اور محض پریشان کرنے کے لئے ایسے سوالات کرتے تھے مگر حضور انور نہایت اخلاق سے اُن کے مذاق اور اُن کی عقل کے مطابق اِن سوالوں کا جواب دیدیتے تھے مثلاً حضور انور کے پاس چند یہودی آئے اور سوال کیا اے ابوالقاسم ہم آپ سے چار باتیں دریافت کرتے ہیں اگر آپ نے ان کا ٹھیک جواب دیدیا تو کچھ آپ فرمائیں گے ہم اس میں آپ کی تصدیق کریں گے حضور انور نے ارشاد کیا کہ جو کچھ تم پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ پہلا سوال یہودیوں نے یہ کیا کہ نطفہ تو باپ کا ہوتا ہے بچے ماں کی ہم شکل کیوں پیدا ہوتے ہیں حضور انور نے ارشاد کیا کہ میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تمہیں دیتا ہوں کہ تمھیں اس بات کا علم ہے کہ مرد کا نطفہ سفید اور غلیظ ہوتا ہے اور عورت کا نطفہ سرخ اور اور رقیق ہوتا ہے اگر مرد کا نطفہ عورت پر غالب ہو گیا تو بچہ باپ کی شکل ہوگا ورنہ اس کے برعکس سمجھ لو۔ یہودیوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر یہودیوں نے یہ سوال کیا کہ توریت کے نزول سے پہلے اسرائیل نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ اسرائیل کی رغبت زیادہ تر شراب اونٹ کا گوشت اور اونٹ کے دودھ پر تھی جب وہ کھاتے کھاتے بیمار ہو گیا اور پھر اس مرض سے نجات پائی توریت کے نزول سے پہلے یہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ یہودیوں نے کہا بیشک آپ درست فرماتے ہیں۔ پھر یہودیوں نے سوال کیا کہ آپ اپنے خواب کی کچھ کیفیت بیان کیجئے۔ حضور نے ارشاد کیا کہ تم اس مرد کی کیونکر تحقیق کر سکتے ہو جس کی نسبت تمہارا یہ گمان ہو کہ دعوے کرنیوالا وہ شخص نہیں ہے میرے خواب کی یہ حالت ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ یہودیوں نے کہا اچھا پھر انھوں نے دریافت کیا آپ کچھ روح الامیں کی خبر ہمیں دیں آپ نے فرمایا کہ روح الامیں جبرئیل کو کہتے ہیں۔ یہودیوں نے کہا بیشک یہی شخص ہے جو آپ کے پاس خبریں لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے اگر جبرئیل کا واسطہ بیچ میں نہ ہوتا تو ہم ضرور آپ کی متابعت کرتے اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور خود خدا و ند تعالےٰ نے یہودیوں کے اس بیہودہ سوال کا جواب دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

قل من کان عدو الجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ وھدی و بشری للمومنین۔ من کان عدو اللہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکئل فان اللہ عدو للکفرین ولقد انزلنا الیک ایٰت بینٰت وما یکفر بھا الا الفاسقون۔

یہودیوں کی طرف سے سوال کرنے والا عبداللہ بن صوریہ تھا اور یہی یہودیوں کا بہت بڑا سرغنہ تھا۔ جب یہودیوں کو یہ جواب دیا گیا تو اُن تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور عبداللہ بن صوریہ معہ اپنے ساتھیوں کے خفا ہو کے چلا گیا۔ ان یہودیوں میں بعض ایسے بھی لوگ تھے حضور انور پر سچے دل ایمان لے آئے تھے اور وہ اخیر تک حضور کے جان و مال سے مدد و معاون رہے چنانچہ اُن میں سے سب سے بڑے عبداللہ بن سلام ہیں جن کا پایہ یہودی علماء میں سب سے بڑا ہوا تھا۔ ان کے مسلمان ہونے کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ایک دن وہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضور انور نے اُن کے چہرہ کی طرف دیکھا تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص دروغ گو نہیں ہے بلکہ اسے حقیقت کے راستہ کی تلاش ہے آپ نے ان کی صورت دیکھ کے یہ فرمایا۔ افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بالسلام۔ عبداللہ بن سلام یہ سنتے ہی اپنے گھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تخلیہ میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تین باتیں آپ سے دریافت کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ان باتوں کا جواب سوائے انبیاء کے کوئی نہیں دے سکتا آپ یہ فرمائے کہ سب سے پہلی قیامت کی علامت کیا ہوگی دوسرے یہ فرمائے کہ اہل بہشت کا پہلا کھانا کیا ہوگا تیسرے یہ بیان کیجئے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض بچے کچھ تو اپنے باپ کے مشابہ ہوتے ہیں اور کچھ ماں

سلہ۔ کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو (اُسے چاہئے کہ دل ہی دل میں گھٹ کے مرجائے) کیونکہ اس نے قرآن کو خدا کے حکم سے تمہارے دل میں ڈالا ہے حالانکہ (قرآن) جو (کتابیں اس سے) پہلے (نازل ہوئیں) ہیں اُنکی تصدیق کرتا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ جو شخص اللہ کا دشمن ہو اور اُس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا تو بیشک اللہ بھی (ایسے) کافروں کا دشمن ہے۔ اور (اے محمد) البتہ ہم نے تمہارے پاس (ایسی) روشن آیتیں بھیجی ہیں (کہ جن سے) صاف (معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں) اور سرکشوں کے سوا (کوئی) اُن سے انکار نہیں کرتا۔

سے مشابہت رکھتے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد کیا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ قیامت کی پہلی علامت ایک دھوئیں والی آگ ہوگی کہ خلقت کو شرق سے مغرب تک لیجائے گی اور اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کا جگر ہوگا اس مچھلی کا جس کی پیٹھ پر زمین ہے۔ تیسرے سوال کا جواب یہ فرمایا کہ اگر مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر کسی قدر غالب ہو جائے گا یا پورا غلبہ پالے گا تو بچہ اپنے باپ یا باپ کے رشتہ داروں کی شکل پر ہوگا دوسری صورت اس کے خلاف تم خود سمجھ سکتے ہو۔ عبداللہ بن سلام نے اپنی عقل کے موافق سب یہ جوابات سنے تو انھیں تسکین ہوگئی اور وہ فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر انھوں نے حضور کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ یہودیوں کی قوم ایک نہایت ہی جھوٹی قوم ہے اور کسی کو متہم کر دینا اور کسی پر طوفان اٹھا دینا اُن کے آگے کوئی بات نہیں ہے بسا اوقات کل وہ مجھ پر کوئی طوفان اٹھا کے میری نسبت آپ کے دل میں شبہہ پیدا کر دیں اس میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے اس کے کہ انہیں میرے مسلمان ہونے کی خبر ہو آپ میری غیبت میں میری نسبت اُن سے دریافت فرمالیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ حضور انور نے یہ بات قبول کر لی اور عبداللہ بن سلام کو ایک مقام میں پوشیدہ کر کے یہودیوں کو بلایا اوّل اپنے انہیں خداوند تعالےٰ کے عذاب سے ڈرا کے اسلام کی دعوت دی اور پھر عبداللہ بن سلام کا حال دریافت کیا انھوں نے متفق اللفظ یہ بیان کیا کہ وہ شخص ہم سب میں بہتر ہے۔ حضور نے ارشاد کیا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے یہودیوں نے کہا حاشا خدا اُسے اپنی پناہ میں رکھے اور وہ مسلمان نہ ہو حضور انور نے تین بار بھی فرمایا اور یہودیوں نے تینوں دفعہ اس کا جواب یہی دیا۔ آخر حضور انور نے عبداللہ بن سلام کو آواز دے کے باہر بلا لیا عبداللہ بن سلام فوراً چھپی ہوئی جگہ سے باہر نکل آئے اور پکار کے کلمہ طیبہ پڑھا۔ یہ دیکھ کے یہودیوں کے آگ لگ گئی اور کہنے لگے کہ یہ نہایت ہی شریر شخص ہے اور کمینہ تراش ہے۔ اسی وقت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہتا نہ تھا کہ یہودی بہت ہی دغاباز اور دوسرے پر بہتان باندھنے میں یدطولےٰ رکھتے ہیں اسی وجہ سے میں اُن سے خوف کھاتا تھا۔

کتاب الورے میں لکھا ہوا ہے کہ ہجرت کے پہلے سال بنی قریظہ بنی نضیر بنی قینقاع اور غطفان کے یہودی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ لوگوں کی کس دین سے دعوت

کرتے ہیں حضور انور نے ارشاد کیا کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت پر اوپر میں وہ شخص ہوں جس کا ذکر تمہاری توریت میں آیا ہے اور میں وہ ہوں جس کی خبر تمہارے علما نے یہ دی ہے کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے اس موضع میں آ کے قیام کروں گا اور تمہارے ایک عالم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ میں خمر کو کبھی استعمال نہیں کرنے کا اور صفتیں اس پیغمبر کی بتائی ہیں وہ سب مجھ میں پائی جاتی ہیں یعنی اونٹ پر بیٹھنا۔ کمل اوڑھنا ایک روٹی کے ٹکڑے پر قناعت کرنا دونوں آنکھوں کے بیچ میں سرخی کا ہونا اور دونوں بازوؤں کے بیچ میں نبوت کا ثبت ہونا اور اس کی تلوار کا کندھے پر رہنا اور اس کا نڈر ہو کے ہر شخص کے پاس چلا جانا اور اُس کا خندہ اور کشیدہ ہونا اور اس کا پیغام اس جگہ پہنچنا جہاں اونٹ اور گھوڑا نہیں پہنچ سکتا غرض یہ کہ کل صفتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں انھوں نے جواب دیا کہ بات تو آپ سچ کہتے ہیں کہ یہ سارے وصف توریت میں موجود ہیں اور نشانیاں بھی ہیں مگر ہمیں تو غصہ اس سے ہے کہ نبوت اسحٰق کی اولاد سے اسمٰعیل کی اولاد پر کیوں منتقل ہوگئی یہ وجہ ہے جس سے ہماری تمہاری موافقت نہیں ہونے کی اس کا جواب خداوند تعالےٰ نے حضور انور کی زبان مبارک سے یوں دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد کو کیوں برکت دی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العٰلمین۔ واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیا ولا یقبل منھا عدل ولا شفاعۃ ولا ھم ینصرون۔ واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی ط قال لا ینال عھدی الظلمین واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی وعھدنا الی ابراھیم واسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود ؎

؎ ترجمہ۔ اے اولاد یعقوب ہمارے تم وہ احسانات یاد کرو جو ہم نے تم پر کئے اور (مجھ اُن کے) یہ کہ ہم نے تم کو سارے عالم پر فوقیت دی۔ اور اس دن (یعنی قیامت کے عذاب) سے ڈرو کہ ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آئے اور نہ کوئی معاوضہ اس سے قبول کیا جائے اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے اور نہ وہ مدد پہنچائے جائیں گے اور (تم اے محمد بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیم کو اُن کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا پھر انھوں نے اُن کو پورا کر دیا (پھر اس کے بعد حق تعالےٰ نے) کہا کہ بیشک

چوتھا باب

پہلے اور دوسرے سنہ ہجری کے واقعات

نماز کے متعلق پہلے کچھ پابندیاں نہ تھیں اگرچہ مکہ میں پانچ وقت کی نماز پڑھی جاتی تھی لیکن مسلمان جس وقت چاہتا تھا نماز پڑھ لیتا تھا جماعت کی پابندی نہ تھی مگر مدینہ میں آکے جماعت کی پابندی ہوگئی جب حضور انور مسجد میں ہوتے تھے تو خود نماز پڑھاتے تھے اور آپ کسی وقت موجود نہ ہوتے تو جماعت کا کوئی بڑا شخص امام بن جاتا تھا۔ مسلمان نہایت ہی جوش اور شوق سے نماز ادا کرتے تھے اور نماز کی انتہا درجہ تاکید تھی اور یہ بات بتادی گئی تھی کہ جو شخص نماز ادا کرنے سے غفلت کرے گا اس نے گویا عالیشان مذہب اسلام کی توہین کی اگرچہ ہر وقت سب مسلمان مسجد میں آکے ایک ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے مگر جمعہ کے روز دوپہر کے بعد کل مسلمان مسجد نبوی میں جمع ہوتے تھے اور حضور انور کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ نماز جمعہ سے پہلے حضور انور خطبہ پڑھتے تھے اور اس خطبہ سے اسلام کے اصول کو تقویت دیجاتی تھی۔

ابتدا میں یہودیوں کو بھی اجازت تھی کہ وہ مسجد نبوی میں آکے خطبہ سنیں۔ چند روز تک یہودی مسجد میں آتے اور خطبہ سنتے رہے مگر جب انہوں نے شرارت کی اور خطبہ کے بیچ میں الٹی سیدھی باتیں بکنے لگے تو انھیں مسجد سے خارج کردیا اور ممانعت کردی گئی کہ کوئی یہودی مسجد نبوی میں خطبے یا نماز کے وقت قدم نہ رکھے۔

ابتدا میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی جاتی تھی مگر جب یہودیوں نے مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ تمہارے پیغمبر کو جب کوئی قبلہ نہ ملا تو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے لگے اس وقت غیرت حق کو حرکت ہوئی اور خداوند تعالےٰ کا حکم نازل ہوا کہ بجائے بیت المقدس کے کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ مدینہ میں پہنچنے سے سولہ یا سترہ مہینے کے بعد ماہ رجب قبلہ کی تبدیلی واقع ہوئی۔ ایک

ہم مکہ لوگوں کا پیشوا بنانے والے ہیں (ابراہیم نے) عرض کیا کہ میری اولاد میں سے (بھی پیشوا بنانا) ارشاد ہوا (کہ) ہماری نبوت (تمہاری اولاد میں سے) ظالموں کو نہ ملے گی۔ اور (وہ وقت بھی یاد دلاؤ کہ) جب ہم نے کعبہ کو لوگوں (یعنی حاجیوں) کے لئے زیارت گاہ اور امن کی جگہ بنایا اور (ہم نے سب کو حکم دیدیا کہ) مقام ابراہیم میں نماز پڑھا کرو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیدیا کہ ہمارے گھر (یعنی کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں کے لئے (نجاست شرک سے) پاک (وصاف) رکھو۔

روایت میں آیا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی تبدیلی کے بہت بڑے آرزومند تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت جبریل کو مخاطب کرکے یہ فرمایا تھا کہ اے جبریل کیا خداوند تعالےٰ کسی دن میرے مونہ کو نیغہ دیوں کے قبلہ سے دوسرے قبلہ کی طرف پھیر دے گا اس کا جواب حضرت جبریل نے یہ دیا تھا کہ میں تو اس کا ایک ادنےٰ بندہ ہوں آپ خود اس کی عالی بارگاہ میں عرض معروض کیجیے وہ آپ کا مونہ دوسرے قبلہ کی طرف پھیر دے گا چنانچہ ایک روز آپ مسلمانوں کی جماعت کو نماز پڑھا رہے تھے اور اس وقت آپ کا مونہ یہودیوں کے قبلہ کی طرف تھا یکایک آپ کا رخ بیت المقدس سے جانب جنوب کعبہ کی طرف پھر گیا اسی وقت کل مسلمانوں نے آپ کی اقتدا کی جب یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی کہ بت پرستی کا مادہ ابھی تک مسلمانوں میں باقی ہے کہ انھوں نے اپنا قبلہ بت پرستوں کے مندر کو بنایا اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور یہودیوں کی اس نادانی اور ابلہ فریبی کا بیان کیا گیا ہے اور اس کے شافی جواب دیے ہیں۔

سیقول السفہاء من الناس ما ولہم عن قبلتہم التی کانوا علیہا ط قل للہ المشرق والمغرب ط یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ۰ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا ط وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ ط وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ہدی اللہ ط وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ط ان اللہ بالناس لرؤف رحیم ۰ قد نری تقلب وجہک فی السمآء فلنولینک قبلۃ ترضہا ص فول وجہک شطر المسجد الحرام ط وحیث ما کنتم فولوا وجوہکم شطرہ ط وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون انہ الحق من ربہم وما اللہ بغافل عما یعملون ۰

ترجمہ۔ اے محمدؐ تمہارے قبلہ کیطرف نماز پڑھنے سے عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ اپنے جس قبلہ کیطرف (وہ پہلے نماز پڑھتے چلے آئے) تھے وہ کیونکر بیت المقدس کیطرف (اس سے کس چیز نے انہیں (کعبہ کیطرف پھیر دیا۔ (تم انسے) کہدو (کہ ساری زمین) اللہ کے لئے ہے مشرق (کی) اور مغرب (کی) جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھلاتا ہے (اور جسطرح تمہیں بہتر قبلہ کے باب میں ہدایت کی) اسطرح تمہیں معتدل امت بنایا تاکہ تم (قیامت کے دن جب) لوگوں کے افعال کی نوبت آئے اور وہ کہیں کہ ہم پر کوئی نبی نہیں پہنچا گیا تو تم انکے مقابلہ میں گواہ ہو (یعنی شہادت دو کہ بیشک پہنچا گیا) اور تمہارے (صدق تک) اور رسول گواہ ہیں۔ اور (اے محمدؐ اصل میں تو) وہ کعبہ ہی ہے (اور اس سے پہلے تم جسطرف (نماز پڑھتے) تھے اسکے قبلہ بنانے

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور انور رکوع میں دوسری رکعت پڑھ رہے تھے کہ ازخود آپ کا مونہ کعبہ

ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب بکل ایۃ ما تبعوا قبلتک ۵ وما انت بتابع قبلتہم وما بعضہم بتابع قبلۃ بعض ۵ ولئن اتبعت اھوآءھم من بعد ما جآءک من العلم ۙ انک اذا لمن الظلمین ۵ الذین اٰتینھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابنآءھم ۭ وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون ۵ الحق من ربک فلا تکونن من الممترین ۵ ولکل وجھۃ ھو موالیھا فاستبقوا الخیرات ۭ این ما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا ۭ ان اللہ علی کل شئ قدیر ۵ ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام ۭ وانہ للحق من ربک ۭ وما اللہ بغافل عما تعملون ۵ ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام ۭ وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا منھم ق فلا تخشوھم واخشونی ق ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون ۵ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون ۵ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون ۵

بقیہ ترجمہ صفحہ ۳۲۴ - سے بس یہ غرض تھی کہ ہمیں ظاہر ہو جائے (کہ) کون رسول کے تابع رہے گا اور کون (زمانہ) قہقری (پیچھے) اپنے الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ اور البتہ یہ (بات) ضرور شاق ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت کی (اُن پر کچھ شاق نہیں ہے) اور خدا تمہارا ایمان ضائع نہیں کرتا بے شک اللہ (تو) لوگوں پر ضرور شفیق (اور) مہربان ہے تحقیق ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا آسمان کی طرف (بار بار) نگاہ اٹھا کے دیکھنا۔ (اس شوق میں کہ تحویل قبلہ کی وحی کب آتی ہے) پس البتہ جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو ہم اسی کا حکم دیدیں گے (اچھا) تو تم (اب نمازوں میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف اپنا مونہ کیا کرو۔ اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں (بھی) ہوا کرو پس (نمازوں میں) اسی کی طرف اپنے مونہ کیا کرو۔ اور بیشک اہل کتاب (خوب) جانتے ہیں اُن کے رب کی طرف سے یہی (تحویل قبلہ) حق ہے۔ اور جو کچھ وہ (حق پوشی) کرتے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اور (اے محمدؐ) اگر تم اہل کتاب کے سامنے ساری دلیلوں کو پیش کرو گے (پھر بھی تو وہ) تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے اور تم بھی اُن کے قبلہ کو ماننے والے نہیں ہو۔ اور (خود اہل کتاب بھی) ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور اگر تم اس علم کے بعد جو تمہیں پہنچا ہے ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرو گے تو ضرور اس وقت تم بھی بے انصاف ٹھہرو گے وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب (توریت) دی ہے (اُن کے علماء) انہیں (یعنی رسول

کی طرف پھر گیا اور آپ کے ساتھ سب مسلمانوں نے اسی طرح اپنا مونہ کعبہ کی طرف پھیر لیا اس دن سے اس مسجد کا نام ذوالقبلتین رکھا گیا۔ جب قبلہ کی تحویل ہو چکی تو مخالفین نے ہذیاں بکنا شروع کیا۔ بعضوں کا تو بیان تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محض حسد کی وجہ سے ہمارے قبلہ کو ترک کیا ہے بعض کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے دین کی یاد آ گئی۔ مشرک کہتے تھے کہ ہماری سمجھ میں کوئی وجہ نہیں آتی۔ غرض اسی قسم کی بکواس کی جاتی تھی جس کا نتیجہ سوائے بیہودگی اور کچھ نہ تھا۔ ہمارے خیال میں اس کا جواب فقط یہ ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالےٰ کا عامۂ خلایق پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً اس بات کا اظہار کرنا تھا کہ اسلام نہ صرف حضرت موسےٰ اور عیسےٰ کی عزت کرتا ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اُس کی نظروں میں کل پیغمبروں کے آسمانی عقاید کی وہی وقعت ہے کیونکہ حضور انور یہودیوں سے کہہ چکے تھے کہ جس طرح موسےٰ پر تمہارا ایمان ہے اور تم انھیں پیغمبر سمجھتے ہو۔ اسی طرح مسلمانوں کا بھی ان پر ایمان ہے اور وہ بھی انھیں پیغمبر سمجھتے ہیں لہذا تم اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اس سے زیادہ

اللہ کو) ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بیشک کچھ لوگ اُن میں وہ دانستہ حق کو چھپاتے ہیں۔ جو تمہارا رب کہے حق وہی ہے پھر ہرگز تم شک کرنے والوں (میں) سے نہ ہو۔ اور ہر کسی کے لئے (ایک علیحدہ) سمت ہے کہ جدھر (نمازوں میں) وہ مونہ کرتا ہے (تم اس اختلاف کا بھی خیال نہ کرو) سو نیکیوں کیطرف سبقت کرو (یہ اختلاف صرف اسی عالم تک ہے نہ آخرت میں تو) جہاں کہیں بھی ہو گے خدا تم سب کو (ایک جگہ پکڑ) بلائیگا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (اے محمد) تم جہاں کہیں جاؤ تو (نماز میں) اپنا مونہ مسجد حرام (ہی) کیطرف کرنا اور بیشک (یہی) قبلہ) بیشک برحق ہے تمہارے رب کے حکم سے (ہی) اور تمہارے کاموں سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔ اور تم جہاں کہیں جاؤ تو اپنا مونہ (نماز میں) مسجد حرام (ہی) کیطرف کرنا اور (مسلمانو) جہاں کہیں (بھی) ہوا کرو تو اپنا مونہ (نماز میں) مسجد حرام (ہی) کیطرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر (کسی قسم کی) حجت (باقی) نہ رہے۔ مگر جو ان میں سے (ناحق) ہٹ دھرمی کرتے ہیں سو تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور اسواسطے کہ میں تمہیں اپنی نعمت بھرپور دوں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ (یہ احسان بھی اسی قسم کے ہیں) جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا (جو) ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کے سناتا ہے (تمہاری اصلاح کرتا ہے اور تمہیں کتاب (یعنی قرآن) اور شریعت سکھاتا ہے اور تمہیں (وہ باتیں) سکھاتا ہے جن کی تمہیں خبر نہ تھی۔ تم تو ہماری یاد میں لگے رہو ہم تمہیں یاد رکھیں گے اور ہمارا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

صداقت اسلام کی اور نہیں ہو سکتی کہ اس نے نہ صرف عملی طور پر گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق کی بلکہ اُن پر ایمان لانا اسلام کی نشانی قرار دیدی۔ اسوقت تمام دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کے پیرو دوسرے مذاہب کی پیشواؤں پر ایمان لانا اپنا فرض سمجھیں۔ یہودی حضرت مسیح کے منکر ہیں نصرانی حضرت سلیمان کو بت پرست اور حضرت موسےٰ کو گٹھ کٹ اور رہزن سمجھتے ہیں اسی طرح سے ہندوؤں کے صدہا فرقے ہیں کہ وہ اپنے مخالف مذہب پر ایمان لانا تو کجا اُن کی ذرا بھی عزت نہیں کرتے اسلام کی اس صداقت پر بھی اگر اس پر طعنہ زنی کی جائے اور الٰہی سید ہی نکتہ چینیاں کر کے اس ماننے والوں کا دل دکھایا جائے تو اس سے زیادہ اخلاق کی کمزوری اور نہیں ہو سکتی۔ لہذا مسلمان دعوے کر سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا بڑا خلق سکھانے والا نہیں پیدا ہوا۔ فی الحقیقت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول صحیح ہے کہ اگر نبی معصوم کا خلق دیکھا جائے تو قرآن کی تلاوت کرنی چاہیئے۔ قرآن مجید نے جہاں آخر الزماں نبی کی بزرگی کی شہادت دی ہے وہاں اور انبیا کی بھی عظمت ظاہر کی ہے۔

ختنہ

ختنہ اسلام کے اصول میں داخل نہیں ہے صرف یہ ابراہیمی سنت ہے اسی وجہ سے حضور انور نے ختنہ کا حکم دیا ہے ختنہ کی رسم ہزارہا برس سے چلی آتی تھی خود حضرت مسیح کا ختنہ ہوا تھا مگر عیسائیوں نے اس تکلیف کو گوارا نہیں کیا اور فرضی طور پر یہ بات قرار دے کے کہ دل کا ختنہ کرنا چاہیئے ابراہیمی طریقہ سے انحراف کیا۔ مسیحی مورخ سر ولیم میور اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور انور کا ختنہ ہوا تھا مگر ایک روایت میں لکھا ہوا ہے کہ حضور انور مختون پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ کو ختنہ کی ضرورت نہیں پڑی اور اگر اس روایت کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات ہو سکتی ہے کہ حضور نور کی فضیلت حضرت مسیح پر خداوند تعالےٰ نے اس بات میں ظاہر کی ہے یعنی حضرت مسیح کا ختنہ ہوا اور اُن کی امت نے اس ختنہ کو غیر ضروری جان کے چھوڑ دیا اور حضور انور کا ختنہ نہ ہوا اس پر بھی مسلمانوں نے آپ کے اس حکم کی سرگرمی سے تعمیل کی کہ ختنہ کو بجائے سنت ابراہیمی کے اپنی معاشرت کا ایک بڑا جزو سمجھ لیا۔ تمام دنیا میں جس قدر مسلمان ہیں سب اس پر عمل کر رہے ہیں اور آج تک بھی کسی ایسے مسلمان کی نظیر نہیں ملتی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ حضرت مسیح نے باوجود نبوت

اس بات کو گوارا کر لیا تھا کہ اُن کا خاتمہ کیا جائے تاکہ اُن کے ماننے والے اپنے پیغمبر کی تقلید کر کے ابراہیمی سنت کو قائم رکھیں مگر ایسا نہیں ہوا اور حضرت مسیح کے اور احکام کی طرح عیسائیوں نے اس حکم کو بھی چھپر پر رکھ دیا یہ جواب ہے سرولیم کے اعتراض کا۔

روزہ عاشورہ

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں دو تین مہینے کے پہنچنے کے بعد عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور اپنے صحابہ کو بھی اس روزہ کے رکھنے کا حکم دیا اس کے متعلق طبری اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۳ میں لکھتا ہے کہ جب یہودیوں نے یہ بیان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری نقل کر رہے ہیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ یہودیوں سے زیادہ حضرت موسےٰ پر ہمارا حق ہے اس لئے ہم اس خوشی میں یہ روزہ رکھتے ہیں کہ جب حضرت موسےٰ کو فرعون کے ہاتھ سے نجات ملی تھی اور اُس کا لشکر بحر احمر میں ڈوب گیا تھا اس خوشی میں یہودی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ میور صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے یہودیوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا جب انھیں یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی روزہ رکھنے لگے ہمارے خیال میں ہمارے مسیح مورخ کا یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا عاشورہ کا روزہ اصول اسلام میں نہیں ہے اور نہ فرائض میں داخل ہے اور نہ سنت مؤکدہ ہے یہ حضور انور کی اعلیٰ درجہ کی راستبازی اور نبوت کی سچی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے سابق کے پیغمبروں کو اس قدر عظمت دی کہ اُن کی اچھی باتیں سُن کے خوش ہوئے اور ایک حد تک اُن کی پیروی کی حضرت موسیٰ کی بزرگی تسلیم کرنے کا اس سے زیادہ اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا کہ آپ نے یہ سنتے ہی کہ فلاں دن کا روزہ محض حضرت موسےٰ کی فتحیابی کی خوشی میں یہودی رکھتے ہیں آپ نے خود بھی رکھا اور اپنی امت سے بھی رکھوایا مگر اس کے متعلق کوئی تاکید نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ رکھا جائے صرف ہم آزادی ہے کہ جس کا جی چاہے رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔ سرولیم میور صاحب کا یہ خیال بالکل غلط اور بیجا ہے کہ یہودیوں کو ملانے کے لئے اور تالیف قلوب کرنے کے لئے آنحضرت نے اُن کی ساری رسمیں اختیار کر لیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں یہودی وہ رسمیں کیا اپنے گھر سے لائے تھے خداوند تعالےٰ نے اُن کو بتائی تھیں حسب حالت زمانہ اُن میں کچھ ترمیم و تبدیل کر دی گئی اور وہ مسلمانوں میں جاری ہو گئیں

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی بنا پر کہ شریعت موجود تھی کسی نئی شریعت کے ترتیب دینے کی ضرورت نہ سمجھی یہ سب پیغمبر تو آسمان سے بھیجے گئے تھے ایک ہی اُن کی تعلیم تھی ایک ہی طریقہ تھا اور اُن سب پیغمبروں کے آسمانی ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ایک نے دوسرے کی تردید نہیں کی۔

رمضان المبارک

مدینہ میں پہنچنے سے اٹھارہ مہینے کے بعد رمضان میں روزہ رکھنے کی وحی آپ پر نازل ہوئی اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی روزے تھے اور یہودی بھی حکم الٰہی سمجھ کے روزہ رکھتے تھے مگر یہودیوں کے اور مسلمانوں کے روزہ میں بہت بڑا فرق رکھا گیا ہے۔ حکمت اللہ یہ تھی کہ اوّل حکم ہوا کہ یہودیوں کے سے روزے مسلمان رکھیں یعنی کامل چوبیس گھنٹے تک روزہ رہے اس کے بعد محض اپنے آسان اور انعام ظاہر کرنے کے لئے خداوند تعالےٰ نے روزہ کی سختی کی کمی کر دی یعنی بجائے چوبیس گھنٹے کے بارہ گھنٹے قرار دئے جس کا قرآن مجید میں صاف ذکر آیا ہے اب یہ بات دیکھنی باقی ہے یہ جو خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر ہم نے روزے فرض کئے تھے اسی طرح تم پر فرض کئے گئے پہلے لوگوں سے کیا مراد ہے اور یہ روزے کون سے روزے ہیں آیا رمضان کے یا اس کے علاوہ اس کے متعلق سب سے پہلے ہمیں توریت دیکھنی پڑے گی کہ پہلے نبیوں کی امتوں نے یا خود نبیوں نے کون سے روزے رکھے تھے چنانچہ کتاب خروج کے (جو توریت کی دوسری کتاب ہے) باب ۳۴ درس ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ جب حضرت موسےٰ کوہ سینا پر تھے تو چالیس دن اور چالیس رات وہاں رہے اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا۔ توریت کی کتاب استثنا باب ۹ درس ۹ و ۱۸ و ۲۵ کی تفسیر (بہری اسکاٹ) میں نہ روٹی کھانے اور نہ پانی پینے کی نسبت لکھا ہے کہ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے موسےٰ نے دوسری دفعہ چالیس دن کا روزہ رکھا تھا اور بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسےٰ نے تین مرتبہ چالیس چالیس دن کا روزہ رکھا ہے۔

لہ یا یھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودٰت فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ

نصاب لویان کے (جو یوریت کی ملیبری لغات ہے) باب ۱۶ درس ۲۹ اور باب ۲۳ درس ۲۷ و ۲۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کے روزے رکھنے کا حکم تھا اور اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس دن روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جائے گا اور

فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہٗ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۵ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ۵ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللہ اٰیٰتہ للناس لعلھم یتقون ۵

ترجمہ۔ مسلمانو روزہ رکھنا جیسا اگلوں پر فرض کیا گیا تھا ایسا ہی تم پر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ تم (اسکی وجہ سے) گناہوں سے بچو۔ (وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ) گنتی کے چند روز (تک) پس جو کوئی (روزہ کے دنوں) تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو اور دنوں میں (جتنے قضا ہوئے ہیں) گن کر رکھ لے اور جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو (اور نہ رکھیں) تو اس کے بدلے میں ایک فقیر کو کھانا کھلا دیں پس جو شخص (اپنی خوشی سے) نیکی کرے تو یہ اُسکے لئے (اور بھی) اچھا ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو جان لوگے (کہ تمہارے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہرحال اچھا ہے) رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمیں قرآن نازل کیا گیا (جو) لوگوں کے لئے رہنما ہے اور (جسمیں) ہدایت اور بُرے بھلے کی تمیز کی کھلی نشانیاں ہیں۔ تو (مسلمانو) جو شخص تم میں سے اس مہینہ کو پالے تو چاہئے کہ اسمیں روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں (اسکے برابر) گن کے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لئے نرمی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لئے سختی کرنا نہیں چاہتا اور (شمار کرکے رکھنے کا حکم) اس لئے (دیا ہے) کہ (جتنے قضا ہوئے ہیں اُن کی) تعداد تم پوری کر لو اور (قضا رکھنے کا حکم) اس لئے (دیا ہے کہ تم اللہ کی اس) ہدایت پر بزرگی بیان کرو اور (سہولت سے یہ غرض ہے) تاکہ تم اللہ کا (اس پر احسان مانو) اور (اے محمدؐ جب میرے بندے

اور اعمال حواریان باب ۲۷ درس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔
انجیل لوقا باب ۱۸ درس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فریسی ہفتہ میں دو دن روزہ رکھا کرتے تھے ایک پانچویں دن جبکہ حضرت موسےٰ کوہ سینا پر چڑھتے تھے اور ایک دوسرے دن جبکہ اترتے تھے۔
کتاب زکریا باب ۸ درس ۱۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودی چوتھے مہینے اور پانچویں مہینے اور دسویں مہینے میں بھی روزہ رکھتے تھے۔ چوتھے مہینے یعنی تموز میں سترہویں تاریخ کو بیت المقدس کی تباہی کے غم میں جو بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی تھی۔ پانچویں مہینے یعنی آب میں نویں تاریخ کو بیت المقدس کے شہر کے جلنے کے غم میں جس کو نبوزردان شاہ کابل کے افسر نے جلایا تھا۔ ساتویں مہینے یعنی تشری کی دسویں تاریخ کو جدلیاہ کے قتل ہونے کے غم میں جو بمقام مصباہ مارا گیا تھا۔ دسویں مہینے یعنی تبث کی دسویں تاریخ کو بیت المقدس کے غم میں جس روز کہ بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ شروع کیا تھا۔
کتاب اول ملوک باب ۲۱ درس ۹ و کتاب دوم تواریخ ایام باب ۲۰ درس میں ایک دن کا روزہ ہے جس کو بلکہ ایزبل نے اپنے شوہر احاب کی خاطر سے منادی کرا کے مقرر کرایا تھا۔
کتاب قضاۃ باب ۲۰ درس ۲۶ سے ایک اور روزہ کا مقرر ہونا پایا جاتا ہے جبکہ بنی اسرائیل نے قوم بنیمین سے شکست پائی تھی اور بیت المقدس میں آنکر فتح کے لئے دعا مانگی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۸۳: سے مجھے دریافت کریں (خدا قریب ہے یا بعید اُن سے کہدو) پس بیشک میں قریب ہوں دعا کرنیوالا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کر لیتا ہوں تو چاہئے کہ میرا حکم (بھی) مانیں۔ اور چاہئے کہ مجھپر ایمان (بھی) لائیں تاکہ وہ نیک راہ پر آئیں۔ روزوں کی راتوں میں اپنی بی بیوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہارا لباس ہیں تم انکے لباس ہو جب اللہ نے جانا کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے (اور چوری چھپے بی بیوں کے پاس چلے جاتے تھے) تو تمپر تخفیف کر دی اور تمہاری خطا سے درگزر کی پس اب اُن کے پاس جاؤ اور جو اللہ نے تمہارے لئے (لوح محفوظ میں) لکھدیا ہے (یعنی اولاد) اُسے طلب کرو اور کہا و اور پیو یہاں تک کہ (صبح کی) سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے تمہیں صاف نظر آنے لگے پھر رات تک روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کئے بیٹھو تو اُن سے بستر نہ ہونا یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں پس اُن کے قریب بھی نہ جانا اسیطرح اللہ لوگوں کے لئے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ وہ (خدا کی) نافرمانی سے بچیں

کتاب اول سموئیل باب ۳۱ درس ۱۳ سے پایا جاتا ہے کہ شاؤل یعنی طالوت کے مرنے کے غم میں سات روزے مقرر ہوئے تھے جو اس کی ہڈیوں کے دفن کرنے کے بعد رکھے گئے تھے۔

کتاب یوناہ باب ۳ درس ۵ میں ایک اور روزہ کا مقرر ہونا پایا جاتا ہے۔ جبکہ نینویہ کے ایمان لانے کو

کتاب دانیال باب ۱۰ درس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتہ تک روزے رکھے تھے کتاب اول ملوک باب ۱۹ درس ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس کوہ حوریب کو گئے تھے تو انہوں نے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے۔

علاوہ اُن کے اور روزے بھی مثلاً خدا تعالیٰ کی خفگی دور کرنے کے لئے یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یا کسی بلا یا مصیبت کو ٹالنے کے لئے، یا کسی ذاتی یا خاندانی امور کے متعلق جسطرح کہ منت وغیرہ کے ایفا میں ہوتا ہے یہودی روزے رکھا کرتے تھے۔

انجیل متی باب ۴ درس ۱-۱۱ و انجیل لوقا باب ۴ درس ۱-۱۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بھی جبکہ وہ بیاباں میں گئے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے۔

علاوہ اس کے انجیل متی کے باب ۶ درس ۱۷ سے جس میں یہ لکھا ہے کہ "بہرنہج اس قسم کا شیطان بجز نماز اور روزہ کے نہیں جاتا ہے" یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ کے زمانہ میں روزہ بعض امور خاص میں اثر بد کے دفع کرنے کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔

انجیل متی باب ۹ درس ۱۴ کے مضمون سے عیسائی خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ نے روزوں کا رکھنا موقوف کر دیا۔ مگر اسی کے ساتھ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بعد حضرت عیسےٰ کے رکھنے ہوں گے قرآن مجید میں زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محض روزہ رکھنے کا حکم ہے جس میں کچھ عدد اور وجوہات ظاہر نہیں کئے گئے انجیل اور توریت کی آیتوں سے تو روزہ رکھنے کے وجوہات پائے جاتے ہیں مگر قرآن مجید نے کوئی وجہ قائم نہیں کی صرف اس قدر بتا دیا کہ جس طرح اگلی امتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے اسی طرح تم پر بھی فرض کئے گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو بدنی تکلیف دینے کی خداوند تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی اور عام طور پر لوگوں کے دل میں یہ خیال کیونکر پیدا ہو گیا کہ خداوند تعالیٰ انسان کی بدنی تکلیف سے خوش ہوتا ہے ہر قوم میں یہ خیال کم و بیش پایا جاتا ہے ہندوؤں میں تو یہ خیال مبالغہ کی اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ لوگ اپنا ہاتھ اوپر تک خشک کر دیتے ہیں اور فاقے

کرتے ہیں اور اپنے کو مصیبت میں رکھتے ہیں سنسان جنگلوں میں تنہا پڑے رہتے ہیں اور جب بھوک انتہا درجہ ستاتی ہے تو تھوڑی سے بناس پتی کھا لیتے ہیں اور اسی مصیبت ناک حالت میں اپنے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ نصاریٰ اور یہودیوں میں بھی ایسی ہی سخت ریاضتیں موجود تھیں۔

معترض کا یہ اعتراض ہے کہ انسان کی بے وقوفی ہے کہ وہ اپنے اعضا کو تکلیف دے کے خداوند تعالیٰ کو خوش کرنا چاہتا ہے اسی قسم کا اعتراض علاوہ دہریوں کے بعض آزاد خیال مسلمانوں نے بھی کیا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ وہ شریعت کے اس راز تک نہیں پہنچے انہوں نے بغیر توجہ اور کافی غور کے بدنی ریاضت کے معاملہ میں مثل ہندوؤں کے اور عیسائیوں کے مسلمانوں پر بھی الزام لگایا ہے حالانکہ قرآن میں خدا اس بات کو صاف کہہ چکا ہے کہ کسی شخص پر اتنا بوجھ نہیں لادا جاتا کہ وہ اسے نہ اٹھا سکے اور دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ فی الحقیقت ہمارے کسی نیک اور بد فعل کا اثر خداوند تعالیٰ کی ازلی اور ابدی ذات تک نہیں پہنچتا جو سامان کئے گئے ہیں محض ہمارے فائدہ کے لئے ہیں روزہ جو ہم پر فرض کیا گیا ہے محض ہماری روحانی قابلیت کے بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے سال بھر میں ایک مہینہ امتحان کا آتا ہے اس میں اپنی آنکھوں اپنے کانوں اور اپنے دل کو قابو میں رکھنے کا سبق ہمیں پڑھایا جاتا ہے۔ جو شخص روزے کے ارکان سے واقف نہیں ہے تو وہ اس روزہ کو مثل یہودیوں اور نصاریٰ کے روزوں کے سمجھے گا کہ صرف کھانا پینا موقوف کیا یا کھایا بھی تو نہایت بدمزا اور روزہ ہو گیا حالانکہ اس روزہ کی نوعیت میں اور اسلام کے روزہ کی نوعیت میں بہت بڑا فرق ہے اسلام کا روزہ محض کھانا پینا بند کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام کا روزہ بتاتا ہے کہ آنکھیں بھی روزہ رکھیں یعنی کسی پر بری نظریں نہ ڈالیں۔ کان بھی روزہ رکھیں یعنی کسی کی برائی نہ سنیں۔ زبان بھی روزہ رکھے کہ سوائے حق کے دوسرا کلمہ مونہ سے نہ نکالے اگر یہ تین باتیں روزہ دار کو حاصل نہیں ہوتیں تو یقیناً وہ مثل اس بیل کے ہے جس کا مونہ باندھ دیا گیا ہو جو نہ پانی پی سکتا ہو نہ چر سکتا ہو ہمیں اس بدنی ریاضت کا حکم ہوا ہے کہ جس سے ہمارا جسم اور روح قوت اور شادابی حاصل کرے اور ہماری اس ریاضت سے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچے اگر ہم روزہ نہ رکھیں تو ہم کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ بھوک اور پیاس کا کیا اثر ایک انسان کی طبیعت پر ہوتا ہے اور وہ شخص کتنا قابل رحم ہے جسے سارے دن نہ پانی پینے کو ملا ہو اور نہ روٹی کھانے کو یہ ذریعہ ہے اپنے بھوکے بھائیوں پر رحم کرنے کا

اور پیاسوں کو پانی پلانے کا۔ اس کے علاوہ اپنی روحانی قوت یا ضعف کا اندازہ روزہ سے اچھی طرح ہو سکتا ہے ایک روزہ دار اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ میں بارہ گھنٹے تک اپنی نفسانی خواہشوں کو روکنے کے لئے کس درجہ کامیاب ہوا اور مجھے کہاں کہاں لغزشیں ہوئیں اور اگر میں اس پر عمل کئے گیا تو میں کس آسانی سے اپنی نفسانی خواہشوں پر قابو پانے کے لئے قوی بن جاؤں گا اب معترض خیال کر سکتا ہے کہ آیا اس ریاضت سے خود ریاضت کرنے والے کو فائدہ پہنچایا خدا کو۔ روزہ کی صدہا حکمتیں ہیں جو ہم اپنی سیرۃ الرسول کے کسی جلد کے ایک علحدہ باب میں بیان کریں گے یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیۃ کے متعلق جس میں روزوں کا حکم ہوا ہے علماء کتنا اختلاف کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے روزوں کی آیتوں کے متعلق ایک مفسر کی رائے

ان چاروں مباحثوں کی نسبت جو میری سمجھ ہے وہ یہ ہے (۱) اُن روزوں سے جو کتب علیکم الصیام کی آیت میں ہیں رمضان ہی کے روزے مراد ہیں (۲) من قبلکم سے اہل کتاب مراد ہیں (۳) اس آیت میں اس بات سے کہ اہل کتاب پر کوئی روزے فرض تھے یا نہ تھے کچھ علاقہ نہیں ہے (۴) کما۔ کے لفظ سے نہ عدد میں تشبیہ مراد ہے نہ مدت میں اور نہ نفس فرضیت میں بلکہ صرف سبب صیام میں تشبیہ مراد ہے زمانہ نزول وحی میں حضرت موسےٰ نے چالیس دن پہاڑ میں اور حضرت عیسےٰ نے چالیس دن بیابان میں بسر کئے۔ توریت اور انجیل دونوں سے پایا جاتا ہے کہ اُن دنوں میں روزہ دار تھے بعد کو اُن کی امت نے اُن کی متابعت کے خیال سے اُن دنوں میں ہر سال روزے رکھنے اختیار کئے آنحضرت صلعم نے ماہ رمضان کو جو نزول وحی کا مہینہ تھا کوہ حرا میں بسر کیا اور آپ بھی اس زمانہ میں روزہ دار تھے۔ پس خدا نے فرمایا کہ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے بہ متابعت اپنے نبی کے اس زمانہ میں روزے اختیار کئے تھے اسی طرح تم بھی اختیار کرو۔ پس جو سبب کہ اہل کتاب کے روزے اختیار کرنے کا تھا وہی سبب مسلمانوں پر روزوں کے مقرر ہونے کا ہے اور "کما" کے لفظ سے اسی سبب صیام میں تشبیہ دی گئی ہے۔

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اُن آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے یہ کہنا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ روزے رمضان کے سوا تھے اور پھر یہ تسلیم کرنا کہ اس کے بعد کی آیت نے جس میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے ایسا ہی مشکل ہے جیسے

کہ اس رائے کو تسلیم کر کے کہ پچھلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں، مگر پچھلی آیت سے جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا منسوخ ہو گیا ہے تسلیم کرنا مشکل ہے۔ پچھلی آیت میں جسکو ناسخ قرار دیا جاتا ہے کوئی اشارہ کسی قسم کا پہلی آیت کے حکم کے منسوخ ہونے کا نہیں ہے صرف قیاساً یہ بات قرار دی جاتی ہے کہ پہلی آیت کے روزے رمضان کے روزوں سے علیحدہ تھے جن کی نسبت قرآن میں بیان ہے کہ وہ کے تھے اور کون سے تھے اور اس قیاس کے قرار دینے کے بعد کہا جاتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جس میں کچھ بھی اشارہ منسوخ کرنے کا نہیں ہے۔ حدیث پر جو استدلال کیا گیا ہے اول تو اس کی صحت میں کلام پھر اسباب میں کلام ہے کہ حدیث اور خصوصاً خبر احاد سے قرآن کا حکم منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ یا قیاساً یہ بات قرار دی جاتی ہے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ وہی رمضان کے روزے ہیں جن کا پچھلی آیت میں ذکر ہے اور پھر بغیر کسی اشارہ کے کہا جاتا ہے کہ جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا وہ پچھلی آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اگر قرآن میں اس طرح پر ناسخ و منسوخ کو تسلیم کیا جاوے تو اس کے احکام کا منسوخ ہونا اور قائم رہنا صرف لوگوں کے قیاس پر منحصر رہ جاتا ہے جو کسی طرح تسلیم کے لائق نہیں

فدیہ دینے کی آیت میں جو حکم ہے وہ منسوخ نہیں ہوا۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون"۔ اس آیت میں جو لفظ "یطیقون" کا ہے اس کی اور بھی قرأتیں ہیں مثلاً "یطوقونہ" یے کے پیش اور واؤ کے تشدید سے، یا یے کے زبر اور طوے اور واؤ دونوں کی تشدید سے جس کے معنی کسی کام کے تکلیف اٹھا کر ہونے کے ہیں، مگر جو مشہور قرأت ہے ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فدیہ کا حکم بھی مسافر اور مریض سے علاقہ رکھتا ہے کیونکہ بعض مریض اور مسافر ایسے ہوتے ہیں جو مطلق روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پچھلی قسم کے مسافر اور بیمار کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں اور دوسری قسم کے مسافر اور بیمار کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں مگر یہ معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ "علی الذین" سے بالتخصیص بیمار اور مسافر مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور جو روایت اول قسم کے بیمار اور مسافر کی ہونی چاہیے تھی وہ دوسری قسم کے بیمار اور مسافر

کی ہونی چاہئے تھی وہ دوسری قسم کے بیمار اور مسافر کی ہوتی ہے۔

بعض علماء کا یہ قول ہے (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۶۵۰) کہ "یطیقونہ" کے معنی بھی مشکل اور تکلیف سے کسی کام کے انجام ہونے کے ہیں۔ دو لفظ ہیں ایک "وسع" اور ایک "طاقت"۔ "وسع" اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو[1] اور وہ شاذ قرائتیں جن کا اُوپر ذکر کیا ہے اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں پس "یطیقونہ" کے معنی "یستصعبونہ" کے ہوں کے جو لوگ کہ روزہ رکھنے کی نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر طاقت رکھتے ہیں اُن کو اجازت ہے کہ روزہ رکھنے کے بدلے فدیہ دیدیں۔ بس یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور اپنے حکم پر بحال ہے بعض علمائے مفسرین نے بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں مندرج ہے اس بات کو تسلیم کیا ہے مگر یہ بحث پیش کی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں جو بہت بڈھے ہو گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس اپنے مرنے سے پہلے روزہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کو روزہ رکھنے میں سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ بڈھے آدمی کی کیوں قید لگائی ہے قرآن مجید میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے "الذین" سے صرف بڈھا ہی آدمی مخصوص کیا جائے۔ تمام انسان بڈھے ہوں یا جوان اُن کی حالت باعتبار خلقت اور موسم اور ملک کے مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے جوان آدمی بلحاظ اپنی خلقت کے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو روزہ میں بے انتہا تکلیف اور شقت ہوتے ہے۔ اور بعضے بڈھے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو روزہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ پھر موسم کے اختلاف کے سبب سے بہت اختلاف پڑ جاتا ہے۔ وہی لوگ جو ایک موسم میں نہایت آسانی سے روزہ رکھ سکتے ہیں دوسرے موسم میں روزہ رکھنے میں نہایت سختی اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ایک ملک کے لوگ جبکہ دن ایک معتدل مقدار کا ہوتا ہے آسانی سے روزہ رکھیں گے اور وہی لوگ جبکہ دن بڑا ہوتا ہے نہایت تکلیف اور سختی روزہ رکھنے میں اٹھائیں گے۔ بلکہ بعض ملکوں میں کبھی دن اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ انسان کی طاقت سے روزہ رکھنا خارج ہوتا ہے جیسے کہ عرض تسعین میں جہاں چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور عرض حسین میں جہاں بعض موسموں میں غروب و طلوع میں اس قدر فاصلہ ہوتا ہے جس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ رات ہوتی ہی نہیں۔ بس عدم انتفاء

[1] "وسع" طاقت، اس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو

نے اِن تمام حالات کے لحاظ سے جو اس کے علم میں تھے نہایت عمدہ ترتیب سے جو فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے یہ حکم دیا ہے کہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" پھر اس کو شخص دون شخص سے مقید کرنا ایک غلطی اور زیادتی علی الکتاب ہے۔

پہلی آیتوں میں جہاں بیمار اور مسافر اور اُن لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کر سکتے ہیں حکم ہے اُن آیتوں کا علانیہ یہ منشا تھا کہ مریض اور مسافر کو روزے کا نہ رکھنا بہتر ہے۔ مگر اُن لوگوں کی نسبت جو بدشواری روزہ رکھ سکتے تھے یہ منشا تھا کہ اُن کو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ جیسا کہ اُن لفظوں سے کہ "وان تصوموا خیر لکم" پایا جاتا ہے۔ اسی منشا سے پہلی آیتوں میں جن میں روزوں کو رمضان کے ساتھ مخصوص کیا ہے مریض اور مسافر کا مکرر ذکر کیا۔ اور اُن لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کر سکتے تھے ذکر چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ اُن کے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر تھا ان تمام بحثوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان کے روزے ہیں اور کوئی حکم اور کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور تمام آیتوں پر لحاظ کرنے کے بعد روزوں کی نسبت مفصلہ ذیل حکم پائے جاتے ہیں۔

(۱) روزے رمضان کے ہر مسلمان پر لکھے گئے ہیں جسکو شرعی اصطلاح میں فرض کہتے ہیں۔

(۲) روزوں کے رکھنے سے یہ فرض ادا ہوتا ہے۔

(۳) اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُس کو روزہ رکھنا نہیں چاہئے اور اور دنوں میں جبکہ وہ تندرست ہو جائے اور سفر ختم ہو جاوے تو اُسکو بدلے روزے رکھدے۔

(۴) جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں زیادہ سختی اور تکلیف ہوتی ہے اور بشکل روزہ رکھ سکتے ہیں اُن کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیدیں۔ مگر اُن کے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے۔

جو لوگ کہ روزہ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ وہ انسان کی تکلیف کا باعث ہے اور صحت جسمانی کو نہایت مضر ہے۔ اور بعض ملکوں میں اس کا ادا کرنا غیر ممکن ہے ان کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس ترتیب اور خوبی سے خدا نے روزوں کا حکم دیا ہے وہ نہ تکلیف کا باعث ہے اور نہ صحت جسمانی کو مضر ہے۔ اور نہ خلاف فطرت انسانی ہے اور نہ کسی ملک کے رہنے والوں کے خلاف واقعت ہے

فقط ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر بھی ناسخ و منسوخ نہیں ہے اس پر مفصل بحث ہم اپنے مقدمہ تفسیر الفرقان میں کر چکے ہیں یہاں صرف یہ بات بتانی ہے کہ اس آیت میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے اور صفحے کے صفحے اس پر سیاہ کر دئے ہیں مگر نفس قرآن مجید کو غور سے دیکھنے کے بعد تفسیروں کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ ان آیات میں متشابہات سے کام نہیں لیا گیا ہے صاف صاف لفظ ہیں اور انھیں ایک معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ تم بھی مثل امم سابقہ کے روزے رکھو مگر مرض میں اور سفر میں روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اگر تم میں قوت ہو تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دو باقی بہ نسبت امم سابقہ کے اور آسانیاں تمھیں دی گئی ہیں یعنی آفتاب غروب ہونے پر روزہ کھول لو اور صبح کی پو پھٹنے تک جو چیز چاہو کھا لو پس سوائے اس کے اور کوئی ذکر نہیں ہے۔ اب یہ بات کہ یہودی یا نصرانی یہ سمجھتے تھے کہ بدنی ریاضت سے یا نفس کشی سے خدا خوش ہوتا ہے اس لئے وہ فاقہ کشی کرتے تھے اور لمبے لمبے روزے رکھتے تھے ممکن ہے کہ یہودی یا نصرانی ایسا خیال کرتے ہوں اور یہ ان کی غلط فہمی ہو مگر خدا کا منشا تو یہ نہیں تھا کہ جو شخص بدنی ریاضت کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالے اس سے خوش ہو گا ہاں تو روزے کا حکم دینے سے مطلب صرف یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ انسان تکالیف کے برداشت کرنے کی قوت پیدا کرے اور خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے کی مشق ہو جائے اور وہ بھوکا اور پیاسا رہ کر بھوکوں اور پیاسوں پر رحم کھائے اور سمجھے کہ بھوک اور پیاس سے تکلیف ہوتی ہے عموماً لڑائیوں میں دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مصائب سہنے کے عادی نہیں ہیں نہ وہ زیادہ چل سکتے ہیں اور نہ پھر سکتے ہیں جب انھیں شہر سے بھاگنے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ بہت تھوڑی دور جا کے رہ جاتے ہیں اور اپنی جان دے دیتے ہیں مگر جو لوگ ہر قسم کے مصائب سہنے کے عادی ہیں وہ اپنی جان بچا کے خوف کے وقت کوسوں نکل جاتے ہیں۔ فوجیں بہ نسبت شہریوں کے کیوں زیادہ قوی ہیں محض اسی لئے کہ وہ تین تین دن تک بیسیوں میل کا سفر کرنے کے بعد بے آب و دانہ جنگ کرتے ہیں اور ان کو زیادہ تکان غالب نہیں ہوتی۔ بھلا کسی قوی سے قوی شہری کو تو بھوکا پیاسا آٹھ میل دوڑا لیجئے اسی وقت گھٹنے ٹیک دے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ بدنی یا روحانی ریاضت ایک عجب چیز ہے اور اس سے کسی قسم کا نقصان متصور نہیں ہو

مسلمانوں کا مذہب تو ایسا اچھا مذہب ہے کہ اس میں ان انسانی ریاضتوں کی اجازت نہیں دی جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتیں مثلاً بھاڑ کی بھٹی میں بیٹھ جانا اور فاقہ کشی کرنے لگنا یا اپنا کوئی عضو خدا کی راہ میں خشک یا بیکار کر دینا یا خواہ مخواہ چلہ کشی کرنا یا کئی کئی مہینے تک جو کا پھیکا دلیا پھیکے وظیفے پڑھنا ان میں سے ایک بات کا بھی حکم اسلام نہیں دیتا۔ قرآن مجید نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جس انسان کی جو طاقت ہوگی اسی قدر اُسے تکلیف دی جائے گی یا اس پر بوجھ رکھا جائیگا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسے کام کسی انسان کو نہیں بتائے جائیں گے جو وہ آسانی سے نہ کر سکتا ہو یا ان کے کرنے سے اس کی جسمانی حالت میں تبدیلی واقع ہو جائے اس حکم سے اسلام کی آسانی پورے طور پر معلوم ہو سکتی ہے۔ اسلام انتہا درجہ کا سہل اور آسان مذہب ہے اس کے احکام بے انتہا نرم اور بے تکلف ہیں اگرچہ بد قسمتی سے موجودہ زمانہ کے مسلمان علمائے اسلام اور اس کے اصول کو لوگوں کے آگے ہوّا بنا کے پیش کر رکھا ہے یہ اُن کی اپنی رائے کی غلطی ہے اس غلطی سے اسلام کی نرمی اور سادگی میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ فقط رمضان کے ختم ہونے کے بعد ایک دن مقرر کیا گیا اور اس کا نام عید الفطر رکھا گیا رمضان کے ختم ہونے کے ایک دن یا دو دن کے بعد حضور انور نے مسلمانوں کو جمع کیا اور حکم دیا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے یکم شوال تم غربا کو خیرات تقسیم کرنے کے لئے جو کچھ تمہارے پاس ہو گھر سے لیکے نکلو چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور بچے۔ جوان۔ بڈھے۔ عورتیں کھجوریں جو غلہ جو کچھ اُن کے پاس ہوا وہ لیکے آئے یہ دیکھ کے حضور انور نے فرمایا کہ تمہاری یہ خیرات آج کے دن غربا کو لے نیاز کر دی گئی اور انھیں ادھر اُدھر بھیک مانگنے کے لئے جانے کی ضرورت نہیں رہنے کی جب لوگوں نے اپنی خیریں حضور انور کی خدمت میں پیش کر دیں تاکہ حضور غربا کو تقسیم کر دیں تو پھر سب لوگ حضور کے حکم کے پاس جمع ہوئے جو گھر کے راستہ میں شہر کے باہر ایک مقام تھا حضرت بلال ایک عصا جس پر لوہے کی ایک شام لگی ہوئی تھی اور جسے وہ صبح کے لاتے تھے آگے لیکے چلے اور اُس مقام پر جا کے انھوں نے اس عصا کو نصب کر دیا حضور انور نے عید کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد خطبہ پڑھا۔ خطبہ ختم ہونے کے بعد سب مسلمان اپنے گھر واپس چلے گئے اور حضور انور نے مجد میں آکے کل خیرات غریبوں میں تقسیم کر دی جس مقام پر عید کی نماز پڑھائی گئی یہ وہ ہے مقام جہاں مدینہ میں پہنچنے پر حضور انور نے سب سے پہلے نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں آپ اس مقام پر کبھی کبھی نماز پڑھ لیا کرتے تھے (کاتب الواقدی صفحہ

۴۸۔ طبری صفحہ ۲۴۴۲)

عید الاضحیٰ

عید الفطر کے بعد حضور انور نے عید الضحیٰ یعنی قربانی کے دن کی بنیاد ڈالی تاکہ مکہ کے حج کے دنوں میں جانوروں کی قربانی کیجائے مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ پہلے سال جب حضور انور مدینہ پہنچے ہیں اور دو ماہ کی سکونت اختیار کی ہے تو شرکین عرب کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں نے حج نہیں کیا تھا تو عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ قربانی کی یہ رسم بھی آنحضرت نے یہودیوں سے لی تاکہ باہمی دوستی بڑھے اور یہودی اسلام سے مانوس ہو جائیں یہ تقریب ذالحجہ کی دسویں تاریخ قرار پائی۔ عرفات سے واپس آنے کے بعد حضور انور اپنے نماز پڑھنے کے مقام پر پہنچے اس وقت آپ کی خدمت میں دو بکری پورے سینگ والے پیش کئے گئے آپ نے ایک بکرے کو چھری لیکے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور چھری اس کی گردن پر رکھی تو یہ فرمایا "اے میرے خالق میں اپنی تمام امت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے تیری توحید اور میری نبوت کی شہادت دی ہے اس بکری کے بچہ کو ذبح کرتا ہوں جب آپ اسے ذبح کر چکے تو دوسرے بکری کے بچہ کو یہ الفاظ فرما کے ذبح کیا کہ میں اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے اسے قربانی کرتا ہوں آخر بکرے کے گوشت کا کچھ حصہ آپ نے خود لے لیا اور کچھ اپنے خاندان میں تقسیم کر دیا اور جو کچھ بچا وہ مساکین کو دیدیا (کاتب الواقدی صفحہ ۴۸۔ طبری صفحہ ۲۴۴۲ اور ۲۴۴۳ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صرف ایک ہی بکرے کی قربانی کی مگر یہ روایت زیادہ صحیح ہے کہ آپ نے دو بکروں کی قربانی کی۔ سیکی مورخ لکھتے ہیں کہ یہودی بھی دو جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے ایک اپنے ذاتی گناہوں کے کفارہ کے لئے اور ایک اپنے معتقدوں کے گناہوں کے کفارہ کے لئے۔ ان کا بیان ہے کہ بعینہٖ آنحضرت نے بھی قربانی میں ان کی تقلید کی حالانکہ یہ اعتراض بالکل بیجا اور لچر ہے کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کی قربانی کی نوعیت میں بہت بڑا فرق ہے جس کی مختصر بحث ہم ذیل میں کرتے ہیں۔

قربانی کی رسم دنیا کی ہر قوم میں پائی جاتی ہے توریت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آغاز دنیا سے یہ رسم جاری ہے ہر قوم میں اس کا نیا نیا انداز ہے اور نئی نئی صورت ہے یہودی اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کیا کرتے تھے اور پھر وہ اسے آگ میں جلا دیتے تھے گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کرنے کا خاص

اس قدر تڑاکہ عام طور پر لوگوں کو یہ یقین ہونے لگا کہ آسمان سے ایک بے پروہی میں کی آگ اترتی ہے اور مقبول قربانی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ نصرانیوں کو چونکہ یہودیوں سے سخت دشمنی تھی انہوں نے اس قدیم رسم کو مٹا دیا اور حضرت عیسےٰ کے صلیب پانے پر قربانی کو ترک کر دیا اگرچہ یہ خیال کہ ایک جان کے مارنے سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے نصرانی اپنے دل سے دور نہ کر سکے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ہمارے گناہوں کے کفارہ میں حضرت عیسےٰ نے صلیب پر جان دیدی اسی طرح یہودی یہ سمجھتے تھے کہ خواہ ہم کیسا ہی گناہ کریں ایک بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ حضرت عیسےٰ کا صلیب پانا ہمارے گناہ کے کفارہ کا باعث ہو گیا مگر اسلام نے طرفین کی اس غلطی کو آشکارا کر دیا اور قرآن مجید نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ کسی کا گوشت اور خون خدا کو نہیں پہنچتا عیسائی اب تک سخت دھوکے میں ہیں جسے وہ قربانی کہتے ہیں اور جو طرز انہوں نے یہودیوں سے اڑائی تھی حضرت مسیح پر اس قربانی کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت عیسےٰ ان کے خیال کے موجب صلیب پر جان دیکے پھر زندہ ہو گئے تھے اور قربانی کا یہ دستور ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ ہو جب زندہ ہو گئی تو پھر وہ قربانی کہاں رہی یہودی تو اپنے گناہوں پر ایک بے زبان جانور کو مار کے قربان کر دیتے تھے مگر عیسائیوں نے اپنے خداوند کے صلیب پانے سے فائدہ اٹھا کے قیامت تک اپنے گناہوں سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ یہ وحشیانہ خیالات افریقہ کے بادیہ گردوں کے مدت دراز تک رہے ایک شائستہ اور تعلیم یافتہ آدمی خیال کر سکتا ہے کہ ایک نوجوان شخص مظلومانہ اور بے بسانہ حالت میں جبراً قتل کر ڈالا گیا اور اس کے معتقد بجائے رنج اور افسوس کرنے کے اس کی اس دردانگیز موت سے فائدہ اٹھانا چاہیں یہ کیسا مضحکہ خیز عقیدہ ہے اس زمانہ کے متمدن یورپ نے ان خیالات کو سخت حقارت سے دیکھا ہے گو چند یاوری اور دیسی کرسٹان اب تک اسی لکیر کے فقیر بنے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کی بے بسانہ موت ہماری نجات کا باعث ہو گئی۔

اسلام کو ایسی مزخرفات سے کوئی تعلق نہیں ہے اسلام نے ایک جانور کا گوشت کھانا قرار دیا ہے مگر چونکہ وہ جان خالق ارض و سما سے تعلق رکھتی ہے اس لئے یہ حکم دیا کہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہہ لیا کرو تاکہ وہ باطل عقاید جو یہودیوں۔ نصرانیوں اور مشرکوں کے ہیں مٹ جائیں۔ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نسبت تینوں قوموں کے عقائد نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ یہودیوں

اور نصرانیوں کی قربانی کی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی اب صرف مشرکوں کی قربانی کیا تھی دیکھنی چاہئے کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے پتھر کے بتوں۔ تصویروں۔ درختوں اور فرضی شیطانوں پر جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ یہ بت اور درخت اور شیطان اس جانور کا خون پیکے خوش ہو جائیں گے اور ہم پر نظر عنایت رکھیں گے اخلاق کی یہ گمراہی مشرکوں میں بھی مثل نصرانیوں اور یہودیوں کے آگئی تھی اگرچہ تینوں گروہوں کے اصول قربانی علحدہ علحدہ تھے مگر نتیجہ سب سے ایک ہی نکلتا تھا اسلام جیساکہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ایسی بیہودہ باتوں سے پاک تھا اسلام نے جس طرح قربانی کا حکم دیا ہے اس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام نے ایک سادی قربانی کا حکم دیکے کس طرح ناپاک خیالات کی بنیاد کو ڈھایا ہے۔ سورۂ کوثر میں خداوند تعالیٰ نے قربانی کرنیکا حکم فرمایا ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے۔ انا اعطینک الکوثر فصل لربک وانحر[1] ان شانئک ھو الابتر اس چھوٹی سی سورۃ میں قربانی کے لئے ایک لفظ آیا ہے اور اس سے پہلے نماز کا حکم دیا گیا ہے یعنی قربانی سے نماز کو مقدم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے تو اُسی کے نام پر ذبح کیا جائے جس کی نماز پڑھی جاتی ہے اور باقی وہ جانور جو دوسری طرح سے ذبح کئے جاتے ہیں مسلمانوں کے لئے جایز نہیں ہیں بس سوائے اس کے قربانی کے متعلق اور کچھ بیان نہیں کیا گیا کہ آیا یہ گناہوں کا کفارہ ہے یا خدا کو خوش کرنے کے لئے کی جاتی ہے چونکہ انسان بالطبع گوشت خوار بنایا گیا ہے اور اسے بغیر گوشت خوری کے چارہ نہیں ہے اور اس نے ابتدا سے محض گوشت کھانے کے بہانہ سے صدہا قسم کی مضر خیالات پیدا کر رکھے تھے اور سب سے زیادہ اس نے ایک جانور کے خون کو اپنے گناہوں کی دور کرنے کے لئے ذریعہ بنا رکھا تھا اس لئے نہایت سادہ طور پر یہ فرمایا گیا ہے۔

بعض روایتوں اور حدیثوں میں اگرچہ اسے بہت ہی طول دیا گیا ہے اور مفسروں نے اس قربانی کو بہت رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے مگر دراصل قرآن مجید سے وہ رنگ آمیزی ظاہر نہیں ہوتی ملاحظہ فرمائے کہ ایک لفظ "انحر" آیا ہے جس کے معنی قربانی کرنے کے ہیں اس کی تفسیر جس طرح میں کیگئی ہے البدن التی ھی خیار اموال العرب قال محمد بن کعب ان ناسا کانوا یصلون لغیر اللہ ویحرون لغیر اللہ فامر اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یکون صلاتہ ونحرہ للہ وقال قتادۃ وعطاء

[1] ترجمہ۔ (داؤد): بیشک ہم نے تم کو کوثر عنایت کیا ہے پس تم اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک تمہارا دشمن دم بریدہ ہے ۱۲

وعکرمۃ المراد صلوٰۃ العید ونحر الاضحیۃ وقال سعید بن جبیر صل لربک صلوٰۃ الصبح المفروضۃ بجمع وانحر البدن فی منیٰ وقیل النحر وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ حذاء النحر قال محمد بن کعب وقیل ھو ان یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ عند التکبیرۃ الی حذاء نحرہ وقیل ھو ان یستقبل القبلۃ بنحرہ قال الفراء والکلبی وابو الاحوص قال الفراء سمعت بعض العرب یقول تناحرنی ای تقابل نحر ھذا الی نحر ھذا ای قبالتہ وقال ابن الاعرابی ھو انتصاب الرجل فی الصلوٰۃ بازاء المحراب من قولھم منازلھم تتناحر ای تتقابل وروی عطاء انہ قال امرہ ان یستوی بین سجدتین جالسا حتی یبدو نحرہ وقال سلیمان التیمی المعنی وارفع یدیک بالدعاء الی نحرک ظاھر الآیۃ الامر لہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بمطلق الصلوٰۃ ومطلق النحر وان یجعلھما للہ عزوجل لا لغیرہ وما ورد فی المسلسلۃ من بیان ھذا المطلق بنوع خاص فھو فی حکم المقید لہ عن علی ابن ابی طالب قال لما نزلت ھذہ السورۃ علی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال لجبرئیل ما ھذہ النحیرۃ التی امرنی بھا ربی فقال انہا لیست نحیرۃ ولکن یامرک اذا تحرمت للصلوٰۃ ان ترفع یدیک الی کبرت واذا رکعت واذا رفعت راسک من الرکوع فانھا صلاتنا وصلاۃ الملائکۃ الذین ھم فی السموات السبع وان لکل شیٔ زینۃ وزینۃ الصلوٰۃ رفع الیدین عند کل تکبیرۃ قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم رفع الیدین من الاستکانۃ التی قال اللہ فما استکانوا لربھم وما یتضرعون اخرجہ ابن ابی حاتم والحاکم وابن مردویہ والبیھقی فی سننہ وھو من طریق مقاتل بن حیان عن الاصبغ بن نباتۃ عن علی وعن ابن عباس فی الآیۃ قال ان اللہ اوحی الی رسولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان ارفع یدیک حذاء نحرک اذا کبرت الصلوٰۃ فذلک النحر وعن علی فی الآیۃ قال وضع یدہ الیمنی علی وسط ساعدہ الیسری ثم وضعھما علی صدرہ فی الصلوٰۃ وعن انس عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مثلہ اخرجہ ابو الشیخ والبیھقی فی سننہ وعن ابن عباس ایضا اذا صلیت فرفعت راسک من الرکوع فاستو قائما وعنہ قال ھو الذبح یوم الاضحیٰ یقول اذبح یوم النحر۔

ترجمہ۔ وانحر اور اونٹ کی قربانی کر کیونکہ عمدہ مال عرب کا یہی اونٹ ہے۔ محمد بن کعب نے کہا کہ لوگ غیر اللہ کی نماز پڑھتے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو حکم

دیا کہ تمہاری نماز اور قربانی خالص اللہ ہی کے لئے ہونی چاہئے قتادہ اور عطا اور عکرمہ نے کہا اس سے عید کی نماز اور قربانی ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھنا۔ اور نحر میں قربانی کرنا مراد ہے۔ ایک قول محمد بن کعب کا یہ بھی ہے کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے بعض نے (اس سے رفع یدین یعنی) نماز میں وقت تکبیر دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھانا مراد لیا ہے۔ اور فراء۔ کلبی۔ ابو الاحوص نحر کے معنی استقبال قبلہ کے لیتے ہیں۔ دلیل فراء کی یہ ہے کہ عرب جب وقت ایک دوسرے کے مقابل آمنے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو مناحر کہتے ہیں۔ ابن الاعرابی نے کہا جواب کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا نام نحر ہے۔ عرب کے مکانات جب ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں تو وہ منازلہم متناحر کہا کرتے ہیں۔ عطاء سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ آپ کا سینہ دکھائی دینے لگے۔ سلیمان یمی یہ معنی کرتے ہیں کہ دعا میں اپنے دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھاؤ۔ ظاہر اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے کہ خالصاً لوجہ اللہ آپ نماز پڑھا کریں اور احادیث میں اس مطلق کو جو بعض خاص صورتوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تو وہ حکم میں مقید کے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ کوثر نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا یہ نحر جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیتا ہے کیا چیز ہے حضرت جبریل نے فرمایا آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ نماز کو کھڑے ہوں تو وقت تکبیر تحریمہ اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کریں کیونکہ ہم اور وہ تمام فرشتے جو ساتوں آسمانوں پر رہتے ہیں اسیطرح نماز پڑھتے ہیں اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے نماز کی زینت رفع یدین ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رفع یدین عاجزی کی علامت ہے (اور عاجزی نہ کرنے کی مذمت) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فما استکانوا لربہم وما یتضرعون یعنی نہ تو انہوں نے عاجزی کی اور نہ زاری کی۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم۔ حاکم۔ ابن مردویہ نے اور بیہقی نے اپنی کتاب سنن میں نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت میں نحر کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی کہ جب آپ نماز کے لئے تکبیر کہیں تو دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں کلائی پر رکھ کے ان دونوں کو سینہ پر رکھ لے اور حضرت انس بھی نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں یہ حدیث ابوالشیخ اور بیہقی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے۔ ایک روایت ابن عباس سے یہ ہے کہ جب تو نماز پڑھے اور رکوع سے سر اٹھائے تو سیدھا کھڑا ہو جا۔ اور ایک روایت میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ نحر کے معنی ہیں ذبح کرنا قربانی کے دن اللہ تعالےٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ دن قربانی کے تم ذبح کرو۔ (ترجمہ تمام ہوا)

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قربانی کا کوئی حکم خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید میں نہیں دیا گیا ہے۔ اگر یہ واانحر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ضعیف ہیں اور اکثر رائے بھی اس طرف نہیں ہے تو بھی قربانی کا حکم ایک سادگی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور اس کا رنگ یہود و نصاریٰ کی قربانی سے بالکل مخالف ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات کا دارمدار بالکل جانور یا انسان کے گلا کٹنے پر ہے جو انتہا درجہ قابل نفرت اور سفاکی خیال ہے۔ ایک یہودی یہ سمجھتا ہے کہ میں تمام عمر گناہ کرتا رہوں گا اور جب گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنا یا اپنے اوپر سے ٹالنا چاہوں گا تو فوراً ایک بیٹر کو لے کے آگ میں ڈال دوں گا۔ نصرانی کا خیال ہے کہ یسوع ناصری کو جو نہایت بے بسانہ حالت میں زبردستی یہودیوں نے صلیب دیدیا بس کل خداوند خدا پکارنے والوں کی نجات ہوگئی۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ ہے مذہب اور یہ ہیں اس کے اصول تمام مسیحی عالم کے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

اذان

ابتدا میں موجودہ اذان کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تھی۔ نمازوں کے وقت معمولی طور پر پکار دیا جاتا تھا کہ وقت ہوگیا مسلمان نمازیں شریک ہو جائیں۔ مگر بعد ازاں یہودیوں کی قرنا نمازیوں کے بلانے کے لئے استعمال ہوئی۔ بعض کی رائے تھی کہ جس طرح نصاریٰ گھنٹی بجا کے بلاتے ہیں اسی طرح مسلمان گھنٹی کی آواز پر بلائے جائیں۔ مگر حضور انور نے آخر کار دونوں چیزیں ناپسند فرمائیں اور آسمانی حکم کے بموجب اذان جاری کیگئی۔

ہشامی نے اپنی کتاب صفحہ ۱۸۰ میں اذان کے متعلق حسب ذیل لکھا ہے "کہ اول تو یہودیوں کی قرنا کا حکم دیا گیا جو غالباً یہودیوں کے ابتدائی تعلقات کی وجہ سے دیا گیا تھا مگر پھر یہ قرنا ناپسند ہوئی اور لکڑی کا ایک گھنٹہ بنایا گیا یہ بھی چند روز کے بعد موقوف ہوگیا۔ جب عبداللہ نے خواب میں دیکھا کہ اذان کے لئے ہدایت کی گئی ہے چنانچہ پھر اذان جاری ہوگئی۔ عبداللہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھنٹی لئے جا رہا ہے اور

عبداللہ نے اس سے گھنٹی خریدنی چاہی تاکہ نمازیوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کے کام آئے۔ اس شخص نے عبداللہ سے کہا کہ تو گھنٹی کیوں خریدتا ہے میں تجھے نمازیوں کے جمع کرنے کا ایک اس سے بھی بہتر طریقہ بتاتا ہوں دیکھ وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں بآواز بلند یہ پکارے اللہ اکبر اللہ اکبر الخ۔

اس کے سنتے کے بعد عبداللہ (جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے) جاگ اٹھے اور سیدھے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضور انور نے خواب کو بہت توجہ اور شوق سے سنا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ آسمانی حکم ہے لہذا آپ نے اپنے حبشی غلام (حضرت) بلال کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے علاوہ ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کے اذان دیں۔ ہشامی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۰ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلی یہ اذان ایک عورت کے مکان کی چھت پر دی گئی یہ عورت قبیلہ بنی نضیر سے تعلق رکھتی تھی۔ برٹن نے اس کے خلاف لکھا ہے مگر نہ کسی راوی کا نام درج کیا اور نہ اپنی تائید میں کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ برٹن کا بیان ہے کہ سب سے پہلی اذان مسجد کی چھت پر دی گئی تھی۔ اوّل ہی اوّل جب بلال اذان دینے کھڑے ہوئے ہیں تو ابھی اندھیرا ہی تھا اور اسی لئے صبح کی پو پھٹنے کا انتظار کرنے لگے اور جب پو پھٹی تو اذان دینی شروع کی بس میں یہ الفاظ اور بڑھا دئے "الصلاۃ خیر من النوم" الصلاۃ خیر من النوم "یعنی نماز سونے سے بہتر ہے۔ یہ جملے صرف صبح کی اذانیں دوہرائے جاتے ہیں باقی چاروں وقت کی اذانوں میں نہیں استعمال ہوتے یہی طریقہ رائج ہے اور اسی طرح اذان دی جاتی ہے۔

اذان کی فلاسفی کے متعلق زیادہ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ کچھ عجیب حکمت پر مبنی ہے اگر نصاریٰ کی گھنٹی کا رواج اسلام میں ہوتا تو آج سخت پریشانی مساجد میں پیدا ہو جاتی۔ کیونکہ ہر محلہ میں تو قریب کئی کئی مساجد ہیں۔ جب سب کی گھنٹیاں ایکساں بجتیں تو شور قیامت محلہ میں برپا ہو جاتا اسی طرح اگر قرنا یا ڈھول کا استعمال ہوتا تو بھی محلہ والوں کی پریشانی کا باعث تھا اس لئے ہم عبداللہ فرزجی کے خواب بلکہ الہام کے قربان جس سے یہ معتدل طریقہ نمازیوں کے جمع کرنے کا ایجاد ہوا۔ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ ناقوس بجانا یا گھنٹی بجانا اگر ضرورت پڑے تو اب بھی ناجائز نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں طریقے پہلے رائج تھے اور حضور انور نے اگرچہ نئے طریقہ کو جاری کر دیا لیکن پہلوں کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔ یہ بات اور بھی دیکھنے کی ہے کہ حضور انور نے ابتدائی طریقہ لوگوں کے جمع کرنے کا جاری رکھا تھا یعنی جب کوئی آسمانی حکم سنانے کے لئے لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا یا جہاد کے لئے مسلمانوں کو بلانا

ہوتا تھا تو اسی ابتدائی اعلان سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ ساری باتیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام کیسا سادہ۔ نرم اور آزاد مذہب ہے جس میں حسب ضرورت وہ باتیں جائز ہیں جن سے انسان کو سہولتیں ہوں اور وہ آرام اپنے مذہبی فرائض پورے کرلے۔

منبر

مسجد میں جہاں حضور انور خطبہ پڑھنے کھڑے ہوتے تھے کھجور کے درخت کی ایک سیدھی لکڑی نصب کر دی گئی تھی اور آپ خطبہ پڑھتے وقت اُسے پکڑ لیا کرتے تھے جب قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو یہ لکڑی عصا مسجد کو شمالی کونے سے اکھیڑ کے جنوبی دیوار کے پاس نصب کر دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے کوئی منبر نہ تھا اور آپ کو جمعہ کے دن چونکہ طولانی خطبہ پڑھنا ہوتا تھا اس لئے اکیسان کھڑا رہنا پڑتا تھا اور بعض اوقات آپ تھک جاتے تھے۔ اس کے متعلق آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے ایک صحابی نے کہا اگر حضور انور حکم دیں تو میں ایک ایسا منبر حضور کے لئے تیار کرا دوں جو میں شام میں دیکھ آیا ہوں حضور انور نے منظور کر لیا اور آپ کے لئے ایک منبر تیار کرا لیا گیا اور اس کی تین سیڑھیاں رکھیں۔[1] ابھی تک یہی دستور چلا جاتا ہے۔ جمعہ کے روز امام جب خطبہ پڑھتا ہے تو چند سکنڈ خطبہ کا ایک حصہ ختم کر کے دم لے لیتا ہے اور پھر پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے حضور انور جمعہ کے روز منبر پر بیٹھے۔ آپ نے اپنا مبارک مونہ کعبہ کی طرف کر کے زور سے تکبیر کہی یعنی اللہ اکبر کا زور سے نعرہ مارا اور پھر کل مقتدیوں نے اسی پرجوش لہجہ میں اللہ اکبر کی صداؤں سے کرہ باد کو گونجا دیا۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز[2] جمعہ ادا کیں اور سلام پھیرنے کے بعد مسلمانوں

---

[1] ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ منبر مدینہ کے ایک بڑھئی نے بنایا تھا جو سارے یثرب میں بڑا کاریگر مشہور تھا دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے چچا حضرت عباس نے اپنے غلام سے جو بڑھئی کا کام کرتا تھا یہ منبر بنوا دیا تھا مگر یہ آخری روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عباس حضور انور کی وفات سے صرف دو مہینے پہلے مدینہ میں آئے تھے منبر بننے کے وقت جب وہ مدینہ میں تھے ہی نہیں پھر بھلا اپنے غلام سے منبر کیوں کر بنواتے۔

[2] جب نماز کی وضو سے اور بدن اور مکان اور کپڑے کی نجاست کے پاک کرنے سے فارغ ہو اور ستر پوشی کا لحاظ سے لیکر اچھی طرح ٹھیک کر چکے تو چاہئے کہ قبلہ رخ دونوں پاؤں پر کچھ فاصلہ دے کر کھڑا ہو دونوں پاؤں کو ملائے نہ علاوے اس طرح کھڑا ہونا آدمی کی تضاد پر دلالت کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تضاد

کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ اسی طریقہ سے ایدہ کا بچہ پڑھتے رہنا اس وقت آپ کا لباس یہ ہو ما حاسر برسر پہنچے

صفن سے منع فرمایا صفد تو اس کو کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں ایک ساتھ جوڑے جنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتقربھم ذی الاصفاد۔ اور صفن یہ ہے کہ ایک پاؤں پر زور دیکر دوسرے کو ٹیڑھا کرلے جیسے کہ اس آیت میں ہے۔ الصافنات الجیاد۔ یہ صورت تو دونوں پاؤں میں قیام کے وقت قابل لحاظ ہے اور دونوں رانوں اور کمر میں یہ لحاظ چاہیے کہ سیدھے قائم رہیں اور سر کو چاہیے سیدھا رہنے دے خواہ گردن جھکالے اور گردن جھکانا فروتنی کے قریب تر ہے اور نظر کو نیچا رکھنا ہے اور چاہیے کہ نظر جانماز پر رہے جس پر نماز پڑھتا ہے اور اگر جانماز نہ ہو دیوار کے قریب کمر ہو یا اپنے اطراف میں یکر کھینچ لے کہ نگاہ کی مسافت اس سے بھی کم ہو جاتی ہے اور فکر کو پراگندہ نہیں ہونے دیتی اگر جانماز کے کناروں یا کلیر کی حدود سے نگاہ باہر نکلے تو اس کو روکنا چاہیے اور اس قیام کو اسی طرح رکوع تک رکھنا چاہیے کسی طرف دھیان نہ ہو یہ قاعدہ قیام کا ہے جب قیام قبلہ رخ سیدھا کرلے اور ہاتھ پاؤں بھی سب برابر ہوں اعوذ قل اعوذ برب الناس شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے پڑھے پھر تکبیر کہے اور اگر کسی مقتدی کے آجانے کی توقع ہو تو اول اذان کہدے پھر نیت کو حاضر کرے یعنی شتاظہر میں دل کے اندر نیت کرے اور کہے کہ میں ظہر کے فرض اللہ کے لئے ادا کرتا ہوں اس میں ادا کے لفظ سے تو قضا سے تمیز ہو جاوے گی اور فرض کے کہنے سے نفل سے علحدگی ہوگی اور ظہر کہنے سے عصر وغیرہ سے فرق ہو جائے گا اور چاہیئے کہ ان الفاظ کے معانی دل میں موجود ہوں کہ نیت اسی کو کہتے ہیں الفاظ تو صرف یاد دلانے والے اور ان کے دل میں موجود ہونے کے اسباب ہیں اور یہ کوشش کرے کہ یہ نیت تکبیر کے آخر تک قائم رہے کہ غائب نہ ہونے پاوے جب دل میں یہ بات موجود ہو جاوے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں شانوں تک اٹھائے اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں مقابل دونوں شانوں کے ہوں اور دونوں انگوٹھے مقابل کانوں کی لو کے اور انگلیوں کے سر مقابل دونوں کانوں کے ہوں تاکہ اس باب میں جتنی احادیث وارد ہیں سب کا جامع ہو اور دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے اور انگلیوں کو کھلا رکھے یعنی نہ بند کرے نہ پھیلانے میں تکلف کرے بلکہ ان کو ان کی طبیعت پر چھوڑ دے اس لئے کہ آثار میں ان کا پھیلانا اور ملا رکھنا منقول ہے اور یہ صورت دونوں کے درمیان ہے اس جہت سے بھی اولیٰ ہے اور جبکہ ہاتھ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاویں تب نیت کا دل میں حاضر کرنا اور اللہ اکبر کہنا اور ہاتھوں کو جھکانا شروع کرے اور اللہ اکبر کہہ کر کے دونوں کو ناف کے اوپر اور چھاتی کے نیچے باندھے اس طرح کہ داہنا ہاتھ اوپر ہو اور بایاں نیچے تاکہ داہنے کو فضیلت ہو کہ بائیں کے اوپر رہے اور داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی بائیں ہاتھ

تک برودہ (یعنی کپڑے کی ہوتی تھی) اس کے آنچل آپ کے دونوں کندھوں پر پڑے رہتے تھے اور ہتھیلیاں
کے ساعد پر پھیلا دے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں کے پہونچے کو پکڑلے اور اللہ اکبر کہنا دونوں ہاتھ اٹھانے
کے ساتھ ہی آیا ہے جس وقت کہ وہ اُٹھ کر ٹھیر جاویں اس وقت بھی آیا ہے اور اُن کو باندھنے کے لئے جھکانے
کے ساتھ بھی وارد ہے اور ان کل صورتوں میں کچھ حرج نہیں لیکن جھکاتے وقت میں اللہ اکبر کہنا میرے نزدیک
لائق تر ہے اس لئے کہ یہ کلمہ عقد کا ہے اور ایک ہاتھ کا دوسرے پر رکھنا اس عقد کی صورت ہے اور یہ صورت
ہاتھوں کو جھکانے سے شروع ہوتی ہے اور اُن کے باندھنے تک پوری ہوتی ہے اور شروع اللہ اکبر کا اتفاق
ہے اور تمامی رہے تو مناسب یہ ہے کہ فعل اور عقد میں مطابقت کا لحاظ کیا جاوے باقی رہا ہاتھوں کا اٹھانا وہ
اس شروع کا مقدمہ ہے اس سے اس قدر مناسبت نہیں جتنی جھکانے کی صورت سے ہے۔ پھر اللہ اکبر
کہنے میں اپنے ہاتھ بہت آگے نہ بڑھاوے اور نہ شانوں کے پیچھے اُن کو لے جاوے اور نہ داہنے بائیں کو جھکے جھکے
اشارہ کرے بلکہ اُن کو آہستہ اور نرمی سے نیچے لٹکا دے پھر نئے سرے سے داہنا ہاتھ بائیں پر ہاتھ کو لٹکانے کے
بعد رکھ لے اور بعض روایتوں میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہنے کے بعد اپنے ہاتھ لٹکا
دیتے تھے اور جب قرارت کا ارادہ کرتے تھے تو داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیتے تھے تو یہ حدیث اگر صحیح ہو تو جو ہم
نے ذکر کیا ہے اس سے یہ بہتر ہے اور چاہئے کہ اللہ اکبر کی ہ کو تھوڑا سا پیش دے ایسا نہ کرے کہ ہ کے بعد
واؤ سی معلوم ہو پیش کو بہت بڑھانے سے واؤ پیدا ہو جاتی ہے اور اکبر کی ب کے بعد الف نہ لے کہ کہیں
کہنا پایا جاوے اور اکبر کی ر کو جزم کرے اس پر پیش نہ پڑھے یہ صورت اللہ اکبر کہنے اور اس کے ساتھ کے
اعمال کی ہے قرأت پھر شروع کی دعا پڑھے اور بہتر ہے کہ اللہ اکبر کے بعد یوں ملا کر پڑھے اللہ اکبر کبیرا والحمد
للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا
من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا
من المسلمین اس کے بعد کہے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا
الہ غیرک تاکہ جتنے متفرق امور اخبار میں وارد ہیں سب جمع ہو جاویں اور اگر امام کے پیچھے ہو اور امام اتنا
لمبا سکتہ نہ کرے کہ جس میں نماز کی الحمد پڑھ سکے تو اسی قدر دعا پر اکتفا کرے اور اگر اکیلا ہو یا امام کے پیچھے
مہلت پاوے تو بعد دعا کے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہکر سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع
کرے اور سب تشدیدوں اور حرفوں کو پورا پڑھے اور کوشش کرے کہ ضاد وظا میں ملنے نہ پاوے اور الحمد

عمامہ نفیس کپڑے کا زیادہ لمبا ہوتا تھا اور کرتہ میں ایک پٹکا پڑا رہتا تھا جو عموماً جمعہ یا عیدین کی نماز میں ڈالا

کے آخر میں آمین کچھ نہیں کہے اور آمین کو ولا الضالین میں نہ ملاوے اور نماز صبح اور مغرب اور عشا میں قراءت

پکار کے پڑھے بشرطیکہ مقتدی نہ ہو اور آمین پکار کر کہے پھر ایک سورت یا مقدار تین آیتوں کے خواہ زیادہ کے

پڑھے اور سورت کے آخر کو رکوع کے اللہ اکبر میں نہ ملاوے بلکہ دونوں میں فاصلہ مقدار سبحان اللہ کہنے کا رکھے

اور صبح کی نمازیں طوال مفصل پڑھے اور مغرب میں قصار مفصل اور ظہر اور عصر اور عشا میں واسمار ذات البروج

اور اس کے مثل اور سورتیں پڑھیں اور صبح کی نماز میں سفر کی حالت میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد

پڑھے اور فجر کی سنتوں اور دوگانہ طواف اور دوگانہ تحیت میں بھی یہی دونوں پڑھے اور قرأت کی انتہا تک

کھڑا رہے اور اسی طرح ہاتھ باندھے رہے جیسا کہ اوپر ہم نے بیان کیا ہے۔ رکوع اور اس کے لواحق پھر

رکوع کرے اور اس میں کئی باتوں کا خیال رکھے یعنی رکوع کے لئے اللہ اکبر کہے اور اس تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ

اٹھائے اور تکبیر کو اتنا بڑھاوے کہ رکوع میں پہنچنے تک تمام ہو اور اپنی ہتھیلیاں رکوع کے اندر دونوں زانوؤں پر رکھے

اور انگلیاں پھیلی ہوئی پنڈلی کے طول کی جانب قبلہ رخ ہوں اور اپنے گھٹنوں کو سیدھا رکھے اور ان کو تیر مانہ کرے اور

اپنی کمر کو برابر پھیلا دے اور گردن اور سر اور پیٹھ ایک سطح جیسے ہوں کہ نہ سر نیچا ہو نہ اونچا ہو اور اپنی کہنیوں کو دونوں

پہلو سے علیحدہ رکھے اور عورت اپنی کہنیاں پہلو سے ملی رکھے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور تین

بار سے زیادہ سات اور دس بار تک بہتر ہے بشرطیکہ امام نہ ہو پھر رکوع سے قیام کی طرف اٹھے اور دونوں ہاتھ

شانوں تک اٹھاوے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور سیدھا تن کھڑا ہو اور کہے ربنا لک الحمد ملاء السموات

وملاء الارض وملاء ما شئت من شئی بعد اور اس قیام کو بجز صلوٰۃ التسبیح کے اور نمازوں میں طول نہ

دے اور صبح کے وقت دوسری رکعت میں سجدہ سے پیشتر دعائے قنوت ان الفاظ سے پڑھے جو احادیث

میں مروی ہیں۔ سجدہ پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے کو جھکے اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے اور پیشانی اور ہتھیلیاں کھلی ہوئی

زمین پر رکھے اور جھکنے کے وقت اللہ اکبر کہے اور بدون رکوع کے اور جگہ ہاتھ شانوں تک نہ اٹھاوے اور

چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے زانو زمین پر رکھے ان کے بعد دونوں ہاتھ اور آخر کو منہ اور سجدہ میں ناک بھی

زمین پر رکھے اور کہنیوں کو پہلو سے علیحدہ رکھے اور عورت ایسا نہ کرے اور پاؤں کی انگلیاں پھیلی رکھے

اور عورت یہ نہ کرے اور سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے اور رانیں جدا جدا ہوں۔ عورت پیٹ کو رانوں

سے اور رانوں کو پنڈلیوں میں ملی ہوئی رکھے اور ہاتھوں کو شانوں کے مقابل زمین پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں

جاتا تھا منبر کی بہت تحریم کی جاتی تھی۔ عموماً بعض معاملات پر جو قسمیں کھائی جاتی تھیں وہ منبر ہی کے
کو پھیلا دے نہیں بلکہ اپس میں ملے انگوٹھے کے ملالے اور اگر انگوٹھے کو نہ ملا دے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اپنے
ہاتھ زمین پر یہ پھیلا دے جیسے کتا پھیلاتا ہے بلکہ کہنیاں اٹھی رکھے کہنیاں زمین پر لگانے سے نہی وارد ہے اور سجدہ
میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور اگر زیادہ دفعہ کہے تو بہتر ہے مگر جس صورت میں کہ امام ہو تین بار سے زیادہ نہ
کہے پھر سجدے سے اٹھکر اطمینان سے بیٹھ جاوے یعنی اپنا سر تکبیر کہتا ہوا اٹھاوے اور بائیں پاؤں پر بیٹھکر داہنے
قدم کو کھڑا رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور انگلیاں کھلی رکھے اُن کے ملانے میں تکلف نہ کرے پھیلانے
میں مبالغہ کرے اور اس جلسے میں کہے۔ رب اغفرلی وارحمنی واھدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی
اور اس جلسہ کو جو صلوٰۃ التسبیح کے اور نماز میں بہت نہ بڑھا دے پھر پہلے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ کرے اور
اس کے بعد تھوڑا سا جلسہ استراحت کرے اور یہ جلسۂ استراحت ہر رکعت کے بعد جس میں التحیات نہ ہوتا ہے
پھر ہاتھ کا سہارا زمین پر دیکر اٹھ کھڑا ہو اگر اٹھنے میں کوئی پاؤں آگے نہ بڑھاوے اور تکبیر کو اتنا بڑھا دے کہ بیٹھنے
کے درمیان سے کھڑے ہونے کے درمیان تک جاوی ہو جاوے یعنی اللہ کی ہ تو برابر بیٹھنے تک میں ادا ہو اور
اکبر کا کاف زمین پر سہارا دیتے وقت نکلے اور تا اس وقت پوری ہو کہ آدھ کھڑا ہو جاوے اور شروع اللہ اکبر
کہنا اس وقت سے کرے کہ جب بیٹھنے کے لیے نصف اٹھ چکا ہو تاکہ سارا اللہ اکبر اس حالت تبدیل میں تمام ہو جاوے
قیام اور سجدہ اس سے دونوں خالی رہیں اور یہ صورت تعظیم سے قریب تر ہے اور وہ سری رکعت مثل اول
کے ہے اس کے شروع میں اعوذ دوبارہ پڑھے۔ تشہد پھر دوسری رکعت کے بعد اول تشہد پڑھے
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل پر درود بھیجے اور التحیات پڑھنے میں اسی طرح بیٹھے جیسا دو
سجدوں کے بیچ میں بیٹھا تھا یعنی بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنے کو کھڑا رکھے اور داہنے ہاتھ کو داہنی ران
پر رکھے اور اس کی انگلیاں سوائے انگشت شہادت کے بند کرے اور انگوٹھے کے کھلا رکھنے کا بھی کچھ اہتمام
نہیں اور صرف داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے الا اللہ کہنے کے وقت اشارہ کر دے۔ نہ لا الٰہ الا اللہ
کہنے کے وقت اور اخیر کی التحیات میں بعد درود شریف کے دعائے ماثورہ پوری پڑھے اور اخیر تشہد کا
طریق مثل اول تشہد کے ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اس میں بائیں چوتر پر بیٹھے کیونکہ اب اس کا ارادہ اٹھنے
کا نہیں بلکہ ٹھیرا ہوا ہے اور اپنے بائیں پاؤں کو نیچے سے داہنی طرف نکال دے اور داہنے کو کھڑا رہنے
دے اور اگر دشوار نہ ہو تو پاؤں کے انگوٹھے کا سر قبلہ رخ رکھے پھر ان سب افعال کے بعد داہنی طرف

آگے کھائی جاتی تھیں۔ یہ درحقیقت منبر کی پرستش نہ تھی بلکہ ایک قسم کی عزت تھی کہ پاک مقام میں جاکے کھائی جائے چنانچہ اب بھی جب کوئی سخت معاملہ دو مسلمانوں میں آکے پڑا ہے تو دونوں اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ مسجد میں جاکے قسم کھائی جائے اور جب قسم کھائی جاتی ہے تو دونوں میں سے ایک فریق رضامندی کے ساتھ اپنے حقوق یا دعوے سے دست بردار ہوجاتا ہے۔

نو مونہہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور مونہہ اتنا پھیرے کہ جو شخص اس کے پیچھے داہنی طرف نماز پڑھتا ہے وہ اس کا داہنا رخسار دیکھ لے پھر بائیں طرف مونہہ پھیر کر اسی طرح دوسرا سلام کہے اور سلام پھیرنے میں نیت نماز سے باہر ہونے کی کرے اور اس سلام میں اپنے داہنے ہاتھ کے فرشتوں اور مسلمانوں کی نیت کرے ادائی طرح دوسرے سلام میں نیت کرے اور سلام کو تخفیف کے ساتھ کہے بہت کھینچے نہیں کہ سنت اسی طرح ہے یہ صورت اکیلے شخص کی نماز کی ہوئی اور امام اللہ اکبر پکار کر کہے اور اکیلا اس قدر آواز سے کہے کہ اپنے آپ سن لے اور امامت کی نیت کرلے کہ ثواب ملے اگر نیت نہ کرے گا اور مقتدی اس کے پیچھے اقتدا کی نیت سے نماز پڑھ لیں گے تو اُن کی نماز درست ہوجاوے گی اور جماعت کا ثواب سب کو ملیگا اور امام شروع نماز کی دعا اور اعوذ باللہ آہستہ سے پڑھے جیسا کہ اکیلا پڑھتا ہے اور الحمد اور سورہ دونوں رکعتوں میں صبح کی اور دو پہلی رکعتوں میں مغرب اور عشا کی پکار کر پڑھے اور ایسا ہی حال تنہا پڑھنے والے کا ہے اور جن نمازوں میں قرأت پکار کر پڑھتے ہیں اُن میں امام آمین پکار کر کہے اور مقتدی بھی امام کے ساتھ ہی پکار کر آمین کہیں اس سے پیچھے نہ کہیں اور امام الحمد کے بعد کسی قدر خاموش رہے تاکہ سانس درست ہوجاوے اور مقتدی اس حالت خاموشی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ امام جس وقت قرأت پڑھے اُس وقت اُس کی قرأت سنیں اور مقتدی جہری نمازوں میں سورہ نہ پڑھے مگر جس صورت میں کہ آواز امام کی نہ سنتا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور امام رکوع سے سر اٹھانے میں سمع اللہ لمن حمدہ پکار کر کہے اور مقتدی بھی یہی کہے اور امام رکوع اور سجدہ کی تسبیحیں تین سے زیادہ نہ کہے اور نہ اول کی التحیات میں اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کہنے کے بعد کچھ اور زیادہ کرے اور پہلی دو رکعتوں میں صرف الحمد پر کفایت کرے اور لوگوں پر اس کو طول نہ دے اور اخیر کی تشہد میں التحیات اور درود کے بعد دعا اتنی نہ پڑھے کہ ان دونوں چیزوں سے زیادہ ہوجاوے اور اپنے سلام میں جس طرح قوم کی نیت کرتا ہے مقتدی اپنے سلام میں اس کے جواب کی نیت کرے اور امام سلام کے بعد اس قدر توقف کرے کہ لوگ سلام سے فارغ ہوجاویں پھر لوگوں کی طرف اپنا

سر ولیم میور صاحب نے یہاں بھی چوٹ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ دستور بھی آنحضرت نے یہودیوں سے اڑایا ہے کیونکہ اُن کے ہاں ہیکل میں جاکے قسم کھایا کرتے تھے۔ میور صاحب کا یہ لکھنا عجب لگتا ہے جبکہ انھیں میور صاحب کتاب تسلیم کرتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے کہ جو قومیں صاحب کتاب ہوں گی اُن کی بہت سی باتیں دینیات کے متعلق ملتی جلتی ضرور ہوں گی۔ ہم تو جب جانیں کہ

مونہہ پھیرے اور اگر مردوں کی صف کے پیچھے عورتیں بھی پڑتی ہوں تب بہتر ہے کہ قبلہ رخ جماعت تاکہ عورتیں سامنے نہ پڑیں اور جب تک امام نہ اٹھے مقتدیوں میں سے کوئی نہ اٹھے امام جدھر سے چاہے پھرے خواہ داہنے ہاتھ کو خواہ بائیں کو اور میرے نزدیک داہنے طرف کو پھرنا پسند ہے اور امام صبح کی قنوت میں خاص اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ اللھم اھدنا کہے بجائے اہدنی کے اور قنوت کو پکار کر پڑھے اور مقتدی آمین کہیں اور اپنے ہاتھ سینے کے مقابل اٹھاویں اور دعا کے ختم پر دونوں ہاتھوں کو مونہہ پر پھیر لیں کہ اس میں ایک حدیث وارد ہے ورنہ قیاس چاہتا ہے کہ ہاتھ نہ اُٹھائے جاویں جیسے التحیات کے بعد دعا میں نہیں اُٹھاتے۔ منہیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بہت سی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ اوّل دونوں پاؤں کو چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ دوم ایک پاؤں پر زور دیکر دوسرے کو گھوڑے کی طرح تڑپھایا کرنا۔ سوم اقعا اس کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ دونوں چوتڑ اپنے پیر پر بیٹھ کر دونوں زانو کھڑے کر دے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے جس طرح کتا بیٹھتا ہے اور حدیث والوں کے نزدیک اقعا اُس بیٹھک کو کہتے ہیں کہ جز زانوں اور پاؤں کی انگلیوں کے اور کوئی عضو زمین سے نہ لگا ہوا ہو۔ چہارم محدثین کا مذہب یہ ہے کہ سدل اس کو کہتے ہیں کہ اپنی چادر وغیرہ میں لپیٹ کر ہاتھ نہ نکالے کرلے اور رکوع اور سجدہ اسی طرح کرے ہاتھ باہر نہ نکالے۔ یہ فعل یہودیوں کا تھا کہ اپنی نمازمیں کرتے تھے اس لئے اُن کی مشابہت سے منع فرمایا اور کرتہ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی رکوع اور سجدہ کرتے کے اندر ہاتھ کئے ہوئے کرنا چاہئے اور سدل کے معنی بعض یہ کہتے ہیں کہ چادر کو بیچ سے سر پر رکھ لے اور اس کے دونوں پلے داہنے بائیں طرف لٹکاوے اور بدون آنچل مارنے کے مگر اوّل معنی سدل کے بہتر ہیں۔ پنجم کف اس کی صورت یہ ہے کہ جب سجدہ کرنا چاہے اپنا کپڑا پیچھے سے یا آگے سے اٹھالے اور کف ہاتھوں میں بھی ہوتا ہے یعنی سمٹا بندہ کر نماز پڑھے اور یہ منع مردوں کے لئے ہے اور حدیث میں ہے۔ امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء ولا اکف شعرا ولا ثوبا اور امام حمد نے ٹہنکو کرنے کے اوپر بلند ہاتھ کرنا منع فرمایا ہے اور اس کو کف میں داخل کیا ہے۔ ششم کرتوں پر ہاتھ رکھنا۔ ہفتم قیام میں کرتوں پر اس طرح ہاتھ رکھنا کہ بازو بدن سے علیحدہ رہیں۔ ہشتم مواصلت یعنی وصل کرنا کہ

میور صاحب اس بات کو ثابت کردیں کہ مسیحی یہودیوں کے سر بات میں خلاف ہیں۔ یہودی سیروں سے چلتے ہیں عیسائی سر کے بل چلتے ہیں۔ یہودی ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں۔ عیسائی پیروں کی انگلیوں سے کھانا تناول کرتے ہیں۔ یہ سب جاہلانہ نکتہ چینیاں ہیں۔ بہت سی باتیں ان قوموں کی جو صاحب کتاب ہیں ہمیشہ ملتی جلتی رہیں گی۔ حضور انور کو ایک سال مدینہ میں آئے ہوئے گزرا تھا کہ اسعد کے

بات کا دوسری سے اور اس سے نبی امام کے حق میں دو چیزوں سے ہے۔ ایک یہ کہ قرأت اللہ اکبر کہتے ہی شروع کردے اور دوسرے یہ کہ رکوع کی تکبیر قرأت کے ختم ہوتے ہی کہے اور وہ بھی نبی مقتدی کو ہے ایک شروع کی تکبیر امام کی تکبیر میں ملا دینی دوم سلام امام کے ساتھ ملانا اور ایک بات دونوں میں مشترک ہے کہ فرض کے اول سلام کو دوم کے ساتھ ملانا بلکہ دونوں کو جدا جدا کہے۔ تہم دباؤ کے ساتھ نماز پڑھنی اور دباؤ پیشاب کا ہو یا خانہ کا دونوں سے منع فرمایا ہے۔ دتہم تنگ موزہ پہنکر نماز پڑھنی اس طرح کی باتیں خشوع کو مانع ہیں اور اسی کے حکم میں ہے بھوک اور پیاس کے ساتھ نماز ادا کرنی اور بھوک کے ساتھ نماز سے ہی اس حدیث سے سمجھی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا جب رات کا کھانا آجاوے اور نماز کی تکبیر ہو تو شروع کرو کھانا مگر اس صورت میں کہ نماز کا وقت تنگ ہو یا آدمی دل مطمئن ہو اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا لایدخل احدکم الصلوٰۃ وھو مصطب ولا یصلین احدکم وھو غضبان۔ دحضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ عذاب کی طرف جلد پہنچاتی ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ سات چیزیں نماز کے اندر شیطان کی طرف سے ہیں۔ تکیسور ہنیدا اور وسوسہ اور جمائی، د پھانس اور ادھر ادھر دیکھنا اور کسی چیز سے کھیلنا اور بعضوں نے ہوں اور شک کو اس میں اور زیادہ کیا ہے اور بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ نماز کے اندر چار چیزیں ظلم میں ادھر ادھر تکنا اور دھوپ پہنا اور کنکروں کو برابر کرنا اور ایسے راستہ پر پڑھنا کہ چلنے والے سامنے کو گزریں یازدہم۔ انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالنا یا چٹخانا دوازدہم۔ مونہ کو چھپانا سیزدہم۔ ایک ہتھیلی کو دوسری پر رکھکر رکوع میں اپنی رانوں کے اندر دے لینا۔ اور بعض صحابہ نے فرمایا ہے کہ ہم ۱۴ ایسا کیا کرتے تھے پھر اس سے ہم کو منع کردیا گیا۔ پہاردہم سجدہ کے وقت زمین پر پھونک مارنی یا ہاتھوں سے کنکروں کو برابر کرنا کیونکہ ان افعال کی کچھ حاجت نہیں پانزدہم ایک قدم کو اٹھا کر ان پر رکھ لینا۔ شانزدہم۔ قیام میں دیوار سے تکیہ لگانا پس اگر تکیہ اس طرح لگا دے کہ اگر سہارے کی چیز نکال لیجاوے تو گر پڑے تو ظاہر یہ ہے کہ نماز جاتی رہے گی واللہ اعلم۔ فرائض اور سنتوں کی تمیز جو افعال ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان میں فرض بھی ہیں اور سنتیں اور مستحبات اور اولیٰ چیزیں بھی ہیں تاکہ

کی بیماری میں بہت سخت مریض ہوئے یہ اُن چھ مشہور آدمیوں میں سے تھے جو حضور انور سے سب سے پہلے بمقام منیٰ ملے تھے اور جنہیں حضور انور نے قبیلہ بنی نضیر کا سردار قرار دیا تھا اور انہوں نے اسلام کی اشاعت میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ جب حضرت مصعب بن عمیر مکہ سے اسلام کی تعلیم کے لئے مدینہ بھیجے گئے تو وہ انہیں کے مکان میں اُترے تھے دونوں کی کوشش سے اسلام کی مدینہ میں بہت بڑی

طریق آخرت کا چلنے والا اُن سب کی رعایت کرے اب سب کو ہم جدا جدا کہے دیتے ہیں کہ اُن اعمال میں سے بارہ چیزیں فرض ہیں۔ اوّل نیت۔ دوسری اللہ اکبر کہنا۔ تیسری کھڑا ہونا۔ چوتھی الحمد للہ پڑھنا۔ پانچویں رکوع میں جھکنا اطمینان سے تسبیحیاں زانو پر اطمینان کے ساتھ لگ جاویں۔ چھٹی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ ساتویں اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا اور اس میں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا واجب ہیں۔ آٹھویں سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھنا۔ نویں دوسرا سجدہ دسویں اخیر تشہد پڑھنا۔ گیارہویں اخیر تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا۔ بارہویں اول سلام پھیرنا اور نماز سے باہر آنے کی نیت واجب نہیں۔ اور جو باتیں کہ ان بارہ کے سوا ہیں وہ واجب نہیں بلکہ سنن اور مستحبات ہیں افعال میں چار باتیں سنت ہیں اوّل تکبیر احرام میں ہاتھوں کا اٹھانا دوم رکوع کی تکبیروں سوم قومہ کی تکبیروں کا اٹھانا۔ چہارم تشہد اول کے لئے بیٹھنا۔ باقی اور باتیں جیسے انگلیوں کو پھیلانا اور رفع یدین کی سد وغیرہ یہ باتیں رفع یدیں کی تابع ہیں اور سرین پر بیٹھنا اور پاؤں کا بچھانا جلسہ کے تابع ہیں اور سر کا نہ اٹھانا التفات نکرنا قیام کے تابع ہیں اور صورت کو اچھا کرنے اور جلسہ استراحت کو ہم نے افعال کی سنتوں میں شمار نہیں کیا اس لئے کہ یہ دونوں گویا سجدہ سے قیام کے لئے اچھے کی خوبی میں داخل ہیں خود اپنی ذات سے مقصود نہیں اور اسی وجہ سے ان کا ذکر بھی جداگانہ نہیں کیا گیا اور ذکر میں سنتیں یہ ہیں اوّل شروع کی دعا دوم اعوذ باللہ پڑھنا سوم آمین کہنا کہ سنت موکدہ ہے۔ چہارم قرأت سورت کی۔ پنجم ایک رکن سے دوسرے میں جانے کے لئے اللہ اکبر کہنا۔ ششم رکوع اور سجدہ میں تسبیحیں کہنی اور قومہ میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہفتم اول التحیات اور اس میں درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا ہشتم دعا پچھلے تشہد کے آخر میں۔ نہم دوسرا سلام پھیرنا۔ اور ان چیزوں کو اگرچہ ہم نے سنت میں داخل کر کے لکھا ہے مگر ان کے درجات جدا جدا ہیں کیونکہ ان میں سے چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا تدارک سجدہ سہو سے ہوتا ہے۔ اور افعال کی سنتوں میں صرف ایک ہی کا جبر سجدہ سہو سے ہوتا ہے یعنی پہلا جلسہ اول تشہد کے واسطے اس لئے کہ وہ جلسہ نماز کے انتظام کی ترتیب میں تاثیر رکھتا ہے کہ دیکھنے والے اس سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ دو رکعتیں ہیں یا زاید بخلاف رفع یدین کے کہ اس کے انتظام کے

اشاعت ہوئی تھی انھیں صحابی نے جب حضور انور مدینہ پہنچے ہیں تو آپ کے اونٹ کی نکیل پکڑی تھی اور آپ کو مبارک باد دی تھی حضور انور آپ کی بیماری پر آزردہ خاطر ہو کے رونے لگے اس پر یہود یوں نے شرارت سے یہ کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہوتے تو ضرور اپنے اس دوست کی بیماری کو کھول دیتے اس پر حضور انور نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو تو اپنی زندگی پر بھی خدا کی طرف سے قابو نہیں ملا ہے

نہیں اسی لئے اس کو بعض اور جز سے تعبیر کیا گیا اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ اجزا کا جبر سجدہ سہو سے کیا جاتا مگر ذکروں میں سے بجز تین ذکروں کے اور کوئی سجدہ سہو کا مقتضی نہیں اور وہ تینوں قنوت اور پہلا تشہد اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے بخلاف تکبیروں رکوع و سجدہ اور ان کی تسبیحات کے اور قومہ و جلسہ کے ذکر کے اس لئے کہ رکوع اور سجدہ کی صورت ہی ایسی ہے کہ عادت کے خلاف ہے تو اگر ان دونوں میں چپ رہے گا تب بھی مقصود عبادت اُن کی صورت سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کے درمیان میں ذکر کا نہ ہونا عبادت کی ہیئت کو نہیں بدلتا اور پہلے التحیات کے لئے بیٹھنا ایک فعل عادت کا ہے ہاں کو جو نماز میں پڑھایا ہے تو صرف تشہد کے لئے زیادہ کیا ہے اگر تشہد اس میں نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ صورت عبادت نہ رہی گی اور دعائے استفتاح اور سورہ کا چھوڑنا بھی صورت عبادت کے بدلنے میں موثر نہیں کیونکہ قیام اگرچہ فعل عادت کے مطابق ہے مگر الحمد کے اس میں پڑھنے سے عادت سے علیحدہ ہو گیا اسی طرح اخیر تشہد میں کی دعا اور قنوت کا جبر سجدۂ سہو سے کرنا بعید معلوم ہوتا ہے مگر صبح کی نماز میں قیام کا طول اسی قنوت کے سبب سے شروع ہوا ہے تو اس کا حال ایسا ہوا جیسے جلسۂ استراحت کردہ بھی بڑھانے اور التحیات اس میں پڑھنے سے پہلے تشہد کے لئے جلسہ ہو گیا ہے پس اگر قنوت نہ پڑھا جاوے تو قیام لمبا عادت کے موافق رہ جاوے گا جس میں کوئی ذکر واجب نہیں اور لمبے قیام کی قید اس لئے لگا دی کہ صبح کے سوا اور نمازیں ہیں میں داخل نہ ہوں اور ذکر واجب سے خالی ہونے کی قید اس لئے ہے کہ نماز کے اندر اصل قیام سے احتراز ہو سکے اب اگر یہ کہو کہ سنتوں کا فرق فرضوں سے ہے تو سمجھ میں آتا ہے کہ فرض اس کو کہتے ہیں جس کے جاتے رہنے سے نماز کی درستی بھی جاتی رہے اور سنت کے جانے سے صحت فوت نہیں ہوتی یا یہ کہ فرض کے چھوڑنے پر عذاب ہوتا ہے اور سنت پر نہیں ہوتا مگر سنتوں کے آپس میں جدا ہونے اور کم و زیادہ ہونے سے کیا مراد ہے سب سنتوں کا استحباب کے طور پر ہے اور کسی کے ترک سے عذاب نہیں ہے اور کرنے پر سب کے ثواب ہوتا ہے تو فرق کیا ہوا پس اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ثواب اور عذاب اور استحباب میں سب سنتیں مشترک ہیں تو اس سے

تو پھر میں اپنے بھائی کی زندگی کیسے بچا سکتا ہوں خداوند تعالےٰ یہودیوں کو برباد کر دے گا جو ایسی باتیں بناتے ہیں۔ یہودیوں کی محض دشمنی کی وجہ تھی کہ وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں بناتے تھے حالانکہ حضرت موسےٰ اور اُن سے پہلے پیغمبروں کے حالات دیکھ چکے تھے جن میں سے کوئی پیغمبر اپنے ساتھی کی جان بچا سکا نہ اپنی خدا کی ساری قوتیں پیغمبر کی ذات میں ودیعت نہیں کی جاتیں ہمارے دوست یہود

اُن میں فرق دور نہ ہوگا اور ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کئے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کو جو موجود اور کامل کہتے ہیں تو دو ہی وجہ سے کہتے ہیں ایک امر باطن کی وجہ سے دوم اعضائے ظاہر کی جہت سے اور باطن تو حیات و روح ہے اور ظاہر کے اعضا معلوم ہی ہیں اور ان اعضا میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے انسان میت ہو جاتا ہے جیسے دل اور جگر اور دماغ اور دوسرے اعضا جن کے عدم سے حیات جاتی رہتی ہے اور بعض اعضا ایسے ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے زندگی تو نہیں جاتی مگر زندگی کے مقصود فوت ہو جاتے ہیں جیسے آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اور بعض اعضا ایسے ہیں کہ اُن سے نہ زندگی فوت ہو نہ اس کے مقاصد مگر ان کے نہ ہونے سے خوبصورتی جاتی رہتی ہے جیسے بھویں اور داڑھی اور پلکیں اور رنگ کی خوبی اور بعض ایسے ہیں کہ اُن سے اصل خوبصورتی نہیں جاتی مگر کمال خوبی کا جاتا رہتا ہے جیسے بھوؤں کا خوار ہونا اور داڑھی اور پلکوں کا سیاہ ہونا اور اعضا کا تناسب ہونا اور رنگ کا سرخ و سفید ہونا غرض کہ یہ درجات جدا جدا ہیں اسی طرح عبادت بھی ایک صورت ہے کہ شریعت نے اس کو بنایا ہے اور اس صورت کا حاصل کرنا ہمارے ذمے عبادت مقرر ہوا ہے اس صورت کی روح اور حیات باطنی تو خشوع اور نیت اور دل کا حاضر ہونا اور اخلاص ہے جیسا کہ آگے لکھا جاوے گا اب اس جگہ اس کے اجزائے ظاہری کا ذکر کر رہے ہیں پس رکوع اور سجدہ اور قیام یہ دوسرے فرائض بمنزلہ دل اور سر اور جگر کے ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی اور سنتیں جو ہیں لکھی ہیں جیسے رفع یدین اور ثنا وغیرہ کی دعا اور تشہد اوّل یہ دونوں ہاتھوں اور آنکھوں اور پاؤں کے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے صحت تو نہیں جاتی جیسے اُن اعضا کے نہ ہونے سے زندگی نہیں جاتی بلکہ آدمی بُری صورت کا ہو جاتا ہے لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے اسی طرح جو شخص نماز میں اسی قدر پر اکتفا کرے کہ نماز درست ہو جا اور سنتوں کو بجا نہ لاوے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس ایک غلام تحفہ بھیجے کہ زندہ تو ہو مگر ہاتھ پاؤں کٹے ہوں۔ اور مستحبات جو سنتوں سے کم درجہ کے ہیں وہ بمنزلہ حُسن کے لوازم کے ہیں جیسے بھویں اور داڑھی اور پلکیں اور رنگ کی خوبی بدن میں ہے۔ اور لطائف آداب یعنی ذکر وغیرہ جو اُن سنتوں ہیں وہ حُسن

صاحب نے یہودیوں کہ اس قول کو بہت خوش ہوکے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کاش یہودیوں کے وہ اِن اقوال کو بھی لکھہ دیتے جو وہ اِن کے خداوند مسیح کی نسبت کہتے ہیں۔

حضور انور اکثر اوقات اپنے غیر صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے اور جو کچھہ مریض کی خدمت ہوتی تھی اس کے کرنے میں بھی آپ کو دریغ نہ ہوتا تھا جو علاج کہ اس زمانہ میں عربوں میں رائج تھے

کی مکمل تصویر ہیں جیسے ابرو کا خمدار ہونا اور ڈاڑھی کا گول ہونا وغیرہ ہے۔ حاصل یہ کہ نماز تیرے پاس ایک ذریعہ قرب اور تحفہ ہے جس سے تو حضرت شاہنشاہ حقیقی کی جناب میں تقرب چاہتا ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ دنیا کی قربت کی طلب کے لئے غلام اس کی بارگاہ میں تحفہ بھیجتا ہے اور یہ تیرا تحفہ اللہ عزوجل کے حضور میں پیش ہوکر بڑی پیشی کے دن پھر تجھے ملتا ہے اب تجھے اختیار ہے چاہے اس کی صورت اچھی بناخواہ بُری۔ اگر اچھی بناوے گا تو اپنے واسطے اور بُری بناوے گا تو اپنے واسطے۔ اور تجھ کو یہ چاہئے کہ فقہ کی مہارت میں سے اسی پر بس کرے کہ فرض اور سنت کے درمیان فرق معلوم کرلے اور سنت کو سمجھ لے کہ اس کا نہ کرنا جائز ہے اور اس خیال سے اس کو چھوڑ دے کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی طبیب مکھے کہ آنکھہ پھوڑ دینے سے آدمی کا وجود نہیں جاتا مگر اس آدمی کو اگر کوئی شخص ہدیہ کے طور پر بادشاہ کے ہاں پیش کرکے متوقع تقرب کا ہو تو یہ بات تو آنکھہ کے جانے سے جاتی رہی اسی حال سنتوں اور مستحبات کے فوت ہونے کا سمجھنا چاہئے کہ جو نمازکہ آدمی اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے گا تو اس کی دل دشمن دہی ہوگی اور کہے گی کہ خدائے تعالےٰ تجھے برباد کرلے جیسا تو نے مجھے برباد کیا چنانچہ نماز کے ارکان پورا کرنے کے باب میں ہم احادیث لکھہ آئے ہیں اُن کو دیکھو کہ اِن باتوں کی وقعت تم کو معلوم ہو نماز کے اندر باطنی شرطوں کے ذکر میں جو دل سے متعلق ہیں اس میں ہم اوّل نماز کا وابستہ ہونا خشوع اور حضور دل کے ساتھ ذکر کریں گے پھر اسود باطنی جن سے نماز کامل ہوتی ہے اور اِن کے حدود اور اسباب اور تدبیرات کو لکھیں گے پھر اُن امور کی تفصیل کریں گے جو ہر رکن میں نماز کے رکنوں میں سے موجود ہونے چاہئیں تاکہ نماز توشۂ آخرت ہو جائے۔ نظر بریں اس میں چار بیان ہیں۔

بیان اوّل خشوع اور حضور دل کے شرط ہونے میں۔ واضح ہو کہ اس بات کی دلیلیں بہت ہیں نماز کے اندر خشوع اور حضور دل شرط ہے چنانچہ ایک دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ الفاظ امر سے بظاہر وجوب سمجھا جاتا ہے یعنی حضور دل کا ہونا واجب ہے اور غفلت ذکر کی ضد ہے تو جو شخص اپنی ساری نمازیں غافل رہے وہ نماز کا پورا کرنے والا خدائے تعالےٰ کی یاد پر کیسے ہوگا اور ایک جا ارشاد فرمایا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی اس میں نہی کا صیغہ ہے جو بظاہر غفلت کی حرمت پر دلالت کرتا ہے اور فرمایا حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اس میں نشہ والے کو نماز سے منع

وہ سب کچھ کئے مگر کسی سے کچھ فائدہ نہ ہوا آخر اُن کی وفات ہوگئی۔ حضور انور اپنے عزیز کے جنازے کے ساتھ مدفن پر تشریف لے گئے یہ مدفن شہر کے مشرقی سمت کی طرف واقع ہے یہاں جنگلی پودے اور جھاڑیاں بہت سی تھیں اب تک آپ کے مزار کی زیارت کے لئے لوگ جاتے ہیں اور اب تک مزار موجود ہے اتفاق ایسا ہوا کہ حضور انور کے مدینہ پہنچنے سے کئی مہینے بعد تک کسی مسلمان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا اس

کرنے کی علت ہے اور یہ علت اس شخص کو بھی عام ہے جو غافل اور وسوسوں میں مستغرق اور دنیاوی فکروں میں ڈوبا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّمَا الصَّلٰوۃُ تَمْسُکُنٌ وَّتَوَاضُعٌ اس حدیث میں صلوۃ پر الف ولام کے داخل ہونے اور کلمہ اِنَّمَا سے شروع ہونے سے جو تحقیق بالعدد اور محصور کے لئے آتا ہے حصر ثابت ہے یعنی نماز وہی ہے جس میں مسکنت اور تواضع ہو چنانچہ فقہا نے اِنَّمَا الشَّفَعَۃُ فِیْمَا لَمْ یُقْسَمْ سے بھی حصر اور اثبات اور نفی سمجھا ہے اور فرمایا کہ جس شخص کو اس کی نماز برائی اور فحش سے باز نہ رکھے تو وہ نماز اس کو خدائے تعالےٰ سے دور ہی بڑا دے گی الوظاہر ہے کہ غافل کی نماز فحش اور برائی سے مانع نہیں۔ اور فرمایا کہ بہت کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ اُن کی نماز سے اُن کو حصہ صرف رنج و مشقت ہی ہے اُن سے بجز غافلوں کے اور کوئی مراد نہیں۔ اور فرمایا کہ بندہ کے لئے اس کی نماز میں سے۔ اسی قدر ہے جس قدر کہ وہ سمجھے اور اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر سب ہو مناجات کرتا ہے چنانچہ حدیث میں یہ مضمون آگیا ہے اور جو کلام غفلت کے ساتھ ہوگا وہ یقیناً مناجات نہ ہوگی اور اس کا بیان یہ ہے کہ زکوٰۃ بالفرض آدمی غافل ہو جائے تو وہ بذات خود شہوت کے مخالف اور نفس پر سخت ہے اسی طرح روزہ قوتوں کو دبانے والا اور اس خواہش نفس کا توڑنے والا ہے جو دشمن خدا ابلیس کا آلہ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ روزہ سے اگر غفلت بھی ہو تاہم اس کا مقصود حاصل ہو جائے اور یہی حال حج کا ہے کہ اس کے افعال شاق اور سخت ہیں اور انہیں اتنی محنت ہے کہ جن سے امتحان حاصل ہو جاتا ہے خواہ افعال کے ساتھ دل حاضر ہو یا نہ ہو لیکن نماز میں بجز ذکر اور قرأت اور رکوع اور سجدہ اور قیام اور قعود کے اور کچھ نہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ ذاکر جو خدائے تعالےٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اس سے خطاب اور ہمکلامی مقصود ہے یا فقط حروف و آواز کا نکالنا زبان کے اعمال کے امتحان کے طور پر منظور ہے جیسے معدہ اور شرمگاہ کا امتحان روزہ میں روکنے سے کیا جاتا ہے اور بدن کا امتحان حج کی مشقتیں اٹھانے سے اور دل کا امتحان زکوٰۃ نکالنے اور مال محبوب کو جدا کرنے کی مشقت سے ہوتا ہے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ذکر سے یہ مقصود ہوتا کہ زبان سے حروف و آواز کا امتحان ہو باطل ہے اس لئے کہ غافل پر ہذیان سے زبان کا ہلانا بعلت سہل ہے پس عمل ہونے کے اعتبار سے ذکر میں کچھ امتحان نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ذکر تھا

پر یہودی مسلمانوں کو چھیڑتے تھے اور کہتے تھے کہ مسلمانوں کی عورتیں بانجھ ہوگئی ہیں۔ کوئی بچہ اُن کے ہاں پیدا نہیں ہونے کا۔ آخر ایک سال سے کچھ اوپر گزرا تھا کہ زبیر مہاجر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد بشر کے ہاں نعمان پیدا ہوا بشر انصار میں سے تھے۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ یہودیوں نے جادو کر دیا تھا کہ مسلمانوں کی نسل نہ بڑھے مگر جب سورۃ العلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں اور پڑھی گئیں

ہے اور نطق اسی صورت میں ہوگا کہ ما فی الضمیر کو ظاہر کرے اور ما فی الضمیر کو ظاہر کرنا بدون حضور دل کے حاصل نہیں ہوتا شاذ اگر دل غافل ہو اور الفاظ الصلوٰۃ المستقیم زبان سے جاری کیا تو اس سے کیا سوال ہوگا پس جس صورت میں ذکر سے فروتنی اور دعا کا ہونا مقصود نہ ہو تو غفلت کے ساتھ زبان ہلانے میں کون سی وقت پڑی گی خصوصاً عادت پڑنے کے بعد تو کچھ بھی دشوار نہ ہوگی بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی قسم کھاوے اور کہے کہ میں فلاں شخص کا شکر کروں گا اور اسکی تعریف کروں گا اور اس سے ایک حاجت کا سوال کروں گا پھر یہ باتیں جن پر قسم کھائی ہے خواہ میں اس کی زبان پر جاری ہو جائیں تو وہ اپنی قسم میں سچا نہ ہوگا اور اگر بالفرض یہ الفاظ اس کی زبان پر اندیشہ سے میں جاری ہوں اور وہ شخص بھی موجود ہو مگر کہنے والے کو اس کا ہونا معلوم نہ ہو اور نہ اُس کو دیکھتا ہو تب بھی قسم میں سچا نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا کلام اُس شخص سے نہیں ہوگا اور نہ اپنے دل کی بات اس کے ساتھ کرے گا جب تک کہ وہ اس کے دل میں حاضر نہ ہوگا پس اگر اسی طرح دن کی روشنی میں یہ کلمات اس کی زبان پر جاری ہوں مگر وہ شخص کسی فکر میں ڈوبا ہوا ہونے کی جہت سے ان کلمات سے غافل ہو اور اس کا ارادہ ان کلمات کے کہنے کے وقت اُس شخص کے خطاب کرنے کا نہ ہو تب بھی اپنی قسم میں سچا نہ ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ قرأت اور ذکر سے مقصود خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے سامنے تضرع اور دعا ہے اور جس سے خطاب چاہئے وہ ذات پاک اللہ جل جلالہ کی ہے تو جس صورت میں کہ جانب غفلت اس کے دل پر پڑا ہوا ہوگا اور اپنے مخاطب کو نہ دیکھتا ہوگا نہ اس کے سامنے ہوگا تو ضرور ہے کہ مخاطب سے غافل ہوگا اور عادت کی وجہ سے اس کی زبان چلتی ہوگی پس ظاہر ہے کہ ایسا شخص نماز کے مقصود یعنی دل کی جلا اور ذکر الٰہی کی تجدید اور عقد ایمان کی پختہ ہونے سے بہت دور ہوگا یہ حکم قرأت اور ذکر کا ہے نطق میں اس خاصیت کے انکار کرنے کی اور اس کو فعل سے جدا کر دینے کی کوئی وجہ نہیں اور رکوع اور سجدہ سے فعلیاً تعظیم مقصود ہے اور اگر یہ بات درست ہو کہ آدمی اپنی فعل سے خدائے تعالیٰ کی تعظیم اس سے غافل ہو کر کرتا ہے تو یہ بھی درست ہوگا کہ وہ اپنے فعل سے کسی بت کی تعظیم کرے جو اس کے سامنے رکھا ہوا ہو وہ اُس بت سے غافل ہو یا کسی دیوار کی تعظیم کرے جو اس کے سامنے ہے اور اس کو اس سے غفلت ہو۔ اور جب رکوع اور سجدہ تعظیم سے خالی

تو یہودیوں کے جادو کا اثر جاتا رہا اور مسلمانوں کے ہاں بچے پیدا ہونے لگے۔ سر ولیم میور کو جب کسی بات پر اعتراض کرنا اور اس سے حسب منشا نتیجہ نکالنا ہوتا ہے تو آپ ضعیف سے ضعیف روایت پر بھی بحث کر لیتے ہیں اور پھر اس سے استدلال کرنے میں انھیں کچھ باک نہیں رہتا اور جب اپنا مطلب نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ ہم اس انصاف اور ڈیلیسی (دیانت) پر

ہوں تو صرف پشت اور سر کی حرکت رہ گئی اور اس میں کچھ اتنی دشواری نہیں جس سے امتحان مقصود ہو یا اس کو دین کا رکن کیا جاوے اور کفر اور اسلام کا فرق قرار دیا جاوے اور حج اور تمام عبادات سے مقدم کیا جاوے اور خاص اسی کے چھوڑنے سے قتل واجب ہو اور ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تمام غلطت نماز کے اندر صرف اس کے اعمال ظاہری کی جہت سے ہوں اگر مناجات کا مقصود اس پر زاید کیا جاوے تو یہ ایسا امر ہے کہ روزہ اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ سے بڑھ کر ہے بلکہ صحیحہ اور قرآنی جو خدا تعالیٰ نے نقصان مال کا مجاہدہ نفس کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اس کے باب میں ارشاد ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ اس میں تقویٰ سے وہ وصف مراد ہے جو دل کے اوپر غالب ہو کر اس کو امتثال امر کی موجب ہووے اور وہی مطلوب ہے تو نماز میں وہ کیسے نہ ہوگی اس کے افعال سے تو یہ غرض ہی نہیں تو بمعنی کے روسے یہ روایتیں حضور دل کے شرط ہونے پر دال ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ تم نے جو حضور دل کو نماز کی صحت میں شرط کر دیا اور بدون اس کے نماز کے باطل ہونے کا حکم دیا تو اس میں تم نے سب فقہا کے خلاف کیا کہ انہوں نے حضور دل کو صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت شرط کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب العلم میں پہلے گزر چکا ہے کہ فقہا باطن میں تصرف نہیں کرتے اور نہ دل کو چیر کر باطن کا احوال جانیں اور نہ لائق آخرت میں تصرف کریں بلکہ ظاہرین کے احکام کو اعضا کے ظاہر اعمال پر بنا کرتے ہیں اور ظاہر اعمال قتل کے ساقط ہونے اور سلطان کے ہاں کی ہتک سے محفوظ رہنے کو کافی ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ اعمال آخرت میں کارآمد ہوں تو یہ امر فقہ کے حدود سے باہر ہے علاوہ ازیں بدون حضور دل کے اعمال کے کامل ہو جانے پر اجتماع کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو بشر بن حارث سے منقول ہے اس روایت میں مکحول ابو طالب مکی نے سفیان ثوریؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص خشوع نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے۔ اور ایک روایت حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ عذاب کی طرف جلد جاتی ہے اور حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جو شخص نماز میں ہو اور قصداً اپھانے کہ اس کو ڈانچ اور ہائیں کون ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس میں اس کے لئے چھٹا حصہ اور دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جاتا صرف اس

کی نکتہ علمی) کی داد دینے ہیں کہ بیشک موجودہ زمانہ کے علماء کا بھی وطیرہ ہونا چاہئے۔
سورتوں کا آسمان سے نازل ہونا اگر کسی خاص بنیاد پر ہوا کرتا تھا مگر ہر سورت اپنے متعلق حالات کے لئے دائمی اور عام ہوتی تھی اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ صرف ایک ہی خصوصیت کے ساتھ ہے مثلاً قرآن مجید کی آخری دو سورتیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے محض یہودیوں کے جادو

قدر لکھا جاتا ہے جسقدر کو اس میں سے سمجھتا ہے اور یہ امر اگر کسی امام سے منقول ہوتا تو مذہب ٹھہرایا جاتا تو اب اس پر تمسک کیسے نہ کیا جاوے۔ اور عبدالواحد بن زید نے فرمایا ہے کہ علما کا اتفاق ہے اس بات پر کہ بندے کو اس کی نماز میں سے اسی قدر ملے گا جسقدر کہ اس نے اس میں سے سمجھا ہے انہوں نے حضور دل پر اجماع ہی ٹھہرا دیا اور اس قسم کی باتیں جو پرہیزگار فقہا اور علمائے آخرت سے منقول ہیں وہ خارج از حد شمار ہیں اور حق بھی ہے کہ شرعی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اخبار اور آثار سے ظاہر ایہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور دل شرط ہے لیکن فتوی کا مقام احکام ظاہری میں خلق کے قصور کے موافق ٹھہرایا جاتا ہے اس لحاظ سے ممکن نہیں کہ آدمیوں پر تمام نمازیں دل کا حاضر ہونا شرط کر دیا جاوے اس لئے کہ اس سے بڑی نہایت تھوڑے لوگوں کے تمام آدمی عاجز ہیں اور جبکہ تمام نمازیں شرط کرنا ممکن نہ ہوا تو چار ناچار اس کو ایسی طرح شرط کرنا پڑا کہ ایک ہی لحظہ کو حضور دل اس پر صادق آوے جو خلیفہ لحظہ کی نسبت اللہ اکبر کہنے کا لحظہ اس شرط کے لئے انسب تھا اس لئے حکم دینے میں اسی قدر حضور دل پر اکتفا کیا اور باوجود اس کے ہم کو توقع ہے کہ جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے اس کا حال اس شخص کا سا نہ ہوگا جو بالکل نماز ہی نہ پڑھے اس لئے کہ غافل نے کچھ تو فعل پر ظاہر میں اقدام کیا اور دل کو ایک لحظہ حاضر کیا اور یہ کیسے نہ ہوگا کہ جو شخص بے وضو بھولے سے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز خدائے تعالیٰ کے نزدیک باطل ہے مگر اس کو کسی قدر ثواب موافق اس کے فعل اور عذر کے ہوگا لیکن اس توقع کے ساتھ یہ بھی خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں غافل کا حال تارک نماز کی نسبت برا نہ ہو کیونکہ جو شخص خدمت کو حاضر ہو کر حضور میں سستی کرے اور کلام غافلوں اور حقارت کرنیوالوں کے سے منہ سے نکالے اس کا حال اس شخص کی نسبت برا نہ ہوگا جو خدمت ہی نہ کرے اور جبکہ اسباب خوف و رجا کے ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور معاملہ فی نفسہ خطرناک ہے تو اب تکو اس کے بعد احتیاط کرنے خواہ سستی برتنے میں اختیار ہے اور باوجود اس کے فقہا جو نماز کی درستی کا حکم غفلت کے ہوتے ہوئے دیتے ہیں ان کو خلاف حکم نہیں دے سکتے اس لئے کہ مفتی کو تو یہ حکم بمجبوری دینا ہی پڑتا ہے جیسے پہلے مذکور ہوا۔ اور جو شخص کہ نماز کی بہبود سے واقف ہو اس کو معلوم ہو جاوے کہ غفلت نماز کو مضر ہے مگر چونکہ پہلے ہم علم باطن اور ظاہر کے فرق کے بیان

توڑنے کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ ممکن ہے کہ یہ مقصد بھی ہو مگر ان کا مقصد عام ہے اور وہ خبیثوں سے پناہ مانگنے اور خداوند تعالےٰ سے استعانت لینے کی ایک لطیف دعا ہے جو اور الہامی کتب میں نظر نہیں آتی حضور انور کو اندھیرے سے بہت نفرت تھی حجرے میں جب تک کہ چراغ روشن نہ ہو جاتا تھا آپ کو اطمینان نہ ہوتا تھا اس پر مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اندھیرے سے ڈرتے تھے حالانکہ ڈرنے کی کوئی بات لکھ آئے ہیں کہ اسرار شریعت میں سے جو منکشف ہوتے ہیں اُن کی تصریح کا مانع ایک یہ ہے کہ خلق اُن کے فہم سے قاصر ہے لہٰذا ہم اس بحث سے اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس قدر بھی طالب آخرت کے لئے کافی ہے اور جو شخص جدل کرنے والا خوغاض ہے اُس سے اب ہم کلام کرنا نہیں چاہتے اور حال اس تقریر کا یہ ہے کہ حضور دل نماز کی روح ہے اور کم سے کم مقدار جس سے کہ یہ روح باقی رہے اللہ اکبر کہنے کے وقت حضور دل کا ہونا ہے اور اس قدر سے اگر کم ہوگا تو صورت تباہی ہے اور جس قدر اس سے زیادہ حضور دل ہوگا اُسی قدر روح نماز کے اجزا میں پھیلے گی اور جو زندہ ایسا ہو کہ اس کو حرکت نہ ہو وہ مردہ کے قریب ہے پس جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت حضور دل ہو اُس کی نماز ایسے ہی زندہ کی مثل ہے جس میں حرکت نہ ہو اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ غفلت کے دور کرنے اور حضور دل میسر ہونے میں ہماری اپنی طرح مدد فرماوے۔ دوسرا بیان اُن امور باطنی کا جنے نماز کی زندگی پوری ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ اُن امور کے لئے بہت سے الفاظ میں مگر چھ لفظ ان کو بیان کرتے ہیں جن کی تفصیل مع اسباب اور علاج کے ہم آگے لکھتے ہیں اُن میں سے اوّل حضور دل ہے اور اُس سے ہماری غرض یہ ہے کہ جس کام کو آدمی کر رہا ہے اور جس کلام کو بول رہا ہے اس کے سوا دوسری چیزوں سے دل فارغ ہو یعنی دل کو فعل اور قول دونوں کا علم ہو اور اُن دونوں کے سوا اور کسی چیز میں ظرجو لانی نہ کر رہا ہو اور جب آدمی کا فکر جس کام میں وہ لگا ہوا ہے اُس سے دوسری طرف نہ جاوے اور اُس کام کی یاد دل میں ہو اور اس کی کسی جانب سے غفلت ہو تو حضور دل حاصل ہے۔ دوسری بات فہم ہے یعنی کلام کے معنی کو سمجھنا اور یہ حضور دل کے سوا دوسری بات ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دل لفظوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہے ان کے معنوں کے ساتھ حاضر نہیں ہوتا تو ہمارا مقصود فہم سے دل میں معنی لفظ کا علم ہونا ہے اور اس مقام میں لوگ مختلف ہوتے ہیں کیونکہ معانی قرآن اور تسبیحات کے سمجھنے میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے اور بہت سے لطیف معانی ایسے ہوتے ہیں کہ نمازی عین نماز میں اُن کو سمجھ لیتا ہے حالانکہ وہ اس کے دل میں پہلے کبھی نہ گذرے تھے اور اسی وجہ سے نماز فحشا اور برائی سے منع کرتی ہے یعنی ایسی باتیں سمجھتی ہے کہ وہ برائی سے خواہ مخواہ مانع ہوں۔ تیسری

نفس ہے ہر کام شیطان اور باطل نفع بغیر روشنی کے کبھی اندھیرے میں پسند نہیں کرے گا کیونکہ اندھیرے میں انسان کی جان کو صدہا خطرے ہیں اور جان کی حفاظت ہر شخص پر فرض ہے۔ کوئی عقلمند اور ہوش والا اپنی جان خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرے گا یہ اعتراض محض مہمل اور بے معنی ہے۔ مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تمہارے گھٹا باد لوں کی گرگراہٹ ہوا کے طوفان سے حضور انور بہت ڈرتے تھے حالانکہ یہ

بات تعظیم ہے جو حضور دل اور فہم کے علاوہ ہے کیونکہ آدمی اپنے غلام سے کوئی کلام کرتا ہے اور دل بھی اس کا فہم ہوتا ہے اور معنی اپنے کلام کے سمجھتا ہے مگر غلام کی تعظیم نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ تعظیم حضور دل اور فہم سے بڑھ کر ہے۔ چوتھی ہیبت یہ تعظیم سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ ہیبت اس خوف کو کہتے ہیں جس کا منشا تعظیم ہو کیونکہ جس کو بالکل خوف نہ ہو اس کو ہیبت زدہ نہیں کہتے اور نہ بچھو سے اور غلام کی بدخلقی اور دوسری اسی جیسی دنیا کی چیزوں سے ڈرنے کو ہیبت کہتے ہیں بلکہ بڑے بادشاہ سے خوف کرنے کو ہیبت کہتے ہیں غرض کہ ہیبت وہی خوف ہے جو جلال اور تعظیم کی وجہ سے پیدا ہو۔ پانچویں رجا اس میں کچھ شک نہیں کہ رجا ان پہلی باتوں کے علاوہ ہے بہت ایسے لوگ ہیں کہ کسی بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کے دبدبے سے ڈرتے ہیں مگر اس سے توقع کچھ نہیں رکھتے اور بندے کو چاہئے کہ اپنی نماز سے خدا تعالیٰ کے ثواب کی توقع رکھے جیسے کہ گناہ سے اس کے عذاب کا خوف کرتا ہے۔ چھٹی حیا یہ ان پانچوں سے علیحدہ ہے کیونکہ اس کا منشا اپنی خطا پر واقف ہونا اور اپنے قصور کا وہم کرنا ہے تو تعظیم اور خوف اور رجا کے ہوتے ہوئے بھی حیا ہو سکتی ہے یعنی اگر تقصیر کا وہم اور گناہ کے ارتکاب کا خیال نہ ہو تو ظاہر ہے کہ حیا نہ ہوگی۔ غرض کہ ان چھوؤں باتوں سے نماز کی روح پوری ہوتی ہے۔ اب ان کے اسباب کو جاننا اس کو حضور دل کا سبب ہمت ہوتی ہے اس لئے کہ آدمی کا دل اس کی ہمت کا تابع ہوتا ہے اور ہمت ہم سے مشتق ہے جس کے معنی فکر کے ہیں تو جو بات آدمی کو فکر میں ڈالتی ہے اسی میں دل حاضر ہوتا ہے اور یہ بات آدمی کی سرشت میں ہے کہ فکر والے کام میں خواہ مخواہ حاضر رہتا ہے اور نماز میں اگر دل حاضر نہ ہو تو بیکار نہ رہے گا بلکہ دنیا کے امور میں سے جس بات میں آدمی کی ہمت یعنی فکر مصروف ہوگا اسی میں دل موجود ہوگا پس نماز میں دل کے حاضر کرنے کا کوئی حیلہ اور علاج نہیں بجز اس کے کہ ہمت کو نماز کی طرف پھیرا جاوے اور ہمت نماز کی طرف نہ پھرے گی جب تک یہ ظاہر نہ ہو جاوے کہ غرض مطلوب اسی سے متعلق ہے یعنی اس بات کا یقین اور تصدیق کرنا کہ آخرت بہتر اور پائدار اور غرض مطلوب ہے اور نماز اس مطلوب کے حصول کا ذریعہ ہے پس جب اس بات کو دنیا اور اس کے مہمات کے حقیر جاننے کے ساتھ ملاؤ تو ان دونوں کے مجموعہ سے نماز میں حضور دل حاصل ہوگا۔ اور جب تم کسی حاکم کے پاس جاتے ہو جو تمہارا نہ منتظر کرے نہ فکر تو اس وقت اسی جیسی بات سوچنے سے دل حاضر

بات نہیں ہے آسمان اور کرۂ باد کی یہ حالت دیکھ کے آپ کو قوم عاد اور قوم ثمود کے عذاب یاد آتے تھے جن میں خدا کی نافرمان مخلوق کھیل دی گئی تھی وہ پاک مقدس نفس خدا اور اس کی مخلوق کا سچا عاشق مخلوق کی اس بربادی کا خیال کر کے پریشان ہو جاتا تھا بے وقوف یہ سمجھتے تھے کہ آپ طوفان اور ابر سے ڈر گئے۔ سیور صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت چونکہ کمزور دل و دماغ کے تھے اس لئے قدرت کی ان نیرنگیوں کا اثر آپ

ہو جاتا ہے تو اگر شاہنشاہ حقیقی کی مناجات کے وقت جس کے قبضۂ قدرت میں ملک الموت اور نفع و نقصان ہے تمہارا دل حاضر نہ ہوتا ہو تو اس کا سبب بجز اپنے ایمان کے ضعیف ہونے کے اور کچھ مت گمان کرنا اور اس صورت میں تمکو اپنے ایمان کے قوی کرنے میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کا طریق کامل طور پر دوسری جگہ بیان کیا جاوے گا۔ اور فہم کا سبب بعد حضور دل کے فکر کا قائم رکھنا اور ذہن کو معنی کے ادراک کی طرف پہیر نا ہے اور اس کی تدبیر وہی ہے جو دل کے حاضر ہونے کی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ فکر پر متوجہ ہونا اور جو وسوسے کہ شغول کر دیں اُن کے دور کرنے کے لئے مستعد رہنا چاہئے اور اس قسم کے وسوسوں کے دفع کرنے کا علاج یہ ہے کہ ان کا مواد سب قطع کر دے یعنی جن چیزوں کی طرف کہ وسوسے دوڑتے ہوں اُن میں سے کوئی اپنے پاس نہ رکھے اور جب تک یہ مواد نہ دور ہو گا تب تک وسوسے چلے جاویں گے کیونکہ جو شخص کسی چیز کو چاہتا ہے اس کا ذکر بہت کرتا ہے اس لئے محبوب چیز کا ذکر یقیناً دل پر ہجوم کرتا ہے اور اسی وجہ سے دیکھتے ہو کہ جو شخص غیر اللہ سے محبت رکھتا ہے اس کی کوئی نماز وسوسوں سے صاف نہیں ہوتی۔ اور تعظیم دو چیزوں کے جاننے کے سبب سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اوّل خدائے تعالیٰ کے جلال و عظمت کا پہچاننا جو اصل ایمان ہے کیونکہ جو شخص معتقد اس کی عظمت کا نہ ہو گا اس کا نفس اس کی عظمت کے سامنے نہ دبے گا۔ دوّم نفس کی حقارت اور پستی کو پہچاننا اور اس کو بندہ سفر مملوک سمجھنا ان دونوں باتوں کے جاننے سے فروتنی اور انکساری اور اللہ تعالےٰ کے لئے خشوع کرنا پیدا ہوتا ہے جس کو تعظیم کہتے ہیں اور جب تک کہ نفس کی حقارت کی معرفت خدا تعالےٰ کے جلال کی معرفت سے نہیں ملتی تب تک تعظیم اور خشوع کی حالت مستقل نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص غیر سے مستغنی اور اپنے نفس پر ناموں ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے کی صفت جان لے مگر خشوع اس کو نہ ہو اس وجہ سے کہ دوسری بات یعنی نفس کی حقارت اور اس کا محتاج ہونا اس کے علم کا ضمیمہ نہیں ہوا اور ہیبت اور خوف نفس کیحالت ہی کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور سطوت اور اس کی خواہش کے نافذ ہونے اور کم پرواکرنے کو جاننے سے پیدا ہوتی ہے یعنی یوں سمجھئے کہ اگر خدا تعالےٰ اگلوں پچھلوں کو سب کو ہلاک کر دے تو اس کے ملک میں سے ایک ذرہ کم نہ ہو گا اور اس کے سبب ہی وہ باتیں دیکھے ہوا میں اور دریا پر مصیبتیں اور طرح طرح کی بلائیں آتی ہیں یا جو دیکھا اس کے دور کرنے پر قادر ہیں اور نہیں

پرست بتاتا تھا اور آپ اس سے پناہ مانگنے کے لیئے دعا مانگا کرتے تھے حالانکہ یہ بات غلط ہے جو کچھ ہم نے اس اوراق کی اور پر تنقیح کی ہے وہ قرین قیاس ہی نہیں ہے بلکہ صحیح روایتوں اور حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے ایک حدیث مشکوٰۃ کی میور صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے حالانکہ صحیح بخاری جیسی معتبر کتاب کی نسبت تو وہ یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ اس کی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے مگر الزام لگانے کے وقت انہوں نے بخاری چھوڑ مشکوٰۃ کو اپنا

کے سلاطین کا حال اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے غرض کہ جتنا اللہ تعالیٰ کا علم آدمی کو زیادہ ہوگا اتنا ہی خوف اور ہیبت زیادہ ہوگی۔ اور رجا کا سبب یہ ہے کہ آدمی خدائے تعالےٰ کے لطف و کرم اور انعام عمیم اور صنعت کے لطائف کو پہچانے اور نماز کے باعث جو اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کو پہچانے پس جب وعدہ پر یقین اور اس کے لطف کی معرفت حاصل ہوگی تو ان دونوں کے مجموعہ سے بیشک رجا پیدا ہوگی اور رجا اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ عبادت میں اپنے آپ کو قصور وار سمجھے اور جانے کہ خدا تعالیٰ کا جتنا بڑا حق ہے اس کی بجا آوری سے میں عاجز ہوں اور اس بات کو اپنے نفس کے عیب اور اس کی آفتوں سے پہچانے اور اس کی علت اخلاق اور خبث باطن اور سب افعال میں سردست کی فائدے پر مواظب ہونے کو خیال کرنے سے قوت دے اور اس کے ساتھ ہی یہ جانے کہ خدا تعالیٰ کا جلال کون سی عظمت کا مقتضی ہے اور یہ کہ وہ باطن پر اور دل کے وسوسوں پر خواہ کتنے ہی باریک و خفیہ ہوں مطلع ہے حاصل یہ کہ جب یہ معرفتیں حاصل ہوں گی تو یقیناً ایک حالت پیدا ہوگی جس کو حیا کہتے ہیں۔ ان صفتوں کے سبب یہ تھے جو مذکور ہوئے پس جس صفت کا طلب کرنا منظور ہو اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے سبب کو پیدا کرنا چاہئے کیونکہ سبب کے معلوم کرنے سے علاج خود معلوم ہو جاتا ہے اور ان سب سببوں کا رابطہ ایمان و یقین ہے یعنی یہی معرفتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یہ یقینی ہو جاویں کہ ان میں کسی طرح شک نہ رہے اور دل پر غالب ہو جاویں اور یقین کے معنی شک نہ رہنے اور دل پر مسلط ہونے کے پہلے لکھے جا چکے ہیں اور جس قدر یقین ہوتا ہے اسی قدر دل خشوع کرتا ہے اور اسی جہت سے حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے تھے اور ہم ان سے باتیں کرتے تھے مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو گویا وہ نہ ہم کو جانتے اور نہ ہم ان کو جانتے۔ اور روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ جب تو مجھ کو ذکر کرے تو ایسی طرح ذکر کر کہ اپنے اعضا کو ہلاؤ اور میرے ذکر کے وقت خشوع اور اطمینان سے رہو جب میرا ذکر کرے تب اپنی زبان اپنے دل کے پیچھے کر لے اور جب میرے سامنے کھڑا ہو تو ذلیل بندے کی طرح کھڑا ہو اور مجھ سے مناجات زبان صادق اور دل خائف کے ساتھ کر۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اپنی امت کے گنہگاروں سے کہدے کہ میرا ذکر نہ کریں کہ میں نے اپنے نفس پر قسم دے لی ہے کہ جو کوئی میرا

پشت پناہ بنا کے آنحضرت کا خوف ظاہر کرنے کے لیئے سند پیش کیا ہے اور اس حدیث کے متعلق یہ تحریر کیا ہے یہ بالکل صحیح ہے حالانکہ میور صاحب سے کوئی یہ دریافت کرے کہ جب آپ کل حدیثوں کو غلط ٹھیرا چکے ہیں پھر اس حدیث کی صحت کے متعلق آپ کو ضرور الہام ہوا ہوگا یا مثل یوحنا کے کسی مکاشفے کے بھنور میں آپ پھنس گئے ہونگے جس نے اپنے مکاشفے کے بیان سے تمام مشرقی نشانوں کو بالغیں میرے بٹھا دیا بہرحال ہم منکوحہ کی حدیث

ذکر کریگا تو میں اس کا ذکر کرونگا پس اگر وہ میرا ذکر کریں گے تو میں اُن کا ذکر کروں گا لعنت کے ساتھ یہ حال گنہگار کا ہے جو غافل ہوا اور اگر غفلت اور معصیت دونوں جمع ہوجاویں تب کیا حال ہوگا۔ اور جس امور کو ہم نے لکھا ہے اُن کی مختلف کرنے سے آدمیوں کی کئی قسمیں ہوگئیں۔ بعضے تو ایسے غافل ہیں کہ نماز سب پڑھتے ہیں مگر دل کا حضور ایک لحظہ کو نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نماز پوری پڑھتے ہیں اور ایک لحظہ کو بھی دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض وقت ایسی طرح فکر کو نماز میں لگاتے ہیں کہ اُن کے سامنے کوئی حال گزر جائے اُن کو خبر ہی نہیں ہوتی اسی وجہ سے مسلمان بسیار کو سستی گرفتے اور اس کے لیئے لوگوں کے جمع ہونے کی کچھ خبر نہیں ہوئی اور بعض اکابر مدت تک جماعت میں حاضر ہوئے مگر کبھی یہ پہچانا کہ امام پر کون ہے۔ اور بایں پر کون ہے اور حضرت ابرہیم علیہ السلام کے دل کے جوش کی آواز دو میل کے فاصلہ پر سنائی دیتی تھی اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ نماز کے وقت اُن کے چہرے زرد ہوجاتے تھے اور شانے تھراتے تھے اور یہ امور ہوتے کچھ بعید نہیں اس لئے کہ اُن سے دو چند دنیا داروں کے افکار اور بادشاہان زمین کے خوف سے مشاہدہ ہوتی ہیں حالانکہ یہ عاجز اور ضعیف ہیں اور جو کچھ اُن سے ملتا ہے وہ بھی حقیر و خفیف یہاں تک کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر کے پاس جاکر کسی مقدمہ میں بات کرتا ہے اور چلا آتا ہے اس سے اگر پوچھا جائے کہ بادشاہ کے گرد کون لوگ تھے اور اس کا لباس کیا تھا تو ہرگز نہ بتلا سکے گا کیونکہ اپنے دھندے کی فکر میں ڈوبے رہنے سے اس کو اتنی مہلت کہاں تھی کہ اس کے لباس یا گرد کے لوگوں کو دیکھے۔ اور چونکہ ہر شخص کو اپنے اعمال میں مختلف حصے ملیں گے تو نماز میں ہر ایک کا حصہ اسی قدر ہوگا جتنا خوف اور خشوع اور تعظیم اس نے کی ہوگی کیونکہ اللہ تعالےٰ کے دیکھنے کی جگہ دل میں ظاہر کے حرکات نہیں اور اس لیئے بعض صحابہؓ نے فرمایا ہے کہ آدمی قیامت کو اس جیسی صورت پر ہیں گے جو اُن کی شکل نماز میں ہوگی یعنی اطمینان اور سکون اور نماز میں لذت کا پانا جس قدر ہوگا اسی قدر قیامت میں یہ چیزیں اس کو حاصل ہوں گی اور واقع میں انہوں نے درست کہا کیونکہ آدمی کا حشر اسی بات پر ہوگا جس پر مرے گا۔ اور مرے گا اس حال پر جس پر کہ زندہ رہتا ہے اور اس بات میں اس کے دل کے حال کی رعایت کی جاوے گی جسم ظاہری کے حال کا لحاظ نہ ہوگا اس لئے کہ دلوں کے صفات ہی سے دار آخرت میں صورتیں ڈھالی جاویں گی اور نجات اسی کو ہوگی جو اللہ تعالےٰ کے پاس دل سلیم لیکر

کرتے ہیں مگر اسے بھی غور سے دیکھنے کے بعد سیور صاحب کا مطلب نہیں نکلتا چنانچہ وہ حدیث یہ ہے "اے میرے خدا یقیناً میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو اس طوفان اور اس فطرت سے اور جو چیز کہ تو نے اس میں بھی ہے میرے لئے نیک نتیجہ پیدا کریں اس ہوا کے بُرے نتیجہ سے اور نقصانات سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں" پھر سیور صاحب لکھتے ہیں جب بادل آسمان پر نمودار ہوتے تھے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا کبھی آپ باہر آتے تھے

جاوے گا۔ خدا ہم کو بھی توفیق اپنے لطف و کرم سے عنایت فرماوے۔ بیتسر ابیان اس تدبیر کے ذکر میں جو حضور دل میں مفید پڑے واضح ہو کہ مؤمن کے لئے ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ کی تعظیم کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا اور توقع رکھنے والا اور اپنی تقصیر سے نادم ہو یعنی ایمان کے بعد ان احوال سے جدا نہ ہو اگرچہ اُن کی قوت موافق اس کے یقین کی قوت کے ہوگی۔ پس نمازیں ان حالات کا نہ ہونا اسی جہت ہوگا کہ فکر پراگندہ ہوا اور دل نماجات میں حاضر نہ ہوا اور نماز سے غافل ہوا اور نماز سے غفلت انھیں وسوسوں کے باعث ہوتی ہے جو دل پر وارد ہو کر اس کو مشغول کر دیتے ہیں اس صورت میں حضور دل کی تدبیر یہی ہے کہ اُن وسوسوں کو دور کیا جاوے اور چیز جب ہی دُور ہوتی ہے جب اس کا سبب دور ہو تو اب خواہ کے سبب کو معلوم کرنا چاہئے کہ اُن کے وارد ہونے کا سبب یا تو امر خارجی ہوتا ہے یا کوئی امر ذاتی پوشیدہ ہوتا ہے امر خارجی وہ چیزیں ہیں کہ کان اور آنکھ میں پڑتی ہیں یہ بھی بعض اوقات فکر کو اُچاٹ کر دیتی ہیں یہاں تک کہ فکر ان اشیاء کے درپے ہو کر ان میں تصرف کرتا ہے اور ان سے اور شیاء کی طرف پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح اور سلسلہ بندہ جاتا ہے کہ اول بنائی فکر کا سبب ہو پھر یہ فکر دوسری فکر کا سبب ہوا اور علیٰ ہذا القیاس اور جس شخص کا رتبہ قوی اور ہمت عالی ہو اس کے حواس کے سامنے کچھ گزرنا اس کو غافل نہیں کرتا مگر ضعیف کا فکر ضرور پراگندہ ہو جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ ان اسباب کو قطع کرے اس طرح کہ اپنی آنکھیں بند کر لے یا اندھیرے مکان میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ رکھے جس میں حواس مشغول ہوں اور نماز کے وقت دیوار کے قریب رہے تاکہ مسافت دیکھنے کی پہنچ نہ پاوے اور راستوں پر اور نقش و نگار کی جگہ پر اور رنگین فرشوں پر نماز پڑھنے سے احتراز کرے اور اسی وجہ سے عابد لوگ ایک چھوٹے سے حجرہ تاریک میں نماز پڑھتے تھے کہ صرف سجدہ کی گنجائش ہو سکے تاکہ فکر مجتمع رہے اور قوی شخص مسجدوں میں حاضر ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور نظر کو سجدہ کے مقام سے آگے نہ بڑھاتے تھے اور نماز کا کمال اس میں سمجھتے تھے کہ اس بات کو نہ جانیں کہ داہنے پر کون ہے اور بائیں پر کون اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سجدہ کی جگہ میں نہ تلوار چھوڑتے تھے نہ کلام مجید اور اگر کچھ لکھا پاتے تو اس کو مٹا دیتے۔ اور یہ باطنی وسوسوں کے سخت تر ہیں اس لئے کہ جس شخص کے افکار دنیا کے معاملات میں پھیل جاتے ہیں اس کا فکر ایک فن

کبھی اندر جاتے تھے جب بارش ہو چکتی تھی اور بادل پھٹ جاتا تھا اس وقت آپ مطمئن ہوتے تھے حضرت عائشہ اپنے نبی اور شوہر کی اس کیفیت سے خوب واقف تھیں ایک دن انہوں نے دریافت کیا کہ اس خوف کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا اے عائشہ مجھے اس ہوا کے طوفان اور بادلوں سے عاد کی قوم کی بربادی یاد آتی ہے کیونکہ اس وقت جب بادل آسمان پر آیا تھا تو قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لئے بڑی برسانی

میں منحصر نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ ایک جانب سے دوسرے کی طرف آتا رہتا ہے اور انکھوں کا نیچا کرنا اس کو کافی نہیں ہوتا اس لئے کہ جو بات دل میں پہلے سے پڑ گئی ہے وہی شغل کو کافی ہے پس باطنی وسوسے کے دور کرنے کا طریق یہ ہے کہ نفس کو برسوق اس بات پر لاوے کہ جو کچھ نمازمیں پڑھے اس کو سمجھے اور اس میں لگا رہے دوسری چیزمیں مشغول نہ ہو اور اس امر پر اس کو امانت ہوگی اگر اس کی تیاری نیت باندھنے سے پہلے کرلے اس طرح کہ از سر نو نفس کو آخرت کی یاد دلاوے اور مناجات کا موقف اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خطرہ اور موت کے بعد کے احوال اس کے سامنے پیش کرے اور دل کو نیت سے پیشتر سب فکر کی چیزوں سے خالی کرلے اور کوئی شغل ایسا نہ چھوڑے جس کی طرف دل التفات کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی شیبہ کو ارشاد فرمایا کہ ،، انی نسیت ان اقول لک ان تحرا القبلۃ الذی فی البیت فانہ لا ینبغی ان یکون فی البیت شئی یشغل الناس عن صلوٰتہ" غرض کہ فکروں کے ساکن کرنے کا یہ طریقہ اور اگر اس تدبیر سے فکروں کا ابھار ساکن نہ ہو تو نجات کی سبیل بر سبیل کے اور کوئی نہیں جو کہ مرض کے مادہ کو رگوں کی جڑوں سے نکال پھینکے اور وہ سہل یہ ہے کہ جو امور شغل میں ڈالنے اور حضور دل سے پھیرنے والے ہیں اُن کو دیکھے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس کے مہمل ہی ہوں گے اور وہ بھی صرف شہوات کی جہت سے مہمل ہوگئے ہوں گے تو اپنے نفس کو سزا دے کہ اُن شہوات سے اجتناب کرے اور ان علاقوں کو قطع کردے اس لئے کہ جو چیز آدمی کو اُسکی نماز میں روکے وہ اس کے دین کی ضد اور اس کے دشمن ابلیس کا لشکر ہے تو اس کا روک رکھنا بہ نسبت دور کرنے کے زیادہ مضر ہے اس سے نجات جب ہی ہے کہ جب اس کو علیحدہ کردے چنانچہ مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجہم ایک چادر سیاہ جس کے دو پلو تھے لائے اور اس کو آپ نے پہن کر نماز پڑھی تو بعد نماز کے اس کو اتار ڈالا اور فرمایا کہ ابوجہم کے پاس لے جاؤ کہ اس نے مجھ کو اب میرے نماز سے غافل کردیا اور مجھ کو اُن کی سادی چادر لاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی میں نیا تسمہ لگانے کے لئے حکم فرمایا اور نماز میں اس کی طرف دیکھا اس جہت سے کہ نیا تھا تو حکم دیا کہ اس کو نکال کر پرانا تسمہ پھر ڈالدو۔ اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوڑا پہنا اور وہ آپ کو اچھا معلوم ہوا تو آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے تواضع اور فروتنی کی تاکہ مجھ

برسائے گا مگر وہ بات نہ ہوئی اس بادل نے انہیں سزا دی۔ اور اسی طرح ہوا کا طوفان اُن کے لئے سبوعہ کی
بعض ثابت ہوا اس حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضور انور کا انتشار یا خوف کس نہار پر تھا مخالفوں کو
اپنی انصاف پسندی پر روا چاہئے کہ وہ بلا وجہ کس طرح انصاف کا خون کر رہے ہیں یہ در حقیقت اُن کی
تحقیق اور غیر جانب دارانہ حکمت عملی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے تعصب سے اپنے کو اور عامہ مخلوق کو دھوکا
دیتے ہیں۔

تم غمناک نہ ہو پھر اس کو باہر لیگئے ایک سائل اول ملا اس کو حوالہ کر دیا پھر حضرت علی کو حکم کیا ایک جوتا نرم چمڑے کا پہنے
میرے لئے خرید دو پہلے اس کو آپ نے اپ پاؤں سے شرف فرمایا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرمت سے پیشتر
سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے اسکو نکال کے پھینک دی اور فرمایا کہ اس نے مجھے شغول کر دیا کبھی اس کو
دیکھتا ہوں کبھی تم کو۔ اور مروی ہے کہ حمیت ابو طلحہ نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اسی اثنار میں ایک جانور اُڑتے
ہوئے کا اُڑ جانے کو اُڑا ان کو وہ پرندا چھا معلوم ہوا اور گھڑی بھر تک اس کو دیکھا کئے اور بربادنہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ذکر کیا کہ آج یہ فتنہ مجھ پر گزرا اور عرض کیا کہ اب وہ باغ صدقہ ہے جہاں
چاہیئے وہاں اس کو صرف فرمایئے۔ اور ایک ہی اور شخص کا ذکر ہے کہ اُس نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اور اس کے خرما
کے درختہ پہلوں کے مارے جھکے پڑتے تھے کہ اُن کو جو دیکھا تو اچھے معلوم ہوئے اور یہ بھول گئے کہ کتنی نماز پڑھی ہے نیز
ماجرا حضرت عثمان غنی سے ذکر کیا اور عرض کیا وہ باغ صدقہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کیجئے حضرت عثمان
نے اس کو دس ہزار میں بیچا۔ اکابر سلف فکر کی جڑ کاٹنے کو اور نماز کے نقصان کے کفارہ کے لئے یہ تدبیریں کرتے تھے
اور واقع میں علت کے مادے کی جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیر بھی ہے اس کے سوا دوسری بات مفید نہ ہوگی کیونکہ جو
بات اپنے کہی ہے کہ نفس کو نرمی ساکن رہا جائے اور ذکر کے سمجھنے پر رہنا چاہئے تو وہ صرف شہوتوں اور اُن فکروں
میں کارآمد ہے جو دل کے اطراف ہی ٹھیرے ہوں مگر شہوت قویہ جو خوب زور شور پر ہو اس میں ساکن کرنا مفید
نہیں بلکہ وہ تمکو کھینچے گی اور تم اُس کو کھینچے رہو گے پھر وہی غالب رہے گی ساری عمر اسی کشاکش میں کمزے گی اور
اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے پہنچکر یہ چاہے کہ میرا فکر یکسو ہو اور اس پر کی چڑیاں بھل
بول کر اس کی فکر کو منتشر کرتی ہوں اور وہ ایک لکڑی کو ہاتھ میں لیکر ان کو اڑا دے اور پھر اپنی فکر میں مشغول ہو تو
چڑیاں بھی پھر غل کرنے لگیں پھر یہ فکر کی سے بھگانے لگے اور کوئی اس سے کہے۔ یہ چال جو تم چلے ہو کبھی پوری نہ ہوگی
اگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو تو درخت کو اکھیڑ ڈالو یہی حال شہوات سے درخت کا ہے جب اُس کی شاخیں پھیل جاتی

پانچواں باب

اہل مکہ اور اہل مدینہ کی مخالفتیں

ہیں تو اس پر طرح اسی طرح دوڑتے ہیں جیسے چڑیاں درخت پر دوڑتی ہیں یا کبھی غلاظت پر اور اُن کے دفع کرنے میں کام آتی ہے کیونکہ کبھی کو جب ٹالدو پھر چلی آتی ہے یہی حال وسوسوں کا ہے اور یہ شہوتیں بہت سی ہیں اور نبذہ اُن سے بہت کم خالی ہوتا ہے اور اُن سب کی جڑ ایک چیز ہے یعنی دنیا کی محبت یہ ہر ایک برائی کی جڑ اور ہر نقصان کی بنیاد اور ہر ایک فساد کا منبع ہے اور جس شخص کا باطن دنیا کی محبت پر مشتمل ہوا اور اُس کی کسی چیز کی طرف رغبت کرے نہ اس غرض سے کہ اس کو توشہ آخرت بنا دے یا آخرت پر اس سے مدد چاہے تو اس کو طمع نہ کرنی چاہیئے کہ نماز میں لذت مناجات کبھی اس کو صاف طور سے حاصل ہو لیکن تاہم اسکو مجاہدہ کا چھوڑنا نہ چاہیئے اور جس طرح ہو سکے دل کو نماز کی طرف پھیرے اور اسباب فکر میں ڈالنے والی کمی کرے غرض یہ دوا تلخ ہے اور اس کی تلخی کی جہت سے طبیعتیں اس کو بدمزہ جانتی ہیں اور بیدماغ لوگ پرانا اور درد لا علاج ہو گیا یہاں تک کہ اکابر نے قصد کیا کہ وہ کہتیں ایسی سڑیں جن میں دنیا کے امور کو اپنے دل میں نہ لاویں تو یہ اُن سے نہ ہو سکا جب اُن لوگوں کو اس طرح کا دوکام میسر نہ ہوا تو ہم جیسوں کو اس کی طمع نہیں ہو سکتی اور کاش ہم کو نماز میں سے آدھی خواہ چوتھائی وسواس سے خالی بجا دے تو ہمیں لوگوں میں سے ہو جاویں جنہوں نے نیک اعمال میں اعمال بد کو ملا جلا دیا۔ حاصل یہ کہ دنیا کی فکر اور آخرت کی ہمت دل میں ایسی ہے جیسے تیل کے بہرے پیالے میں پانی ڈالو کہ جس قدر پانی پیالے میں جاوے گا اسی قدر یقیناً تیل نکل جاوے گا یا نہ ہوگا کہ دونوں جمع ہو جاویں۔

چوتھا بیان اُن امور کی تفصیل میں جن کا دل میں حاضر ہونا نماز کے ہر ایک رکن اور شرط وغیرہ میں ضرور ہے۔

اگر تم کو آخرت منظور ہے تو تم پر پہلے لازم یہ ہے کہ جو تنبیہات کہ نماز کی شرطوں اور رکنوں میں ہم لکھتے ہیں ان سے غافل نہ ہو۔ نماز کی شرطیں اور جو امور اس سے پیشتر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں اذان اور طہارت اور بوقت کا ڈھونڈنا اور قبلہ کیطرف متوجہ ہونا اور سیدھا کھڑا ہونا اور نیت کرنی پس جب مؤذن کی اذان سنو تو اپنے دل میں قیامت کے پکار کی دہشت حاضر کرو اور اذان کو سنتے ہی اپنے ظاہر اور باطن سے اس کی اجابت کے لئے مستعد ہو جاؤ جلدی کرو کیونکہ جو لوگ مؤذن کی اذان کے بعد جلدی کریں گے وہ قیامت کے روز لطف کے ساتھ پکارے جاویں گے اور اذان پر

حضور انور جب مکہ سے تشریف لے آئے ہیں اور آپکے امتی بھی آپ کے ہمرکاب چلے آئے ہیں تو مکہ میں اگرچہ ایک سکون ہو گیا تھا مگر اپنی ناکامی پر افسوس اور دلی پچتاوا اور انتقام لینے کا خیال برابر موجود تھا۔ وہ اپنے محلوں اور مکانوں کو خالی دیکھ کے سرد آہن بھرتے تھے اور دلمیں خیال کرتے تھے کہ جس شخص نے ہمارے قبائل میں تفرقہ اندازی کی جس نے ہم میں زلزلہ ڈالدیا اور

اپنے دل کا جائزہ لو اگر اسکو خوشی اور فرحت سے بھرا پاؤ اور جلد چلنے کی رغبت سے پُر ہو تو جان لو کہ روز جزا میں تمکو بشارت اور فلاح پانیکی آواز آویگی اور اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ارحنا یا بلال" یعنی نماز سے اور اسکی اذان دینے سے ہمکو راحت پہنچاؤ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔ اور طہارت کا حال یہ ہو کہ جب تم نماز کی جگہ کو پاک کر لو جو تمہارا ظرف بعید ہے پھر کپڑے کو پاک کر لو جو تمہارا ظرف قریب ہے پھر ظاہر کی جلد کو پاک کر لو جو تمہارا بہت نزدیک کا پوست ہے تو اپنے مغز اور ذات یعنی دل کی طہارت سے غافل نہ ہو اسکی طہارت کیلئے توجہ من اور خطاؤں پر نادم ہونے میں کوشش کرو اور آیندہ قصد مصمم اُن قصوروں کے نہ کرنیکا کرو دلی طہارت ان امور سے ضرور کر لو یہ تمہارے معبود کے دیکھنے کی جگہ ہے اور ستر عورت سو یہ سمجھو کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ بدن کے وہ مقامات لوگوں کی نظروں سے چھپائے جاویں کہ ظاہر بدن پر لوگوں کی نگاہ پڑتی ہے تو پھر کیا بات ہے کہ باطن کی خرابیاں جنپر بجز پروردگار کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا چھپائی نہ جاویں پس اُن سب عیبوں کو اپنے دلمیں حاضر کرو۔ اور نفس سے آنکے چھپانیکی درخواست کرو اور یہ بات دلمیں ٹھان لو کہ خدائے تعالیٰ کی نظر سے وہ عیب اور کوئی سی چیز چھپ نہیں سکتی مگر اپنے نادم ہونا اور اللہ تعالیٰ سے حیا اور خوف کرنا اُنکا کفارہ ہو جاتا ہے تو اُن برائیوں کے دلمیں حاضر کرنیسے تمکو یہ فائدہ ہو گا کہ تمہارے دلمیں خوف اور حیا جاں چھپے ہونگے اُبھر کھڑے ہون گے اسوقت تمہارا دل دبے گا اور خجالت دل پر چھاویگی اور خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسا کھڑے ہو گے جیسا غلام گنہگار بدکردار بھاگا ہوا اپنکر دار سے پشیمان ہو کر اپنے آقا کے سامنے سر جھکائے شرمندہ خوف زدہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور قبلہ رُخ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اپنے ظاہر چہرے کو سب طرفسے پھیر کے خدائے تعالےٰ کے خانہ کعبہ کیطرف کر لو پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ دل کا پھیرنا تمام معاملات سے خدائے تعالیٰ کے امر کی طرف تم سے مطلوب نہیں یہ ہرگز مت سمجھنا بلکہ یوں سمجھو کہ اسکے سوا اور کوئی مقصود نہیں یہ ظاہر کے اعمال سب باطن کی تحریک کیواسطے اور اعضا کو ضبط رکھنے اور اُن کو ایک طرف میں ساکن کرنے کے لئے ہیں تاکہ یہ اعضا دل پر بغاوت نہ کریں کیونکہ اگر دل پر بغاوت کرینگے اور اپنے حرکات میں اور اپنے اپنے جہات کیطرف التفات میں ظلم کرینگے تو دل کو بھی اپنے پیچھے لگا کر خدا کیطرف سے

جنسے ہمارے شہر کو ویران کر دیا اسے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دینا چاہیئے اس صورت سے آپسی نئی مخالفت کی آگ اُن کے دلوں میں سُلگ رہی تھی اور وہ بالکل خاموش تھے۔

اِدہر حضور انور کا خیال اپنے وطن کیطرف لگا ہوا تھا آپکی دلی خواہش تھی کہ ایک دفعہ میں اپنے وطن میں بطور فاتح کے داخل ہوں اور میرے عزیزوں نے جن بتوں کی حمایت میں مجھے ستایا اور

اسکو پھیر دیگا اس صورت میں چاہیئے کہ تمہارے بدن کی توجہ کیساتھ ہی دل کی توجہ بھی ہو یعنی جسطرح چہرہ خانہ کعبہ کی طرف بجز اسباب کے نہیں ہو سکتا کہ اُسکو اور سب طرفوں سے پھیر لیا جائے اسیطرح دل بھی خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں پھرتا جب تک اوسکو ماسوا سے خالی نہ کر لیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ نماز کو کھڑا ہوا اور اسکی خواہش اور منہ اور دل خدائے تعالیٰ کیطرف ہوں تو وہ نماز سے ایسا فارغ ہوگا جیسے جس روز کہ اُسکی ماں نے اُسے جنا تھا۔ اور سیدھا کھڑا ہونے سے یہ غرض ہے کہ اپنے بدن اور دل سے خدائے تعالےٰ کے سامنے خدمت کو کھڑے ہو اس صورت میں چاہیئے کہ سر جو تمہارے اعضا میں سب سے اونچا ہے پست اور جھکا ہوا اور نہ کسر ہو اور سر کی اونچائی دور کرنے سے یہ تنبیہ ہو کہ دلیر فروتنی اور ذلت لازم ہے اور اسوقت کہ کھڑے ہونے سے اس روز کا کھڑا ہونا یاد کرو کہ خدائے تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا جائے گا اور اب سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو اور وہ تم کو دیکھ رہا ہے اسی لئے اگر تم سے اُسکی کُنہ جلال کا دریافت کرنا نہیں سکتے تو اس کے سامنے اسی طرح کھڑے ہو جیسے دنیا کے کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہو بلکہ نماز کے قیام میں یہ فرض کرلو کہ تم کو کوئی تمہارے گھر کا بہت نیک آدمی خوب دیکھ رہا ہے یا جسکو تم اپنی نیک بختی جتلاتے ہو وہ تمہاری طرف نظر کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی ایسا آدمی دیکھتا ہے تو اسوقت تمہارے ہاتھ پاؤں ساکن اور اعضا ڈھیلے اور اجزا مسکنت کے ساتھ رہتے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں وہ بندہ جو حقیقت میں عاجز ہے تمکو یہ دیکھے کہ فروتنی کم کرتے ہو پس جب بندہ مسکین کے ہوتے تم اپنے نفس کا یہ حال معلوم کرو تو اُسپر عتاب کرو اور کہو کہ تو دعوے خدائے تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا کرتا ہے تجھے اس کے سامنے جرأت کرنے سے شرم نہیں آتی حالانکہ اس کے ایک ادنےٰ بندے کی تو قیر کرتا ہے اور لوگوں سے خوف کرتا ہے خدا سے نہیں ڈرتا جس سے ڈرنا زیبا ہے اور اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کسطرح ہونی ہو تو آپنے فرمایا کہ اس سے اسطرح حیا کرو کہ جیسے اپنے کنبہ کے کسی شریف شخص سے حیا کیا کرتے ہو۔ اور نیت میں یہ تدبیر کی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نماز کا

وطن سے بے وطن کیا میں اپنے ہاتھ سے ان بتوں کو مکہ سے پرے پھینک دوں یہ خیال آپ کا روز بروز قوی ہوتا جاتا تھا اور آپ کی یہ آرزو آپ کی نظروں کے آگے مجسم صورت اختیار کرتی جاتی تھی آپ ایک مناسب موقع کے منتظر تھے اور آپ کی خیر خواہی مخلوق کا جوش محتاط حکمت عملی میں دبا ہوا تھا۔

خدا کے کام سارے باقاعدہ اور بتدریج ہوتے ہیں لہذا اس طرح یکایک حضور انور کے ہاتھ کوئی موقع

کیا اس کو ہنسے مانا اور اس کے پوچھنے اور اس کے نواقض اور مفسدات سے باز رہنے پر اور ان سب امور کو خاص خدائے تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرنے پر عزم کرنا چاہئے اس غرض سے کہ توقع اس کے ثواب کی اور خوف اس کے عذاب کا اور مطلب اس کی نزدیکی کا ملحوظ خاطر رہے اور اس باب میں اس کا احسان اپنی گردن کا طوق جانے کہ باوجود ہمارے بے ادب اور کثرت سے گناہ گار ہونے کے ہمکو اجازت اپنی مناجات کی دی؛ اور اپنے دل میں اس کی مناجات کی بڑی قدر جانے اور دیکھے کہ میں کس سے مناجات کرتا ہوں اور کس طرح مناجات کرتا ہوں ایسی صورت میں چاہئے تو یہی کہ تمہاری پیشانی عرق پیشانی میں غرق ہو اور ہیبت سے شانے تمہارے تھرا دیں اور خوف کے مارے رنگ زرد پڑ جائے اور اللہ اکبر کہنے میں جب زبان کو ان الفاظ سے گویا کرو تو چاہیئے کہ تمہارا دل اس قول کو جھوٹا نہ کرے یعنی اگر دل میں کوئی چیز خدائے تعالیٰ سے بڑی سمجھتے ہو گے تو اللہ تعالیٰ گواہی دیگا کہ تم جھوٹے ہو اگرچہ قول تمہارا سچا ہو جیسے سورۂ منافقون میں منافقوں کی زبانی کہنے کو ارشاد فرمایا کہ اللہ شاہد ہے کہ منافق جھوٹے ہیں یعنی دل سے اقرار رسالت نہیں کرتے صرف زبان سے کہتے ہیں کہ تم رسول ہو پس اگر خدائے تعالیٰ کے امر کی نسبت تمہاری خواہش نفس تم پر غالب ہو گی اور تم بہ نسبت خدائے تعالیٰ کے اس کے اطاعت زیادہ کرتے ہو گے تو گویا تم نے اپنا معبود اسی کو ٹھہرایا اور اسی کو بڑا جانا تو کیا عجب ہے کہ تمہارا اللہ اکبر کہنا صرف ایک لفظ زبانی ہی ہو اس وجہ سے کہ دل میں تو اس کی مواخذت ہی نہیں اور اس امر کا خوف نہایت بڑا ہے بلکہ توبہ اور استغفار اور اللہ کے لطف و کرم اور عفو پر حسن ظن نہ ہو اور شروع کی دعا میں اول تم یہ کہتے ہو کہ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض یعنی میں نے اپنا منہ کیا اس کی طرف جسنے بنائے آسمان و زمین اس میں مراد منہ سے ظاہر کا منہ نہیں اس لئے کہ ظاہر چہرہ کو تو تم قبلہ کی طرف کئے ہو گے اور خدائے تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی جہت اس کو گھیر سکے تو بدن کی توجہ اس کی طرف نہیں ہو سکتی ہاں دل کا منہ ہے جس کو تم خالق ارض و سما کی طرف کر سکتے ہو پس تامل کرو کہ جو دل گھر اور بازار کی جہات میں اپنی شہوات کی طرف مائل ہے یا خالق ارض و سموات کی طرف متوجہ ہے۔ اور خبردار ایسا نہ کرنا کہ اپنی مناجات کے شروع ہی میں جھوٹ اور بناوٹ کو دخل دو اور اللہ تعالیٰ کی طرف روئے دل اس وقت پھرتا ہے کہ اس کو اس کے غیر کی طرف سے پھیرلو تو اب تمکو کوشش کرنی چاہئے کہ دل کی

ایسا نہیں لگ سکتا تھا کہ آپ معاذ اپنی آرزو کو پورا کر لیتے مدینہ کی جو کچھ حالت تھی وہ یہ تھی کہ اہل مدینہ سے اس بات کا معاہدہ ہوا تھا کہ اگر باہر سے کوئی حملہ کرے گا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور اگر آپ نے کسی پر حملہ کیا تو ہمیں ساتھ دینے سے کچھ تعلق نہیں آپ نے دل میں اس بات کا ارادہ کر لیا تھا کہ جب تک میں ستایا نہ جاؤں گا یا مجھ پر حملہ نہ کیا جائے گا میں ہرگز شمشیر بدست نہیں ہونے کا۔

توجہ خدائے تعالےٰ کی طرف ہو اور اگر یہ بات ساری نہ ہو نہ میسر ہو تو جس وقت یہ کلمہ زبان پر ہو اس وقت تو سچا قول ہو اور جب زبان سے کہو خیر سلماً یعنی ایک طرفہ مسلمان ہو کر اپنے دل میں یہ سوچنا چاہئے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے ہوئے ہیں پس اگر تم ایسے نہیں ہو تو اس قول میں جھوٹے ہو تو اس بات کے لئے آئندہ ہی زمانہ میں کوشش کرو اور جو احوال پہلے گزرے ہوں اُن پر ندامت کرو اور جب یہ کہو "وما انا من المشرکین" یعنی میں شرک والوں سے نہیں ہوں تو اپنے دل میں شرک خفی کو تامل کرو اس لئے کہ یہ آیت "فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً" اس شخص کے باب میں اتری ہے جو اپنی عبادت سے رضائے خدا اور لوگوں کی تعریف چاہتا ہو پس اس شرک سے بہت اتقا چاہئے اور جس صورت میں کہ تم نے زبان سے تو کہا کہ میں مشرک نہیں اور اس شرک سے برأت نہیں کی تو اپنے دل میں شرمندہ ہونا چاہئے کہ شرک تھوڑا اور بہت سب ہی کو کہتے ہیں۔ اور جب کہو الحمائی دعائی لدمیر اجینا اور حرفا اللہ کے واسطے ہے تو یہ جانو کہ یہ حال اس غلام کا ہے کہ اپنے نفس کے حق میں مفقود ہوا اور آقا کے حق میں موجود ہوا اور یہ کلمہ جب ایسے شخص سے صادر ہو کہ اس کی رضا اور رغبت اور اٹھنا بیٹھنا اور زندگی کی رغبت اور موت کی دہشت دینے کے کاموں کے لئے ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کہنا اس حال کے مناسب نہیں۔ اور جب کہو "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے تو یہ جانو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور تاک لگائے ہوئے ہے کہ کسی طرح تمہارے دل کو خدائے تعالےٰ کی طرف سے پھیر دے کیونکہ اس کو تمہاری مناجات پر اور خدائے تعالےٰ کے لئے سجدہ کرنے پر حسد ہے کہ اس کو ایک سجدہ کے چھوڑنے سے طوق لعنت گلے میں پڑا اور مردود ابدی ہوا اور یہ سمجھو کہ تم جو شیطان سے پناہ مانگتے ہو تو یہ جب ٹھیک ہو کہ جو چیز شیطان کو محبوب ہو اس کو ترک کر دو اور اس کے بدلے میں خدائے تعالےٰ کی محبوب چیز اختیار کر دیں نہیں کہ صرف زبان سے پناہ کا مانگنا کافی ہو مثلاً اگر کسی شخص پر درندہ خواہ دشمن مارنے کے ارادے سے آوے اور وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور زبان سے کہے کہ میں تجھ سے اس مضبوط قلعہ کی پناہ چاہتا ہوں تو یہ کہنا اس کو کیا کام آوے گا بلکہ پناہ جب ہی ہو گی کہ اپنی جگہ کو چھوڑ کے گڑھے میں چلا جاوے اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا تابع ہے جو شیطان کو محبوب اور رحمٰن کو ناپسند ہیں تو اس کو زبان سے عوذ باللہ کہنا

پہلی لڑائی

اکثر اسلامی تاریخیں اس بات سے خاموش ہیں کہ پہلی لڑائی کے اسباب کیا تھے اس خاموشی سے عیسائی مورخوں نے فائدہ اوٹھا کے حضور انور پر حملے کئے ہیں اور دکھلایا ہے کہ دراصل قریشیوں کے قافلہ پر ڈاکہ مارا گیا حالانکہ یہ بات نہیں ہے عبید اللہ بن ابی اور ابوسفیان میں برابر خط وکتابت ہو رہی تھی اور قاصدوں کی آمد ورفت جاری تھی ان کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ شام سے واپس ہوتے وقت جب تمہارا قافلہ مدینہ سے گذرے تم فوراً مدینہ میں داخل ہو جانا ہم تمہارے ساتھ ہو جائیں گے قافلہ تو بیشک تجارتی تھا مگر اس کے ساتھ مسلح قریشیوں کا ایک معقول گروہ تھا اور وہ بالکل آمادہ جنگ تھے حضور انور ان کی باتوں سے بے خبر نہیں تھے اسکے علاوہ اگر یہ بات بھی تسلیم نہ کیجائے تو ایسے قافلے پر حملہ کرنا جو ابوجہل کی سرکردگی میں آرہا ہو ہر طرح ضروری اور واجب تھا ابوجہل وہ شخص تھا جس نے حضور انور کو وہ وہ تکلیفیں پہنچائی تھیں جن کے سننے سے کلیجہ شق ہوتا ہے اور جن کا ذکر ہم سیرۃ الرسول کے گزشتہ صفحوں میں کر آئے ہیں ایسے جانی دشمن کا اپنے گھر کے آگے سے گزر ہونا ہر طرح قابل شک تھا اگر اُس کو امن سے گزرنے دیا جاتا تو یہ یقیناً یہودیوں کے ساتھ ملکے بہت ہی شورش برپا کرتا اسی لحاظ سے حضور انور نے ایک چھوٹا سا گروہ

مفید نہ ہوگا بلکہ اس بانی قول کیساتھ خدائے تعالیٰ کے قلعہ میں پناہ لینے کا پکا ارادہ کرے اور اسکا قلعہ لا الٰہ الا اللہ ہے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو خبر دی ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے مامون رہا اور اس قلعہ میں پناہ لینے والا وہ شخص ہے جس کا معبود سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہو لیکن جس شخص نے کہ اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو بنا رکھا ہو تو وہ شیطان کے میدان میں ہے نہ خدائے تعالیٰ کے قلعہ میں۔ اور معلوم کرنا چاہئے کہ شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ آدمی کو نماز کے اندر آخرت کی فکر میں اور غیرات کرکا موں کے سوچنے میں لگا دیتا ہے تاکہ جو کچھ نماز میں پڑھا ہے اُسکے سمجھنے سے باز رہے تو یاد رکھو جو چیز تمکو نماز قرأت کے سمجھنے کی مانع ہو وہ وسواس ہے اس لئے کہ زبان کا ہلانا تو مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معانی ہیں اور قرأت کو باب میں آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ کہ اسکی زبان متحرک ہو اور دل غافل اور ایک وہ کہ زبان چپ ہو اور دل زبان کی پیروی کرتا ہو اور اسکے الفاظ کو ایسی طرح سمجھتا اور سنتا ہو کہ گویا دوسرا شخص اسکو سنتا ہے یہ درجہ صحابہ میں کا ہے اور ایک شخص وہ ہے کہ اسکا دل معانی کیطرف دوڑتا ہے پھر دل کی زبان تابع ہو کر اُن معانی کو ترجمہ کرتی ہے تو بہت فرق ہے اس بات میں کہ زبان دل کی ترجمان ہو یا دل کی

تیس مہاجرین کا حضرت امیر حمزہ کی سرکردگی میں روانہ کیا کہ اس کارروان پر حملہ کریں جو ابوجہل کی سالاری میں شام سے آرہا ہے اور تیس سو نوجوان زبردست خونخوار مسلح قریش اس کے ساتھ ہیں۔ سمندر کے کنارہ پر مکہ اور مدینہ کے بیچ میں حضرت امیر حمزہ نے اپنے تیس جانباز ساتھیوں کے ساتھ قافلہ پر حملہ کیا۔

دوسری مہم

اس میں بہت اختلاف ہے کہ آیا یہ پہلا غزوہ ہے یا دوسرا۔ بعض مورخوں کا بیان ہے کہ حضور انور سعد بن عبادہ کو مدینہ میں بطور خلیفہ کے نامزد کرکے اور اصحاب کی ایک جماعت کو ساتھ لیکے قریش اور بنی ضمیرہ کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تھے اور جب منزل براز میں پہونچے تو بنی ضمیرہ کا شیخ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند شرطوں پر صلح کرلی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب آپ واپس مدینہ تشریف لائے تو سعد بن ابی وقاص کو بیس آدمی دیکے جہنہ کے قریب حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا اور کچھ ہدایت فرمادی سعد دن بھر تو پوشیدہ کسی مقام پر بیٹھے رہتے اور رات کو اپنا سفر طے کرتے آخر وہ پانچویں دن مقام بحران پر پہنچے وہاں

معلم نبی مقرب لوگوں کی زبان کی ترجمان اور اسکی تابع ہوتی ہے اور دل اسکا تابع نہیں ہوتا۔ اور قرأت کو ترجمہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم کہو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور رحم والا ہے تو اس سے یہ ثابت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے شروع کرنیکے لئے اس سے تبرک چاہتا ہوں اور یہ بھی کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب امور اللہ ہی میں اور اسم سو اس جگہ مسمے ہے اور جبکہ سب کام اللہ کے ہوئے تو "الحمد للہ رب العالمین" بھی ٹھیک ہوا اسکے معنی یہ ہیں کہ شکر خدا کا ہی جو پروردگار ہے سب جہانوں کا کیونکہ نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو شخص کہ کسی نعمت کو غیر اللہ کی جانب سے جانتا ہے یا اپنے شکر سے غیر اللہ کا قصد کرتا ہے اور اسکو اللہ تعالیٰ کے حکم کا مسخر نہیں سمجھتا تو اسکو بسم اللہ اور الحمد للہ اور الحمد للہ کہنے میں اسی قدر نقصان ہوگا جس قدر وہ غیر اللہ کی طرف التفات رکھتا ہوگا اور جب تم کہو "الرحمن الرحیم" تو اپنے دل میں اسکے تمام انواع لطف کو حاضر کرلو تاکہ تم کو اسکی رحمت کا حال کھلے اور اس سے تمہاری امید ابھرے پھر "مالک یوم الدین" کہنے سے اپنے دل میں اس کی تعظیم اور خوف کو ابھارو عظمت اس جہت سے کہ ملک بجز اسکے اور کسی کا نہیں اور خوف اس جہت سے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ مالک ہے روز جزا اور حساب کا۔ پس اس دن کے

جاکے معلوم ہوا کہ قافلہ ایک روز پہلے یہاں سے گزر چکا ہے۔ یہ سنکر آپ مدینہ واپس چلے آئے پھر تیسری روایت یہ ہے کہ دوسرے سال ہجری میں سعد بن معاذ کو حضور انور مدینہ میں چھوڑ کر اور بائیس آدمیوں کو ساتھ لیکر قریش کے قافلے کا راستہ روکنے کے لئے روانہ ہوئے سنا ہے کہ قریش کے ساتھ ۱۵۰ مسلح آدمی تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی صرف آپ رضوی نامی پہاڑی تک پہنچے تھے کہ واپس چلے آئے غرض اسی قسم کی روایتیں ہیں جن سے کسی غزوہ کے مقدم و موخر ہونے کی کوئی ٹھیک شہادت نہیں ملتی سیر حمزہ کے ایک مہینہ کے بعد دوسری مہم حضور انور کو مجبوراً ابوسفیان کے مقابلہ میں روانہ کرنی پڑی یہ مہم عبیدہ بن حارث کی ماتحتی میں روانہ ہوئی تھی ابوسفیان کے ساتھ دو سو مسلح قریش تھے اس میں عبیدہ کو ایک حد تک کامیابی ہوئی اور عبیدہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے اسلام کی حفاظت کے لئے شرک قریش پر سب سے پہلے تیر چلایا تھا حضور انور کے دو صحابی جو قریشوں کے ساتھ تھے اس موقع پر بھاگ کے حضرت عبیدہ سے آملے ان میں سے ایک کا نام عتبہ تھا اور دوسرے کا نام مقداد تھا مقداد نے اس کے متعلق بالکل خاموشی اختیار کی مگر مشائی نے صاف طور پر لکھدیا ہے۔

بول سے ڈرنا چاہیئے پھر" ایک نعبد" (یعنی تجھی کو عبادت کرتے ہیں) کے کہنے سے اخلاص از سر نو کرو اور طاقت اور قوت سے عاجزی اور برأت اس قول سے کی کرو" و ایاک نستعین" (یعنی تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) اور خوب دل میں ٹھان لو کہ ہم کو بدون اس کے اطاعت کے طاعت میسر نہیں ہوئی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ اپنی طاعت کی توفیق دی اور عبادت کی خدمت تم سے لی اور تم کو اپنی مناجات کا اہل بنایا غرض ہم کو توفیق سے محروم رکھا تو تم بھی شیطان لعین کے ساتھ میں راندۂ درگاہ ہوتے پھر جب" اعوذ باللہ و بسم اللہ و الحمد للہ" اور مطلق اعانت کی حاجت ظاہر کرنے سے فارغ ہو چکو تو اب اپنے سوال کو معین کرو اور اس سے وہی چیز مانگو جو تمہاری حاجتوں میں سب سے زیادہ مہم ہو اور یہ کہو" اہدنا الصراط المستقیم" دکھا ہمکو راہ سیدھی جو ہمکو تیرے پاس پہنچا دے اور تیری مرضیات تک لیجاوے اور اس کی شرح اور تفصیل اور تاکید زیادہ کرنے کو کہو" صراط الذین انعمت علیہم" یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمت ہدایت کو خاصہ فرمایا اور وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں" غیر المغضوب علیہم و لا الضالین" یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر غصہ ہوا یا جو بھٹکنے والے ہیں اور وہ کافر یہود اور نصاریٰ اور ضالین ہیں پھر اس درخواست کے قبول ہونے کی طلب کرو اور کہو کہ آمین یعنی ایسا ہی کر۔ جب تم اللہ کو اس طرح پڑھو گے تو عجب نہیں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے باب میں اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث قدسی میں جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے فرمایا ہے کہ میں

تیسری مہم

ایک مہینہ کے گزرنے کے بعد تیسری مہم میں آدمیوں کی نوجوان سعد کی ماتحتی میں اسی طرف روانہ کیگئی اس وقت سعد کی عمر بیس یا پچیس برس کی تھی مگر اس مہم کو کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ہر مہم میں حضور انور ایک سفید جھنڈا بناتے تھے اور اسے ایک نیزہ یا لکڑی پر نصب کر کے افسر مہم کو اپنے دست مبارک سے دیدیا کرتے تھے ان سب سرداروں کے نام صحیح احادیث میں بالتفصیل موجود ہیں۔

تین مہمیں

اسی سال تین بار حضور انور خود مہم کے سرکردہ بن کے مدینہ کے باہر تشریف لے گئے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر سوائے بنی ضمیرہ کے ساتھ صلح کرنے کے اور کوئی بڑا واقعہ نہیں ہوا۔ اسی عرصہ میں امیہ کی قیادت میں سو مسلح قریشوں کے ساتھ شوم سے آرمتا تھا اس نے شرارت سے یہودیوں کے ساتھ ملکے مسلمانوں کے اونٹوں اور رہبروں پر حملہ کیا جو ایک محفوظ مقام میں چر رہے تھے اور انھیں ہنکا کے لیگئے اس میں یہودیوں کی بہت بڑی شرارت تھی جن سے حضور انور کا معاہدہ ہو چکا تھا حضور انور نے بنفس نفیس اس ڈاکو قافلہ کا تعاقب مقام بدر تک کیا مگر وہ بچکے نکل گیا۔

نے نماز کو اپنے آپ میں اور اپنے بندے میں آدھوں آدھ کر لیا ہے آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندے کی اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا ہے بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد اور تعریف کی اور "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے سے غرض بھی ہے آخر حدیث تک یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ سنا اللہ نے اس کا قول جس نے اس کی تعریف کی۔ پس اگر تم کو نماز میں کوئی اور بات نہ ہوتی بجز اس کے کہ خدائے تعالےٰ نے باوجود اپنی عظمت و جلال کے تم کو یاد کیا تو بھی کافی اور غنیمت تھا اور جس صورت میں تمکو ثواب اور زیادتی کی توقع اس سے ہے تو پھر کیا کہنا ہے۔ اور اسی طرح جو سورت تم پڑھو اس کے معنی کو سمجھو۔ حاصل یہ کہ قرأت کے پڑھنے میں تم کو اس کے امر اور نہی اور وعدہ اور وعید اور نصیحت اور انبیا کی خبریں بتلانی اور احسانات کے ذکر کرنے میں غفلت نہ کرنی چاہئے اور ان میں سے ہر ایک بات کا ایک حق ہے مثلاً وعدہ کا حق رجا ہے اور وعید کا حق خوف ہے اور امر اور نہی کا حق عزم مصمم اس کی تعمیل کا ہے اور نصیحت

ابوتراب

اسی عرصہ میں حضرت علی ایک نئے خطاب اور لقب سے پکارے گئے اس میں بھی مورخوں کا اختلاف ہے بعض کچھ کہتے ہیں اور بعض کچھ۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے ذرا دور فاصلے پر گزرے تو دیکھا کہ حضرت علی زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور ان کے تمام کپڑے خاک آلودہ ہو رہے ہیں۔ حضور انور نے پیر کے اشارے سے آپ کو ابوتراب کہکے اٹھایا جس کے معنی خاک کا باپ ہیں اور فرمایا کہ اٹھو بیٹھو خاک پر اس طرح نہیں لوٹا کرتے۔ ہشامی اور طبری کا تو یہ بیان ہے کہ حضور انور نے حضرت علی کو دیکھ کے یہ فرمایا کہ تو اسی طرح خاک و خون میں لوٹے گا۔ اسے گو ان کی شہادت کے متعلق پیشین گوئی سمجھنی چاہئے مگر طبری نے ایک اور روایت بھی اس کے علاوہ نقل کی ہے کہ جب حضرت علی حضرت بی بی فاطمہ کے گھر سے نکلے تو آپ مدینہ کی بڑی مسجد کے صحن میں لوٹنے لگے آپ کا لباس اور آپ کے ہاتھ پیر چہرہ سب خاک آلودہ ہو گئے حضور انور کو یہ بات ناگوار گزری آپ نے پیر کا اشارہ کرکے اور ابوتراب کہکے آپ کو زمین سے اٹھایا۔ مگر ایک اور روایت اس کے متعلق یہ ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ سے آپ کا کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ اور بدمزگی یہاں تک ہوئی تھی کہ آپ سخت غصہ اور ملامت میں خاک پر لوٹنے لگے تھے۔ ایسے معاملات بعض اوقات شوہر و زوجہ میں ہو جایا کرتے ہیں یہ کوئی تعجب انگیز اور نرالی

کا حق اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے اور احسان کے ذکر کرنے کا حق اس کا شکر کرنا ہے اور نبیوں کی خبریں دینے کا حق عبرت پکڑنا ہے ان حقوق کو مقرب لوگ پہچانتے ہیں اور وہی یہ حقوق ادا کرتے ہیں چنانچہ زرارہ ابن ابی اوفی نماز میں جب اس قول خداوندی پر پہنچے "فاذا نقر فی الناقور" یعنی جب پھونکا جاویگا صور میں تو پھاڑ کھا کر گرے اور مر گئے۔ اور ابراہیم نخعی جب "اذا السماء انشقت" کو سنتے سنی یہ ہیں کہ جب پھٹ جاوے آسمان تو اتنا بیقرار ہوتے کہ ان کے سارے جوڑ تھرتھراتے۔ اور عبداللہ بن واقد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ نماز ایسی صورت سے پڑھتے تھے جیسا کوئی غمزدہ ہوتا ہے اور آدمی کو شایاں یہی ہے کہ اس کا دل اپنے آقا کے وعدہ اور وعید سے سوختہ ہو جاوے کیونکہ وہ بندہ گنہگار اور ذلیل سامنے جبار قہار کے ہے اور یہ باتیں درجات کے فہم کے بموجب ہوا کرتی ہیں اور فہم اسقدر ہوتا ہے جس قدر علم اور دل کی صفائی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے درجات کی کچھ انتہا نہیں اور نمازوں کی کنجی ہے ان میں الفاظ کے اسرار واضح ہوتے ہیں۔ یہ ہے قرأت کا حق اور ذکر اور تسبیحوں کا حق بھی یہی ہے پھر قرأت میں سورت کا لحاظ کرو یعنی حروف کو اچھی طرح ادا کرو اور جلد نہ پڑھو کیونکہ آہستہ پڑھنے سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور رحمت اور

بات نہیں ہے۔ لفظ ابوتراب محض مذاقیہ سمجھنا چاہیے مگر یہ لفظ مشہور ہوتے ہوتے مذاق کے دائرے سے نکل گیا اور اب حضرت علی کے نام کے ساتھ نہایت ہی عظمت اور عزت سے ملایا جاتا ہے باقی وہ روایت جس میں اس خاک کے لوٹنے سے شہادت کی پیشین گوئی بیان ہوئی ہے اس کی صحت کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ حضور انور کے پیچھے جتنی شہادتیں واقع ہوئیں بعض دل چلے راویوں نے سب کی نسبت پیشین گوئیاں گھڑ کر دیں مگر صحت کسی کی بھی ثابت نہیں ہے حضور انور نے جب ابوتراب کا لفظ فرمایا اس کے ساتھ شہادت کے متعلق کوئی اشارہ نہ تھا محض قیاس سے چاہے جو کچھ نتیجہ نکال لیا جائے یہ ہر شخص کو اختیار ہے مگر الفاظ کسی پیشین گوئی کی شہادت نہیں دیتے۔ یہ واقعہ بھی انھیں معمولی واقعات میں سے ہے یوروزمرہ حضور انور اور صحابہ کی زندگی میں پیش ہوتے رہتے تھے ان سے نہ کسی کی فضیلت کو کچھ تعلق ہے نہ مذہب کو مگر بعض جہلا اک طبائع نے اس کو فضیلت قرار دیا ہے اور بہت لمبے چوڑے قصے اس کے ساتھ وابستہ کر دیے ہیں حالانکہ یہ ایک مذاقیہ بات تھی۔

آپ کے نشان بردار

حضور انور ہر مہم میں خود ایک علم بردار مقرر فرماتے تھے اور اپنے دست مبارک سے سفید جھنڈا بنا کے دیدیا کرتے تھے چھوٹا جھنڈا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں امیر حمزہ کو دیا گیا تھا جب دوسری مہم روانہ ہوئی تو وہ جھنڈا اسعد کو دیا گیا تیسری مہم کے نشان بردار حضرت علی تھے۔

عذاب کی آیتوں کو اور وعدہ اور وعید اور تمجید اور تحمید کی آیتوں کو جدا جدا لہجوں میں پڑھو۔ ابراہیم نخعی جب اس جیسی آیت پڑھتے "ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ" تو اپنی آواز پست کر دیتے جیسے کسی کو اس بات سے شرم آوے کہ خدائے تعالیٰ کا ذکر ان اوصاف سے کرے جو لائق اس کی جناب پاک کے نہیں۔ اور مروی ہے کہ قرآن والے کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ پڑھ اور ترقی کر اور اچھی طرح پڑھ جیسے تو دنیا میں اچھی طرح پڑھا کرتا تھا۔ اور ساری قرأت میں ٹھہر ٹھہر کے یہ اشارہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کی صفت پر ایک ہی طرح قائم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک کہ نمازی اور طرف دھیان نہ کرے۔ اور جس طرح کہ سر اور آنکھ کی حفاظت اور طرف دیکھنے سے واجب ہے اسی طرح باطن کی حفاظت نماز کے سوا اور طرف دھیان کرنے سے واجب ہے پس جس صورت میں کہ دل اور طرف متوجہ ہو تو اس کو یاد دلاؤ کہ خدائے تعالیٰ تیرے حال پر مطلع ہے اور مناجات کرنے والے کو حالت مناجات میں اس ذات سے غفلت کرنی جس سے مناجات کہتا ہے اس کو پاس

مدینہ میں قائم مقام کا تقرر

جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے جب حضور انور کسی مہم کے سرکردہ بن کے مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے تھے تو معاملات کو سرانجام دینے کے لئے ایک اپنا جانشین مقرر کر جاتے تھے۔ پہلا جانشین یا قائم مقام۔ یہودیوں کے قبیلے بنی خزرج کا ایک سردار ہوا تھا یہ سردار مسلمان ہو کر جلیل القدر صحابہ کے زمرے میں داخل ہو چکا تھا اور دوبارہ جب آپ روانہ ہوئے ہیں تو بنی اوس کے قبیلے کا سردار مقرر کیا تھا جو ایک معزز صحابی تھے سہ بارہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید کو اپنا جانشین مقرر کیا اس پر سر ولیم میور نکتہ چینی کے پیرائے میں حضور انور کی عالی دماغی کی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے ان دونوں مسلمان سرداروں کو جو یہودیوں کے ایسے دو قبائل سے تعلق رکھتے تھے جن میں باہم سخت لڑائی تھی مدینہ سے باہر جاتے ہوئے اپنا جانشین مقرر کرنا اس بات کو جتانا تھا حالانکہ وہ دونوں مخالف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں مگر ہماری نظر میں ایک ہیں اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی منشاء تھا کہ حضور کو ایک پیمانہ میں رکھنے سے ایک شخص دو مہرے پر چہرہ دست نہیں ہو سکتا حالانکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہودی خواہ کوئی ادنےٰ درجہ کا یہودی ہو یا ان کا سردار ہو مسلمان ہونے کے بعد دونوں حضور انور کی نگاہ میں ایک درجہ رکھتے تھے

دوبارہ جانے کو بہت بری ہے۔ اور اپنے دل پر خشوع کو لازم کر لو کیونکہ ظاہر و باطن کے اور طرف دھیان کرنے سے نجات خشوع ہی کا نتیجہ ہے جب باطن خشوع کرے گا تو ظاہر بھی فروتنی کرے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے میں اپنی داڑھی سے کھیل کرتے دیکھ کر فرمایا کہ اگر اس کا دل خشوع کرتا تو اس کا اعضا بھی خشوع کرتے اس لئے کہ رعیت کا حال حاکم کی طرح کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے دعا میں یہ وارد ہے کہ الٰہی راعی اور رعیت دونوں کو درست کر اور راعی دلی ہے اور اعضا رعیت ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں بید کی طرح ہوتے تھے اور ابن زبیر رضؓ لکڑی کی طرح اور بعض اکابر رکوع میں ایسے ہوتے تھے کہ اُن پر چڑیاں تہر سا جان کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اور یہ سب باتیں دنیا میں بادشاہوں کے سامنے باقتضائے طبیعت ہو جاتی ہیں تو شہنشاہ حقیقی کے سامنے جن لوگوں کو اس کا حال معلوم ہے کیسے نہ ہوگی اور جو شخص غیر اللہ کے سامنے تو خشوع پیٹ بھر کر کرے اور خدائے تعالےٰ کے سامنے اس کے ہاتھ پاؤں ہلتے جلتے رہیں تو وہ خدائے تعالےٰ کے جلال کی معرفت میں قاصر ہے اور نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ میرے دل اور وسوسوں پر آگاہ ہے

برخلاف حضرت مسیح کے آپ نے اپنے کل ساتھیوں میں سے صرف پطرس کو ایسا آسمان پر چڑھایا کہ تخت و فوق کی بادشاہت کی کل کنجیاں اس کو سونپ دیں اور فرمایا کہ جو کچھ یہ زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھولا جائے گا یا جو کچھ آسمان پر کھولے گا وہ زمین پر کھولا جائیگا۔ حضرت مسیح اپنی نوجوان عقل کی بموجب اس سے یہودیوں کو للچانے کی اور کوئی ترکیب نہ کر سکتے تھے اگرچہ بعض اوقات وہ سخت غصہ اور طیش کی حالت میں اپنے حواریوں کو گالیاں دینے لگتے تھے آپ نے ایک دفعہ تو یہاں تک کہدیا تھا کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوتا تو تم اس درخت سے کہتے کہ تو اپنی جگہ سے سرک جا تو وہ سرک جاتا حالانکہ کسی حواری نے بھی درخت کو جنبش دے کے اپنے ایمان کا ثبوت حضرت مسیح کے آگے پیش نہیں کیا مگر تو بھی بعض اوقات انھیں تہیکنے کے لئے آسمان کی بادشاہت کی خوشخبری دینے کے علاوہ انھیں بادشاہت کی کنجیاں تک سونپ دیتے تھے مگر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ایسی بودی اور بے بنیاد حکمت عملی سے کام نہیں لیا +

قبیلہ خزرج کے سردار جس کو حضور انور نے سب سے پہلے مدینہ میں اپنا عارضی جانشین مقرر کیا تھا سعد ابن عبیدہ تھے اور بنی اوس کے سردار جو دوبارہ عارضی جانشین بنائے گئے سعد ابن معاذ تھے۔

حضرت عمر نے اس آیت کی تفسیر میں "الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین" فرمایا ہے کہ قیام اور رکوع اور سجدہ اور جلسہ کے وقت دیکھتا ہے اور رکوع اور سجدہ میں یہ چاہئے کہ ان کے ادا کرنے کے وقت نئے سرے سے خدائے تعالےٰ کی بزرگی کو یاد کرو پھر نئی نیت اور اتباع سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدائے تعالےٰ کے عذاب سے اس کے عفو کی پناہ مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور پھر تو اس کے سامنے ذلت اور تواضع رکوع سے ادا کرو اور اپنے دل کے نرم کرنے اور از سر نو خشوع کرنے میں کوشش کرو اور اپنی ذلت اور اپنے معبود کی عزت کو خیال کرو اور دل میں اس بات کے ہوتے ہر زبان سے مدد لو یعنی زبان سے "سبحان ربی العظیم" پاک ہے میرا رب بہت بڑا کہو کہ اس کی عظمت تمہارے اقرار سے ثابت ہو اور ان کلمات کو مکرر کہو تاکہ دل میں اس عظمت کی تاکید ہو پھر اپنا سر رکوع سے اٹھاؤ اور یہ توقع کرو کہ وہ رحم کرتا ہے اور اپنے اس دل کی توقع کی تاکید ان لفظوں سے کرو "سمع اللہ لمن حمدہ" یعنی جو شکر اللہ کا کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی سنتا ہے پھر اس کے بعد شکریاں کرو کہ اس سے زیادتی نعمت کی ہوتی ہے اور یہ "ربنا لک الحمد" اور حمد کی کثرت کے لئے یہ الفاظ کہو "ملاء السموات والارض" یعنی اے رب ہمارے تجھ کو شکر ہے بمقدار آسمانوں اور زمین کے بڑے کے پھر سجدہ کے واسطے جھکو کہ یہ سب میں زیادہ

نخلے کی مہم (بماہ رجب)

مگر یہ ری مہینوں کے حساب سے نومبر اور دسمبر میں حضور انور مدینہ میں قیام فرما رہے تھے اور آپ نے اپنے رشتہ کے ماموں عبداللہ بن جحش اسدی کو نو یا بارہ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا جسوقت آپ عبداللہ کو رخصت کرنے لگے یہ خود عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک شب عشا کے نماز پڑھتے کے بعد مجھ سے ارشاد کیا کہ صبح کو ہتیار باندھ کے میرے پاس آنا کہ میں تمھیں ایک مقام پر بھیجوں گا میں حضور انور کے ارشاد کے بموجب صبح کو حاضر ہوا قریش کے بہت سے آدمی میرے ساتھ تھے حضور انور نے میری صورت دیکھتے ہی ابی بن کعب کو حکم دیا کہ جو کچھ میں بتاتا جاؤں تو لکھتا جا۔ چنانچہ آپ نے نہایت ہی خاموشی سے کچھ لکھوایا اور وہ ہدایتیں بند کرکے میرے حوالے کیں اور ارشاد کیا کہ میں تمھیں اس گروہ کا سردار بناتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ جب تک تم دو روز کی راہ پر نہ پہنچ جاؤ اسے کھول کے نہ دیکھیو اور جب مقام مقصود پر پہنچو تو اسے کھولیو اور دیکھنے کے بعد جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کیجیو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کس طرف جاؤں ارشاد کیا کہ جانب نجد پر۔ یہ سنتے ہی عبداللہ اپنے یاروں کے ساتھ روانہ ہوگئے دو روز کے بعد آپ نے حسب ہدایت اس حکم کو کھولا اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

وجہ کی ذلت ہے یعنی اپنا مونہ جو سب اعضا کی نسبت کرامت تر ہے اس کو سب چیزوں میں سے ذلیل تر یعنی مٹی پر رکھو اور اگر یہ بات تم سے ہو سکے کہ زمین پر سجدہ کرو اور زمین میں اور چہرے میں کوئی حائل نہ ہو تو ایسا ہی کرو کیونکہ اس حالت سے فروتنی بہت حاصل ہوتی ہے اور ذلت خوب معلوم ہوتی ہے اور جب تم اپنے آپ کو ذلت کی جگہ میں رکھ چکے تو خدا کو تم نے اپنے نفس کو جہاں کا تھا وہاں رکھدیا اور فرع کو اصل تک پہنچا دیا اور تمہاری اصل پیدائش مٹی ہی سے ہوئی اور اسی کی طرف دوبارہ جاؤ گے اس وقت اپنے دل پر خدائے تعالے کی عظمت از سر نو کرو اور کہو "سبحان ربی الاعلیٰ" اور اس کو مکرر کہکر دل میں اس کی عظمت کی تاکید کرو کہ ایک دفعہ کے کہنے کا اثر ضعیف ہوتا ہے پس جب تمہارا دل نرم ہوا اور یہ بات تم کو معلوم ہو جاوے تو خدائے تعالے کی توقع کرو کہ اس کی رحمت ضعف اور ذلت ہی کی طرف جھکتی ہے تکبر اور سختی پر نہیں دوڑتی اب اپنے سر کو "اللہ اکبر" کہتے ہوئے اٹھاؤ اور اپنی حاجت ان الفاظ سے مانگو۔ "رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم" یا جو دعا تم کو منظور ہو طلب کرو پھر تواضع کو دوبارہ سجدہ کرنے سے پختہ کرو اور اسی طرح دوسرا سجدہ کرو۔ اور جب تشہد کے لئے بیٹھو تو ادب سے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد خدا کے نام اور اس کی برکت سے اپنے یاروں کے ساتھ برابر چلا جا یہاں تک کہ تو نخلہ میں پہنچے جب تو وہاں پہنچ جائے تو قریش کے قافلہ کا انتظار کیجیو شاید اس کارروان سے تجھے نفع پہنچے اور یہ ہدایت تجھے کی جاتی ہے کہ زبردستی اپنے ساتھ کسی کو نہ رکھیو جو شخص اپنے دل سے چاہے اور اس کی خوشی ہو وہ تیرے ساتھ رہ سکتا ہے۔

عبداللہ کو جب یہ حکم معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ میں نخلہ کی طرف جاتا ہوں اور تم سے کہتا ہوں کہ جس شخص کو شہادت کی آرزو ہو وہ میرے ساتھ نخلہ چلے اور نہیں تو میں بہ خوشی حکم دیتا ہوں کہ تم سب واپس چلے جاؤ۔ یہ سنتے ہی سب نے یک زبان ہو کے جواب دیا کہ خدا کے نام کی برکت سے ہم اس کے اور اس کے رسول کے حکم کے مطیع و منقاد ہیں اور ہم آپ کے ساتھ چلنے کو موجود ہیں۔ اسی روز سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ جاتا رہا یہ دونوں باری باری سے اس پر سوار ہوتے تھے عبداللہ بن جحش سے دونوں نے دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اونٹ کو تلاش کر لائیں انھیں اجازت مل گئی اور وہ اپنے اونٹ کی تلاش میں چلے گئے پھر عبداللہ اپنے باقی اصحاب کو لیکے بطن نخلہ میں پہنچے یہاں پہنچتے ہی قافلہ قریش سے مقابلہ ہوا اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی و حکم بن کیسان و عثمان بن عبداللہ مخزومی اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ تھے یہ لوگ مسلمانوں

خواہ صلوٰات ہوں یا طیبات یعنی اخلاق ظاہرہ سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی طرح ملک خدا کے لئے ہے اور بھی معنی التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور اپنے دل میں سچی آرزو کرو کہ یہ سلام اُن کو پہنچے اور تم کو اس کا جواب، تمہارے سلام کی نسبت کرکامل تر عنایت فرمائیں گے پھر تم اپنے اُوپر اور اللہ تعالےٰ کے نیک بخت بندوں پر سلام کہو اور یہ توقع کرو کہ خدائے تعالےٰ تم کو اس سلام کے جواب میں بقدر نیک بندوں کے پورے سلام مرحمت فرمائے گا پھر خدائے تعالےٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شہادت کرو اور خدائے تعالےٰ کے عہد کو شہادت کے دونوں جملے پڑھ کر نیا کرو پھر اپنی نماز کے آخر میں جو دعا حدیث میں آئی ہو تواضع اور خشوع اور سکنت اور عاجزی اور قبول ہونے کی سچی توقع کے ساتھ پڑھو اور اپنی دعا میں اپنے ماں باپ اور سب ایمانداروں کو شریک کرو اور سلام کے وقت نیت کرو کہ فرشتوں اور حاضرین پر سلام کہتا ہوں اور سلام سے نماز کے پورا ہونے کی نیت کرو اور خدائے تعالےٰ کے شکر کا دل میں خیال کرو کہ ہم کو اپنی طاعت کے پورا کرنے کی توفیق دے اور یہ سمجھو کہ تم اپنی اس نماز کو رخصت کرتے ہو اور شاید پھر تمہاری زندگی نہ ہو

کو دیکھ کے خوف زدہ ہوئے اور چاہا کہ کسی طرح سے سٹک جائیں عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ قافلے والے ہم سے خوف زدہ ہو گئے ہیں تم میں سے ایک شخص اپنا سر منڈوا ڈالے تاکہ انھیں گمان ہو کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں یہ سنتے ہی عامر بن ربیعہ نے عکاسہ بن محصن کا سر مونڈ ڈالا عکاسہ سر منڈواتے ہی مشرکوں کے پاس سے ہو کے گزرا مشرکوں نے دیکھ کے کہا کہ یہ لوگ عمرہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اس خیال سے انھیں اطمینان ہو گیا انہوں نے اپنے اونٹوں کو کھول کے جنگل میں چھوڑ دیا اور آپ بافراغت کھانا کھانے کے لئے بیٹھ گئے یہ دن رجب کی پہلی تاریخ کا تھا مگر بعض مسلمانوں کو مغالطہ ہوا کہ آج آخر جمادی الثانی یا غرہ رجب ہے اور پھر یہ گفتگو ہونے لگی کہ اگر آخر جمادی الثانی ہے تو ان پر کیونکر حملہ کیا جائے آخر بڑی قیل وقال کے بعد اس بات کا فیصلہ ہوا کہ قطعی غرہ رجب ہے آج حملہ ہو جانا چاہیے یہ فیصلہ ہوتے ہی مسلمانوں نے مشرکوں پر حملہ کر دیا۔ باہم خوب لڑائی ہوئی قافلہ والوں میں سے بعض مارے گئے بعض گرفتار کر لئے گئے اور بعض بھاگ گئے اور کارواں کا سارا مال مسلمانوں کے قبضے میں آگیا یہ مال واسباب لیکے عبداللہ ابن جحش مدینہ کی طرف پھرے جب مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو وہ مال انہوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور ایک حصہ حضور انور کے لئے رہنے دیا ابھی تک فرضیت خمس کی آیۃ نازل نہیں ہوئی تھی جہاں یہ لڑائی ہوئی مکہ کے شرق میں واقع ہے۔

کہ پھر ایسی نماز پڑھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو وصیت کی تھی فرمایا تھا کہ نماز رخصت کرنے والے کی سی پڑھ۔ پھر اپنے دل میں نماز میں قصور کرنے کا خوف اور شرم کرو اور اس بات سے ڈرو کہ کہیں نماز نامقبول نہ ہو اور کسی گناہ ظاہر یا باطن کی جہت سے بری ٹھیر کر مونہہ پر ماری جاوے اور اس کے ساتھ ہی یہ توقع رکھو کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے گا یحییٰ بن وثاب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھیرتے اور ان کے چہرے سے آثار بحالی اور غم کے معلوم ہوتے تھے۔ اور ابراہیم نخعی بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھیرے رہتے گویا بیماریں یہ صورت ان نمازگزاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں اور نماز کی نگاہداشت اور مداومت کرتے ہیں اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور وطاقت ہوتی ہے اس کے موافق اللہ تعالےٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں پس آدمی کو چاہئے کہ جو نماز پڑھے اس میں انھیں باتوں کا پابند رہے اور جس قدر اس کو ان میں سے حاصل ہو اس سے خوش ہونا چاہئے اور جو حاصل نہ ہو اس پر حسرت کرنی زیبا ہے اور اس کے علاج میں کوشش کرنی لازم اور غافلوں کی نماز تو مقام خطر ہے ہاں اگر اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کرے تو کیوں نہیں کہ اس کی رحمت وسیع اور کرم عام ہے ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی رحمت میں ڈھانپ

اور لطائف سے نصف دوری پر ہے۔ جب قریش کے مشرکوں کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے اس بات کا غل مچایا کہ آنحضرت کے ارادے کبھی کامیاب ہوں گے جبکہ آپ نے ماہ حرام کو حلال بنا دیا اور اس ماہ حرام میں اپنے صحابہ کو قتل و غارت کا حکم دیدیا اور یہ لوگ ان مسلمانوں کو جو ابھی تک مکہ میں تھے سخت سرزنش کرنے لگے اور یہودیوں نے بھی آواز بلند کی آخر کار یہ سارا شور و غل حضور انور کے مبارک کانوں تک پہنچا آپکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہیں تھی نہ آپ کو یہ خیال تھا کہ یہ سریہ اتنی جلدی نخلہ پہنچ جائے گا آپ نے ہزار ہا سال کی ایک طریقہ یا رسم کو بلا وجہ ٹوٹنے سے سخت ملال ظاہر کیا اور آپ نے بلا لحاظ کسی امر کے یہ حکم دیدیا کہ وہ مال جو اس وقت غنیمت میں وصول ہوا ہے کوئی شخص اس پر قبضہ نہ کرے اور اصحاب سریہ پر عتابت کیا اور ارشاد کیا کہ میں نے کب کہا تھا کہ تم ماہ حرام میں جنگ کرنا آپ عبداللہ بن جحش کے سب ساتھیوں پر بہت ناراض ہوئے حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا اور صرف تاریخ کی غلطی ہو گئی تھی تو بھی اپنے نبی کے بیمثل ادب اور تعظیم سے انہوں نے اف تک نہ کی اور آپ کی خفگی سے ڈر گئے اور انھیں خوف معلوم ہونے لگا کہ کہیں خدا کا غضب ہم پر نازل نہ ہو چنانچہ آسمان سے یہ حکم نازل ہوا۔

نے اور اپنی مغفرت سے ہماری پردہ پوشی کرے کہ ہم کو بجز اس بات کے کہ اس کی اطاعت کی بجا آوری سے عاجزی کا اقرار کریں اور کوئی وسیلہ نہیں۔ اور جان لو کہ نماز کو آفات سے پاک کرنا اور صرف خدا کی ذات کے لئے اس کو خالص کرنا مع شروط باطنی مذکورہ بالا یعنی خشوع اور تعظیم اور حیا کے ساتھ اس کو پڑھنا دلوں میں انوار کے حاصل ہونے کا سبب ہے اور یہ انوار علوم مکاشفہ کے لئے کنجیاں ہوتی ہیں پس اولیاء اللہ جو آسمان اور زمین کے ملکوت اور ربوبیت کے اسرار کو مکاشفہ سے معلوم کرتے ہیں تو بھی وہ نمازی کے اندر خصوص سجدہ کی حالت میں معلوم کرتے ہیں کیونکہ سجدہ کے باعث بندہ اپنے پروردگار سے قریب ہو جاتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ واسجد واقترب ﴾ یعنی سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو اور ہر ایک نمازی کو نماز میں مکاشفہ اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ وہ دنیا کی کدورتوں سے صاف ہوتا ہے اور یہ بات قوت اور ضعف اور قلت اور کثرت و ظہور اور خفا میں مختلف ہو کر ہوتی ہے یہاں تک کہ بعضوں کو چیز بعینہ منکشف ہوتی ہے اور بعضوں کو اس کی صورت مثالی منکشف ہوتی ہے جیسے بعضوں کو دنیا مردار کی صورت میں معلوم ہوئی اور شیطان کو کتے کی طرح اس پر جھاتی دیتے دیکھا کہ اس طرف بھاگ رہا ہے اور مکاشفہ کا اختلاف کشف کی چیزوں میں بھی ہوتا ہے مثلاً بعضوں کو خدائے تعالیٰ کے صفات اور جلال منکشف ہوتے ہیں اور بعضوں کو اس کے افعال اور بعض کو علوم معاملہ کی باریکیاں۔ اور ان باتوں کے معین کرنے کے لئے ہر وقت میں اتنے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی انتہا نہیں اور سب میں زیادہ سخت ان اسباب میں فکر

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون۔ ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت اللہ واللہ غفور رحیم۔

(ترجمہ) (اے محمد۔ مسلمان) تم سے ماہ حرام میں جنگ کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں (کہ اس مہینے میں لڑائی کا کیا حکم ہے) کہدو اس (مہینہ) میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اور فساد (کرنا) قتل سے (بھی) زیادہ سخت ہے اور وہ تو (تم) سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پائیں تو تمہیں تمہارے دین (یعنی اسلام) سے پھیر دیں اور جو تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر (ہی) کی حالت میں مر جائے گا تو ایسوں کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخی ہیں (اور) وہ ابدالآباد تک اس میں رہیں گے۔ بیشک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی ہیں جو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

دلی کی مناسبت ہے کہ وہ جب کسی معین چیز میں مصروف رہتا ہے تو وہی چیز منکشف ہونے کے واسطے اوسے ہوتی ہے اور چونکہ یہ باتیں جلا کے ہوئے آئینوں میں بھی پرتو افگن ہوتی ہیں اور آئینے سب رنگ خورد ہیں اسی وجہ سے ان پر عکس ہدایت نہیں پڑتا نہ اس جہت سے کہ سم حقیقی کی جہت سے بخل ہو بلکہ اس وجہ سے کہ ہدایت کے کرنے کے مقام پر میل کی تخمیں جم رہی ہیں اس لئے زبانیں ان کاملکاشفہ کی باتوں کے انکار پر دوڑ پڑیں کیونکہ یہ امر طبیعت کی سرشت میں ہے کہ جو چیز موجود نہیں اس کا انکار کرنے لگے اگر بالفرض پیٹ کے بچے کو عقل ہوتی تو وہ ہوا کے اندر انسان کے وجود کے امکان کا انکار کرتا اور اگر صفر سن لڑکے کو تمیز ہوتی تو وہ ملک موت کا انکار کرتا جو خلق لوگوں کو آسمان اور زمین کے ملکوت اور اسرار معلوم ہوتے ہیں اور یہی حال انسان کا ہے کہ جس حال میں ہوتا ہے اس کے بعد کے احوال کا گویا منکر ہوتا ہے اور جو شخص ولایت کے حال کا منکر ہو اس پر یہ لازم آوے گا کہ نبوت کے حال کا منکر ہو حالانکہ خلق کی پیدائش بہت سے حالات میں ہوئی ہے پس آدمی کو نہیں چاہئے کہ جو درجہ اپنے درجہ کے بعد ہو گا اس کا انکار کر بیٹھے۔ ہاں ازانجا کہ ان لوگوں نے اس فن کو مجادلہ اور پراگندہ مباحثہ سے تلاش کیا اور غیر اللہ سے دل کو صاف کرکے طلب نہ کیا اسی واسطے اس سے محروم رہے اسوجہ سے اس

اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا کافروں پر خود حملہ نہیں ہوتا تھا بلکہ خود مکہ کے مشرک ان پر حملہ کرتے تھے اس آیت کے نازل ہونے سے اصحاب سریہ خوش ہوئے۔ حضور انور نے اس مال غنیمت کو مغنوہ بدر کی بعد تقسیم کر لیا اور خود تقسیم نہ کیا بلکہ عبداللہ بن جحش کے ہاتھ سے تقسیم کرا دیا مگر بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ آپ نے اس وقت آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ مال غنیمت تقسیم کر دیا تھا۔ قریشیوں نے آپ کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور ایک خط حضور انور کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "آپ فدیہ لیکے حکم بن کیسان اور عثمان کو چھوڑ دیں حضور نے ارشاد کیا کہ سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان اپنے اونٹ کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں ابھی تک اُن کا پتہ نہیں اگر وہ صحیح وسالم مدینہ میں پہنچ گئے تو میں تمہارے قیدیوں کو دیدوں گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو ان دو کے عوض میں یہ دونوں قتل کر ڈالے جائیں گے یہ جواب سن کے قاصد چلا گیا اس کے بعد سعد اور عتبہ مدینہ پہنچ گئے حضور انور نے حسب وعدہ قیدیوں کو بلایا اور انھیں اسلام کی دعوت دی پہلے انھوں نے انکار کیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد حکم بن کیسان مسلمان ہو گیا مگر عثمان بن عبداللہ نے مسلمان ہونے سے انکار کیا حضور انور نے حجت پوری کر کے اُسے چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی مہم تھی جس میں مال غنیمت بھی ہاتھ لگا اور دو قیدی بھی اور یہ بھی صحیح روایت سے پایا جاتا ہے کہ حضور انور نے اس کامیابی پر عبداللہ بن جحش کو امیر المومنین کا خطاب عطا فرمایا۔

کا انکار۔ اور جو شخص مکاشفہ والوں میں سے نہ ہو تو اُس سے کمتر تو نہ ہونا چاہئے کہ غیب پر ایمان اور تصدیق ہی رکھے جب تک کہ تجربہ سے خود مشاہدہ کرے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے اور اس کے درمیان میں سے پردہ اٹھا دیتا ہے اور اُس کو اپنے مونہ کے سامنے کر لیتا ہے اور فرشتے اس کے مونڈھے سے لیکر سو آنک کھڑے ہو جاتے ہیں اُس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور نمازی پر آسمان کے ہوے لیکر اس کے سر کی مانگ تک نیکی برستی ہے اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اگر یہ مناجات کرنے والا جانتا ہے کہ کس سے مناجات کرتا ہوں تو ادھر اُدھر متوجہ نہ ہوتا اور یہ کہ آسمان کے دروازے نماز یوں کے لئے کھل جاتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے فرشتوں پر نمازی کے صدق سے فخر کرتا ہے پس کہنا آسمان کے دروازوں کا اور روبرو ہونا خدائے تعالےٰ کا نمازی سے اسی کشف سے اشارہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور ابوداؤد میں مکتوب ہے کہ اے ابن آدم اس بات سے عاجز نہ ہو کہ تو میرے سامنے روتا ہوا نماز پڑھتا کھڑا ہو کیونکہ میں اللہ ہوں کہ تیرے دل سے نزدیک ہوا اور تو نے غیب سے میرا نور دیکھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم جانا کرتے تھے کہ رقت اور رونا

اس سیرہ کے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتراض ہے کہ تعلیم دغا بازی اور فریب سے حمد کیا گیا حالانکہ یہ ان کی زیادتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ تہذیب۔ شائستگی اور جدید فنون جنگ کا اضافہ ہوا ہے دشمن کو دھوکہ دے کے ہلاک کرنا منافی قوانین جنگ نہیں سمجھا گیا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حضور انور کے سیرہ پر اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے اس زمانہ کے فنون جنگ سے کیوں فائدہ اٹھایا یہ اعتراض بہت ہی لچر اور پوچ ہے جس کے زیادہ جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سر ولیم میور نے اپنی متعصب فطرت

اور فتوح جو نمازی اپنے دل میں پاتا ہے وہ اسی جہت سے ہے کہ اللہ تعالےٰ دل سے قریب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ قرب مکان کی جہت سے نہیں کہ اس سے خدائے تعالےٰ منزہ ہے تو ضرور ہے کہ ہدایت اور رحمت اور پردہ دور کرنے کے اعتبار سے قرب مراد ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس سے دس صنفیں فرشتوں کی تعجب کرتی ہیں جن میں کی ہر ایک صف دس ہزار کی ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ اس بندے سے ایک لاکھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کے لئے نماز میں قیام اور قعود اور رکوع اور سجدہ ایک ساتھ ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ان چیزوں کو چالیس ہزار فرشتوں پر بانٹ رکھا ہے کہ کھڑے ہونے والے قیامت تک رکوع نہ کریں گے اور سجدہ والے سر نہ اٹھائیں گے اور یہی حال ہے رکوع اور قعود کرنے والوں کا اور ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو قرب اور رتبہ فرشتوں کو عنایت فرمایا ہے وہ ایک ہی طرح پر مدام رہتا ہے نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم چنانچہ خود ان کا قول کلام مجید میں نقل فرمایا "وما منا الا لہ مقام معلوم" اور انسان کا حال اس باب میں فرشتوں کا سا نہیں یہ ایک درجہ سے دوسرے پر ترقی کرتا رہتا ہے کیونکہ ہمیشہ تقرب الی اللہ کرتا ہے اور زیادتی حاصل کرتا ہے اور زیادتی کا باب فرشتوں کے لئے مسدود ہے ان میں ہر ایک کا وہی رتبہ ہے جس پر وہ کھڑا ہے اور وہی عبادت ہے جس میں وہ مشغول ہے نہ اس رتبہ سے بدلے نہ عبادت میں قصور کرے چنانچہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ "وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون" اور زیادتی کے درجات کی کنجی نماز میں ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "قد افلح المومنین الذین ہم فی صلوتہم خاشعون" اس میں لوگوں کا وصف ایمان کے بعد ایک نماز مخصوص سے دیا جو خشوع کے ساتھ مقرون ہو پھر ان فلاح یابوں کے اوصاف کو نماز پر ختم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے "والذین ہم علی صلوتہم یحافظون" پھر ان صفات کے ثمرہ کے بیان میں ارشاد فرمایا "اولئک ہم الوارثون الفردوس ہم فیہا خالدون" اول وصف فلاح سے فرمایا اور آخر میں فردوس کی وراثت سے اور مجھ کو نہیں معلوم ہوتا کہ بار بار ذکر کرنے کو باوجود دل کی غفلت کے اس درجہ کی فضیلت ہو اور اسی وجہ سے ان لوگوں کے مقابلوں کے

کے مطابق مسلمانوں پر الزام قائم کرنے کے لئے ایک عجیب وغریب استدلال سے کام لیا ہے جس کی عبارت ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوجائے گا کہ آپ کتنے بڑے محقق اور منصف مزاج شخص ہیں چنانچہ آپ اپنی کتاب لائف آف محمد جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ اور ۱۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں پناہ لئے ہوئے ڈیڑھ برس گزر چکا اور اب اہل مکہ سے ان کی مخالفت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان بیشمار کاروانوں کو منتشر کرنے کے لئے جو حجاز کے راستے سے گزرتے تھے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مکہ کی سرسبزی کا دارومدار بالکلیہ ان کاروانوں کی آمد وشد پر تھا مکہ یہ شام کی تجارتی اشیاء لائیں اور مکہ میں فروخت کریں کیونکہ شام کے مقابلہ میں یمن اور حبش کی تجارت ادنے درجہ کی تھی مگر اب یمن اور طائف کی طرف بھی گزشتہ حملے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ ان کا دشمن ان مقامات پر بھی انھیں امن نہیں دینے کا اس حملے سے انھیں یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ ہم پر حملہ کرنے کے لئے اپنی زندگی اور پاک مہینوں کا بھی خیال نہیں کرنے کے خون بہ چکا تھا اور ابھی تک کسی صورت سے اس کا انتقام نہیں لیا جاسکتا تھا۔

ہمارے محقق سر ولیم میور صاحب کی عادت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف یک طرفی ذکری دیتے ہیں جو مظالم اہل مکہ نے مسلمانوں پر کئے تھے اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اس کا تذکرہ مسلمانوں پر الزام دینے کے وقت میور صاحب کبھی نہیں کرتے اس کے علاوہ ان سازشوں سے بھی چشم پوشی کرتے ہیں جو اہل مکہ نے بت پرستوں کے ساتھ کی تھیں ہم چونکہ اس کے متعلق گزشتہ صفحوں میں بالتفصیل بحث کر چکے ہیں اس لئے دوبارہ لکھنا تحصیل حاصل سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد میور صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اہل مکہ کا صبر اور برداشت یہاں تک گزر گئی تھی کہ باوجود پیغمبر اسلام کے متواتر حملوں کے انہوں نے ان مسلمانوں کو مطلق تکلیف نہیں دی تھی جو مکہ میں موجود تھے تو بھی جوش بڑھتا جاتا تھا دشمنی اپنی گہری جڑیں دلوں میں شرارت کرتی جاتی تھی خون خون کی طرف دوڑ رہا تھا اور اس کے بہنے کے سامان ہو رہے تھے۔

میور صاحب کی یہ ابلہ فریبی ہے یہ صحیح ہے کہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے انھیں ابھی تک قتل نہیں کیا گیا مگر ظلم

باب میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین یعنی غرض کہ نماز ہی فرد میں کے وارث اور وہی امت تعالے کے نور کے مشاہدہ کرنے والے اور اس کے قرب وجوار سے تمتع پانے والے ہیں خدائے تعالے ہم کو بھی ان میں سے کرے اور ایسے لوگوں کے عذاب سے بچاوے جن کی باتیں بھی اور عمل بھی برے ہوئے وہ کہ ہم مسلمان اور قدیم الاسلام ہیں ۱۲

اُن کے لئے کم نہیں تھا کہ انھیں اُن کے مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے روک دیا گیا تھا وہ عام طور پر نماز ادا نہیں کر سکتے تھے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اور نظربندوں کیسی ان کی حالت تھی مثل مجرموں کے اُن کی پوری دیکھ بھال کی جاتی تھی ہمارے خیال میں اس سے زیادہ ظلم اور نہیں ہو سکتا۔ مگر سیور صاحب اسے معمولی بات سمجھتے ہیں اس لئے کہ مسلمانوں پر پورا الزام قائم ہو۔ ہمارا یہ خیال ہے اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ مدینہ آنے پر بھی جب قریشوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو اب مسلمان سخت بے چین ہوئے کہ کیا کرنا چاہئے اور اس بات کے منتظر ہوئے کہ آسمان سے کوئی حکم لڑنے کا کافروں سے نازل ہو چنانچہ جب پانی سر سے گزر چکا تو کئی آسمانی حکم پے در پے نازل ہوئے منجملہ اُن کے ایک حکم یہ ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذلک جزاء الکفرین فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظلمین۔

ترجمہ۔ (کفار میں سے) جو تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں (اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے) اُن سے لڑو اور زیادتی مت کرو (کہ پہلے تم ہی لڑائی شروع کرو) بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو (کبھی) اچھا نہیں سمجھتا اور تم ان (مشرکوں) کو جہاں کہیں پاؤ مار ڈالو اور انہوں نے جہاں سے تمہیں نکالا ہے (یعنی مکہ سے) وہاں سے تم بھی انھیں نکال دو اور شرک (کا گناہ) خونریزی سے (بھی) بڑھ کے ہے اور جب تک تم سے وہ مسجد حرام میں نہ لڑیں تم بھی اس جگہ اُن سے نہ لڑو پھر اگر (وہ) تم سے لڑیں تو تم (بھی) انھیں (بے کھٹکے) مارو۔ ان کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر (باز آ جائیں) باز رہیں (اور توبہ کریں) تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور یہاں تک اُن سے لڑو کہ شرک (کا نام و نشان باقی) نہ رہے اور خاص دین اللہ ہی کا رہے پھر اگر (وہ شرک سے) باز آ جائیں تو بے انصافوں کے سوا (کسی پر) دست درازی کرنی نہیں چاہئے۔

اور مشرکوں یعنی اہل قریش کے معاہدوں اور ان کی لڑائیوں کا بالتفصیل ذکر مفصلہ ذیل آسمانی فرمان میں آیا ہے جس سے سمجھ لیا جائے گا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے تعلقات کہاں تک کشیدہ تھے اور آسمانی حکم میں کہاں تک انصاف اور بے رو رعایت پائی جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل آیا ہے

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموا انکم غیر

معجزی اللہ وان اللہ مخزی الکفرین واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بری من المشرکین

ترجمہ۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کا قطع تعلق ہے جن سے (اے مسلمانو) تم نے معاہدہ کیا تھا پس (اے مشرکو) چار مہینے زمین میں سیر کرلو اور جان لو کہ تم اللہ کے عاجز کرنے والے نہیں ہو اور بے شک اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو حج اکبر کے دن اطلاع دینی باقی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہے۔

ورسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانھم قوم لا یعلمون۔ کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ وعند رسولہ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین ۰ کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم واکثرھم فاسقون ۰

ترجمہ۔ پس اے مشرکو اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم (توبہ سے) اعراض کرو تو جان لو کہ تم اللہ کے عاجز کرنے والے نہیں ہو اور (اے نبی) کافروں کو دردناک دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ مگر وہ مشرک جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں (معاہدے کے پورا کرنے میں) تم سے کچھ کمی نہیں کی اور تمہارے مقابلہ میں کسی کو مدد نہیں دی تو تم (بھی) ان کا عہد ان کی (مقرر کی ہوئی) مدت تک ان سے پورا کرو بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ پس جب ماہ حرام نکل جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو انہیں جہاں پاؤ۔ اور ان کو پکڑو اور انہیں قید کردو اور ان کے (غارت کرنے کے) لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو پھر اگر توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو (اور انہیں تکلیف نہ دو) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر مشرکوں میں سے کوئی (اے نبی) تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ اس سبب سے کہ یہ لوگ نادان ہیں مشرکوں کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کس طرح (قائم) رہ سکتا ہے مگر وہ

لوگ جن سے (اے مسلمانو) تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا پس جب تک وہ تم سے (عہد) قائم رکھیں تو تم (بھی) ان سے قائم رکھو بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے (کافروں کی صلح) کیونکر (قابل اعتبار) ہو سکتی ہے) اور اگر وہ تم پر غالب ہو جائیں تو (پھر) تمہارے حق میں نہ کسی قرابت کا خیال کریں گے اور نہ کسی عہد کا۔ تمہیں (صرف) اپنے مونہہ سے (اور زبانی گفتگو سے) راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل (اس سے) انکار کر رہے ہیں اور ان میں کے اکثر لوگ بدکار ہیں۔

ان آیتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے مشرکوں کے خلاف نہ کوئی سازش کی گئی اور نہ کوئی زیادتی کی گئی ہر ایک بات کی ابتدا مشرکوں کی طرف سے ہوتی تھی اور عقل باور کرتی ہے کہ مشرک ہی ہر جنگ کے باعث ہوتے ہوں گے اس لئے کہ انھیں میں سے ایک نیا گروہ پیدا ہوا تھا اور وہ اس گروہ کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے علاوہ اس کے مشرکوں کی تعداد زیادہ تھی انھیں حملہ کرنا ہر طرح سزاوار تھا۔ اب ہی عہد شکنی یہ مشرکوں کی طرف سے کئی دفعہ وقوع میں آچکی تھی اور عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ جس شخص یا گروہ کو اپنی قوت پر گھمنڈ ہوتا ہے اور مخالف کو زک دینے کے لئے اُسے اپنی وجاہت اور عظمت کا خیال نہیں رہتا تو وہ فوراً عہد شکنی کر بیٹھتا ہے اور اس کی پروا نہیں کرتا کہ عہد شکنی کا وبال اس کی گردن پر کہاں تک پڑے گا۔ یہ ساری لڑائیاں مخاصمانہ حملوں اور متواتر عہد شکنیوں سے وقوع میں آئی تھیں۔ تاریخی واقعات اس کے شاہد ہیں اور اس سے کوئی فرد بشر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسلام نے محض ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینے اور اور حملے کا جواب دینے کے لئے تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے پہلے اس کا بھی حکم نہ تھا اور مسلمان دنیا بھر کے ظلم

اشتروا بایٰت اللہ ثمنا قلیلا فصل وا عن سبیلہ انھم ساء ما کانوا یعملون ۰ لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمۃ و اولئک ھم المعتدون ۰ فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فاخوانکم فی الدین ونفصل الایت لقوم یعلمون ۰ وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ۰

ترجمہ۔ اللہ کے احکام (کو ترک کر کے ان) کے عوض میں تھوڑے سے دام لے لیتے ہیں پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک یہ لوگ بہت برا کام ہے جو کرتے ہیں کسی مسلمان کے حق میں نہ کسی قرابت کا خیال کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا اور وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں پس اگر یہ توبہ کریں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم (اپنے) احکام بتفصیل بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور اگر یہ لوگ بعد اپنے عہد کر چکنے کے اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو بے شک انکی قسمیں کچھ (بھی) قابل اعتبار نہیں ہیں تاکہ یہ (اپنی شرارتوں سے) باز رہیں۔

بنتے تھے اور ڈرتے تھے مسلمانوں کا یہ خیال تھا اور وہ پکار پکار کے کہہ رہے تھے کہ جب تک خداوند تعالےٰ کا حکم جنگ کے لئے نازل نہ ہوگا ہم تلوار نہیں اٹھانے کے چنانچہ حکم نازل ہوا اور مسلمان آمادہ پیکار ہوگئے۔ اور جن لڑنے والوں کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے بہشت بریں اور روحانی انعاموں کی بشارت دی گئی واقعی یہ بشارت ایک حد تک قابل لحاظ ہے۔ ہم کسی آئندہ باب میں بشارت کے متعلق بالتفصیل بحث کریں گے۔

چھٹا باب

جنگ بدر

رمضان المبارک

اس جنگ سے اسلام کا نیا سال شروع ہوتا ہے اس جنگ کے واقعات اگرچہ بہت سی تاریخوں میں مندرج ہیں لیکن سلسل اور دلچسپ اور صحیح بیانات ایک جگہ کم جمع کئے گئے ہیں لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بدر کے پورے پورے حالات قلم بند کردیں کیونکہ یہ وہ جنگ ہے جس سے اسلام کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے حقیقتاً ہمیشہ کامیابی پیدا کرتی ہے اور صداقت کو کبھی آنچ نہیں آتی اگر اس جنگ میں مسلمان شکست کھا جاتے تو یہ خیال کرکے کلیجہ کانپ جاتا ہے کہ پھر اسلام کی کیا حالت ہوتی یہ صحیح ہے کہ مسلمان مثل اسرائیلیوں اور نصرانیوں کے اپنے

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین ۰ قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مومنین ۰ ویذھب غیظ قلوبھم ویتوب اللہ علی من یشاء واللہ علیم حکیم ۰ ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا۔

ترجمہ (اے مسلمانو) تم ان قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے (ہمارے) رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم سے پہلی مرتبہ چھیڑ شروع کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو (اگر ایسا ہے) تو اگر تم ایماندار ہو تو اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو (ان لوگوں سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح دے گا اور مسلمان لوگوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کے رنج کو دور کرے گا اور (یاد رکھو کہ) اللہ جس شخص پر چاہتا ہے مہربانی کرتا ہے اور اللہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ کیا (اے مسلمانو) تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے اور جہاد کا حکم نہ دیا جائے گا حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور انہوں نے

ساتھ خدا کا ساتھ مشرکوں کے مقابلہ میں کام کرتا ہوا دیکھتے تھے تو بھی اگر انھیں ناکامی ہو جاتی تو یقیناً ہزاروں لاکھوں عورتیں بیوہ بچوں اور مردوں کا قتل عام ہو جاتا اس جنگ کی ابتدا اس صورت سے ہوئی جو زیادہ توجہ کے قابل ہے حضور انور کی جب پیاری صاحبزادی بی بی رقیہ جو حضرت عثمان غنی کو بیاہی ہوئی تھیں فوت ہو گئیں تو حضور کو بہت ہی صدمہ ہوا سیدہ بی بی ابھی حبش سے واپس آئی تھیں ادھر تو یہ غم اُدھر ایک مہم کا سامان کرنا واقعی بڑا کٹھن کام تھا مشرکان قریش کی سازوباز مدینہ کے یہودیوں سے ہو گئی تھی۔

ابوسفیان حضور انور سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہو رہا تھا جوں ہی قریشوں کے قیدی مکہ میں پہنچے ابوسفیان دو سو سواروں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور یہ قسم کھائی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے بذات خود بدلا نہ لیلوں گا مدینہ سے واپس نہیں آنے کا چنانچہ وہ آندھی اور بنہ کی طرح سے مدینہ پر جھپٹا۔ مدینہ کی آس پاس کی کھیتیوں کو چند میل تک بالکل برباد کر دیا اور کچھ مسلمان پھلتے پھولتے کاشت کر رہے تھے اُن پر بے خبری میں آپڑا اور انہیں پارہ پارہ کر دیا یہ خبر آگ کی طرح مدینہ میں پھیل گئی مسلمانوں کو بہت جوش آیا وہ تلواریں لے لے کے نکل پڑے اور ابوسفیانیوں پر حملہ کیا مقابلہ کی تاب نہ لا کے بھاگ گئے مسلمانوں کو اپنے بیگانہ اور بے خبر بھائیوں کے اس طرح مارے جانے سے بہت صدمہ ہوا لوٹ خون کے سے گھونٹ پی کے رہ گئے اور حسب قوانین انسانیت اس بات کے منتظر رہے کہ جب موقع ہو مشرکوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیں۔

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ حضور انور ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے آپ بالکل تنہا تھے اور اس وقت

لَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک وہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں۔ اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی مہربانی اور خوشنودی کی خوشخبری دیتا ہے اور ایسے باغوں کی جن کے لئے دائمی عیش ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بیشک ان لوگوں کے لئے اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے۔

سے آپ کے کیمپ کا فاصلہ تھا کہ یکایک غل وشور سے آپ کی آنکھ کھلی دیکھا کہ سرہانے ایک اعرابی ننگی تلوار لئے کھڑا ہے اور عمل مچا کے کہہ رہا ہے تجھے اس تلوار سے کون بچا سکتا ہے حضور نے نہایت استقلال اور پورے بھروسہ سے جواب دیا کہ خداوند تعالےٰ۔ یہ سنتے ہی وہ وحشی اعرابی حضور پر جھپٹا اور چاہتا تھا کہ تلوار سے گردن اڑا دے کہ حضور نے اس کی کلائی پکڑ کے تلوار چھین لی۔ اور بہت زور خشمناک ہو کے ارشاد کیا اب بتا اس تلوار سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اس نے نہایت درد بھرے لہجہ میں جواب دیا کہ افسوس کوئی نہیں۔ حضور نے نیچی نگاہ کر کے اس کی تلوار اسے واپس دیدی اور ارشاد کیا کہ جا اور رحم کا پیشہ سیکھ۔ اپنے سے ضعیف پر رحم کرنا عین انسانیت ہے۔ یہ دیکھتے ہی اعرابی پھر آیا۔ حضور کے قدموں پر گر پڑا اور مسلمان ہو گیا اور جب تک جیا اسلام کی نمایاں خدمتیں انجام دیتا رہا۔

ابوسفیان چونکہ شکست کھا کے چلا گیا تھا اس لئے اسے اور بھی جوش آگیا تھا اور اب وہ اس موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں پر کامیابی سے حملہ ہو۔ اور وہ بالکل نیست و نابود کر دئے جائیں۔ چنانچہ وہ ایک جم غفیر کے ساتھ شام سے مکہ کی طرف واپس آرہا تھا۔ ادھر مسلمان اس فریب اور دغابازی کے حملے سے انتقام پر تلے ہوئے تھے جو ان پر کچھ عرصہ پہلے اہل مکہ نے کیا تھا۔ اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضور انور نے جب ابوسفیان کے لشکر یا قافلے کی آمد آمد سنی تو آپ نے طلحہ بن عبداللہ اور سعد بن زید نقیب کو مدینہ کی جانب غرب ساحل بحر پر روانہ کیا کہ وہ ابوسفیان کے لشکر کی مفصل خبر لائیں۔ یہ دونوں صحابی مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے قبیلہ جہینہ کے سردار کے مکان پر اترے۔ اس سردار نے ان دونوں مسلمانوں کی بہت خاطر داری کی۔ اور انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائے رکھا۔ اسی اثنا میں ابوسفیان مع اپنے ہمراہیوں کے جہنی کے مکان پر پہونچا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جاسوس لوگ میں سے تو کوئی شخص نہیں آیا۔ سردار جہنی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کانوں پر ہاتھ رکھے۔ کہ توبہ یہاں کوئی شخص نہیں آیا۔ ابوسفیان کو یقین آگیا اسے حضور انور کی طرف سے بہت ہی خوف تھا۔ کیونکہ وہ پہلے کئی بار حملہ کر چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ محمد سے ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہاں کوئی مخبر حضور انور کا نہیں آیا تو اس نے اہل قافلہ کو حکم دیا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو راستہ طے کرو۔ حکم ہوتے ہی قافلہ بہت تیزی سے روانہ ہوا۔ سعید اور طلحہ نے دیکھا کہ ابوسفیان آگے کی طرف برہ گیا ہے تو یہ دونوں صحابی ایک بلند پشتے پر چڑھ گئے اور قافلہ کا سارا ساز و سامان اور سلح آدمیوں کی تعداد اچھی طرح دیکھ لی۔ پھر دوسرے راستہ

ہے نکلکر فوراً مدینہ واپس چلے آئے بانہیہ ابوسفیان کو یہ معلوم ہوگیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قافلہ پر حملہ کرنے کی خوب تیاری کی ہے یہ خبر ابوسفیان نے حدود شام ہی میں سن لی تھی۔ کیونکہ مدینہ میں ابوسفیان پر حملہ کرنے کی تیاری کھلم کھلا ہو رہی تھی۔ اس لئے ابوسفیان نے فوراً مکہ میں قاصد دوڑا دئے کہ ہری مدد کے لئے ایک زبردست فوج قریشوں کی روانہ کی جائے۔ اُدھر قاصد روانہ ہوا اور اِدھر بحر احمر کے کنارے کنارے ابوسفیان کا قافلہ تیزی کے ساتھ مکہ کی جانب بڑھتا گیا حضور انور کو خیال تھا ایسا نہ ہو کہ یہ کمین کا قافلہ مثل سابق کے زور سے بچ کے نکل جائے۔ آپ نے جاسوسوں کے پہونچنے سے پہلے عام طور پر اعلان دیدیا۔ کہ فوراً جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے کہ قریشوں کا کاروان تجارت گیا ہے اگر اللہ نے تمہیں فتح دی تو تم سرخرو اور مالا مال ہو جاؤ گے۔ یہ سنتے ہی نہ صرف مہاجر بلکہ انصار بھی حضور انور کے جھنڈے کے نیچے آکے جمع ہوگئے۔ صرف حضرت عثمان مدینہ میں چھوڑ دئے گئے کیونکہ بی بی رقیہ بیمار تھیں اور ان کے پاس کوئی دوسرا تیماردار نہ تھا۔ اس سے پہلے حضرت بی بی رقیہ کی وفات کی خبر درج ہو چکی ہے اس لئے ناظرین کو تعجب ہوگا کہ غزوہ بدر تک جب زندہ تھیں تو اس سے پہلے غزوے میں فوت ہونے کے کیا معنی۔ یہ صرف روایتوں اور بعض غزوات کی تقدیم و تاخیر ہے باقی کسی قسم کا تناقض یہاں پیدا نہیں ہو سکتا اس کو ہم آگے کہیں جا کے خوب شرح کر دیں گے۔ غرض جس وقت سب لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے تو مدینہ کے دو بت پرست نوجوان مسلح ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ارشاد کیا کہ تمہارے آنے کا منشا کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم حضور کے ساتھ ہو کے مشرکوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم مسلمان ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے ارشاد کیا تو کچھ ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم مسلمان نہ ہو ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم بہت بڑے جنگجو ہیں اور چونکہ حضور مدینہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور محض مدینہ کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم حضور کا ساتھ دیں۔ آپ نے ارشاد کیا یہ سب کچھ ہی مگر میں غیر مسلم کی مدد قبول نہیں کرتا اگر تم خدا پر اور روز آخرت پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لے آؤ گے تو بیشک تم جنگ میں شریک ہو سکتے ہو۔ حضور کی ان آرفانہ اور راست بازی کی باتوں نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ فوراً شرف باسلام ہوگئے اور دل سے کلمہ طیبہ پڑھ کے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضور

نور نے اپنی سپاہ بھر فوج کی طرف دیکھا۔ اور ارشاد کیا کہ جو لوگ جنگ کی علامیت نہیں رکھتے وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اور کچھ بچے صغر سنی کی وجہ سے ان کے ساتھ واپس کئے گئے اس وقت عبداللہ بن عمرو انصاری نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس منزل میں حضور کا نزول اجلال ہماری بے انتہا فخر و خوشی کا باعث ہے۔ مجھے امید ہوتی ہے کہ حضور یقیناً مظفر و منصور ہوں گے کیونکہ ہم زمانہ جاہلیت میں جب خسرو کی جنگ کے لئے نکلے تھے تو ہم نے اسی منزل میں قیام کیا تھا۔ اور اسی مقام پر ان لوگوں کو جو اگلے پچھلے تھے اور جنگ کرنا چاہتے تھے ان کے گھروں کو واپس کر دیا تھا۔ اور جب ہم سب جنگجو رہ گئے تو ہم نے اچانک حملہ کر کے بڑی دلیری سے دشمن پر حملہ کیا تھا اور خسرو کی سپاہ کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور ہم فتحیاب ہو کر اور کثرت سے مال غنیمت لے کے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے تھے۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں اور مجھے پورا یقین ہے کہ اسی طرح حضور بھی دشمنان اسلام پر فتح حاصل کر کے مدینہ واپس تشریف لے جائیں گے۔ آپ نے عبداللہ بن عمرو انصاری کی اس گفتگو کو غور سے سنا اور آگے کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جب لشکر بیوت السفیان سے حرکت میں آیا تو حضور انور نے قیس بن ابی صعصعہ کو حکم دیا کہ ابی عنبہ کے کنوئیں کے پاس کھڑے ہو کے فوج کا شمار کرو۔ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ تین سو تیرہ آدمی شمار ہوئے۔ اور ایک روایت میں ۳۰۵ مہاجروں میں سے اسی صحابہ تھے اور باقی انصار۔ ہمیں سے ۶۱ قبیلہ بنی اوس والے تھے اور باقی سب بنی خزرج تھے۔ ابن اسحٰق و واقدی اور دیگر مورخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف ہے واقدی نے بچاسی مہاجرین لکھے ہیں اور اسی نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ صرف چوہتر لکھے ہیں۔ ابن اسحٰق مہاجرین کی تعداد چوراسی لکھتے ہیں اور بنی اوس والوں کی اکسٹھ اور بنی خزرج کی ایک سو ستر جن میں سے پانچ غیر حاضر تھے۔ مگر واقدی اور موسیٰ ابن عقبہ بنی اوس کی تعداد تریسٹھ لکھتے ہیں اور بنی خزرج کی ایک سو پچہتر جن کا مجموعی شمار ۳۲۳ ہوا۔ (کتاب الواقدی) صفحہ ۹۹ و ۶۲ و ۲۷۵ و ۲۹۵۔ واقدی ۹۶ ہشام صفحہ ۱۴۵ طبری (۳۲۱) علاوہ تعداد کے سامان حرب اور جانوروں میں بھی اختلاف ہے تو بھی حسب ذیل تعداد پر ایک حد تک متفق علیہ ہے۔ بہتر (۷۰) تین گھوڑے آٹھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ جب حضور انور نے اپنے اصحاب کی قلت تعداد پر نظر کی تو آپ نے قبلہ رو کھڑے ہو کے یہ دعا کی۔ اے میرے خالق ان مٹھی بھر آدمیوں کی تو ہی مدد کرنے والا ہے۔ محض تیرے نام پر یہ ٹڑنے نکلے ہیں تو ہی ہمیں فتح دے گا۔ اور تو ہی انہیں مال غنیمت سے مالا مال کر دے گا حضور کی یہ دعا قبول ہوئی۔ کیونکہ آپ ایک بڑی فتح کے بعد خوش و فیروز مدینہ تشریف لائے جس کا مفصل ذکر اب آگے آئے گا۔

ایک ایک اونٹ کئی کئی آدمیوں کے پاس تھا۔ اسی طرح حضور انور حضرت علی اور زید بن حارثہ کے حصہ میں ایک اونٹ آیا تھا۔ اور باری باری سے اسی پر سواری کی جاتی تھی۔ چلتے چلتے جب حضور انور کے اترنے کی نوبت آئی تو حضرت علی اور زید نے عرض کیا کہ حضور اونٹ پر سے نہ اتریں ہم دونوں حضور کے عوض پیادہ چل لیں گے۔ حضور نے قبول نہیں کیا اور ارشاد کیا کہ میں اس عوضی دینے سے مستغنی ہوں۔

حضور انور مکہ کی سڑک پر دو دن تک برابر قدم بڑھاتے گئے۔ اور جب آپ مقام سفرہ میں پہنچے جو مدینہ سے چونتیس ۳۴ گھنٹے کا راستہ ہے۔ جس سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک راستہ مکہ چلا گیا ہے اور ایک راستہ جانب شمال شام کی سڑک میں جا کے مل گیا ہے۔ اس شمالی راستہ کا آخری قصبہ بدر ہے جہاں اب بھی وہ حاجی جو شام کو جاتے ہیں قیام کرتے ہیں اور قدیم زمانہ میں بھی یہیں قافلے آ کے ٹھیرا کرتے تھے۔ اور یہاں ایک بہت بڑا میلا ہوتا تھا۔ اس مقام پر پہنچنے سے پہلے حضور انور نے لیث بن عمرو اور عدی بن ابی کو بطور جاسوسوں کے آگے روانہ کیا کہ آباد بدر میں ابوسفیان کے قافلے کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں یا نہیں کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ قافلہ اسی مقام پر آ کے قیام کرے گا۔ بدر کے چشمے پر جاسوسوں کو چند عورتیں ملیں جو پانی بھرنے آئی تھیں اور جو آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ کہ امید ہے کل قافلہ ضرور آ جائے گا۔ اور اگر کل نہیں آیا تو پرسوں ضرور ہی یہاں پہنچ جائے گا۔ یہ سنتے ہی وہ خوش ہو گئے۔ اور الٹے پیروں بھاگے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی۔

جب ابوسفیان بدر کے قریب پہونچا تو اسے نواح مدینہ میں آثار جنگ معلوم ہوئے۔ اس سے جہاں تک ممکن ہوا۔ کارواں کو لیکے بہت تیزی سے بھاگا تاکہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہو جائے بدر میں پہونچ کر بعض آدمیوں نے اس سے بیان کیا کہ صرف دو اجنبی یہاں دکھائی دئے تھے وہ تھوڑی دیر اپنے اونٹوں کو آرام دے کے اور کنوئیں میں سے پانی پی کے یہاں سے چلے گئے۔ ابوسفیان فوراً اس مقام پر پہونچا۔ اور اس نے بڑی چابکدستی سے چاروں طرف نظر کی اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکل گیا۔ کہ یہ اونٹ تو یثرب سے آئے تھے۔ چونکہ اس نے خرمے کی ایک گٹھلی سے اس بات کا پتہ لگا لیا کہ یہ خرمے یا کھجوریں خاص مدینہ ہی میں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی اس صورت کی گٹھلی ہے یہ یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مخبر تھے۔ یہ کہہ کے وہ فوراً اپنے کارواں میں واپس آیا۔ اور انہیں جانب راست بہت جلد چلنے کا حکم دیا۔ ساحل بحر کے کنارے کنارے قافلہ روانہ ہوا۔ انہا و ہندشتابی کے ساتھ بھاگا چلا جاتا تھا۔ دن اور رات میں ایک لمحہ کے لئے کہیں نہیں ٹھیرا۔ آخر اپنی اس

پھرتی سے وہ مسلمانوں کی زد سے صاف بچ کے نکل گیا۔ راستے میں اس نے سنا کہ قریشوں کی ایک زبردست سپاہ اس کی مدد کے لئے آرہی ہے۔ اس نے فوراً ایک قاصد ان کے پاس بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ اب مدینہ پر حملہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بحفاظت بچ کے نکل آیا ہوں۔ تم سب لوگ واپس چلے جاؤ۔ اس سے دس یا بارہ روز پہلے مکہ میں ابوسفیان کے قاصد پہونچنے پر ایک تھلکہ عظیم برپا ہوگیا تھا یہ قاصد حسب قاعدہ اونٹ بھگاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ اور مکہ کی بڑی شاہراہوں میں اونٹ کو بے تحاشہ بھگاتا ہوا کعبہ کے کھلے ہوئے صحن میں پہونچا۔ اور اونٹ سے اتر کر دوڑا اور کھڑا ہوگیا۔ اور اونٹ کے کجاوے کو پرے اٹھا کر پھینکدیا اور فوراً اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے اور ناک کو زخمی کردیا۔ اور اپنی قمیص جسم پر میں پارہ پارہ کردی۔ اور چلا کر رو کے مہیب آواز میں یہ کہا۔ قریش! قریش! تمہارے کارواں کا تعاقب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کر رہے ہیں۔ مدد کرو۔ مدد کرو۔ بس یہ سننا تھا کہ تمام شہر میں یہ آگ لگ گئی۔ کیونکہ صرف اسی اکیلے کارواں پر مکہ کی تجارت کا دارومدار تھا۔ اور یہ سالانہ آیا کرتا تھا۔ اور عموماً بہت سے قریشوں کا اس میں حصہ ہوتا تھا۔ فوراً سب نے ارادہ کرلیا۔ کہ ایک زبردست فوج کے ساتھ ابوسفیان کی مدد کے لئے روانہ ہونا چاہئے اور پھر وہ آپس میں ذکر کرنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نخلہ کی مہم پر ہو لے بیٹھے ہیں کہ وہاں انہیں فتح ہوگئی تھی اور دو تین آدمی انہوں نے ہمارے گرفتار کرلئے تھے۔ وہ اس بات کا خیال اب دل سے نکال دیں۔ اب دیکھیں وہ ہمارے مقابلہ میں آتا ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہاں جاتے ہیں اس کے بعد بڑی دھوم دھام اور جوش و خروش سے ہر طرف تیاریاں ہونے لگیں اہل مکہ نے ارادہ کرلیا تھا خواہ کتنی ہی جانیں نثار کیوں نہ ہوجائیں اور کتنا ہی روپیہ صرف کیوں نہ ہوجائے مسلمانوں کو ایک دفعہ دنیا سے نیست و نابود کرکے چھوڑیں گے۔ جوش کی یہ انتہا ہوگئی تھی کہ ہر شخص بچے سے لیکے بڑا تک فوج میں شریک ہونے کو آگیا تھا۔ مگر صرف ابولہب آنحضرت کا چچا اس فوج میں شریک نہیں ہوا۔ محض اس وجہ سے کہ اگر وہ بھی مکہ سے چلا گیا تو نبی مکرم جو نواح مکہ میں ایک قبیلہ ہے مکہ پر حملہ کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ مگر پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ خوف بھی ابولہب کا جاتا رہا کیونکہ اس قبیلہ کے دو بڑے بڑے سرداروں نے اس بات کی ذمہ داری کرلی تھی کہ قریشوں کے چلے جانے پر مکہ پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

اسی اثناء میں یا اس سے کچھ پہلے عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا۔ صبح کو اس نے اپنے بھائی عباس کے آگے خواب بیان کرنا چاہا مگر یہ اقرار لیکر کہ میرا خواب کسی سے بیان نہ کرنا۔

خواب یہ ہے کہ ایک شتر سوار آکے ابطح میں کھڑا ہو گیا۔ اور بلند آواز سے یہ کہنے لگا کہ اے قریش اپنے قتل کرنے پر جلدی کرو۔ پھر وہ مسجد میں آیا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہوئے اور پھر وہ مسجد کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور بھی تین دفعہ اس نے غل مچا کے کہا۔ اور پھر میں نے اس کو ابو قبیس پر دیکھا۔ وہاں جا کے اپنے سب قریشوں کو ان کے گھر جانے کا حکم دیا وہ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے پھر اس نے وہاں سے ایک پتھر لڑکایا جس پتھر نے کعبہ کے سب مکانوں کو مسمار کر دیا۔ ہاں صرف ایک بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے مکان بچے رہے عباس یہ خواب سن کے خاموش ہو رہے مگر انہوں نے اپنی بہن کی وصیت کی کچھ پروا نہ کی۔ اور یہ سارا خواب اپنے دوست ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے بیان کر دیا اور بہت کچھ اصرار کر کے کہدیا۔ خدا کے لئے اس کا ذکر کسی سے نہ آئے ولید نے عباس کے کہنے کی کچھ پروا نہ کی اور یہ سارا خواب اپنے باپ سے کہدیا بس پھر کیا تھا یہ خبر مکہ میں پھیل گئی۔ ابوجہل نے بھی اس خبر کو سنا۔ دوسرے روز عباس کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نے قریشوں کے جلسے میں عاتکہ کا خواب بیان کیا اور کہنے لگا کہ اے اہل قریش اب یہ عورت بھی درجہ نبوت تک پہنچنا چاہتی ہے۔ عباس نے طواف کرتے کرتے پوچھا کون سی عورت۔ ابوجہل نے کہا تیری بہن عاتکہ جس نے ایسا ایسا خواب دیکھا۔ عباس نے کہا مجھے تو خبر نہیں۔ ابوجہل برا بھلا کہنے لگا۔ اور غل مچا کے کہا کہ تمہارے خاندان میں نبوت اُبل رہی ہے۔ مردوں کو تو جھوٹے نبوتیں بھی دعوے پیغمبری کا کرنے لگیں۔ میں تین دن تک اس بات کا منتظر ہوں۔ کہ خواب کا کوئی اثر معلوم ہو جائے۔ اور اگر تین دن گذر گئے اور خواب کا کوئی اثر نہ دکھائی دیا تو عرب کے کل قبائل کے پاس میں یہ لکھ کے بھیجدوں گا کہ عربوں میں جو اول درجے کے جھوٹے ہیں وہ بنی ہاشم میں یہ لکھ کے ابوجہل چلا گیا۔ عباس اپنے گھر واپس چلے آئے۔ بنی ہاشم نے جب یہ سنا کہ ابوجہل ایسی ایسی باتیں کہہ گیا ہے تو وہ سب ملکر عباس کے پاس آئے اور سخت ملامت کی کہ یہ خبیث ابوجہل اس سے پہلے ہی ہمارے مردوں کو بہت کچھ زبان اور ہاتھ کی اذیت دے چکا ہے کسی نے اس کا منہ بند نہ کیا۔ اب اس کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ مردوں کو تکلیف دیتے دیتے عورتوں پر طعن کرنے لگا افسوس ہے کہ عباس تو نے اس کی اس بیہودہ گوئی کا کچھ بھی جواب نہیں دیا عباس نے کہا میں نے اس لئے منہ نہیں توڑا کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا اور جھگڑے کو طول ہو جاتا ہاں اس کے بعد اگر ابوجہل نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں اُسے پوری طرح سمجھاؤں گا غرض اس وقت یہ بات رفع دفع ہو گئی۔ مگر عاتکہ کو عقدہ رہا وہ اس واقعہ کے تیسرے روز مسجد الحرام میں آئی اس کا منشا تھا کہ یہاں ابوجہل مل جائے

تو اس کی خوب فضیحت کروں۔ جس وقت یہ مسجد الحرام میں گئی ہے تو ابوجہل موجود تھا۔ وہ اس کے جاتے ہی بھاگ گیا۔ عاتکہ یہ کہتی ہے کہ پھلے تو مجھے یہ معلوم ہوا تھا۔ کہ مجھ سے خوف کھا کے ابوجہل بھاگ گیا ہے مگر پیچھے یہ معلوم ہوا کہ نہیں۔ وہ ضمضم کی صورت دیکھ کے بھاگا تھا۔ یہ ضمضم اسی قاصد کا نام ہے جو ابوسفیان نے قریشیوں کے پاس روانہ کیا تھا۔ اور جس سے قریش جنگ کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اس کا ذکر بھی اوپر ہو چکا ہے ابوسفیان نے یہ شتر شغال سونا اجرت میں دیا تھا کہ قریشوں کو یہ خبر پہنچا دے۔ ضمضم یہ سونا لیکے مکہ میں چلا آیا اور قریشوں میں ایک آگ بھڑکا دی اور اس نے اپنا ایک خواب بھی بیان کیا۔ اور وہ خواب یہ تھا کہ جب میں اپنے قافلے سے علیحدہ ہو کے چلا ہوں تو میں نے وادی مکہ میں خون کی ندیاں بہتی ہوئی دیکھیں۔ بنی ہاشم ضمضم کے آنے سے بہت خوش ہوئے کہ عاتکہ کے خواب کی تصدیق ہو گئی۔ بایں ہمہ جو تیاریاں اہل مکہ نے کیں وہ عجیب و غریب ہیں۔ سہیل بن عمرو زمعہ بن عمرو زمعہ بن الاسود اہل شہر کو جنگ میں شریک ہونے کی ترغیب دے رہے تھے پھر سب مل کے ابولہب کے پاس گئے اس کا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے۔ مگر دوسری روایت میں یہ لکھا ہے کہ جب قریشوں نے اس سے جا کے کہا کہ تو ہمارا سردار ہے اگر تو ہمارے ساتھ اتفاق کرے گا تو اور لوگوں کو بھی جنگ میں جانے کی جرأت ہوگی۔ یہی مصلحت ہے کہ اس سفر میں آپ ہمارے ساتھ مرافقت کریں یا کوئی شخص اپنے عوض بھیجیں۔ ابولہب نے لات و عزے کی قسم کھا کے کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہ خود جاؤں گا اور نہ کسی کو بھیجوں گا۔ ابولہب کے انکار کے متعلق کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو وہ ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں دوسری روایت یہ ہے کہ ابولہب کا چار ہزار درہم کا قرضہ عاص بن ہشام بن مغیرہ پر تھا۔ ابولہب نے کہا تو میرے عوض جنگ پر چلا جا۔ میں اپنا قرضہ تجھ پر چھوڑتا ہوں۔

ایک طرف تو مکہ میں یہ جوش و خروش ہو رہا تھا اور دوسری طرف چند آدمی کچھ بددل سے ہو رہے تھے اور یہ بددلی عاتکہ کے خواب سے پھیلی تھی۔ حارث بن عامی و عتبہ۔ شیبہ۔ امیہ۔ حکیم بن حزام۔ پسر امیہ بن خلف اور عاص وغیرہ سخت پریشان تھے وہ چاہتے نہ تھے کہ فوج میں شریک ہوں اور مکہ سے باہر نکلیں۔ ابوجہل کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بھاگا ہوا ان لوگوں کے پاس آیا اور اس نے بڑی سخت ملامت کی اور بہت کچھ ابھارا۔ آخر وہ مجبوراً فوج کے ساتھ ہو گئے پھر قریشوں نے ہبل نامی بت کے پاس بہت سا جمع کیا۔ اس کے بعد عرب نے قاعدے کے مطابق شگون لینے کے لئے تیر پھینکا وہ تیر موافق نہ آیا۔ ابوجہل نے کہا ہم اس جنگ کے لئے فال کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتے۔ زمعہ نے اس کو توڑ ڈالا اور کہا کہ خدا کی قسم آج کے اس تیر سے زیادہ جھوٹا اور

کوئی تیر نہ ہوگا۔ اس پر سہیل بن عمرو نے دریافت کیا کہ اے ابا علیہ یہ کیا بات ہے کہ میں تجھے آج بہت غصہ میں دیکھتا ہوں۔ زمعہ نے ساری کیفیت بیان کی۔ سہیل نے کہا یہ باتیں میں سننا نہیں چاہتا۔ کیونکہ عمرو بن ہبیب نے یہ ساری باتیں مجھ سے کہدی تھیں۔ اور مجھے ان پر اعتبار نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب قریش مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ عتبہ اور شیبہ نے اپنی زرہ باہر نکال کے اس کی مرمت کرنی شروع کی یہ کیفیت عداس دیکھ رہا تھا۔ عتبہ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا کہ تو اس شخص کے حال سے واقف ہے جس کی طائف میں ہم نے تیرے ہاتھ انگور بھیجے تھے۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم اب اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ عداس نے کہا آپ فرمائیں۔ عتبہ نے کہا کہ ہم اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم اسے قتل کر ڈالیں۔ عداس یہ سنکر رونے لگا۔ اور کہا خدا کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو خدا کے رسول ہیں تمہیں کسی طرح بھی زیبا نہیں ہے کہ تم ان پر حملہ کرو۔ اور ان کے ساتھ لڑو۔ عداس یہ کہتا جاتا تھا اور چیخ چیخ کے رو رہا تھا۔ حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ عداس کی باتوں کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ میں نے کسی طرح جنگ میں جانے کی مصلحت نہ سمجھی مگر بدقسمتی سے میں مجبور کر دیا گیا اور مجھے جنگ میں جانے کی حقیقی برکت حاصل ہوئی۔ اسی عرصہ میں تمام بن تمیمہ بن حجاج نے عداس کے پاس آکے دریافت کیا کہ تو کیوں رو رہا ہے اس نے کہا کہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ دو سید قوم اس ذات پاک کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو عالم کا نجات دہندہ اور خدا کا رسول ہے عداس کی اس گریہ وزاری کا اثر تمام قریشوں پر نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی مجموعی صورت سخت غضبناک تھی۔ اور وہ حضور انور کے تلخ ترین دشمن تھے غرض جس وقت قریشوں کی فوج تیار ہوئی اور اس کا شمار ہوا تو نو پچاس زبردست جوان جھنڈے کے نیچے دیکھے گئے جن کے ہمراہ سات سو اونٹ اور سو گھوڑے تھے۔ اکثر ان میں سوار تھے اور جو پیادے تھے وہ سب زرہ پوش تھے ان لوگوں کے پاس علاوہ سامان حرب کے عیش کا بھی بہت سامان تھا یعنی گانے والی عورتیں بکثرت تھیں اور ہر منزل پر دف بجا کے اور گا کر جنگ آوروں کو خوش کرتی تھیں۔ اور مسلمانوں کو ہزار ہا گالیاں دیتی تھیں اور مکہ کے سرداروں نے باہم یہ بات طے کر لی تھی کہ باری باری سے ایک ایک سردار فوج کو کھانا دے۔ ایک دن عتبہ اور شیبہ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کے تنہائی میں بیٹھ کے عاتکہ کے خواب کا ذکر کرنے لگے۔ اتفاق سے ابوجہل اس وقت آنکلا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔ انہوں نے سچ سچ کہہ دیا ابوجہل کو سخت غصہ آیا اس نے کہا کہ مجھے بنی عبدالمطلب سے سخت تعجب ہے کہ وہ اپنے مردوں ہی کی نبوت پر قانع نہیں ہیں بلکہ عورتوں کو بھی پیغمبری بخشنا چاہتے ہیں۔ خیر کہ واپس جانے پر میں ان لوگوں سے اچھی طرح سمجھ لوں گا۔ اس پر عتبہ نے

جواب دیا کہ آپ کو صلح رحم اور قرابت قریبہ کا بھی کچھ خیال ہے پھر وہ اُس میں کہنے لگے کہ اس لشکر کا ساتھ ہی چھوڑ دو۔ اور مکہ چلے جاؤ۔ ابوجہل نے کہا ایسا غضب نہ کرنا کہ پہلے تم نے قوم کے ساتھ موافقت کی اور اب اس کے ساتھ مخالفت کرتے ہو۔ اور یہ خوب سمجھ لو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب کو ہمارے ساتھ ہرگز مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہونے کی۔ اس وقت میرے اشارہ پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار شمشیرزن جمع ہو سکتے ہیں۔ میں جہاں جاؤں گا میرے ساتھ جائیں گے جہاں ٹھہروں گا میرے ساتھ ٹھہریں گے۔ اور جو کچھ حکم دوں گا وہ کریں گے اور اگر تم نہیں مانتے اور تم دونوں کو جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ عتبہ اور شیبہ نے یہ کہا کہ کمبخت تو خود بھی مارا جائے گا اور دوسروں کو بھی قتل کروائے گا اور اپنی قوم کے برباد کرنے پر تو نے کمر باندھی ہے تو بہت ہی شوم ہے۔ ہماری محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جو کچھ خصوصیت اور قرابت ہے وہ تجھے حاصل نہیں ہے اور ساتھ ہی عتبہ نے یہ کہا کہ میرا بیٹا حذیفہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے میں تو سنا سب ہی سمجھتا کہ کسی طرح جنگ پر جاؤں مگر شیبہ نے پھر یہ کہا کہ اے بھائی کیوں خواہ مخواہ قوم کی ملامت سنتے ہو۔ جب مکہ سے باہر نکل آئے تو اب فوج کے ساتھ چلے بھی چلو آگے دیکھا جائے گا۔ غرض یہ دونوں بھائی پھر بہ مجبوری فوج کے ساتھ ہو لئے۔

جب قریشوں کی فوج مقام جحفہ میں پہنچی تو جہیم بن صلت بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار جس کے ساتھ ایک اونٹ ہے قریش کے لشکر کی طرف آیا ہے اور لشکر کے پاس پہنچ کے کھڑا ہو گیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ عتبہ۔ شیبہ۔ ربیعہ۔ بن الاسود۔ امیہ بن خلف۔ ابوالبختری ابوالحکم بن ہشام اور نوفل بن خویلد کو قتل کا حکم ہوا ہے۔ اور سہیل بن عمرو کے لئے قید کا۔ اور حارث اپنے بھائی کے ہاتھ سے بھاگ جائے گا۔ پھر وہ گھوڑے سوار اپنے اونٹ کو چھری سے زخمی کر کے قریشیوں کے خیمہ میں گھس گیا کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جو اس اونٹ کے خون سے تر بتر نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد جہیم کی آنکھ کھل گئی اس نے اپنے دوستوں سے صبح کو یہ خواب بیان کیا آناً فاناً میں یہ خواب سارے لشکر میں پھیل گیا جب ابوجہل نے اس خواب کو سنا تو سخت غصے ہو کے کہا کہ یہ نبی عبد مناف سے دوسرا پیغمبر پیدا ہوا ہے کل معلوم ہو جائے گا کہ آیا ہم سب قتل ہو نگے یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا اُن کے اصحاب خاک و خون میں تھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یقیناً یہ شیطان تھا جو جہیم کے خواب میں نظر آیا۔ عتبہ نے سہ ملا کے شیبہ سے کہا کہ یہ خواب تو بالکل عاتکہ کے خواب کی تصدیق کرتا ہے۔ عداس بھی سچ کہتا تھا۔ ہر ایک

بات کی تصدیق ہوتی جاتی ہے۔

یہاں کی تو یہ کیفیت ہوئی۔ اب سنئے ابوسفیان کے قافلہ کی سرگزشت کہ جب ابوسفیان خطرے کی حد سے نکل گیا تو اُس نے قیس بن امرالقیس کو اپنے کارواں میں سے قریشیوں میں بھیجا کہ تم لوگ حرم سے صرف میری مدد کو آئے ہو کہ قافلہ کا مال اور سامان ضائع نہ ہو۔ اب میں خداوند تعالےٰ کے حکم سے اس خطرہ سے باہر نکل آیا ہوں۔ لہٰذا تمہیں اطلاع دیتا ہوں کہ تم سب مکہ واپس چلے جاؤ۔ اب یثرب پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب سے کچھ تعلق نہ رکھنا چاہئے کیونکہ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے قیس یہ خبر لیکے نیزوں کوٹ کرتا ہوا قریشوں کے لشکر میں پہونچا۔ ابوسفیان کا یہ پیغام نہیں سنا دیا۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم ہم کبھی مکہ واپس نہیں جانے کے ہم ضرور بدر جائیں گے وہاں تین شبانہ روز قیام کریں گے خوب کھانے کھائیں گے۔ شراب پئیں گے عورتوں کا ناچ دیکھیں گے اور اُن کا گانا سنیں گے اور اگر ہم بغیر اس کے واپس مکہ چلے جائیں گے۔ تو تمام قبائل میں اس بات کا غل مچ جائے گا کہ ہم ڈر کے مارے بھاگ آئے ہماری مہابت اور ہماری دبدبہ ہمارے دشمنوں کی نظروں میں کم ہو جائے گی قیس یہ سنکر واپس چلا آیا اور اُس نے ابوسفیان سے آکے کہدیا کہ قریش نہیں مانتے اور وہ بدر کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔ یہ سن کے ابوسفیان نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا واقوماہ یہ کام عمرو بن ہشام کا ہے یعنی ابوجہل کا۔ (ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام تھا) یہ شخص محض یہ خیال کر کے واپس جانا سخت مذموم امر ہے اور قوم کی بُکی ہے مراجعت کو مکروہ جانتا ہے واللہ اگر ہمارے اصحاب نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کیا تو وہ ضرور ذلیل ہوں گے۔

قریش کے لشکر میں ابھی تک یہ کھچڑی پک رہی تھی کہ آیا جنگ میں جائیں یا مکہ واپس چلے جائیں نجملہ اور آدمیوں کے جو یہ دل ہو رہے تھے ایک اخنس بن شریق تھا جب اُس نے یہ سنا کہ کارواں صحیح وسلامت نکل گیا تو اُس نے اپنے احباب سے کہا کہ خداوند تعالےٰ نے تمہارے کارواں کو نجات دے دی اور اُن کے اموال کو اسیب سے بچا دیا۔ اور مخرمہ بن نوفل کو جو تمہارا صاحب ہے اُسے خلاصی بخشی۔ اب تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جنگ سے ہاتھ اٹھا لو کیونکہ وہ تمہارا برادر زادہ ہے اگر وہ فی الحقیقت پیغمبر ہے تو تم مخلوق میں نیک بخت ترین ہو گے اور اگر وہ پیغمبر نہیں ہیں تو اور قبائل ان سے قتال کرنے کے لئے کیا کمی ہیں جو تم اُن کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہو تمہارے کاموں میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اب مصلحت

یہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اور ابوجہل کے قول کا کبھی اعتبار نہ کرو کہ وہ اپنی قوم کی ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا ہے بنو زہرہ نے اس کی نصیحت بہت رغبت سے سنی اس نے دریافت کیا کہ ہم واپس جاتے کا کونسا بہانہ کریں۔ انھوں نے کہا کہ جب رات ہوگی تو ہیں اونٹ پر چڑھ کر نیچے گر پڑوں گا تم غل مچا دینا کہ اسے سانپ نے کاٹا ہے اور پھر یہ کہنا کہ اسے ہم مکہ لے جاتے ہیں وہ منع کریں گے کہ تم اس کے ساتھ نہ جاؤ۔ تم یہ کہنا کہ جب تک یہ تندرست نہ ہو جائے یا مر نہ جائے ہم اس کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ غرض بنو زہرہ مع اخنس کے اس حیلہ سے مکہ پہنچ گیا اب ہم پھر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے سے لشکر میں کیا ہو رہا تھا۔ ادھر تو قریش حملہ آور ہو رہے تھے اُدھر آپ نہایت تیزی سے بدر کی طرف بڑھ رہے تھے کیونکہ آپ کو مخبروں نے یہ خبر دی تھی کہ ابوسفیان کا کارواں بدر کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔ آپ منگل کے دن مقام روحا پر پہنچے اور آپ نے کنوئیں پر سے پانی پیا اور آپ نے اس مقام کو برکت دی اور فرمایا کہ یہاں تھکے ہوئے مسافر آتے ہیں اور آرام کرتے ہیں جمعرات کے دن ابھی آپ بدر پہونچے تھے کہ چند مسافروں نے آپ کو آکے خبر دی کہ دشمن بہت تیزی سے حملہ کی غرض سے آپ کی طرف آرہا ہے یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمان قوی دشمن کے سامنے شمشیر بدست ہوتے ہیں اور ایک شائستہ فوج سے جنگ کرتے ہیں۔ فوراً حضور انور نے جنگ کی کونسل طلب فرمائی اور اپنے خاص خاص سرداروں کو مشورہ دینے کی غرض سے اپنے پاس جمع کیا سب کی ایک ہی رائے تھی۔ اور سب جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم کی تو یہ رائے ہوئی کہ بہت شتابی سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس کے بعد حضور انور نے انصار کی طرف خطاب کیا کیونکہ ان سے یہ معاہدہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مدینہ کے باہر نکل کے جنگ کریں گے حضور انور نے ارشاد کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے کل انصار کی طرف سے سعد بن معاذ نے یہ جواب دیا۔ اے پیغمبر خدا جہاں حضور کی خوشی ہو عنان عزیمت پھیریئے اور جہاں حضور چاہیں وہاں لشکر گاہ بنائیں حضور کی بالکل مرضی پر ہے جس سے چاہیں جنگ کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں۔ میں اس ذات پاک کی قسم کھاتا ہوں جس نے حضور انور کو صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ حضور اس حد تک آگے بڑھیں کہ ہمارے اونٹ بے دم ہو کے گر پڑیں۔ پھر بھی ہم حضور کی ہمرکابی سے نہیں ہٹنے کے اور جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے ہم کبھی حضور کی رکاب نہیں چھوڑنے کے۔ ہم میں سے کوئی شخص

ہرگز پیچھے نہیں رہنے کا۔ پھر حضور انور نے نہایت جوش سے یہ فرمایا خدا کی رحمت اور برکت تمہیں ہو۔ یا تم اس کی رحمت اور برکت میں سفر کرو۔ یقیناً خداوند تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ خواہ کارواں یا فوج قریش ان میں سے ایک چیز وہ مجھے دے دیگا۔ میں ابھی میدان جنگ اپنی انکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ اور قریشوں کی لعشوں کے پشتے بھی خدا کی طرف سے مجھے دکھائے گئے ہیں۔ حضور انور نماز پڑھنے کے بعد نہایت جوش سے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھا کے یہ دعا کرتے تھے کہ اے خداوند تعالیٰ ابوجہل رعمہ بن الاسود عقیل بن عمرو کو پوری سزا دے۔ اور سب سے زیادہ ابوجہل کو کہ وہ اس امت کا فرعون ہے اسے نصیب نہ ہو کہ وہ میدان جنگ سے زندہ بچ کے چلا جائے۔ اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی کہ سلمہ بن ہشام عباس بن ابی ربیعہ اور اسلام کے کمزور مردوں کو جنہیں قریش نے مکہ میں قید کر رکھا ہے نجات فرما۔

جمعرات کو سپہر کے وقت جب حضور انور نواح بدر میں پہنچے تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص کو سات اور چند آدمیوں کے اس لئے روانہ کیا کہ کسی بلند قطع زمین کا پتہ لگائیں اور اگر کوئی خبر بھی مل سکے تو وہ بھی لے آئیں چنانچہ حضرت علی معہ اپنے ساتھیوں کے ایک کنوئیں پر پہنچے وہاں دیکھا کہ قریشوں کے لشکر کے چند آدمی مشکوں میں پانی بھر رہے ہیں حضرت علی اُن پر جا پڑے اور اُن سب کو گرفتار کر لیا۔ صرف ایک شخص اُن میں سے بچ کے نکل گیا حضرت علی یہ سمجھے کہ ابوسفیان کے قافلے کے یہ لوگ ہیں حالانکہ وہ لشکر قریش کے آدمی تھے۔ حضرت علی نے سوال کیا کہ تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم قریش کے لشکر کے ستے ہیں۔ حضرت علی کو یقین نہیں آیا آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہو اور پھر حضرت علی نے انہیں کوسنے مارنے شروع کئے جب انہیں پٹنے سے زیادہ تکلیف ہونے لگی تو آخر انہوں نے جھوٹ موٹ کہدیا کہ ہاں ہم ابوسفیان کے غلام ہیں۔ حضرت علی نے یہ سنکر کوڑے تھامائے۔ یہ مار پیٹ اس وقت ہوئی کہ جب حضور انور نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ ان سوں کو پکڑ کر اسی وقت حضرت علی حضور انور کی خدمت میں لے آئے تھے۔ آپ نے سلام پھیر کر اپنے اصحاب کی طرف یہ خطاب کیا کہ انہوں نے پہلی بات سچ کہی تھی اس پر تم نے انہیں مارا۔ اب جب وہ جھوٹ بولے تو تم سچ مار رہے ہو۔ ان میں سے دو شخصوں کا نام جو گرفتار ہو کر آئے تھے۔ عریض ابو اسلم تھا۔ حضور نے اُن سے دریافت کیا کہ قریش کہاں ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اس پہاڑی کے پیچھے چھپے مقامات میں وہاں ان کا لشکر پڑا ہوا ہے ایک جگہ کا نام عدوہ تھا دوسرے پہاڑ ایک کو کثیب کہتے ہیں اور ایک کو عنطفل کہتے ہیں۔ اس مضمون کو واقدی نے اپنی زبان میں اس طرح لکھا ہے۔

شفاء من جلے القلب یسار مولی سعید بن العاص واسلم مولی عتبۃ الحجاج وابو رافع مولی
خلف فاتی بھم النبی وھو قائم یصلی فسألھم المسلمون فقالوا نحن سقاء القریش بعثونا نسقیھم
ن القوم خبرھم وفرحوا ان یکون لابی سفیان واصحاب العیر فیضربونھم فلما اذتبوھم
ا والحمد لابی سفیان ونحن فی العیر ھذا الغور فکانوا اذا قالوا ذالک یمسکون عن ضربھم
سول اللہ من صلوۃ فقال ان صدقوکم ضربوھم وان کذبوکم ترکوھم فقال اصحابہ علیہ السلام
ول اللہ قریشا قد جاء و فقال لقد صدقوکم خرجت قریش بمنع غیرھا وخافوکم علیھا۔
حضور انور اپنے صحابہ سے یہ گفتگو کر چکے تو آپ قریشوں کے سقوں کی طرف رجوع ہوئے اور ارشاد کیا
ں کی تعداد کتنی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہت ہے آپ نے ارشاد کیا کہ میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ
رتا ہوں کہ گنتی میں کتنے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہم نہیں جانتے پھر حضور نے سوال کیا کہ اچھا کتنے اونٹ
لئے ذبح کرتے ہیں۔ اس سوال سے اعلیٰ درجہ کی دانائی اور زیرکی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے
سوال کا جواب دیا کہ کسی دن دس اور کسی دن نو اونٹ وہ اپنے لئے ذبح کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا
ا معلوم ہوگئی ہے وہ ہزار سے کم ہیں۔ اور نو سو سے زیادہ ہیں پھر حضور نے یہ استفسار فرمایا کہ قریش
سردار کون کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔ عتبہ۔ شیبہ۔ حارث بن عامر۔ ابو البختری۔ حکیم بن حزام
عدی۔ نوفل بن الحارث۔ ربیعۃ بن الاسود۔ ابو الحکم بن ہشام۔ امیہ بن خلف۔ بنیہ منبہ حجاج کے بیٹے
عمرو اور عمرو بن عبد ود ہیں۔ اس کے بعد حضور نے یہ سوال کیا کہ ان میں سے بعض لوگ رستے ہی
ں ہوگئے یا نہیں۔ سقوں نے کہا ہاں ابی بن شریق یعنی اخنس بنی زہرہ کے ساتھ رستے میں سے پھر واپس
س پر حضور نے ارشاد کیا ارشدہم وما کاد یرشد یعنی انہوں نے اسوقت اپنی قوم کو راہ راست دکھائی
و راہ راست پر نہیں ہیں اس کے بعد پھر آپ نے یہ سوال کیا کہ اُن کے علاوہ اور کوئی بھی رستے سے
ا گیا انہوں نے کہا بنو عدی بن کعب بھی رستے سے واپس چلے گئے۔ اس سارے سوال وجواب کے
انور نے اپنے خاص اصحاب کی طرف خطاب کر کے فرمایا اسیروا علی فی المنزل یہ سن کے سباب بن
عرض کیا یا رسول اللہ اگر وحی اور امر خدا تعالےٰ اس مقام پر قیام کرنا نہیں ہے تو میں ضرور قدم آگے
ئے اور بدر کے کنوئیں کے پاس ٹھیرنا نہایت مناسب ہے کیا حضور انور حرب کے لئے کوئی جگہ تجویز
تے ہیں حضور نے ارشاد کیا ہاں حباب نے عرض کیا جنگ کے لئے تو وہ کنواں بھی مناسب نہیں

میں اس مقام کی کیفیت اچھی طرح جانتا ہوں جب ہم وہاں پہنچ جائیں گے تو ایک حوض تیار کریں گے اور اُسے کنوئیں کے پانی سے بھر لیں گے اور پھر کنوئیں کو بند کر دیں گے اس صورت سے ہمیں تو بہ افراط پانی مل جائے گا اور ہمارے دشمن پانی نہ پا سکینگے حضور نے حباب کی باتوں کو توجہ سے سنا اور اس پر پورا عمل کیا اور فوراً کوچ کرنے کا حکم دیدیا۔

وادیٔ بدر کے ساتھ ایک بڑا میدان ملا ہوا تھا اور اس کے شمال اور مشرق میں پہاڑیاں ہیں جنوب میں ایک نشیبی چٹانی سلسلہ ہے، اور جانب غرب ایک سلسلہ ریتلی پہاڑیوں کا چلا گیا ہے پہاڑیوں میں سے ایک چشمہ پیدا ہوا ہے جو وادی میں بہتا ہے اور جس سے مسافروں کی آسایش کے لئے کئی باولیاں کھودلی گئی ہیں اور ان میں پانی بھرا رہتا تھا یہی مقام ہے جہاں حضور انور کا چھوٹا سا لشکر آکے پڑا تھا شب قریب ہوتی جاتی تھی چنانچہ حضور انور کے صحابہ نے کنوئیں کے قریب پہنچ کے کھجور کی شاخوں کا ایک جھونپڑا حضور انور کے لئے تیار کیا اور وہاں حضور انور نے اور حضرت ابوبکر صدیق نے شب کو آرام فرمایا جھونپڑے کے دروازہ پر سعد بن معاذ شب بھر ننگی تلوار کے ساتھ پھرا دیتے رہے۔ شب کو خوب بارش ہوئی لیکن اس کی شدت قریشوں کے کیمپ کی طرف زیادہ ہوئی حضور انور کو خواب میں اس بات کی بشارت دی گئی کہ آپ کا دشمن مغلوب ہوگا اور آپ فتح نصیب ہوں گے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے جس پر ہم آگے بالتفصیل بحث کریں گے۔

علی الصباح حضور انور نے اپنی صبح بھر سپہ کو آگے بڑھایا اور آپ نے ایک تیر پھینک کے چھوٹے چھوٹے پرے باقاعدہ جمائے اور مختلف اصحاب کو ان پروں کا سردار مقرر کر دیا کچھ عرصے کے لئے ہم حضور انور کو جنگ کے میدان میں اسی طرح تیار اور آراستہ چھوڑتے ہیں اور کچھ ذکر قریش کے لشکر گاہ کا بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا عین جنگ کے موقع پر ان میں کیا کھچڑی پک رہی تھی۔

جب حضرت علی نے قریشوں کے غلاموں کو پکڑا تھا جو کنوئیں پر پانی بھر رہے تھے تو اسی وقت اُن میں سے ایک شخص عمرو نامی بچ کے نکل گیا تھا جو نہیں وہ قریشوں کے لشکر میں پہنچا اُس نے غل مچایا کہ اے آل غالب یہ یسار ابوکبشہ اور اُس کے دوست ہیں جنہوں نے پانی لانے والے غلاموں کو قید کر لیا یہ سنتے ہی تمام قریشوں میں پریشانی پھیل گئی چنانچہ حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ ہم بہت سے آدمی ایک خیمہ میں بیٹھے ہوئے کباب کھا رہے تھے کہ اس واقعہ کے سنتے ہی ایسی ہیبت ہم پر طاری ہوئی

کہ پھر ہم سے کہاں نہ کہا گئے گئے میں تو فوراً خیمہ کے باہر نکلا تاکہ اپنے اور احباب سے مل کے اپنے دل کی تسکین کروں میں خیمہ کے باہر نکلا ہی تھا کہ عتبہ بن ربیعہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوالحالد میں نے یہ تماشہ تمام عمر بھی نہیں دیکھا کہ جب ہمارا قافلہ بخافلت اپنے وطن میں پہنچ گیا پھر یہ شیرزنی کیسی میں نے کہا بیشک یہی خیال مجھے بھی ہے اور یہ ساری کارروائی ابن الحنظلیہ کی ہے پھر عتبہ کہنے لگا کہ اے ابا خالد کیا تجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہم پر شب خون ماریں میں نے یہ جواب دیا کہ تو کیوں ڈرتا ہے تو تو بالکل امن میں ہے پھر عتبہ کہنے لگا یہ تو سب کچھ صحیح ہے مگر اس کی تدبیر ہم کیا کریں میں نے یہ کہا کہ مختلف لوگوں کو پھرہ پر کھڑا کر دو تاکہ وہ نگرانی کرتے رہیں عتبہ نے کہا بیشک سچ ہے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے اتفاق سے اس وقت ابوجہل بھی وہاں آگیا اور کہنے لگا کہ عتبہ تم تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے ڈرنا مکروہ جانتے ہو جبھی تمہارے اس قسم کے خیالات ہوگئے مردوں کی زبان سے میں نے عورتوں کا رونا پیٹنا کبھی نہیں سنا مگر تم پر میں دیکھتا ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا رعب الساجم گیا ہے کہ روز روز نئی نئی باتیں تم میدان سے بھاگنے کی نکالتے ہو یہ کہتے ہی ابوجہل اپنی قوم کی طرف منہ کر کے کہنے لگا کیونکہ باہمی گفتگو اور غل گیارے سے سیکڑوں آدمی عتبہ کے خیمہ کے پاس جمع ہوگئے تھے "تم سے عجب ہے کہ تم یہ گمان کرنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب تم سے قوی ہیں اور تم پر غلبہ پالیں گے خدا کی قسم نوحی قوم میں سے کسی نوح میں ان میں اتنی طاقت بھی تو نہیں ہے کہ وہ گزر جائیں صرف اج کی تم اپنی نگرانی کرو پھر تمہیں نگرانی کی ضرورت نہیں ہونے کی" غرض وہاں یہ کیفیت تھی اور یہاں جب صبح ہوئی تو حضور انور نے بلند قطعہ زمین پر قریشوں کو آتے ہوئے دیکھا حضور انور حضرت صدیق اکبر کو ساتھ لیکے اپنی پھوپی سے خواب گاہ میں چلے گئے اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو خداوند تعالے کے حضور میں پھیلا کر یہ دعا مانگی کہ اے میرے مالک میں تیرے حضور میں التجا کرتا ہوں کہ اپنے اس وعدہ کو جو تو نے اپنی مدد اور فتح کا کیا ہے پورا کیجیو اے میرے مالک اگر یہ چھوٹا سا گروہ نیست و نابود ہوگیا تو پھر تیری عام طور پر پرستش نہیں جائے گی۔ اور صاف اور بے لوث پرستش صفحہ دنیا سے مٹ جائے گی اس پر حضرت صدیق اکبر نے نہایت پرجوش لہجہ میں یہ عرض کیا خالق ارض و سماے میرے ماں باپ تیرے محمد کو آئے گا اور تیرا مقدس چہرہ فتح کی خوشی سے تاباں کر رہے گا خداوند تعالے نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حضور انور کو خواب میں فتح کی بشارت دے

دی اور قرآن مجید میں اس طرح ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
فی سنامک قلیلاً ولو اراکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلم انہ علیم بذات الصدور وما واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً یعنی تمہارے خواب میں کم دکھاتا تھا اور اگر انہیں تم کو بہت (کرکے) دکھا دیتا تو یقیناً تم سست ہو جاتے اور (لڑائی کے) کام میں باہم اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچا لیا بیشک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے اور (وہ وقت بھی یاد کرو کہ) جب انہیں تمہاری آنکھوں میں (یعنی بحالت بیداری) جب تم اُن کے سامنے آئے اور تمہیں انکی آنکھوں میں کم کرکے دکھاتا تھا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو (اس کے علم میں) آیا ہوا تھا۔
مخالف کی تعداد کو کم دکھانے سے یہ مطلب ہے کہ ان کی قوت کو آپ کی اور مسلمانوں کی نظروں میں حقیر کر دیا کیونکہ تعداد تو آپ کو پہلے سے معلوم ہو چکی تھی جب آپ نے قریش کے سقوں سے تعداد کے متعلق سوالات کرلئے تھے یہاں سر ولیم میور تو فی نے ایک عجیب بات لکھی ہے اور تعجب آتا ہے کہ شرقی علوم کا اتنا بڑا فاضل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے وہ اپنی کتاب صفحہ ۱۰۰ جلد ۳ میں لکھتا ہے کہ قریش کی بڑی تعداد نشیب میں چھپی ہوئی تھی اور جس وقت آنحضرت کو بلند قطعہ زمین پر پوری تعداد معلوم ہوئے تو آپ کو اپنی کمزوری اور نازک حالت کا پورا علم ہو گیا اس پر آنحضرت نے خداوند تعالےٰ کی مدد کی نہایت خشوع اور خشوع کے ساتھ دعا مانگی حالانکہ وہ پہلے خود لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت نے اپنی اعلیٰ درجہ کی دانائی سے قریشوں کے سقوں سے یہ سوال کرکے کہ روزمرہ قریش کے کیمپ میں کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں ان کی تعداد خود بتا دی تھی پھر بڑے تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ جب آپ کو یہ علم تھا کہ قریش ہزار سے کم اور نو سو سے زیادہ ہیں پھر انہیں دیکھ کے آپ کے دل میں کیوں خوف طاری ہونے لگا تھا اس وقت اس منہی پھر تو میں تین علم تھے ایک مہاجرین میں اور دو انصار میں حضور انور نے مہاجرین میں سے ایک علم مصعب بن عمیر کو دیا اور ایک جھنڈا ابن المنذر کو دیا جو قبیلہ بنی خزرج میں سے تھے اور ایک جھنڈا سعد بن معاذ کو دیا جو قبیلہ بنی اوس میں سے تھے اور ایک علم طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا گیا جب یہ ترتیب پوری ہو چکی حضور انور نے ایک لکڑی سے جو حضور کے دست مبارک میں تھی لوگوں کو کھڑا کرنا شروع کیا آپ نے دیکھا کہ سواد بن غزیہ کے کئی قدم صف سے باہر نکلے ہوئے ہیں آپ نے غزیہ کے کھلے ہوئے سینے پر آہستہ سے لکڑی کی نوک ماری اور ارشاد کیا کہ ستوائے یا سواد انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس لکڑی کی خلش سے میرے

سینے میں تکلیف ہونے لگی حق جل وعلا نے حضور کو رستی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ میرا قصاص مجھے دیں یہ سنتے ہی حضور انور نے اسی وقت اپنا سینہ کھول دیا اور سواد کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم قصاص لے لو سواد نے اُسی وقت دوڑ کے حضور انور کے مبارک سینے کو چوم لیا اور عرض کیا کہ بس میں قصاص لے چکا حضور نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا سواد نے عرض کیا کہ یہ میدان جنگ ہے اس سے بچ جانے کی امید نہیں ہے میری آرزو ہوئی کہ میں اپنی زندگی کے آخر ایام میں حضور انور کے مبارک سینے کو مس کروں حضور نے یہ سن کے سواد کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور پھر اپنی صفیں بھر فوج کو ارشاد فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں ہرگز تلوار نہ کھینچنا اور نہ کفار پر حملہ کرنا اور جب قریش تمہارے بہت نزدیک آجائیں تو انہیں تیر مارنا غرض جب مسلمانوں کا جتھہ یا ساگروہ پورا بیٹھ لیا تو حضور انور حضرت صدیق اکبر کو ساتھ لیکے عریش میں چلے آئے اور سعد بن معاذ انصار کا ایک گروہ اپنے ہمراہ لیکے حضور انور کی نگہبانی کیلئے مقرر ہوئی اور پھر حضور انور نے یہ دعا کی

"اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لاتعبد فی الارض ابدا"

کئی کئی بار آپ نے یہ دعا مانگی دعا مانگتے وقت آپ کی مبارک آنکھوں سے برابر آنسو رواں تھے آپ کی حالت ایسی پر تضرع تھی کہ آپ کے مقدس کندھے سے آپ کی چادر گر پڑی حضرت صدیق اکبر نے فوراً ردا مبارک اٹھا کے حضور انور کے کندھے پر ڈال دیا اور حضور کو کندھے سے لگا کے عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بس کافی ہے خداوند تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی خدا کی قسم یا رسول اللہ آپ کو ظفر و نصرت حاصل ہوگی کہتے ہیں اسی عرصے میں کچھ غنودگی آپ کو طاری ہوگئی اور اس غنودگی میں خداوند تعالیٰ نے آپ سے ہمکلام ہوا جسکی ہمکلامی کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں غنودگی کے رفع ہونے کے بعد حضور نے حضرت صدیق اکبر سے یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی مدد پہنچ گئی ہم یقیناً فتحیاب ہوں گے اس کے بعد آغاز جنگ ہوا سب سے پہلے قریشوں کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ نے اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ساتھ میدان میں آکے للکارنے لگا کہ کون ہے جو ہمارے مقابلے پر آتا ہے یہ آواز سنتے ہی فوراً مسلمانوں کی طرف سے قاعدہ جنگ عرب کے مطابق صرف تین آدمی معاذ سعود اور عون میدان میں نکلے قریشوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو کہا ہم فلان فلان ہیں عتبہ نے کہا کہ ہم تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ہم تو اپنی اعمام کو بلاتے ہیں یہ سن کے انصار واپس چلے آئے

اس کے حضور انور کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت حمزہ اور حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کو مشرکوں سے لڑنے کے لئے بھیجا جب یہ تینوں مرد میدان مقابلے میں پہنچے تو عتبہ نے حضرت حمزہ سے دریافت کیا کہ تم کون ہو حضرت حمزہ نے جواب دیا کہ میں حمزہ ابن عبدالمطلب ہوں شیر خدا اور شیر رسول ہوں اس پر عتبہ نے بھی اپنی تعریف بیان کی اور کہا بیشک تو ہمارے لڑنے کے مقابل ہے پھر اس نے دریافت کیا کہ یہ دو شخص جو تمہارے ساتھ آئے ہیں کون ہیں حضرت حمزہ نے ارشاد کیا کہ ان میں سے ایک کا نام علی ابن ابی طالب ہے اور دوسرے تو عبیدہ بن الحارث بن مطلب بن عبد مناف کہتے ہیں عتبہ نے کہا بیشک تم ہمارے مدمقابل ہوا اور ہم تم سے بہ خوشی جنگ کریں گے جب یہ باتیں ہو چکیں تو ولید اپنے باپ کے اشارے سے حضرت علی کی طرف بڑھا اور عتبہ نے حضرت حمزہ کے مقابلے میں تلوار نکالی اور شیبہ عبیدہ کی طرف جھپٹا حضرت علی نے ولید کو ایسی تلوار ماری کہ وہ زمین پر گر پڑا اور حضرت حمزہ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ میں عتبہ کے دو ٹکڑے کر دئے مگر شیبہ نے حضرت عبیدہ بن الحارث کے پیر میں ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ میدان میں گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی یہ دیکھ کر حضرت حمزہ اور حضرت علی عبیدہ کی مدد کے لئے دوڑے اور شیبہ کو وہیں میدان جنگ میں قتل کر ڈالا اور حضرت عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کے حضور انور کی خدمت میں حاضر کر دیا عبیدہ نے حضور کی صورت دیکھتے ہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں شہید نہیں ہوا حضور نے ارشاد فرمایا نہیں تم شہید ہوئے اس کے بعد آپ کی وفات ہو گئی اور آپ روحا یا دادے صفرا میں مدفون ہوئے۔

جب یہ تینوں قریشی سردار میدان جنگ میں کام آئے تو بنو مخزوم نے جمع ہو کے ابوجہل کو گھیر لیا اور ابوجہل کے گرد اتنے نیزے بردار جمع ہو گئے جن سے ابوجہل بالکل چھپ گیا بنو مخزوم نے اسے مجبور کیا کہ وہ خود فوج کا سپہ سالار بن کے مسلمانوں پر عام حملہ کر دے چنانچہ قریشوں کی کل صفیں حرکت میں آئیں اور چاروں طرف عام جنگ پھیل گئی حضور انور ننگی تلوار لئے ہوئے اپنی چھوٹی سی صفوں کے آگے گئے اور خوب جوش سے جنگ ہو رہی تھی حضرت علی کا قول ہے کہ اس پر طوفان جنگ میں ہر شخص نے چاہا کہ میں حضور انور کے ساتھ رہوں مگر کسی کو یارانہ ہوا۔

اس دن بہت تیز ہوا چل رہی تھی حضور انور کو خدا کی مدد کی طرف سے چونکہ پورا اطمینان قلب حاصل

ہوگیا تھا اس نے حضور صاف نظر کر رہے تھے کہ نہ شتہ آپ کی مدد کو آگئے ہیں جب جنگ کی آگ خوب بھڑکی تو حضور انور نے کچھ سنگ ریزے اٹھا کے قریش کی فوج کی طرف پھینکے اور ارشاد کیا کہ تم پر پریشانی غالب ہو جائے حکیم بن حزام کا قول ہے کہ ہم قریش کی فوج کی طرف سے بہت سرگرمی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ ہمیں سنگ ریزے گرتے ہی آسمان سے ایسی آواز آئی کہ گویا پتھر کسی طشت میں گر رہے ہیں کہ یکایک ہمارے پیروں کو شکست ہوئی اور ہم پیچھے ہٹنے شروع ہوئے حضرت علی کا قول ہے کہ میں تین دفعہ معرکہ سے باہر آکے عریش میں گیا کہ سید عالم کی صورت دیکھوں ہر بار میں نے یہی دیکھا کہ آپ سجدہ میں ہیں اور عرض کر رہے ہیں یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

تیسری بار جب میں حاضر ہوا تو ہمیں پوری فتح حاصل ہو چکی تھی قریشوں پر ایسی بدحواسی چھائی کہ ان کی ساری ہمتیں ٹوٹ گئیں اور وہ بے اوسان ہو کے بھاگے مسلمانوں نے بڑے جوش سے ان کا تعاقب کیا بہتوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کر لیا قریش نہ صرف اپنے لدا ہوا جانور بلکہ اپنا سامان حرب اور تمام فوجی جھنڈے بھی چھوڑ کے بھاگے ۷۰ مقتول اور اسی قدر قید ہوئے مسلمانوں میں ۱۴ صحابی شہید ہوئے جن میں ۸۔ انصار میں سے تھے اور ۶ مہاجرین میں سے۔

قریش مکے بہت سے نامور آدمی اور اسلام کے تلخ تر دشمن اس جنگ میں مقتول ہوئے جن میں ابوجہل بھی تھا معاذ ابن عمرو نے تلوار کے ایک ہاتھ سے دونوں ٹانگیں ابوجہل کی قلم کر دیں مگر اسی وقت ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے تلوار کا ایک ہاتھ معاذ کے شانے پر مارا شانا بالکل جدا ہو گیا مگر تھوڑی سی کھال کٹنی باقی رہ گئی جس سے ہاتھ لٹکنے لگا معاذ نے اس ہاتھ کو اپنے پیر کے نیچے دبا کے ایک جھٹکا مار کے الگ کر دیا اور پھر دوسرے ہاتھ میں تلوار لیکے مثل شیر غراں کے مخالف کے مقابلے میں آ گئے ابوجہل کا اس وقت تک دم نہیں نکلا تھا۔ وہ ماہئے بے آب کی طرح میدان جنگ میں تڑپ رہا تھا کہ [illegible] حضور انور کے خادم عبداللہ نے دوڑ کے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور وہ سر حضور انور کی خدمت [illegible] جوں ہی حضور انور کی نظر ابوجہل پر پڑی بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے [illegible] نے یہ فرمایا کہ یہ دشمن خدا کا سر ہے۔

واقدی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۸ میں اور ہشامی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۲ میں عبداللہ اور ابوجہل کا حال لکھا ہے جس کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

جب عبداللہ ابوجہل کے پاس آیا تو اُس نے اس کی گردن پر پیر رکھ کے یہ کہا افسوس اے دشمن خدا آج تو اللہ تعالے نے تجھے کامل ذلت عطا کی ابوجہل نے اپنی مرتی ہوئی آواز میں یہ جواب دیا میں تو صرف ان لوگوں کی حفاظت کرنے کے لئے آیا تھا جو میدان جنگ میں مقتول ہوئے اس پر عبداللہ نے کھا اب بھی تو مسلمان ہوجا ابوجہل نے اُس کا یہ جواب دیا اے بھیڑوں کے چرانے والے اس وقت تو بڑی خطرناک بلندی پر چڑھا ہوا ہے۔

جب جنگ ختم ہوگئی تو قیدیوں میں سے بعض لوگ قتل کر ڈالے گئے اس پر سب سچی مورخ یک زبان ہوکے مسلمانوں کی بے رحمی کا راگ گاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیدیوں پر بھی مسلمانوں نے ترس نہیں کھایا اور انھیں بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا یہ اعتراض بجائے خود کوئی وقعت نہیں رکھتا اگر دشمن سے انتقام لینے کے معنی بے رحمی ہیں تو رحم دلی دنیا میں نظر نہیں آئے گی۔ موجودہ لڑائیوں میں اس قسم کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ مقابل تو مقابل غریب رعایا کو جس کے پاس نہ تو ہتھیار نہ وہ ہتھیاروں کا استعمال جانے تہ تہ یورپ کے شائستہ مگر سنگدل سپاہی قتل کر ڈالتے ہیں چنانچہ جنگ روم و روس میں کئی لاکھ شیر خوار صغیر سن بچے بے پناہ عورتیں مریض مرد بوڑھے اور اپاہج آدمی نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالے گئے تھے ان سے گھر میں بیٹھے کے سپاہیوں کے جوشیلے جذبات اور میدان جنگ کی آتش فشانی پر رائے دینی کبھی صحیح نہیں ہوسکتی بدر کے قیدیوں میں سے اگر بعض شخص قتل کر ڈالے گئے تو اس سے مسلمانوں کے وحشی پن اور سنگدلی پر استدلال نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مسلمان بہت ستائے گئے تھے اور ان پر بڑے بڑے ظلم توڑے گئے تھے اور جب وہ مدینہ میں آکے پناہ گزیں ہوئے تو یہاں بھی آتش مزاج قریشیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اگر تقاضائے فطرت انسانی سے بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے چند قیدی قتل کر ڈالے گئے تو حقیقت میں قابل معذور تھے سب سے پہلا قیدی جو قتل کیا گیا وہ نوفل ابن خویلد ہے۔ واقدی نے اپنی کتاب صفحات ۸۶ - ۱۰۰ میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی یہ سمجھ کے کہ حضور انور کا اشارہ ہے نوفل پر جا پڑے اور اس بیچارے قیدی کو قتل کر دیا اور ایک قیدی کو حضرت عمر نے قتل کر ڈالا اور وہ صرف اس بات پر کہ جب حضرت عمر ابن وہب کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا کیوں تم لوگوں کی کبھی خبر لی گئی قیدی نے لات وغزے کی قسم کھائی کیا ایک مسلمان کا ایک قیدی کافر سے ایسا ناز کلام مناسب ہے لات وغزے کا نام سن کے حضرت عمرؓ غصہ بھرک اٹھا اور آپ نے تلوار سے اس کی گردن اڑا دی اس کے بعد امیہ اور

اس کے بیٹے کا واقعہ ہے وہ دونوں قیدیوں کے ساتھ نہ بھاگ سکے اور جب عبدالرحمن کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا تم ہمیں قید کرلو ہمیں امید ہے تم ہم پر رحم کھاؤ گے عبدالرحمن نے اپنی قدیمی دوستی کو یاد کرکے غنیمت کے مال کو اپنے پاس سے پھینک دیا اور ان دونوں کو اپنا قیدی بنالیا اور اسلامی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے جب وہ لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو حضرت بلال نے انہیں دیکھا اور زور زور سے غل مچا کے کہا امیہ کو قتل کرڈالو یہ مشرکوں کا سرغنہ ہے بلال پہلے امیہ کے غلام تھے اور امیہ نے صرف اس بنا پر کہ وہ مسلمان ہوگئے تھے انہیں تپتے ہوئے چٹان پر آفتاب کی جلتی ہوئی کرنوں کے نیچے چت لٹا کے ایک وزنی پتھر رکھدیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب تک تو اسلام سے توبہ نہ کرے گا میں تجھے نہیں چھوڑنے کا یہ بیچارے بے آب و دانہ تین روز تک اسی طرح پڑے رہے آخر حضرت صدیق اکبر نے اپنے پاس سے روپیہ دے کر انہیں خریدا اور آزاد کردیا بلال کو اپنی تکلیف اور اپنے آقا کی یہ بے رحمی اچھی طرح سے یاد تھی اور اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر امیہ بلال کو میدان جنگ میں پالیتا تو بغیر قتل کئے نہ چھوڑتا تقاضائے فطرت یہی تھا کہ بلال کی زبان سے امیہ کو دیکھتے ہی بے ساختہ یہی نکلتا کہ قتل کرڈالو بلال کے غل مچاتے ہی کئی مسلمان ان دونوں باپ بیٹوں کے قتل کے لئے آمادہ ہوئے مگر عبدالرحمن نے کمال یہ کیا کہ انہیں آزاد کردیا اور یہ کہا کہ اگر تم سے بھاگا جائے تو بھاگ جاؤ یا تم سے اپنی حفاظت ہوسکے تو اپنی حفاظت کرلو ان دونوں باپ بیٹوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا مگر یہ بہت جلدی پارہ پارہ کردئے گئے۔

مال غنیمت اور اسکی تقسیم

قبل ازیں حسامت کا بیان ہے کہ میدان بدر میں مسلمانی سپاہ کی تین جماعتیں تھیں ایک جماعت آنحضرت انور کے لئے عریش کی حوالی میں قیام پذیر تھی اور ایک جماعت میدان جنگ میں لڑ رہی تھی اور ایک جماعت قیدیوں کی گرفتاری ہتھیاروں اور اموال کے ضبط میں مشغول تھی جب قریش شکست کھا کے بھاگ گئے تو ان تینوں جماعتوں میں سے ہر جماعت نے غنیمت کے مال کا دعوے کیا ارباب قتال نے یہ کہا کہ اگر ہم جنگ نہ کرتے تو مال غنیمت کبھی حاصل نہیں ہوسکتا تھا اس لئے ہم مال غنیمت کے زیادہ حق دار ہیں اس کے بعد محافظان رسول کریم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ابر و ثواب آخرت کی خا

بے رغبتی سے جنگ نہیں کی بلکہ محض اس وجہ سے آپ کی حفاظت کرتے رہے کہ ایسا نہ ہو مخالف آپ پر پل پڑیں ہم سب سے زیادہ غنیمت کے حق دار ہیں مگر وہ جماعت جو مال غنیمت فراہم کر رہی تھی اس نے دو بھی غل و شور مچایا کہ اس مال کے ہم حق دار ہیں یہ واقعی ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا چونکہ مال غنیمت کے متعلق نہ کوئی قانون ابھی تک بنا تھا اور نہ حضور انور نے ابھی اس کا کچھ فیصلہ کیا تھا اس لئے عربوں کے قدیمی قوانین کے مطابق کہ میدان جنگ میں جو چیز جس کے ہاتھ لگ جاتی تھی وہ ملک اسی کی قرار پاتی تھی ایسے جھگڑے کا ہونا لازمی تھا آخر خداوند تعالیٰ کی طرف سے مال غنیمت کی نسبت حکم نازل ہوا۔ یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول ۵ فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم ۵ واطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین ۵ انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم۔

یعنی اے نبی یہ لوگ تم سے غنیمتوں کے مال کے احکام پوچھتے ہیں ان سے کہدو کہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لئے ہیں انھیں اختیار ہے اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں صلح رکھو اور اگر تم سچے ایماندار ہو تو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ دیکھو سچے مومن وہی لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جائیں اور جب اُن کے

علیھم ایتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون ۵ اولئک ھم المومنون حقا لھم درجت عند ربھم ومغفرۃ ورزق کریم ۵ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکرھون ۵ یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون ۵ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین ۵ لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون ۵ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین ۵

سامنے اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو اُن کے یقین کو بڑھا دیں اور وہ لوگ اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں جو لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کیا کرتے ہیں یہی لوگ سچے ایماندار ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں بڑے

مرتبے میں اور بخشش ہے اور بہت اچھا رزق ہے۔ اے نبی جس طرح تمہیں تمہارا پروردگار تمہارا گھر یعنی مکہ سے حق کے ساتھ نکال لایا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا اور تم سے امر حق میں جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو چکا تھا یا وہ موت کی طرف چلائے جاتے تھے اور اس حالت کو دیکھ رہے تھے اسی طرح اللہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے تو لوگوں کی خوشی ناخوشی سے کیا کام اور اے مسلمانو وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے لڑے تمہیں ملجائے اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے اور اگرچہ اس سے گنہگار ناخوش ہوں جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اور اس نے تمہیں جواب دیا کہ بے شک میں لگاتار ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

وما جعلہ اللہ الا بشری ولتطمئن بہ قلوبکم ط وما النصر الا من عند اللہ ط ان اللہ عزیز حکیم ط اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ ویذہب عنکم رجز الشیطن ولیربط علی قلوبکم ویثبت بہ الاقدام ط اذ یوحی ربک الی الملئکۃ انی معکم فثبتوا الذین امنوا ط سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منہم کل بنان ط ذالک بانہم شاقوا اللہ ورسولہ ط ومن یشاقق اللہ ورسولہ فان اللہ شدید العقاب ط ذالکم فذوقوہ وان للکفرین عذاب النار ط یا ایہا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوہم الادبار ط ومن یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم ط وبئس المصیر ط فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم ج وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ج ولیبلی المؤمنین منہ بلاء حسنا ط ان اللہ سمیع علیم ط

اور اس مدد کو اللہ نے صرف تمہاری خوشی کے لئے کیا اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے جب تمہیں امن دینے کے لئے نیند کو تم پر غالب کرتا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برساتا تھا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جما دے جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں پس مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم ان کی گردنوں پر مارو اور

اُن کے جوڑ پر مارو یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو ایسا ہی سخت عذاب ہوتا ہے کیونکہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ اے کافرو یہ تو تم دنیا میں چکھو اور جان لو کہ بے شک آخرت میں کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے اے مسلمانوں جب تم لڑائی میں کافروں سے بھڑو تو اُن کی طرف پیٹھ نہ کرو۔ یعنی میدان سے فرار نہ کرو اور یہ سمجھ لو کہ جو کوئی اس وقت اُن کی طرف پیٹھ کرے گا بغیر اس کے کہ لڑائی کی تدبیر کرنیوالا ہو یا مسلمانوں کی کسی جماعت سے پناہ لینا چاہتا ہو تو وہ بیشک میدان جنگ سے خدا کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا بُری جگہ ہے۔ پس تم نے ان کافروں کو نہیں مارا لیکن انہیں اللہ نے مارا اور تم نے اے نبی کافروں پر خاک کی مٹھی نہیں پھینکی ——— تم اس کے پھینکنے والے تھے ولیکن اللہ نے پھینکی تھی اور یہ اس لئے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے اچھی نعمتیں دے کر آزمائش کرے بیشک اللہ سننے والا دانا ہے۔

ذالک وان اللہ موہن کید الکٰفرین ۝ ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح ۚ وان تنتھوا فھو خیرا لکم ۚ وان تعودوا نعد ۚ ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا ولو کثرت وان اللہ مع المؤمنین ۝ یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ۝ ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ۝ ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ۝ ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون ۝ یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون ۝ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ ۚ واعلموا ان اللہ شدید العقاب ۝ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاٰوکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبٰت لعلکم تشکرون ۝

یہی بات ہے اور بے شک اللہ کافروں کے مکر کو سست کرنے والا ہے اے کافرو اگر تم حق کی فتح چاہتے ہو تو بے شک تمہارے پاس حق کی فتح آگئی اور اگر تم کفر سے باز رہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر کفر کرو گے تو ہم بھی پھر عذاب کریں گے اور تمہارے جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اگرچہ بہت زیادہ ہو اور بے شک اللہ مسلمانوں کے ہمراہ ہے۔ اے مسلمانو اللہ اور اُس کے رسول کی تابعداری کرو اور اس سے اعراض نہ کرو حالانکہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کے مثل نہ ہو جاؤ جو کہتے

ہیں کہ سمعنا حالانکہ وہ نہیں سنتے بے شک تمام جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ گونگے اور بہرے ہیں جو نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں کچھ بہتری سمجھتا تو بے شک انہیں سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ بے شک اس سے اعراض کر کے موڑ پھیر لیتے۔ اے ایمان والو اللہ رسول کے احکام قبول کرو جب رسول تمہیں ایسے کام کے لئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا سبب ہو اور جان لو کہ اللہ قادر مطلق ہے آدمی اور اس کے دل کے ارادے کے درمیان میں حائل ہو جاتا ہے یعنی اس کا دلی ارادہ پورا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ بیشک اس کی طرف تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور فساد سے بچو کیونکہ خاص کر ان ہی لوگوں کو پہنچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے بلکہ تم سب اس میں پس جاؤ گے اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے اور وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تھوڑے اور کمزور تھے اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک لیں گے پس اللہ نے تمہیں رہنے کو مدینے میں جگہ دی اور تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت کیں تاکہ تم شکر کرو۔

یا ایہا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا امٰنٰتکم وانتم تعلمون ۝ واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ ۙ وان اللہ عندہ اجر عظیم ۝ یا ایہا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاتکم ویغفر لکم ۭ واللہ ذو الفضل العظیم ۝ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ۭ ویمکرون ویمکر اللہ ۭ واللہ خیر الماکرین ۝ واذا تتلی علیہم اٰیاتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل ہذا ۙ ان ہذا الا اساطیر الاولین ۝ واذ قالوا اللہم ان کان ہذا ہو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم ۝ وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم ۚ وما کان اللہ معذبہم وہم یستغفرون ۝ ومالہم الا یعذبہم اللہ وہم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاءہ ۭ ان اولیاؤہ الا المتقون ولکن اکثرہم لا یعلمون ۝

اے مسلمانو اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں کی دیدہ دانستہ خیانت نہ کرو اور جان لو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہاری بڑی آزمایش ہے اور بے شک اللہ کے ہاں اس آزمایش میں پورے اترنے والوں کے لئے بڑا اچھا بدلہ ہے اے ایمان والو اگر تم اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو گے تو اللہ تمہارے لئے امتیاز پیدا کر دے گا اور تمہارے گناہ تم سے مٹا دے اور تمہیں بخشدے گا اور اللہ

بڑے فضل کا مالک ہے اور اے نبی وہ وقت یاد کرو جب کافر تم سے فریب کرتے تھے تاکہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں مکہ سے نکال دیں اور وہ اس کی تدبیر کرتے تھے اور اللہ اُن کے خلاف تدبیر کرتا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے اور ان لوگوں کے سامنے جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم نے سن لیا اگر ہم چاہتے تو یقیناً ہم بھی اس کی مثل کہہ لیتے یہ تو صرف گلوں کے قصے ہیں اور وہ وقت بھی یاد کرو جب یہ کافر کہتے تھے کہ اے اللہ اگر یہی جو محمد کہتے ہیں تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر کا مینہ برسا دے یا ہم پر کوئی دوسرا درد دینے والا عذاب بھیج دے حالانکہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ انہیں عذاب کرے اس حالت میں کہ تم جیسے باعث رحمت اُن میں موجود ہو اور اللہ ایسا بھی نہیں ہے کہ انہیں عذاب کرے اس حالت میں کہ وہ استغفار کر رہے ہیں اور اُن کا بات سے کیا اطمینان ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا حالانکہ یہ لوگ مسجد حرام میں لوگوں کو عبادت کرنے سے روکتے ہیں اور یہ اُس کے مختار نہیں ہیں اُس کے مختار تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔

وما کان صلاتہم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ ط فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون وان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ ط فسینفقونہا ثم تکون علیہم حسرۃ ثم یغلبون ط والذین کفروا الی جہنم یحشرون لیمیز اللہ الخبیث من الطیب ویجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیرکمہ جمیعا فیجعلہ فی جہنم ط اولئک ہم الخسرون قل للذین کفروا ان ینتہوا یغفر لہم ما قد سلف ج وان یعودوا فقد مضت سنت الاولین ہ وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ ج فان انتہوا فان اللہ بما یعملون بصیر ہ وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولکم ط نعم المولی ونعم النصیر ہ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعن ط۔

اور ان کی نماز (جو یہ) کعبہ کے پاس پڑھتے ہیں) سوا سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے (اور کچھ بھی) نہیں ہے پس (اے کافرو) عذاب (کے مزے) کو چکھو بسبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے بیشک وہ لوگ جو کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں پس عنقریب وہ

اُسے خرچ کرچکیں گے پھر انھیں پشیمانی ہوگی پھر یہ مغلوب ہوجائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف ہیجے جائیں گے تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کردے اور بعض ناپاک کو بعض پر رکھے اور اسے سب کو یکجا کرے پھر اسے جہنم میں ڈال دے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں اے نبی کافروں سے کہدو کہ (اپنے کفر سے) باز آئیں جو کچھ گذر چکا وہ اُن کے لئے بخشدیا جائے گا اور اگر پھر کریں گے تو بیشک گزر چکی ہے حالت اگلے (کافر لوگوں کی اور جو کچھ اُن کا حشر ہوا انہیں معلوم ہوچکا) اور (اے مسلمانو ان سے لڑو یہاں تک کہ کچھ فساد (یعنی کفر کا غلبہ) نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہوجائے پس اگر یہ کافر اپنے کفر سے) باز آئیں تو یقیناً جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ اعراض کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا دوست ہے وہ اچھا دوست ہے اور اچھا مددگار اور جان لو کہ (کافروں کا) جو کچھ (مال) لو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لئے ہے اور رسول کے قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے (محمد) پر فیصلہ کے دن نازل کی ہے یعنی جس دن دو جماعتیں ایک کافروں کی ایک مسلمانوں کی باہم بھڑی تھیں۔

واللہ علی کل شئی قدیر ہ اذ انتم بالعدوۃ الدنیا وہم بالعدوۃ القصوی والرکب اسفل منکم ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعد ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ وان اللہ لسمیع علیم ہ اذ یریکہم اللہ فی منامک قلیلا ولو اراکہم کثیرا لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلم انہ علیم بذات الصدور ہ واذ یریکموہم اذ التقتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینہم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا والی اللہ ترجع الامور ہ یا ایہا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ہ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین ہ ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارہم بطرا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ واللہ بما یعملون محیط

اور اللہ ہر شے پر قادر ہے جب تم نزدیک کے کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارہ پر اور قافلہ کے سوا تم سے نیچے (نشیب میں) تھے (تم اس کے خلاف نہ کرو) اور اگر تم باہم وعدہ (جنگ) کرتے تھے تو یقیناً

وعدہ کے خلاف کرتے تھے ولیکن (اللہ نے تم سب کو یکجا کردیا) تاکہ اللہ اس کام کو جو شدنی تھا (اور) تاکہ جو شخص (حق کی) دلیل (ظاہر ہونے) کے بعد ہلاک ہوگیا (یعنی باطل کو اختیار کیا) وہ ہلاک ہوجائے اور جو شخص (حق کی) دلیل (ظاہر ہونے کے بعد زندہ ہوگیا (یعنی حق اختیار کیا) وہ زندہ رہے اور بیشک یقیناً اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے (اے نبی وہ وقت یاد کرو) جب ان کافروں کو اللہ تمہارے خواب میں کم دکھلاتا تھا اور اگر انھیں تم کو بہت کرکے دکھلا دیتا تو یقیناً تم سست ہوجاتے اور (لڑائی کے) کام میں باہم اختلاف کرتے ولیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا بیشک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے اور (وہ وقت بھی) یاد کرو کہ جب انہیں تمہاری آنکھوں میں (یعنی مجالت بیداری) جب تم اُس کے سامنے آئے اور تمہیں اُنکی آنکھوں میں کم کرکے دکھاتا تھا تاکہ اللہ اُس کام کو پورا کرے جو اُسکے علم میں کیا ہوا تھا اور (یاد رکھو) کہ اللہ ہی کی طرف سب کام پھیرے جائینگے اے ایمان والو جب تم (میدان جنگ میں) کسی گروہ کے مقابل ہو تو جمے رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور باہم نہ جھگڑو اگر ایسا کروگے تو کمزور ہوجاوگے اور تمہاری ہوا (بندھی ہوئی) جاتی رہیگی اور صبر کرو (اور سمجھ لو کہ) بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنے گھروں سے اترا کر اور لوگوں کے دکھانے کو نکلے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسکو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

واذ زین لہم الشیطن اعمالہم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس وانی جارٌ لکم ۚ فلما تراءت الفئتن نکص علی عقبیہ وقال انی بری منکم انی اری مالا ترون انی اخاف اللہ ؕ واللہ شدید العقاب ۝ اذ یقول المنفقون والذین فی قلوبہم مرضٌ غرّ ہؤلاء دینہم ؕ ومن یتوکل علی اللہ فان اللہ عزیز حکیم ۝ ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوہہم وادبارہم ۝ وذوقوا عذاب الحریق ۝ ذالک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید ۝ کداب آل فرعون والذین من قبلہم کفروا بایت اللہ فاخذہم اللہ بذنوبہم ؕ ان اللہ قوی شدید العقاب ۝ ذالک بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم وان اللہ سمیع علیم ۝

اور جب اُن کے لئے شیطان نے اُن کے اعمال کو زینت دی اور (اُن سے) کہا کہ آج آدمیوں میں

سے تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور بیشک میں تمہارا مددگار ہوں پھر جس وقت دونوں لشکر مقابل ہوئے تو شیطان اپنی ایڑیوں پر لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ بیشک تم سے میں علیحدہ ہوں بیشک میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں (اور جانتا ہوں کہ) اللہ سخت عذاب والا ہے جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے کہنے لگے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے حالانکہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے اور (اے نبی) اگر تم اس وقت دیکھو جب کافروں (کی ارواح) کو فرشتے قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر (طمانچہ مارتے ہیں اور ان کی پیٹھوں پر اور ان سے کہتے ہیں کہ) جلنے کا عذاب چکھو یہ اس سبب سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے کر کے بھیجا ہے بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (ان لوگوں کا حال) فرعون والوں کی حالکی مثل ہے اور ان لوگوں کے جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا پس انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب سے گرفتار کر لیا بے شک اللہ قوی (اور) سخت عذاب والا ہے یہ اس سبب سے کہ اللہ اس نعمت کو بدلنے والا نہیں ہے جو اس نے کسی قوم کو دی یہاں تک کہ وہ اس چیز کو بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے اور بیشک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

کدأب آل فرعون والذین من قبلہم کذبوا بآیات ربہم فاہلکناہم بذنوبہم واغرقنا آل فرعون وکل کانوا ظالمین ۝ ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا فہم لا یؤمنون ۝ الذین عاہدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وہم لا یتقون ۝ فاما تثقفنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یذکرون ۝ واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیہم علی سواء ط ان اللہ لا یحب الخائنین ۝ ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا ط انہم لا یعجزون ۝ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم واخرین من دونہم ج لا تعلمونہم ج اللہ یعلمہم ط وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون ۝ وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ انہ ہو السمیع العلیم ۝

(ان لوگوں کا حال فرعون والوں اور ان لوگوں کے حال کی مانند ہے جو ان سے پہلے تھے انہوں نے

کئے گئے اس سے پہلے قیدیوں نے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے بلکہ آپ رسول اللہ سے ہماری سفارش کردیں۔ حضرت صدیق اکبر انتہا درجہ کے نرم دل تھے آپ سے ان قریش کا پیغام سنکے فوراً حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی سفارش کی حضور انور نے ان ناں کا کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت فاروق اعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بھی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کی کبھی جان بخشی نہ کی جائے یہ خدا اور اس کے رسول کے دشمن ہیں انہوں نے ہمیں وطن سے بے وطن کردیا ہے اور ہم پر بے انتہا ظلم کیا ہے انہیں ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے یہ کفر کے اشاعت کرنے والے ہیں اور کافروں کے رہبر ہیں۔ حضور انور نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد پھر حضرت صدیق اکبر دوبارہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قیدیوں کی سفارش کی حضور انور نے کچھ بھی زبان سے نہیں فرمایا۔ اس کے بعد پھر فاروق اعظم حاضر خدمت ہوئے اور اسی جوش اور انقطاع لہجہ میں کہا کہ ان کو ضرور قتل کردینا چاہئے اس کا جواب بھی حضور انور نے کچھ نہیں دیا غرض جب سب پہلو آپ کے حضور میں پیش کئے گئے تو سب سے زیادہ آپ کے غصہ کی نظریں نضر حارث کے بیٹے پر پڑیں نضر نے دیکھتے ہی فعل مجاہ کے کہنے لگا خدا کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بغیر قتل کے نہیں چھوڑنے کے کیونکہ آپکی دونوں آنکھوں میں مجھے اپنی موت کی تصویر دکھائی دے رہی ہے مصعب نے جو پاس کھڑا ہوا تھا اسکا یہ جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے تیرے دل میں دہشت ایسی سما گئی ہے کہ تجھے اپنی موت کی تصویر دکھائی دینے لگی۔ یہ سنکے نضر نے مصعب بن عمیر سے کہا کہ تو میرا بہت ہی قریب کا رشتہ دار ہے تو اپنے صاحب (یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم) سے میری سفارش کر کہ وہ مجھے اپنے اصحاب میں داخل کرلیں مصعب نے جواب دیا کہ میں تیری کیونکر سفارش کرسکتا ہوں جبکہ تو نے رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کو حد سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی ہیں نضر نے کہا اگر اس طرح سے کہ تو مجھے گرفتار کرکے لیجاتے اور تو میری سفارش چاہتا تو میں کبھی تجھے قتل نہ ہونے دیتا اور اگر کہ والے جبر کرتے تو پہلے میں اپنی گردن حاضر کردیتا مصعب نے جواب دیا یہ تو سچ کہتا ہے مگر تیری حالت تیری سی نہیں ہے کیونکہ اسلام نے کل عہدوں کو قطع کردیا ہے اس اثنا میں حضور انور نے حکم دیا کہ نضر کی گردن ماری جائے اس پر مقداد نے عرض کیا کہ یہ میرا قیدی ہے حضور انور نے حضرت علی کی طرف خطاب کرکے فرمایا تم اٹھو اور نضر کو قتل کرڈالو چنانچہ حضرت علی نے حکم کی تعمیل کی اور نضر کی گردن زد کردی۔ بات یہ تھی کہ مظالم سہتے سہتے دل پک گیا تھا اور انسانی فطرت اس بات کی مقتضی تھی کہ ایسے شدید ظالموں

سے انتقام لیا جائے۔ سر ولیم میور متوفی نے حضور انور کی نسبت بیرحم کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ یورپی دولتیں جو سربرآوردہ خود اپنے کو اعلیٰ درجہ کی متمدن سمجھتی ہیں فتح ممالک کا خیال کرکے بے وجہ ملکوں پر چڑھ دوڑتی ہیں اور ایسے مسکین اور غریب لوگوں کو جنوں کی طرح بھون ڈالتی ہیں جو نہ مقابلہ کرتے ہیں اور نہ تلوار اٹھانا جانتے ہیں اگر انتہا درجہ ظلم سہکو اور ترنگ آکے حضور انور نے دو چار قیدیوں کو قتل کروا دیا تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر اصل واقعہ یہ نہیں ہے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ جو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے مصیبتیں اٹھا چکا تھا انتقام لینے کا متمنی تھا اب مصلحت نہیں تھی کہ مسلمانوں کو جن پر یہ ظلم ہو چکے تھے انہیں مایوس کر دیا جاتا اور وہ توحید کی منادی کرنے کے لئے آیندہ سرگرمی نہ دکھاتے کسی مجرم کو سزا دینا درحقیقت بے رحمی نہیں ہے بلکہ بے رحمی یہ ہے کہ قاتلوں۔ ظالموں اور مجرموں کو چھوڑ دیا جائے اور پھر وہ اپنے زبردستوں کو ستائیں اسیران جنگ کا عزوہ بدر کے بعد قتل ہونا کچھ بہت بڑی بات نہیں ہے مگر مخالفوں نے اعتراضوں کی بوچھار کرکے زمین و آسمان ایک کر دیا ہے۔ بدر کی لڑائی حقیقت میں اشاعت اسلام کا پیش خیمہ تھی یقیناً اگر اس لڑائی میں کامیابی نہ ہوتی تو اسلام کو بہت سخت نقصان پہنچتا مخالفوں کا یہ طنز آمیز کہنا کہ اس قتل و غارت میں خداوند تعالیٰ مسلمانوں کا حمد و معاون تھا محض ایک مجنونانہ بڑ ہے جو لوگ خدا پر اپنا پورا ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری عقلیں اور قوتیں بالکل ناچیز ہیں ہر بات میں خداوند تعالیٰ ہی رہبری کرتا ہے ان کا یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا بیشک جنگ بدر میں خداوند تعالیٰ کی ضرور مدد تھی اگر آندھی اور مینہ نہ آتا اور مخالفوں کے ڈیرے خیمے اکھڑ کے نہ پھٹ جاتے تو مسلمانوں کی ننھی سی فوج کبھی قریشوں پر غلبہ نہ پاتی اگر اسے خدا کی مہربانی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے مخالف اگر نہ سمجھیں تو انہیں اختیار ہے۔

جنگ بدر کا بیان ختم ہو گیا

ہم نے جزئیات پر بحث نہیں کی ورنہ اسمیں بہت طول ہو جاتا مگر جو کمی کے واقعات خوب اچھی طرح تحقیق اور تنقید کرکے درج کر دیئے ہیں اور یہ وہ واقعات ہیں کہ نہ صرف کل معتبر مورخ ہمزبان ہیں بلکہ محدثوں میں بھی یہ روایتیں متفق علیہ ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین ان واقعات سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ کوئی روایت ایسی نہیں پائیں گے جس میں خفیف سا بھی ضعف ہونیکا شبہہ ہو۔

کئے گئے اس سے پہلے قیدیوں نے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے بلکہ آپ رسول اللہ سے ہماری سفارش کردیں۔ حضرت صدیق اکبر انتہا درجہ کے نرم دل تھے آپ اسیران قریش کا پیغام سنکے فوراً حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی سفارش کی حضور انور نے ان ناں کا کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت فاروق اعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بھی رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کی کہی جان بخشی نہ کی جائے یہ خدا اور اس کے رسول کے دشمن ہیں انہوں نے ہمیں وطن سے بے وطن کردیا ہے اور ہم پر بے انتہا ظلم کیا ہے انھیں ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے یہ کفر کے شفاعت کرنے والے ہیں اور کافروں کے رہبر ہیں۔ حضور انور نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد پھر حضرت صدیق اکبر دوبارہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قیدیوں کی سفارش کی حضور انور نے کچھ بھی زبان سے نہیں فرمایا۔ اس کے بعد پھر فاروق اعظم حاضر خدمت ہوئے اور اسی جوش اور انقطاع لہجہ میں کہا کہ ان کو ضرور قتل کردینا چاہیئے اس کا جواب بھی حضور انور نے کچھ نہیں دیا غرض جب سب پہلو آپ کے حضور میں پیش کئے گئے تو سب سے زیادہ آپ کے غصہ کی نظریں نضر حارث کے بیٹے پر پڑیں نضر نے دیکھتے ہی فل بدیہہ کہنے لگا خدا کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بغیر قتل کئے نہیں چھوڑنے کے کیونکہ آپکی دونوں آنکھوں میں مجھے اپنی موت کی تصویر دکھائی دے رہی ہے مصعب نے جو پاس کھڑا ہوا تھا سنکر یہ جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے تیرے دل میں دہشت ایسی سما گئی ہے کہ تجھے اپنی موت کی تصویر دکھائی دینے لگی۔ یہ سنکے نضر نے مصعب بن عمیر سے کہا کہ تو میرا بہت ہی قریب کا رشتہ دار ہے تو اپنے صاحب (یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم) سے میری سفارش کرکہ وہ مجھے اپنے اصحاب میں داخل کرلیں مصعب نے جواب دیا کہ میں تیری کیونکر سفارش کرسکتا ہوں جبکہ تو نے رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کو حد سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی ہیں نضر نے کہا اگر اس طرح سے کہ تو لے تجھے گرفتار کرکے لیجاتے اور تو میری سفارش چاہتا تو میں کبھی تجھے قتل نہ ہونے دیتا اور اگر کہ والے جبر کرتے تو پہلے میں اپنی گردن حاضر کردیتا مصعب نے جواب دیا یہ تو سچ کہتا ہے مگر تیری حالت تیری سی نہیں ہے کیونکہ اسلام نے کل عہدوں کو قطع کردیا ہے اس اثنا میں حضور انور نے حکم دیا کہ نضر کی گردن ماری جائے اس پر مقداد نے عرض کیا کہ یہ میرا قیدی ہے حضور انور نے حضرت علی کی طرف خطاب کرکے فرمایا تم اٹھو اور نضر کو قتل کرڈالو چنانچہ حضرت علی نے حکم کی تعمیل کی اور نضر کی گردن اڑادی۔ بات یہ تھی کہ مظالم سہتے سہتے دل پک گیا تھا اور انسانی فطرت اس بات کی مقتضی تھی کہ ایسے شدید ظالموں

سے انتقام لیا جائے۔ سر ولیم میور متوفی نے حضور انور کی نسبت بیرحم کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ یورپی دولتیں جو سرِعلم خود اپنے کو اعلیٰ درجہ کی متمدن سمجھتی ہیں فتح ممالک کا خیال کر کے بے وجہ ملکوں پر چڑھ دوڑتی ہیں اور ایسے مسکین اور غریب لوگوں کو جنوں کی طرح بھون ڈالتی ہیں جو نہ مقابلہ کرتے ہیں اور نہ تلوار اٹھانا جانتے ہیں اگر انتہا درجہ ظلم سہکر اور تنگ آکے حضور انور نے دو چار قیدیوں کو قتل کروا دیا تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر اصل واقعہ یہ نہیں ہے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ جو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے مصیبتیں اٹھا چکا تھا انتقام لینے کا متمنی تھا اب مصلحت نہیں تھی کہ مسلمانوں کو جن پر یہ ظلم ہو چکے تھے انہیں مایوس کر دیا جاتا اور وہ توحید کی منادی کرنے کے لئے آیندہ سرگرمی نہ دکھا سکے کسی مجرم کو سزا دینا درحقیقت بے رحمی نہیں ہے بلکہ بے رحمی یہ ہے کہ قاتلوں۔ ظالموں اور مجرموں کو چھوڑ دیا جائے اور پھر وہ اپنے زبردستوں کو ستائیں اسیران جنگ کا غزوہ بدر کے بعد قتل ہونا کچھ بہت بڑی بات نہیں ہے مگر مخالفوں نے اعتراضوں کی بوچھار کر کے زمین و آسمان ایک کر دیا ہے۔ بدر کی لڑائی حقیقت میں اشاعت اسلام کا پیش خیمہ تھی یقیناً اگر اس لڑائی میں کامیابی نہ ہوتی تو اسلام کو بہت سخت نقصان پہنچتا مخالفوں کا یہ طنز آگیا کہ اس قتل و غارت میں خداوند تعالیٰ مسلمانوں کا محمد و معاون تھا محض ایک مجنونانہ بڑ ہے جو لوگ خدا پر اپنا پورا ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری عقلیں اور قوتیں بالکل ناچیز ہیں ہر بات میں خداوند تعالیٰ ہی رہبری کرتا ہے ان کا یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا بیشک جنگ بدر میں خداوند تعالیٰ کی ضرور مدد تھی اگر آندھی اور مینہ نہ آتا اور مخالفوں کے ڈیرے خیمے اکھڑ کے نہ بہہ جاتے تو مسلمانوں کی سچی بہروج کبھی فریشوں پر غلبہ نہ پاتی اگر اسے خدا کی مہربانی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے مخالف اگر نہ سمجھیں تو انہیں اختیار ہے۔

جنگ بدر کا بیان ختم ہو گیا

ہم نے جزئیات پر بحث نہیں کی ورنہ اسمیں بہت طول ہو جاتا مگر چوٹی کے واقعات خوب اچھی طرح تحقیق اور تنقید کر کے درج کر دئے ہیں اور یہ وہ واقعات ہیں کہ نہ صرف کل معتبر مورخ ہمزبان ہیں بلکہ محدثوں میں بھی یہ روایتیں متفق علیہ ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین ان واقعات سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ کوئی روایت ایسی نہیں پائیں گے جس میں خفیف سا بھی ضعف ہونیکا شبہہ ہو۔

باب ساتواں

غزوہ بدر کے بعد کے واقعات
رمضان المبارک سے شعبان المکرم تک

سب سے سنگین اور دہشتناک واقعہ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد ایک عورت کا قتل بیان کیا جاتا ہے اور وہ عورت بچے والی تھی اور قتل ہوتے وقت بچہ اس کا چھاتی سے علیحدہ کر لیا گیا تھا۔ اس واقعہ کی اوپری صورت فی الواقع نہایت خوفناک ہے اور ضرور ایک نرم دل شخص کے آنسو ٹپک پڑیں گے مگر جب گہری تحقیق کے بعد اس کے اصلی اسباب پر نظر ڈالی جائے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ قتل ناجائز اور خلاف انسانیت نہیں ہوا۔

ہمارے سر ولیم میور متوفی اس ایک عورت کے قتل پر بہت سے آنسو بہا چکے ہیں لیکن روس و روم کی جنگ میں جبکہ وحشی روسیہ کی فوجوں نے نو لاکھ بے پناہ عورتوں اور بچوں کو سخت قصائی پنے سے قتل کر ڈالا تھا تو یسوع مسیح کے نام لیوا سر ولیم میور کی آنکھ میں نمی بھی نہیں آئی تھی اس خدا کے بندے کو صرف ایک نابینا شخص کے خود اختیاری فعل پر تو نکتہ چینی کرنے کا موقعہ مل گیا مگر اپنے بڑے بڑے سینوں کے اعمال کی خبر نہیں۔ ہم سب عیسائیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی گروہ یا قوم یا گورنمنٹ کے خلاف جو شیلے اشعار یا وعظ کہہ کے آمادہ جنگ کرے تو اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ بہر حال ہم اس عورت اور اس کے قتل کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ یہ عورت یہودن تھی اور اس کا نام عصماء تھا اور اس کے باپ کا نام مروان تھا اور یہ قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھتی تھی اور بہت بڑی شاعرہ تھی اس نے غزوہ بدر کے بعد ایک نظم موزوں کی جس میں اس نے مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کو ان کی بیوقوفی اور بزدلی پر سخت لعنت ملامت کی اور کہا ایسے شخص پر (مراد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے کیوں بھروسہ کیا جس نے اپنے ہی خاندان کے سب سے بڑے شخص کو قتل کر ڈالا تم اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہو اور مدینہ سے اس کو مار کے نکال دو۔ اشعار مثل تیر آگ کے چاروں طرف پھیل گئے اور ان کی اتنی جلدی اشاعت ہوئی کہ اگر چھاپ کر کوئی چیز تقسیم کی جائے تو اتنی جلدی اس کی

اشاعت نہ ہو۔ شدہ شدہ مسلمانوں کے کانوں تک بھی یہ اشعار پہنچے ان کو جس قدر پریشانی اور غصہ ہونا تھا وہ کم تھا ابھی بمشکل قریشیوں سے بال بال بچے تھے کہ یہودیوں سے جنگ کرنے کا بہانہ ہو جاتا۔ وہ یہ اشعار سنتے ہی بھڑک گئے اور ان کا غصہ یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ جب اُن کے مجمع میں ایک شخص نے وہ شعر پڑھ کے سنائے تو سب سے پہلے عمیر بن عدی جو اُنھوں سے اندھے تھے نہایت پرجوش لہجہ میں قسم کھا کے بولے کہ میں اسی عورت کی قوم میں سے ہوں اور میں ہی اُسے قتل کروں گا۔ چنانچہ جب وہ حضور انور کے ساتھ غزوہ بدر کے بعد مدینہ واپس آئے تو اپنی قسم پوری کرنے کی انھیں فکر ہوئی وہ چند روز کے بعد اندھیری رات میں کسی ترکیب سے اُس کے مکان میں جا پہنچے اگرچہ آپ نابینا تھے مگر کمال یہ کیا کہ عورت پر حملہ کرنے سے پہلے آپ نے اس کے بچے کو اس کے پاس سے علیحدہ کر دیا اور اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کے اس قدر زور سے دبایا کہ تلوار ہڈی کو توڑتی ہوئی پیٹھ سے نکل گئی۔ علی الصباح آپ فجر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے جب حضور انور کے ساتھ نماز پڑھ کے فارغ ہوئے تو حضور انور نے آپ کی صورت دیکھ کے پہچان لیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر دی ہے چنانچہ آپ نے ارشاد کیا عمیر کیا تم نے مردان کی لڑکی کو قتل کر ڈالا عمیر نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ پھر عمیر نے خوف کھا کے حضور انور سے دریافت کیا کہ آیا یہ کام مجھ سے کوئی بُرا تو نہیں ہوا اور کیا مجھے اس کی پاداش ملیگی حضور نے ارشاد فرمایا مگر تمام صحابہ کی طرف خطاب کر کے۔

"اذا احببتم ان تنظروا الی رجل نصر اللہ و رسولہ بالغیب فانظروا الیہ"

یعنی اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو کہ جس نے خدا اور اس کے رسول کی مدد کی تو دیکھو وہ یہاں ہے حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا کہ حضور کا مطلب عمیر بن عدی اعمیٰ سے ہے حضور نے ارشاد کیا انہیں اُسے اندھا نہ کہو بلکہ اُسے عمیر بینا کہو۔

بعض مورخوں نے اس روایت میں اختلاف کیا ہے اور ان کا یہ اعتراض ہے کہ جب سیکڑوں بینا صحابی حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک اندھا شخص کیونکر ایسے نازک کام کے لئے مقرر کیا جاتا اگرچہ ہشامی نے اپنی کتاب میں عصماء کے قاتل کا نام عمیر ہی لکھا ہے مگر فی الواقع ہماری سمجھ میں نہیں آتا بلکہ ہم نے جہاں تک تحقیق کیا وہ یہ معلوم ہوا کہ عمیر نے اپنی طرف سے ایک دوسرے شخص نوجوان کو اس عورت کے قتل کے لئے مقرر کیا تھا بہر حال کچھ ہو یہ قتل کوئی ناجائز قتل شمار نہیں کیا جا سکتا۔

نماز پڑھنے اور حضور انور سے باتیں کرنے کے بعد جب عمیر اپنے گھر واپس آنے لگے تو بلندیٔ مدینہ پر انہوں نے دیکھا کہ عصار کے بیٹے اپنی مقتول ماں کو دفن کر رہے ہیں انہوں نے عمیر کی صورت دیکھتے ہی اس پر لعنت ملامت کی۔ عمیر نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر تم نے وہی اشعار جو تمہاری ماں نے تصنیف کئے تھے منہ سے نکالے تو میں تمہاری ماں کی طرح تمہارے قتل کرنے کی بھی قسم کھالوں گا اور نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے سارے خاندان کو قتل کر ڈالوں گا یہ سن کے لڑکوں کو بہت ہی غصہ آیا اس وقت تو وہ خاموش ہو رہے۔ لیکن انہوں نے علانیہ مسلمانوں کے خلاف منادی کرنی شروع کی۔ بنی اوس کا ایک گروہ تو پہلے ہی اسلام اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا اسے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے صرف ایک بہانہ چاہئے تھا ان لوگوں کی شرارتیں حد سے زیادہ گزر گئی تھیں اگرچہ حضور انور سے انہوں نے ہر قسم کا معاہدہ کر لیا تھا مگر خفیہ خفیہ اسلام کی بیخ کنی کے درپے تھے اور مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے اور انہیں ساری خبریں مسلمانوں کی پہنچاتے تھے۔

عصار کے قتل کے بعد ایک یہودی ابو عفاق نامی کو مسلمانوں کے خلاف جوش آیا اور حالانکہ ان بد نصیبوں سے معاہدہ ہو چکا تھا مگر یہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور اس یہودی نے عصار کی طرح اشعار کہہ کر مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کو بھڑکانا چاہا مسلمانوں کو اس کے اشعار سے بہت ہی تکلیف پہنچی آخر یہ شخص بھی ایک مسلمان کے ہاتھ سے قتل کر ڈالا گیا۔

ہشامی لکھتا ہے کہ یہ یہودی بہت دنوں سے اسلام کا دشمن تھا اور حارث کے قتل کے بعد سے اس نے اشعار کہنے کا وظیرہ اختیار کر لیا تھا مگر یہ ہشامی کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حارث جنگ احد کے بعد قتل ہوا ہے جب حضور انور نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ اپنی بدمعاشی سے باز نہیں آتے تو آپ حجت پوری کرنے کے لئے بنی قینقاع کے پاس خود تشریف لے گئے جو ایک مضبوط مقام میں رہتے تھے اور انہیں اپنی قوت اور فنون حرب کی مہارت پر بہت ہی غرور تھا آپ نے انہیں جمع کیا اور آپ نے یہ فرمایا خدا کی قسم تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور ایسی شرارت انگیزیوں سے باز رہو مجھے خوف ہے کہ تمہاری قسمت بھی قریشوں کی سی نہ ہو جائے۔ انہوں نے ہنسکر جواب دیا آپ اپنی پیغمبری کو رہنے دیجئے قریشوں پر فتح پا کر نہ پھولئے وہ لوگ فن قتال سے بالکل نابلد ہیں انہیں کیا معلوم کہ جنگ کیونکر کرتے ہیں۔ یہ سنکر حضور انور خاموش ہو رہے اور آپ واپس چلے آئے اس کے

دوسرے روز ایک عربی لڑکی جس کی مدینہ کے ایک مسلمان سے شادی ہوگئی تھی بنی قینقاع کے بازار میں سنار کی دوکان پر کچھ گہنا بنوانے آئی اور دوکان پر بیٹھ گئی ایک یہودی نے شرارت سے پیچھے سے آکے اس کے جامہ میں کیل ٹھونک دی جب وہ لڑکی بے خبری میں یکایک اٹھی تو اسے ایک جھٹکا لگا اور اس کا کپڑا پھٹ گیا۔ یہودی نے اس پر آوازہ کسا اور ایک قہقہہ مارا ایک مسلمان سامنے کھڑا ہوا تھا اس نے جب یہ صورت دیکھی تو یہودی کو ڈانٹا اور اس کی اس بیہودگی پر اسے لعنت ملامت کی یہودی نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور پھر ادھر ادھر سے اسکی مدد کو بہت سے یہودی نکل آئے اور بے رحمی سے اس اکیلے مسلمان کو قتل کر ڈالا اور عربی لڑکی کی بھی علانیہ توہین کی گئی اس مسلمان کے کنبہ نے مدینہ کے مسلمانوں سے فریاد کی انہوں نے حضور انور کی خدمت میں آکے سب عرض کر دیا۔ اور یہودیوں پر حملہ کی اجازت چاہی۔ حضور کو بھی بڑا رنج ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کو حملہ کا حکم دیا حضرت امیر حمزہ سفید جھنڈا باندھے لیکے اور فوج کے سرگروہ بن کے یہودیوں پر حملہ آور ہوئے یہ واقعہ وسط شوال میں پیش آیا یہودیوں کی گڑھی بہت ہی سخت تھی حضرت امیر حمزہ نے آکے اس کا محاصرہ کر لیا اور چاروں طرف سے مخالف کی آمد و رفت بند کر دی پندرہ روز تک محاصرہ رہا۔ ان لوگوں سے بنی خزرج نے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وہ ان کی مدد کو نہ آئے آخر انہوں نے مجبور ہو کے شرائط پر اطاعت کرنی چاہی۔ حضور انور نے انہیں اجازت دی کہ تم آؤ اور اس کے متعلق گفتگو کرو چنانچہ بہت سے یہودی نیچے اتر کے چلے آئے ان کی طرف سے گفتگو کرنے والا اور شرائط صلح طے کرنے والا عبداللہ بن ابی منافق تھا جو اسلام کا تلخ تر دشمن اور مسلمانوں کا اول درجہ کا مخالف تھا۔ اور بہت کچھ مسلمانوں کو ستا چکا تھا چنانچہ ابھی شرائط صلح پیش بھی نہیں ہوئی تھیں کہ اس نے بڑی دلیری سے آگے بڑھ کے حضور انور کے گریباں میں ہاتھ ڈال دیا اور بہت زور سے پکڑ لیا (کیونکہ امیر حمزہ کو روانہ کرنے کے بعد حضور انور بنفس نفیس جنگ میں شریک نہ ہوئے آئے تھے) اور کہا کہ اگر تم میرے سب ساتھیوں کو چھوڑنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا گریبان چھوڑ دونگا حضور انور کو بہت ہی برا معلوم ہوا حضور نے بہت غصہ میں ارشاد کیا کہ عبداللہ یہ سخت گستاخی اور نا انصافی ہے تو میرا گریبان چھوڑ دے اس بدنصیب یہودی نے جواب دیا کہ نہیں یہ کبھی نہیں ہونے کا جب تک ان سب کے چھوڑ دینے کا وعدہ نہ کرو گے میں تمہارا گریبان نہیں چھوڑنے کا حضور نے پھر غصہ میں فرمایا

کمبخت مجھے چھوڑ دے عبداللہ نے کہا نہیں ہرگز نہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ تین سو زرہ پوش سپاہیوں اور چار سو نیزہ گزاروں کو جنہوں نے اسود و احمر میں میری حفاظت کی تھی ایک دن میں قتل کر دیں حضور انور نے آخر یہ فرمایا کہ لعنت ہے اس پر اور لعنت ہے اس کے ساتھیوں پر انہیں سب کو چھوڑ دو مگر یہ یہاں نہ رہیں اور کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔

حضور انور نے عبادہ بن صامت کو حکم دیا کہ تم انہیں حدود شام میں پہنچا دو عبادہ بنی خزرج کے قبیلہ کا شیخ تھا انہوں نے عبادہ سے کہا کہ تم ہمیں تین دن کی مہلت دو مگر عبادہ نے اُسے منظور نہ کیا کیونکہ اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا عبادہ ان لوگوں کو لے کر ذباب پہنچے اور پھر وہاں سے ارزغات میں داخل ہوئے جو شام کی حدود میں واقع تھا۔

مال غنیمت

اس گروہ کا جو مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اس میں روپیہ پیسہ نہیں تھا اور نہ غلہ وغیرہ تھا کیونکہ یہ گروہ زراعت پیشہ نہ تھا اور نہ کوئی زرعی زمین اس کے قبضہ میں تھی ان کے گھروں میں ہتھیار اور سامان کے اونٹ نکلے کیونکہ قریب قریب یہ سارا قبیلہ سوار تھا۔ حضور انور کے حصہ میں صرف آٹھ چیزیں آئیں تین تلواریں اور دو نیزے کھجوروں کے غرض غنیمت کا پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا گیا اور باقی کا فوج میں تقسیم ہو گیا۔

اس لڑائی پر تمام عیسائی نکتہ چینیوں کا یہ اعتراض ہے کہ بنی قینقاع پر یہ حملہ سخت دغابازی اور فریب سے کیا گیا حالانکہ تمام تاریخی واقعات اس بات کی تردید کرتے ہیں مخالفوں سے ان لوگوں کی سازش کا پورا پتہ لگ چکا تھا اور پھر نوجوان مسلمان لڑکی سے مذاق کرنا اور اسے چھیڑنا جو اس جنگ کی سب سے بڑی بنیاد ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے مخالفوں کا فرض یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر گروہ کو تنہا درجہ مظلوم نہیں بلکہ معصوم بھی اور یہ خیال کریں کہ دنیا میں اگر کوئی گنہگار قوم ہے تو وہ مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے مگر ایسے خیالات پر نہایت افسوس ہے اور تعجب ہے کہ خداوند مسیح کے ماننے والے کیوں ایسا ظلم روا رکھتے ہیں جب اپنا یہودیوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو انہیں دنیا بھر کی بدتر اور ذلیل قوم سے تعبیر کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی بیگناہیت اور مظلومیت کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں۔ سر ولیم میور متوفی یہ لکھتے ہیں کہ بغیر کسی اعلان جنگ اور خفیہ کتابت کے آنحضرت نے یہودیوں پر حملہ کر دیا یہ عجیب بات ہے کہ موجودہ قوانین جنگ کی عینک سے آپ اس زمانہ کے واقعات

جنگ کو دیکھتے ہیں عجیب عقل ہے۔ مکہ کے قریشوں نے جب مدینہ پر حملہ کیا ہے تو انہوں نے کب اس کے متعلق خط و کتابت کی تھی اور کب اعلان جنگ دیا تھا اس پر بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور کے زبانی کل باتیں طے کر لی تھیں جبکہ بنی قینقاع نے ساری بدعتوں اور نصیحتوں کا حضور انور کے یہ جواب دیا تھا کہ آپ قریشوں پر فتح پاکر پھولئے وہ لوگ فنون جنگ سے محض نابلد ہیں جب ہم سے ہاتھ ملے گا تو آپ کو کیفیت معلوم ہو جائے گی درحقیقت کیا یہودیوں کی طرف سے یہ اعلان جنگ نہ تھا کیا اس بات سے بنی قینقاع آمادۂ پیکار نہ تھے انصاف سے واقعات کو جانچ کے کہو کہ اس میں قصور مسلمانوں کا تھا یا یہودیوں کا۔ پھر بہ اعتراض کہ یہودیوں پر بیخبری میں مسلمانوں نے حملہ کیا محض غلط ہے اگر انہیں خبر نہ ہوتی تو وہ کیوں اپنا پورا انتظام کرتے اور مسلمانوں کو پندرہ سولہ روز تک کس لئے محاصرہ کرنا پڑتا صحیح واقعات کو نظر انداز کر جانا اور معمولی باتوں سے غلط استنباط کرنا یہ شان مورخ اور علم نہیں ہے۔

یہودیوں کے دوسرے قبائل پر اس فتح کا اثر

بنی قینقاع کے اس واقعہ سے تمام اسرائیلی قبائل چونک پڑے اور مسلمانوں کے خلاف سب نے اتفاق کر لیا ان کی دشمنی کی آگ اور زیادہ بھڑکنے لگی اور انہوں نے باہم مل جل کر اس بات کا فیصلہ کیا کہ سب ملکے مسلمانوں پر حملہ کر دو اور انھیں نیست و نابود کر دو مگر ان قبائل کا جن میں سالہا سال سے عداوت چلی آتی تھی آناً فاناً میں مل جانا ایک امر محال تھا مگر یہ ان نامہ و پیام اور صلاح اور مشورہ ہونے لگا اور مسلمانوں کے برباد کرنے کی مزید تدبیریں عمل میں آنے لگیں۔

غزوۂ سویق

بنی قینقاع کے فتح کے بعد حضور انور نے ایک مہینے تک آرام لیا مگر یکایک مکہ کے قریشوں نے پھر انتقام کا خیال کر کے مدینہ کی طرف باگیں اٹھائیں جس سے مسلمانوں میں ایک سنسناہٹ پیدا ہو گئی بدر کی شکست کے بعد ابوسفیان نے مکہ واپس آکے یہ قسم کھائی کہ میں نہ سر میں تیل ڈالوں گا نہ عطر ملوں گا اور نہ کوئی کام کرونگا جب تک مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں گا اور یہ بھی ارادہ کر لیا کہ مدینہ کے اندر گھس کے مسلمانوں پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ دو سو سوار زرہ پوش اور ہتھیار بند ساتھ لیکے شرقی راستے نجد کی سمت ہوتا ہوا بنی النضیر کی بستی میں پہنچا یہ یہودیوں کے ایک قبیلہ کی بستی ہے اور یہ یہودی مدینہ کے قریب رہتے تھے ان سے حضور انور کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ مسلمانوں کے کسی دشمن کو نہ اپنے ہاں رکھیں گے اور نہ اسے مدد دیں گے بلکہ مسلمانوں کے

پہلو بہ پہلو ان کے مخالف سے جنگ کریں گے اس معاہدہ کے خلاف بنی نضیر نے ابوسفیان کو اپنے ہاں آنا، اس کے لئے سامان رسد جمع کر دیا اور ہر طرح سے اس کی خاطر داری کی اگرچہ ایک تاریخ میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اس قبیلہ کے سردار نے خوف کے مارے انھیں شب بھر رکھ کے صبح کو رخصت کر دیا تاکہ مخالف کا گھنٹہ بھر بھی اپنے ہاں قیام کسی طرح بھی جائز نہ تھا اس کے بعد ابوسفیان جی بن اخطب کے ہاں جا کے ٹھیرا تاکہ حضور انور اور آپ کے اصحاب کا کچھ حال معلوم ہو جائے مگر جی نے صاف جواب دیدیا کہ میں تمہیں اپنے ہاں نہیں ٹھیرنے دوں گا اور نہ میں تمہیں کچھ حالات بتاؤں گا۔ اس سے مایوس ہو کے ابوسفیان سلام بن مشکم کی منزل میں آیا یہاں اس کی بہت ہی خاطر داری کی گئی اور خوب پرتکلف دعوت ہوئی۔ سلام نے مسلمانوں کی پوری خبریں بھی اس کے آگے بیان کیں شب تو ابوسفیان نے سلام کے پاس گزاری اور صبح کی پو پھٹتے ہی وہ سیدھا آگے بڑھا چلا گیا اور خرمے کے اس باغ میں جو مدینہ کے شمال مشرقی جانب دو یا تین میل فاصلہ پر تھا چند بے خبر انصار پر حملہ کیا بے خبر مسلمان پٹھے ہوئے کاشت کر رہے تھے ابوسفیان کے دو سو خونخوار سواران پر ٹوٹ پڑے اور ان کو پارہ پارہ کر دیا چونکہ ابوسفیان کی قسم پوری ہو چکی تھی اس لئے وہ فوراً مکہ واپس چلا گیا۔ مدینہ میں داخل ہونے اور مسلمانوں سے دست بدست جنگ کرنے کی اسے جرأت نہ ہوئی جوں ہی یہ خبر مدینہ میں پہنچی مسلمانوں میں ایک تہلکہ بپا ہو گیا حضور انور اس دغابازی کے حملہ سے سخت آشفتہ خاطر ہوئے آپ نے نہایت دلیری اور استقلال سے چند مسلمانوں کو لیکر ابوسفیان کے تعاقب میں گھوڑے دوڑا دے راستے میں مسلمانوں کو حرب السویق بہت سی پڑی ملیں جن میں قریشوں کا کھانا بھرا ہوا تھا چونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان ہمیں آلیں گے اور یہ بوجھ ہمارے بھاگنے میں مزاحم ہوگا اس لئے انہوں نے اپنے کھانے کا سامان راستہ میں ڈال دیا یا پانچ دن تک حضور انور تعاقب کرتے رہے مگر ابوسفیان نکل چکا تھا آخر آپ اس بے نتیجہ تعاقب کو ترک کر کے مدینہ واپس تشریف لے آئے یہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور بقر عید قریب آگئی تھی آپ نے مدینہ واپس تشریف لا کر بہت دھوم سے تہوار منایا۔

غزوہ قرقرہ الکدر

گرمی اور موسم خزاں میں صرف دو یا تین بہت چھوٹے چھوٹے غزوے واقع ہوئے اور یہ غزوہ بنی سلیم اور غطفان سے ہوئے تھے جو مدینہ کے جانب شرق نجد کے میدانوں میں آباد تھے بنی غطفان کا خون قریشوں سے ملا ہوا تھا مثل ابوسفیان کے بنی غطفان وغیرہ نے بھی یہ چاہا کہ مدینہ کو تاخت تاراج

کر ڈالا جائے اور چوری چھپے حملہ کر کے جو مال اس کو لوٹ لیا جائے اور قتل کر ڈالا جائے آخر ایک دن سب یہودی قرقرہ الکدر میں مدینہ پر حملہ کرنے کے مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔

آپ نے فرماتے ہی فوراً دو سو مہاجرین اور انصار کو ساتھ لیکے کوچ کر دیا جس وقت آپ اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک متنفس بھی نہیں ہے مگر پانچ سو اونٹوں کا ایک گلہ ایک چھوٹا سا بچہ چرا رہا ہے آپ نے ان اونٹوں کو معہ اس لڑکے کے گرفتار کر لیا اور مدینہ کی طرف باگیں موڑ دیں راستے میں آپ نے شب کو ایک جگہ منزل کی علی الصباح جب مسلمان نماز پڑھنے لگے تو وہ لڑکا بھی ان کے ساتھ ازخود نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے دل سے اس لڑکے کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں آپ نے اس لڑکے کو جس کا نام یسار تھا خوشی سے قبول کر لیا اور اس کے بعد فوراً آزاد کر دیا (کاتب الواقدی صفحہ ۱۰۳ و واقدی صفحہ ۱۸۲۔ طبری صفحہ ۳۳۱۔ ہشامی صفحہ ۲۴۶) وہ اونٹ مدینہ میں پہنچ کے صحابہ میں تقسیم کر دئے گئے۔

اس کے ایک مہینے کے بعد غطفان نے پھر سر اٹھایا اور انہوں نے نجد میں ذی آمر مقام پر ایک بڑی فوج جمع کر کے یہ چاہا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کر دیا جائے یہ خبر حضور انور کے گوش مبارک میں پہنچی کہ سارے چار سو آدمی جن میں سو رو پیادے دونوں ہیں ذی آمر میں جمع ہوئے ہیں آپ فوراً کچھ آدمی ساتھ لیکے اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جب دشمن نے یہ سنا کہ حضور انور تشریف لا رہے ہیں تو وہ فوراً اس مقام کو چھوڑ کے اپنے تمام کنبوں اور مویشیوں کو ساتھ لیکے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چلے گئے صرف ایک شخص راستے میں ملا جو گرفتار ہونے کے بعد فوراً ایمان لے آیا اور اس نے راستہ بتا دیا چنانچہ اس غزوہ میں آپ کے گیارہ روز صرف ہوئے اور پھر آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

اس کے چند روز کے بعد پھر یہ خبر آئی کہ بنی سلیم نے بہت سے لوگ اکٹھے کئے ہیں اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے منتظر بیٹھے ہیں ناچار حضور انور کو پھر روانہ ہونا پڑا آپ پہلی جمادی الثانی ۳ھ کو بنی سلیم کے مقام بحران میں پہنچے مگر دشمن کا کہیں پتہ نہ پایا آپ چند روز مقام مذکور میں قیام فرما کے مدینہ واپس چلے آئے یہ چند مہینے نہایت کامیابی مگر ساتھ ہی اس کے سخت پریشانی کے مسلمانوں پر گزرے کیونکہ مخالف انھیں دم بھر چین نہ لینے دیتے تھے جہاں انہوں نے چند روز آرام لیا اور ان پر حملہ کرنے کی دھمکی دینے لگے ناچار اپنی حفاظت خود اختیاری کی بنا پر اور مدینہ میں امن رکھنے کے خیال سے اپنا راحت و آرام چھوڑ

کے مخالفوں کی سرکوبی کی طرف رجوع کرتے تھے اور خداوند تعالےٰ محض ان کے مظلومیت کی وجہ سے ان کی مدد کرتا تھا۔

قریشیوں کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ دریا کے کنارے کنارے شام میں تجارت کے لئے جانا اب دشوار ہو رہا ہے وہ سخت پریشان تھے کہ اس کی کیونکر تدبیر کریں۔ انھیں یہ بات معلوم تھی کہ وہ قبائل جو ینبوع کے راستے میں بستے ہیں ان کا عہد و پیمان تو مسلمانوں سے ہو چکا ہے وہ ہماری ہرگز مدد نہیں کرنے کے پھر کونسا راستہ اختیار کیا جائے جس ہماری تجارت میں کوئی فرق نہ آئے انہوں نے باہم مل کے ایک دوسرے سے یہ کہا کہ اگر ہم اسی طرح گھر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھے رہے تو ایک دن مکہ کی در و دیوار کو بھی توڑ کے کھا جائیں گے اب تو ینبوع کا راستہ ہم پر بند ہو گیا ہے تو ہمیں عراق کے مشرقی راستے پر جانے سے کون مانع ہے چنانچہ انہوں نے ایک قافلہ وسطی صحرا میں سفر کرنے کے لئے تیار کیا اس قافلہ کا سالار صفوان بن امیہ مقرر ہوا اور وہ بہت سا قیمتی سامان لیکے شام کی طرف چلا رہنما ایک عرب فرات نامی ہوا اور وہ اسے ایک پوشیدہ راستہ سے لے کے روانہ ہوا اتفاق سے ایک عرب [illegible] یہودیوں سے ملنے آیا اس نے چپکے سے اس قافلہ کا حال ان سے بیان کیا چونکہ یہ بات کئی آدمیوں کے سامنے بیان کی گئی اس لئے اکثر لوگ اس کا چرچا کرنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ خبر حضور انور کے گوش مبارک تک پہنچی آپ نے زید بن حارث کو حکم دیا کہ وہ فوراً سو سواروں کو ساتھ لیکے اس قافلے کے تعاقب میں روانہ ہو چنانچہ زید بہت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے اور قافلہ کو آلیا قریش کے سردار مسلمانوں کے سوار دیکھ کے بھاگ گئے تمام مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا ایک یا دو قیدی بھی بنائے گئے زید کل سامان اور قیدی لیکے مدینہ میں واپس چلے آئے کل سامان کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ درم کیا گیا پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد آٹھ سو درم ایک ایک سپاہی کے حصہ میں آئے فرات بطور جنگی قیدی کے حضور انور کی خدمت میں پیش کیا گیا اس نے رسول اللہ کے آگے آکے اسلام قبول کیا آپ نے فوراً بغیر فدیہ کے اسے آزاد کر دیا۔

کعب بن الاشرف کا قتل

جب مسلمانوں کو بدر کی لڑائی میں فتح حاصل ہوئی تو یہودیوں کو جو آنحضرت کے تلخ تر دشمنوں میں سے تھے بہت ہی رنج و ملال ہوا انہوں نے باہم مشورہ کرنا شروع کیا کہ مسلمانوں کی کیونکر بیخ کنی کرنی چاہیئے کیونکہ بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں پر غلبہ پانا بہت ہی کٹھن کام ہے چنانچہ ان میں سے ایک شخص کعب بن الاشرف

جو بنی نضیر کے قبیلے کا ایک یہودی تھا اپنے روحانی صدمہ کو جو مسلمانوں کی فتح سے اسے پہنچا تھا جیسا کہ کا اور فوراً قریشوں کو جوش دینے کے لئے مکہ روانہ ہوا اس نے جا کے اُن سے بیان کیا کہ تم ان بھادر دل کا کہ جو بدر کے کنوئیں میں خون آلود پڑے ہوئے ہیں کیوں نہیں انتقام لیتے اس نے کئی دردناک مرثیے لکھ کے اُن کے آگے پیش کئے تاکہ انہیں جنگ پر تحریک ہو کعب کے مرثیے پڑھنے کا قریشوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ زار و قطار رونے لگے اور انہوں نے ایک مہینہ کامل ماتم داری رکھی کعب نے واقعہ بدر سے پہلے بھی حضور انور کی شان میں بہت سے بجو یہ اشعار موزوں کیے تھے جب اس یہودی نے قریشوں کو پورے طور پر بھڑکا دیا اور وہ اپنی اس حرکت میں کامیاب ہوا تو پھر مدینہ میں واپس چلا آیا اور پھر بھی وہ چین سے نہ بیٹھا اس نے عورتوں سے مخاطب ہو کر ایک زبردست اور پرجوش نظم موزوں کی اور اس سے یہودیوں کو قبائل کو اُبھارا جب حضور انور کو کعب کی یہ شرارت معلوم ہوئی اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ ایک بہت بڑی خونریزی کرانا چاہتا ہے اور بنی نوع انسان کی بربادی پر کمربستہ ہے تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور اسی صدمہ میں آپ نے فرمایا "اللھم اکفنی ابن الاشرف بما شئت فی علانۃ اللہ" یعنی یا اللہ تو مجھے بچا ابن اشرف کے بیٹے سے جس صورت سے کہ تو اس کے شر سے نجات دینا پسند کرے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس شخص نے خواہ نخواہ مسلمانوں کے بربادی پر کمر باندھ لی ہے اور انہیں برابر ایذا دینے کی تدبیریں کر رہا ہے کون شخص ہے جو اس آفت سے خدا کی مخلوق کو نجات دے سکتا ہے یہ سنکے محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ اس کے شر کو مٹا دوں حضور نے ارشاد کیا اچھی بات ہے میں نے تمہیں اجازت دی چنانچہ مسلمہ اپنے مکان پر چلے گئے اور انہوں نے تین دن رات نہ کھایا نہ پیا۔ حضور انور کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے مسلمہ کو بلایا اور اس فاقہ کشی کا سبب دریافت کیا۔ مسلمہ نے عرض کیا میں نے حضور سے وعدہ تو کر لیا ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وعدہ کا ایفا کروں گا یا نہیں حضور نے ارشاد کیا کہ اپنی طاقت کے مطابق اس کام میں کوشش کرو تم پر ایسا بار نہیں ڈالا جاتا کہ تم سے برداشت نہ ہو سکو۔ مسلمہ نے عرض کیا کہ جب تک میں دو چار آدمیوں کو اس کام میں شریک نہ کروں گا مقصد حاصل نہیں ہونے کا اس بنا پر میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ان ہی اشخاص کے آگے اس امر کے افشا کرنے کی اجازت مل جائے حضور انور نے مسلمہ کو رخصت دیدی کہ جس سے تم مناسب سمجھو یہ بات بکدو۔ یہ سنکے مسلمہ پھر اپنے گھر واپس چلے آئے اور انہوں نے ابو نائلہ اور سلطان بن سلامہ کو جو

کعب کے رضاعی بھائی تھے اور عباد بن بشر اور حارث بن معاذ اور ابو عبیسے کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن مسلمہ بھی کعب بن الاشرف کا رضاعی بھائی تھا۔ یہ سب آدمی ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کر کے ابو نائلہ کو کعب کے پاس بھیجا کعب اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا ابو نائلہ نے جا کے کہا کہ میں ایک خاص کام کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں اور وہ یہ کام ہے کہ میں تم سے کچھ مدد چاہوں کیونکہ افلاس نے مجھے تنگ کیا ہے اور یہ افلاس محض راستوں کے بند ہونے اور باہمی جھگڑے اور فساد کے باعث پیدا ہوا ہے میں اپنے بچوں کو کیا کھلاؤں جبکہ میرے کھانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے کعب نے کہا کہ میں نے تجھ سے پہلے ہی اس قسم کی باتیں کی ہیں مگر تو نے نہ مانا اور تو اپنی ہٹ پر قائم رہا اب بھی وقت نہیں گیا ہے ابو نائلہ نے جواب دیا کہ عقیدے کے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بھی بہت سے لوگ آنحضرت پر ایمان لے آئے ہیں اور میں بھی انہیں میں کا ایک شخص ہوں میرا مطلب صرف یہ ہے کہ کچھ کھانے کی چیزیں بطور قرض کے تجھ سے لوں اور جو چیز مناسب ہو وہ تیرے پاس بطور رہن کے رکھ دوں کعب نے کہا کہ خرموں سے بہتر تمام مدینہ میں خرمے نہیں ہوتے اگر تم مجھ سے خرمے وغیرہ لینا چاہتے ہو تو اپنی عورتیں گروی رکھ دو ابو نائلہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو کہ جو تمام عرب میں زیادہ شرم اور عصمت والی ہیں تمہارے پاس گروی رکھ دیں۔ کعب نے کہا اگر تم عورتیں گروی نہیں رکھ سکتے تو اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ ابو نائلہ نے کہا یہ بھی ممکن نہیں سخت شرم اور ندامت کا باعث ہے کہ ہم اپنے بچوں کو تمہارے سپرد کر دیں ہاں اگر آپ ہمارے ہتھیار گروی رکھنا چاہیں تو ہم بوقت شب آپ کو لا کے دیدیں گے۔ کعب نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور کہا جب تمہارا جی چاہے ہتھیار لے آنا اور مجھ سے خرمے وغیرہ لے جانا یہ باتیں کر کے ابو نائلہ کعب کے گھر سے واپس چلے آئے اور اپنے دوستوں سے ساری کیفیت بیان کر دی رات کے وقت ابو نائلہ سمیت چار آدمیوں کے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کعب کے مکان پر گئے اور آواز دی کعب سن کر اٹھا اور باہر آنے لگا اس کی بیوی نے کہا تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ میرے بھائی ابو نسلہ اور ابو نائلہ آئے ہیں میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ عورت نے کہا کہ میں تیرا جانا مناسب نہیں سمجھتی ان لوگوں کی آواز میں مجھے خون کی آمیزش معلوم ہوتی ہے بہتر تو یہی ہے کہ تو اس وقت نہ جا اور انہیں ٹال دے مگر کعب نے اس کا مذاق اڑا دیا ہر چند اس نے دامن بھی پکڑا اور اصرار بھی کیا مگر کعب نیچے اتر آیا

اور اپنے بھائیوں سے باتیں کرنے لگا اور جو گفتگو ابونائلہ سے طے ہو چکی تھی وہ از سر نو پھر دہرائی گئی اور شروع سے ہونے لگی۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہ اور اس کے رفیقوں نے کعب سے کہا کہ اگر آپ کو ناگوار نہ ہو اور دل چاہے تو ہمارے ساتھ آئیے چاندنی کی سیر کریں اور شعب عجوز میں چلیں اور باقی شب محادثہ میں گزار دیں کعب نے کہا اچھا میں چلتا ہوں چنانچہ وہ ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستہ میں ابونائلہ نے کہا کہ کعب تمہارے بالوں سے بہت اچھی خوشبو آتی ہے کعب نے کہا میری بیوی نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی معاشرت کی ہے یہ ساری خوشبو اسی کی وجہ سے بالوں میں پیدا ہوئی ہے ابونائلہ نے کہا کہ اگر تم کہو تو میں اچھی طرح تمہارے بالوں کو سونگھوں کعب نے کہا مجھے کچھ عذر نہیں ہے چنانچہ ابونائلہ کعب کی زلفیں پکڑ کے سونگھنے لگے اور اسی اثنار میں اپنے دوستوں سے کہا کہ تم بھی کعب کے بال سونگھو۔ ان میں سے کیا اچھی خوشبو آرہی ہے سب کعب کے بالوں کو سونگھنے لگے جب ابونائلہ کے قبضہ میں کعب کی زلفیں اچھی طرح سے آگئیں تو اس نے اپنے دوستوں سے اشارہ کیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے چنانچہ تلواریں پڑنی شروع ہوئیں مگر عجیب بات ہے کہ ایک تلوار بھی کارگر نہ ہوئی محمد بن مسلمہ نے آخر کار اپنا خنجر کعب کی ناف میں کر دیا اس پر کعب نے اس قدر شور مچایا کہ اس کے حصار والے جاگ اٹھے اور انہوں نے آگ روشن کر کے دیکھنا چاہا کہ یہ کون چیخ رہا ہے مگر انھیں کچھ پتہ نہ لگا ادھر یہاں ابونائلہ وغیرہ نے جس وقت کعب خنجر کھا کر گرا ہے اس کا سر اتار لیا اور کہا کہ خدا کی مخلوق کے دشمن کو کہ جو ہزاروں آدمیوں کا خون بہانا چاہتا منصبی ہے۔ آج اس صورت سے قتل کیا گیا ہے۔

اپنا کام کر کے ابونائلہ وغیرہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اگرچہ ان کا تعاقب کعب کے آدمیوں نے کیا لیکن وہ رستہ بھول گئے اور سلمان نکل گئے۔ جس وقت کعب پر تلواریں پڑ رہی تھیں اتفاق سے ایک تلوار ایسی جھنجھ کہ حارث بن اوس خود سخت زخمی ہو گئے کیونکہ تلوار جھنجھ کے ان کے لگ گئی تھی اور دو گہرے زخم پڑ گئے تھے راستہ میں خون برابر جاری تھا مگر وہ چلے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو انہوں نے تکبیر کی آواز بلند کی حضور انور سمجھ گئے کہ یہ لوگ کامیاب آئے ہیں آپ مسجد کے دروازے تک تشریف لائے اور انھیں فتح کی خوشی میں مبارک باد دی

انہوں نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کے دشمن کو قتل کر ڈالا یہ کہہ کے انہوں نے خاک آلود سر کو حضور انور کے آگے رکھ دیا حضور انور نے خداوند تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور حارث بن اوس کو اس کے زخموں پر تسلی فرمائی۔ واقدی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنا لعاب اس کے زخموں پر لگا کر اسی وقت اسے اچھا کر دیا مگر اور مورخ اس معجزہ کے بیان سے خاموش ہیں سر ولیم میور متوفی اور دیگر عیسائی مورخ اس قتل پر بہت معترض ہیں اور ایسے سخت لفظ حضور انور کی شان اقدس و اطہر میں عیسائیوں نے استعمال کئے ہیں کہ ہم انہیں دوہرا نہیں سکتے اگر انصاف سے دیکھا جائے تو کسی انسان کا نفس قتل برا بھی ہے اور اچھا بھی ہے۔ برا تو یوں ہے کہ بلا وجہ اپنے ذاتی غصہ اور جوش میں یا کوئی ذاتی مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی کو قتل کر ڈالا جائے اور اچھا یہ ہے کہ جب ایک شخص سے ہزاروں آدمیوں کے خون ہو جانے کا اندیشہ ہے اور امن میں خلل واقع ہوتا ہے اور ملک کا انتظام درہم برہم ہوتا ہے تو اس کا قتل کرنا قانون زمین اور آسمانی قانون کے مطابق ہر طرح بہتر اور احسن ہے اگر حضرت عیسےٰ اپنے میں قوت دیکھتے اور ان کے ساتھ جمعیت ہوتی تو وہ اس طرح سیکڑوں یہودیوں کے سر اڑا دیتے آپ زبان ہی سے اپنا جوش ظاہر کرتے تھے اور بدکار زناکار اور جہنمی وغیرہ کہہ کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ نے بہت ہی جوش میں آ کے اپنے ایک مرید سے ایک یہودی کے کان اڑوا دے تھے اور حکم دیا تھا کہ بڑے بیچ کر تلواریں خرید لو مگر جب آپ کی آنکھیں کھلیں اور آپ کو معلوم ہوا کہ یہ چند ذلیل مجھوے اگر متفق بھی ہو جائیں تو یہودیوں کے خلاف مجھے مدد نہیں دے سکتے ہیں ان کے بل پر کیوں اپنی جان خطرہ میں ڈالوں چنانچہ انہوں نے پھر پھرا کے یہ کہدیا کہ جو تلوار چلاتا ہے وہ تلوار سے مارا جاتا ہے حالانکہ یہ کوئی مطلب خیز جملہ نہ تھا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شمشیر زن تو تلوار ہی کے منہ پر جان دے گا ایسی کون سی نئی بات تھی مطلب اس سے حضرت عیسےٰ کا یہ تھا کہ یہ بچارے مجھوے میرے آگے قتل نہ کر ڈالے جائیں۔

حضرت عیسےٰ کے بعد جب عیسائیوں میں تلوار کی قوت پیدا ہو گئی ہے تو انہوں نے صرف بارہ حواریوں کے نام پر ہزاروں آدمیوں کو زندہ جلوا دیا اور دیواروں میں چنوا دیا یہاں تو صرف ایک کعب کے قتل پر جس نے ہزاروں آدمیوں کے خون میں نہلانے کا سامان کر لیا تھا بہت ہی ہلکا

رہے ہیں مگر حضرت مسیح کے جانشینوں کے قتل عام پر جو انہوں نے خدا کی بیگناہ مخلوق پر کیا ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکلا یہ انصاف ہے اور یہ تہذیب ہے اور یہ تمدن ہے اور یہ تحقیق ہے واقدی نے ایک روایت اس کے متعلق اپنی کتاب میں نقل کی ہے اور اس روایت کو سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں نقل کر کے فائدہ اٹھانا چاہا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ ہمارے خیال میں کامیاب نہیں ہوئے وہ روایت یہ ہے کہ جس وقت مروان مدینہ کا گورنر تھا تو اس نے اپنے دربار میں ابن یامین سے جو کعب کے قبیلہ کا ایک نوجوان تھا یہ دریافت کیا کہ کعب کیونکر قتل کیا گیا ہے ابن یامین اگرچہ مسلمان تھا لیکن کعب کے قبیلہ میں ہونے سے اس کے ساتھ ایک حد تک ہمدردی تھی اور اس بات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا قتل حکمت عملی سے کیا گیا اگرچہ قتل حق پر تھا ابن یامین نے مروان کی بات کا یہ جواب دیا کہ کعب فریب سے مارا گیا ہے اگرچہ ایک حد تک یہ بات ٹھیک تھی کہ میدان جنگ میں اسے علانیہ لڑنے کے لئے نہیں بلایا گیا اور حکمت عملی سے اس کا قتل عمل میں آیا مروان تو یہ سنکر خاموش ہو رہا مگر محمد بن مسلمہ جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور کعب کے قتل میں شریک بھی تھے اور اس وقت دربار میں موجود بھی تھے سخت جوش میں آ گئے اور انہوں نے مروان کو بہت کچھ دھتکارا اور کہا کہ ابن یامین کی ایسی بات سن کر تو کیوں خاموش ہو گیا یہ تو رسول اللہ تک بات پہنچتی ہے اور اس ذات اقدس و اطہر کی توہین ہوتی ہے۔ پھر یامین کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آئندہ اس چھت کے نیچے مجھے اور تجھے ساتھ کوئی نہیں دیکھے گا۔ اگر اسوقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا میں خدا سے دعا کرتا ہوں سوائے مسجد کے میں اور تو کبھی ایک جگہ جمع نہ ہوں گے اے ابن یامین خدا کی طرف سے مجھ پر واجب ہے کہ اگر تو مجھ سے اپنے کو چھڑا کر بھاگے اور میں تجھے پکڑنے کی قوت رکھتا ہوں اور تیرے ہاتھ میں تلوار بھی ہو تو میں تجھے قتل کروں مروان تو یہ سنکے سکتہ میں رہ گیا اور ابن یامین پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے قبیلہ بنی ذفلہ سے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا اور جب کبھی بہت سخت ضرورت سے وہ باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تو پہلے کسی شخص کو بھیج کے یہ دیکھوا لیتا کہ محمد بن مسلمہ کہاں ہیں اسی اثنار میں ایک دن محمد بن مسلمہ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع میں پہنچے اتفاق سے وہاں ابن یامین بھی موجود تھا اس کی صورت دیکھتے ہی محمد بن مسلمہ کو غصہ آ گیا اس وقت ان کے پاس نہ کوئی تلوار تھی اور نہ کوئی لکڑی تھی آپ جنازہ کی طرف دوڑے جس کے ساتھ آئے تھے یہ جنازہ ایک عورت کا تھا جسپر رسم عرب کے مطابق سبز

کی چڑیاں رکھی ہوئی تھیں جنہیں عرب جریدہ سدرہ کہتے ہیں آپ نے برچھی کی وہ شاخیں جنازہ پر سے اٹھالیں اور ابن یامین کو ان شاخوں سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے بدن پر ساری شاخیں ٹوٹ گئیں اور وہ لہولہان ہو گیا مگر کسی مسلمان نے اسے نہیں بچایا محض اسی وجہ سے کہ اس نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی مروان نے بھی بحیثیت گورنر مدینہ ہونے کے کوئی تعرض نہیں کیا اس روایت سے سرویم میور متوفی اور ان کے ہم خیالوں کا کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا ابن یامین کا یہ کہنا کہ کعب فریب سے مارا گیا اگرچہ محمد بن مسلمہ کے بھڑکانے کے لئے بہت کافی تھا مگر فی الواقع اس میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس سے مسلمان ملزم ٹھیریں ہاں اگر ابن یامین یہ کہدیتا کہ کعب بے گناہ مارا گیا تو ضرور سرویم میور صاحب کا مدعا نکل آتا مگر فریب کے لفظ سے ان کا کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا انہوں نے بے بنیاد اعتراض کر کے مفت میں اپنا غیر وقت بھی کھویا اور انھیں خفت بھی اٹھانی پڑی اسی قسم کی بے سروپا اعتراضات بہت سی عیسائی کتابوں میں اسلام کی نسبت دیکھے گئے ہیں اور سب میں یہ بات عموماً پائی گئی ہے کہ اعتراض کرتے وقت اپنے پیشواؤں کے حالات پر لوگ نظر انداز کر جاتے ہیں اور بعض اوقات اپنے جوش میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ حق و باطل میں تمیز کرنیکی قوت جاتی رہتی ہے انصاف سے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ کعب کا قتل غیر واجبی تھا خدا کی ہزارہا مخلوق کو بچانے کے لئے ہر انسان پر اس کا قتل کرنا فرض تھا۔

ابن سینہ کا قتل

کعب کے قتل کے بعد یہودیوں میں غیر معمولی جوش پھیل گیا اور اس جوش کی وجہ سے مسلمانوں کو زیادہ اندیشہ ہونے لگا چنانچہ حضور انور کو مجبوراً حکم دینا پڑا کہ تم لوگ ہوشیار رہو اور پہلے اس کے کہ تم پر کوئی یہودی وار کرے تم اسے قتل کر ڈالو مگر اس میں کسی کی خصوصیت نہیں تھی ہر یہودی جو فتنہ کرنا چاہے اور جو مسلمانوں کا بدخواہ ہو قتل کر ڈالا جائے جب یہودیوں کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمان ہم پر جو کئے ہوئے ہیں اور ہماری تمام شرارتوں کو انہوں نے سمجھ لیا ہے تو وہ سخت اندیشہ میں ہوئے اور اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھ گئے۔

اسی اثنا میں ایک نومسلم محیصہ نامی نے سینہ یہودی کو قتل کر ڈالا اس قتل پر حویصہ جو قاتل کا

بھائی تھا۔ اس سے کہنے لگا کہ تو نے اس یہودی کو کیوں مار ڈالا محیصہ ایک بوڑھا شخص تھا حویصہ جو ایک جوان اور طاقتور یہودی تھا اسے مارنے لگا اور یہ کہنے لگا کہ اے خدا کے دشمن تیرے پیٹ میں چربی بہت ہے اسی لئے تو نے نہایت ہی بے پروائی سے سینہ کو قتل کر ڈالا محیصہ نے کہا مجھے مارنے سے کچھ فائدہ نہیں جس شخص نے مجھے اس کے قتل پر مامور کیا ہے وہ اگر تجھے قتل کرنے کا حکم دیتا تو میں تجھے بھی اسی آزادی سے قتل کر ڈالتا حویصہ پر اس امتثال امر اور اس اخلاص کا وہ اثر ہوا کہ وہ فوراً ایمان لے آیا۔

یہودیوں کی پریشانی برابر ترقی کرتی چلی گئی آخر ایک گروہ سرداران یہود کا حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابن الاشرف ہمارا ایک سردار تھا وہ شب کو اپنے گھر سے نکلا اور فریب و دغا سے مار ڈالا گیا ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے کیا جرم کیا تھا حضور انور نے ارشاد کیا کہ اگر وہ کوئی جرم نہ کرتا تو کیوں مارا جاتا اس نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہماری شان میں ہجو یہ اشعار کہے اور جو شیلی نظم کہہ کے مکہ بھاگا ہوا چلا گیا تاکہ ہمارے خلاف قریشوں کو ابھارے وہ ہزار ہا مخلوق خدا کو خون میں نہلانا چاہتا تھا اس پر کیا مقرر ہے جو شخص اس قسم کی حرکت کرے گا اسے یہی سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد حضور انور نے نہایت صلح آمیز لہجہ میں یہ فرمایا کہ تم ایک نیا عہدنامہ ہمارے ساتھ کر لو تاکہ پھر آئندہ کسی قسم کا جھگڑا نہ رہے یہودی اس بات پر راضی ہو گئے اور انہوں نے ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ کے ایک تحریر لکھی اور اس عہدنامہ پر طرفین کے دستخط ہوئے اور ایک ایک نقل دونوں کے پاس رہی۔ شعبان کا مہینہ بغیر کسی سیاسی مشہور واقع کے ختم ہو گیا صرف اس مہینہ میں حضور انور کا نکاح بی بی حفصہ حضرت فاروق اعظم کی بیوہ صاحبزادی سے ہوا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال کے اختتام پر حضرت بی بی فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے ہوا اور رمضان کے مہینہ میں سال بھر کے اندر حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر چھ مہینے کے بعد حسین علیہ السلام پیدا ہوئے مگر طبری لکھتا ہے کہ حسین علیہ السلام کی پیدائش حسنؑ سے گیارہ مہینے کے بعد ہوئی۔

آٹھواں باب

جنگ احد

شوال المکرم ۳ھ ہجری مطابق جنوری ۶۲۵ء

شعبان کے مہینے نے ایک جدید خوفناک خونریزی کا دروازہ مسلمانوں کے منہ پر کھول دیا۔ بدر کی لڑائی کو کامل بارہ مہینے گزر چکے تھے مگر ابھی تک انتقام کی صدائیں مکہ کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں گونج رہی تھیں اور جب سے کہ قریش شکست کھا کے گئے تھے انتقام لینے کا خیال ان کے دل سے منٹ بھر کے لئے بھی علحدہ نہیں ہوا تھا جب وہ شکست کھا کے مکہ گئے تو دارالندوہ میں جمع ہوئے مکہ میں یہ وہ مقام تھا جہاں قوم مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوتی تھی اور جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے پلٹ کر آ گیا تو اس نے بھی اسی مقام پر ڈنڈے ڈیرے ڈالے ابوسفیان نے نہایت حکمت عملی سے شرکین قریش کو ندوہ میں یہ رائے رکھا کہ اسی اثنا میں جب انتقام لینے کا جوش زیادہ پھیلا تو قریشوں کے بہت سے سردار ابی سفیان بن حرب کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اس قافلہ کو جو تو نے ندوہ میں روک رکھا ہے اس میں اونٹ اور سارا سامان مکہ کے قریشوں کا ہے انہوں نے باہم صلاح کر کے یہ تجویز کی ہے کہ وہ یہ سارا سامان اس شرط پر تیرے حوالہ کر دیں کہ تو ایک زبردست لشکر تیار کر کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر مدینہ میں حملہ کرے اس کہنے کی تو تجھ سے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ کیسے کیسے لوگ بدر میں قتل ہوئے ہیں ہمارے باپ ہمارے بیٹے اور اقربا کی روحیں ہم سے فریاد کر رہی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ سب قریش کیا اس بات پر رضامند ہیں کہ مدینہ پر فوج کشی کی جائے قریشوں نے کہا ہاں سب کی یہی مرضی ہے اور ہم سب کی طرف سے وکیل بن کے تیرے پاس آئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اگر تم سب لوگ اس بات پر متفق ہو تو مجھے بھی انکار نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ بنی عبد مناف ضرور میرے ساتھ ہوں گے واللہ میں اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لئے بالکل تیار ہوں کیونکہ میرا بیٹا حنظلہ اور میری قوم کے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان کے سامنے قریشوں کا معاملہ ہونے لگا اور سب قبائل نے اپنا اپنا مال

اور اس کا نفع جنگ میں دیا یہاں تک کہ یتیموں اور غریبوں نے بھی جن کا کوئی ولی وارث نہ تھا مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے دل کھول کے چندہ دیا پھر یہ مشورہ ہوا کہ تمام عرب میں پھر کے کل قبائل عرب کو امادہ پیکار کیا جائے کہ وہ ہمارے ساتھ ملکے جنگ کریں منجملہ اور ڈیلیگیٹوں کے ایک شخص ابوعزہ نامی نے انکار کیا کہ میں اس مشن میں شریک نہیں ہونے کا کیونکہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے روز بدر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور میں نے اُن کے روبرو حلف اُٹھایا ہے کہ تمہارے دشمن کو چڑھائی میں کبھی مدد نہیں دینے کا یہ کہہ کر ابوعزہ گھر چلا گیا اس کے پیچھے پیچھے صفوان بن امیہ اس کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ تو کیوں نہیں چلتا اس نے وہی بات کہی جو پہلے کہہ چکا تھا صفوان نے کہا کہ اگر تو ہمارا کہنا مانے گا تو ہم تجھے اس قدر دولت دیں گے کہ تو مالا مال ہو جاوے گا اور اگر تو اس مشن کی کامیابی کے بعد جنگ میں قتل ہو جائیگا تو ہم تیرے بال بچوں کی پرورش کرینگے اس پر بھی ابوعزہ نے انکار کیا۔ صفوان مایوس ہو کر چلا آیا۔ دوسرے روز خبیث بن مظعم کو ساتھ لیکے پھر ابوعزہ کے پاس گیا اور اس پر اسقدر زور دیا اور ایسا مجبور کیا کہ ابوعزہ مشن کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گیا اور اس نے چند اشعار کہکے عرب قبائل کے آگے پڑھنے شروع کئے اس کے عربی اشعار کا مطلب حسب ذیل ہے۔

اے اولاد عبد مناف تم بڑے بہادر ہو تم ہی مددگار ہو اور تمہارا باپ بھی مددگار تھا مجکو نہ چھوڑو کہ بلا حمایت چھوڑنا حلال نہیں ہے اور اس سال کے بعد پھر ایسا ہو گا میرے لئے اپنی نصرت کا اعادہ نہ کرنا"

ابوعزہ کی مشن عرب میں بہت کامیاب ہوئی کثرت سے اعراب ان کے ساتھ ہو گئے اور سب نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اتفاق کر لیا۔

اس کے بعد اس بات کی بحث ہوئی کہ آیا عورتوں کو بھی جنگ میں لے چلیں یا نہیں۔ بہت سے قریش اس کے مخالف تھے وہ کہتے تھے کہ عورتوں کا جنگ میں لیجانا مناسب نہیں ہے مگر صفوان بن امیہ اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ نہیں عورتوں کو لیجانا چاہیئے اس نے یہ دلیل پیش کی کہ عورتوں کا لے چلنا ہمیں اس لئے مفید ہے کہ ہمارے مردوں کو دردناک اشعار پڑھ کے یا گا کے وہ مقتولین بدر کی دردناک صورت یاد دلائیں گی اور نئے سرے جوانوں کے تن میں جوش کی روح پھونکیں گی ہم لوگ طالب موت ہو کے جاتے ہیں ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ہم زندہ گھر واپس آئیں گے کیا تو ہم بدلا لیں گے یا وہیں کٹ کے مر جائیں گے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے یہ سنکے کہا کہ سب سے پہلے تیری رائے کو ماننے والا میں ہوں اس پر عمرو بن العاص نے عکرمہ کی رائے کی تائید کی مگر نوفل بن معویہ نے مخالفت کی

اور بر سر جلسہ یہ گویا ہوا "اے گروہ قریش میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ اپنی حرم کو دشمن کے حوالے کر دوں کیونکہ یہ بات کچھ یقینی نہیں ہے کہ فتحیاب ہی ہوں گے پس اس طرح جو کچھ تمہارے عورتوں کی فضیحت ہوگی اس کے باعث تم قرار دیئے جاؤ گے صفوان بن امیہ نے کہا جو بات قرار پا چکی ہے اس کے خلاف ہم کبھی نہیں کرنے کے یہ سنکر نوفل سیدھا ابوسفیان کے پاس آیا اور عورتوں کے متعلق سارا تذکرہ کر دیا۔ وہاں ہند بنت عتبہ بیٹھی ہوئی تھی وہ سنتے ہی غل مچانے لگی کہ بدر کی لڑائی میں تو خوب بچا اور تجھے شرم نہیں آئی کہ پھر تو اپنی عورتوں کے پاس واپس چلا آیا ہم ضرور ساتھ چلینگے اور معرکہ قتال میں ساتھ رہیں گے پہلے اسی قسم کی ایک غلطی ہو چکی ہے کہ بدر کے سفر میں جحفہ سے (یہ مقام مکہ اور مدینہ کے بیچ میں ہے) عورتیں واپس کر دی گئیں ہمیں بھی وجہ بدر کی شکست کی ہوئی اگر عورتیں ہوتیں اور جوشیلا اشعار پڑھ کے مردوں کو آمادہ پیکار کرتیں تو کبھی بھی شکست نہیں ہوتی اور نہ اتنے مامور آدمی مارے جاتے ابوسفیان نے یہ ساری باتیں سنکے کہا کہ میں قریش کی مخالفت ہرگز نہیں کرنے کا کیونکہ میں بھی انھیں میں سے ہوں۔ غرض ابوسفیان نے اپنی دو بیویاں ایک ہند بنت عتبہ اور دوسری امیہ بنت سعد ساتھ لیں اسی طرح صفوان نے بھی اپنی دونوں بیویاں ساتھ لیں ایک برزہ بنت مسعود الثقفی تھی اور دوسری بعوم بنت المعذل عمرو اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ہشام۔ عمرو بن العاص وغیرہ نے اپنی اپنی بیویاں ساتھ لے لیں۔

قریشوں نے نہ صرف بیویوں کے ساتھ چلنے پر اکتفا کیا بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی ساتھ لے لیا جیسے سفیان بن عویف نے اپنی دس بیٹیوں کو ساتھ لے لیا تھا۔ جب سارے انتظام پختہ ہو گئے اور سب ساز و سامان درست ہو گیا تو پھر فوج کی باقاعدہ ترتیب دی گئی کل فوج کو تین حصوں پر تقسیم کیا اور تین نشان بردار یا سپہ سالار قرار دیئے گئے ان میں سے ایک سفیان بن حرب تھا اور ایک نشان بردار قبیلہ احابیش کا ایک سردار تھا اور ایک حصہ کا نشان بردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا اس جمعیت میں سب تین ہزار آدمی تھے اور قبیلہ بنی ثقیف کے سو آدمی اسی فوج میں شامل تھے جن کے پاس بکثرت سامان حرب تھا فوج کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے اور کل فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اونٹوں کی تعداد کل تین ہزار تھی۔ جب یہ ساز و سامان تیار

ہوگیا اور قریشی فوج نقل و حرکت میں آئی تو عباس بن عبد المطلب یعنی حضور انور کے سگے چچا نے اپنے
خط بنی غفار کے ایک آدمی کے ہاتھ حضور انور کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا عباس نے اپنے خط پر مہر کر دی
تھی اور قاصد کو بہت کچھ روپیہ دیکر ایک پوشیدہ راستہ سے مدینہ روانہ کیا تھا اور یہ شرط کر لی تھی کہ وہ
تین شبانہ روز میں حضور انور کی خدمت میں پہنچ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا قاصد اپنے وقت موعود پر مدینہ پہنچ
خط کا مضمون یہ تھا کہ قریش کثیر جمعیت فراہم کر کے آپ سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ آتے ہیں جو کچھ
بندوبست آپ کر سکیں بہت جلدی کر لیجئے گا۔ حملہ آور فوج کی تعداد تین ہزار ہے ان کے ہمراہ دو سو
گھوڑے ہیں ان میں سات سو زرہ پوش ہیں اور تین سو اونٹ بطور کوتل علحدہ ہیں ہتھیاروں کا بھی
ایک معقول ذخیرہ ان کے ساتھ ہے ظاہر جس وقت مدینہ میں پہنچا ہے اس وقت حضور انور وہاں تشریف
نہ رکھتے تھے وہ سخت پریشان ہوا اور گھبرا کر شہر سے باہر نکلا مگر یہ دیکھ کے خوش ہوا کہ مسجد قبلہ پر حضور کھڑے
ہوئے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔ غفاری نے فوراً آگے بڑھ کر خط پیش کیا۔ حضور نے اُبی
بن کعب کو وہ خط پڑھنے کے لئے دیا اُس نے خط کھول کے حضور انور کو سنایا حضور نے خط سن کے
اُبی کو حکم دیا کہ تو اس خط کے مضمون کا کسی سے ذکر نہ کیجو اور آپ اسی وقت سوار ہو کے سعد بن ربیع کے
مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس مکان میں اور تو کوئی شخص نہیں ہے۔ سعد نے عرض کیا یہاں کوئی
نہیں ہے اس وقت آپ نے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے خط کا مضمون سعد کو سنایا سعد
نے مضمون سنتے ہی بے ساختہ یہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس امر میں امید خیر ہے۔ حضور انور نے سعد سے یہ
ارشاد کر کے کہا کہ تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا اور پھر آپ مدینہ واپس تشریف لے گئے حضور انور جس وقت سعد کے
گھر سے نکلے تو سعد کی بیوی ایک کونے سے نکل کے اپنے شوہر کے پاس آئی اور کہا کہ رسول اللہ تجھ
سے کیا باتیں کر رہے تھے سعد نے کہا ان باتوں کے کہنے کا مجھے حکم نہیں ہے جو رونے کہا کہ میں دیواری
سن چکی ہوں پھر اس نے کل باتیں اپنے شوہر کے آگے بیان کر دیں سعد کو یہ باتیں سنکر بہت رنج
ہوا کہ میں نے تو رسول اللہ سے یہ کہا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے اور وہاں میری جورو موجود نکلی حضور
انور کو جب یہ خبر معلوم ہو جائے گی تو یہ خیال میری نسبت نہ ہو کہ میں نے جھوٹ بولا چنانچہ اسی وقت اُٹھے
اپنی بیوی کی زلفیں پکڑ لیں اور گھسیٹتا ہوا رسول اللہ کے پیچھے دوڑا حضور انور ابھی بل پر تھے کہ سعد نے
آپ کو جا لیا آپ یہ صورت دیکھ کے حیران ہو گئے اور ارشاد کیا کہ سعد یہ کیا بات ہے سعد نے سارا قصہ

حضور انور کی خدمت میں عرض کر دیا اور بیان کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ راز عام طور پر کھل جائے تو میں ملزم نہ گردانا جاؤں حضور نے ارشاد کیا تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور اس پر جبر نہ کر اگر اس نے سن لیا سن لینے دے سعد اپنی بیوی کو ساتھ لیکے اپنے گھر چلے آئے۔

تمام مدینہ میں قریشوں کے حملہ کی خبر پہنچ گئی کیونکہ اسی روز یا اس سے دوسرے دن عمرو بن سالم الخزاعی سو چند آدمیوں کے مدینہ میں پہنچے یہ سب آدمی قبیلہ بنی خزاعہ میں سے تھے اور انہیں مکہ سے چلے ہوئے چار دن ہوئے تھے اور یہ قریش کی فوج سے اس وقت علحدہ ہوئے تھے جب وہ فوج طوی پر پہنچ چکی تھی چنانچہ یہ سب لوگ سیدھے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کر دی اور پھر فوراً مقام بطن رابع میں قریش سے جا ملے ابوسفیان کو ان لوگوں کے آنے اور جانے کی خبر ہو گئی ابوسفیان نے قسم کھا کے بیان کیا کہ عمرو بن سالم وغیرہ خزاعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے تھے وہ ہمارے آنے کی انہیں خبر کر آئے ہیں اور تعداد لشکر سے بھی انہوں نے اطلاع دے دی ہے اور اپنی گھڑیوں میں جا بیٹھے ہیں کچھ عجب نہیں کہ ہم کو ان سے ضرر پہنچے اس پر صفوان نے کہا کہ اگر وہ لوگ کہلم کہلا ہمارے شریک حال نہ ہوں تو ہم فوراً اوس اور خزرج کے گلستان کو کاٹ ڈالیں گے اور پھر وہ نادار و مفلس ہو جائیں گے اور اگر وہ ہمارے پاس چلے آئے تو ہمیں پھر کچھ اندیشہ ان سے نہیں ہونے کا کیونکہ ایک تو ہماری تعداد ان سے زیادہ ہے دوسرے ہمارے پاس اُن سے بہتر ہتھیار اور گھوڑے ہیں اس قسم کی باہم گفت و شنید ہوتی رہی۔

سب سے پہلے بنی اوس یہودیوں کے ایک قبیلہ کے پچاس آدمی مدینہ سے آکے قریشوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حالانکہ ان سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ ہم غیر کے حملہ کے وقت مسلمانوں کی مدد کریں گے مگر انہوں نے صریح طور پر خلاف معاہدہ کیا اور بجائے مدد دینے یا کم سے کم خاموش بیٹھنے کے علی پہلو مخالفت کا اختیار کر لیا۔ ابو عامر یہودی نے اس حملہ میں بہت بڑا حصہ لیا تھا اس نے اپنی قوم کو اُبھار اکر عہد توڑنے کے اس قوم کی پناہ ڈھونڈو جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہیں زیادہ قوی اور تعداد میں زیادہ ہیں بدر کی لڑائی کا بانی اسی کو سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ اس نے قریش کو ابھار کے آگے کر دیا تھا اور خود نہ گیا تھا مگر اب کے اس نے قریشوں سے وعدہ کیا کہ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا میری عدم موجودگی سے بدر میں ناکامی ہوئی اب میں موجود ہوں دیکھیں کیسے شکست ہوتی ہے یہ پچاس آدمی جو میں لے آیا ہوں

کسی حالت میں بھی متفرق ہونے والے نہیں۔ ادھر تو ابو عامر کے پُرجوش اور اشتعال دینے والے اشعار اور اُدھر عورتوں کا مقتولین بدر کو یاد کر کر کے ماتمی اشعار پڑھنے اور واویلا مچانا۔ قریشیوں کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا رہا تھا۔

قریش جوش فتح کی سچی امید اور انتقام کے نشہ میں مخمور جا رہے تھے جب کسی منزل پر ٹھیرتے تو اونٹ ذبح کئے جاتے، عورتیں گانے بیٹھ جاتیں اور خوب مزے سے کباب اور روٹی کھائی جاتی۔ اس شوق اور ذوق میں سرشت ہو کے قریش مقام ابواء پر پہنچے۔ یہاں کے آدمیوں نے جب دیکھا کہ قریشوں کے ساتھ اُن کی عورتیں بھی ہیں تو انہوں یہ رائے دی کہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ تم عورتوں کو ساتھ لے آئے۔ اگر جنگ میں تمہیں چشم زخم پہنچی تو تمہاری عورتوں کی سخت توہین ہوگی۔ مگر اس کا دفعیہ اس طرح تو ہو سکتا ہے کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ماں آمنہ کی قبر اکبیر کے ہڈیاں اپنے پاس رکھو جب تمہاری عورتوں کے متعلق مسلمان تمہیں چڑائیں گے تو تم آمنہ کی ہڈیاں دکھا دینا کہ تو ہمارے نبی کی ماں یہ موجود ہیں۔ تم ہمیں کیا چڑاتے ہو پہلے اس کو تو نظر کرو۔ اس سے تمہاری عورتیں بے ناموسی سے بچ جائیں گی۔ اور ساتھ ہی تمہیں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بوجہ اپنی ماں کے نیکوکار ہے تو ہزاروں روپیہ تمہیں دے کے اپنی ماں کی ہڈیاں تم سے لے لیگا۔

جب یہ بات سنی تو ابو سفیان بن حرب نے قریش کے سرداروں سے اس امر میں مشورہ کیا انہوں نے یک زبان ہو کے یہ کہا کہ ایسا ذکر نہ کرو اگر ہم ایسا فعل کریں گے تو بنو بکر اور بنو خزاعہ ہمارے سب مردوں کی قبریں کھود کے پھینک دیں گے اس پر یہ خیال جاتا رہا اور کسی نے حضرت بی بی آمنہ کی قبر کھودنے کی جرأت نہ کی۔

قریش کی فوج جس دن مکہ سے روانہ ہوئی تھی اُس کے دسویں روز صبح کو مقام ذوالحلیفہ میں پہنچی اور یہ جمعرات کا دن تھا اور ماہ شوال کی پانچویں تاریخ تھی اور ہجرت کا پینتیسواں مہینہ گزر رہا تھا جب قریش مقام مذکور میں داخل ہوئے تو قبیلہ فرسان نے ان کی مہمانداری کی ادھر حضور انور نے اسی شب فضالہ کے دو بیٹوں کو بطور جاسوس کے قریشوں کے کیمپ کی طرف روانہ کیا یہ دونوں نوجوان شخص مقام عقیق سے قریشوں میں شامل ہو گئے اور مقام بالوط تک ان کے ساتھ رہے۔ جب ساری باتیں اچھی طرح سے دیکھ بھال لیں تو حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان

کردی۔ قریشوں نے اس مقام پر اپنا کیمپ ڈال کے اپنے اونٹوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور انہوں نے مسلمانوں کی کل کھیتی کو برباد کر دیا۔ حضور انور نے فرید خزیمی لینے کے لئے پھر دوبارہ حباب بن المنذر بن الجموح کو قریشوں کے کیمپ کی طرف روانہ کیا تاکہ ہتیاروں اور آدمیوں کا پورا اندازہ کر کے لائے اور حضور انور نے یہ بھی ارشاد کر دیا کہ کسی شخص کو سوائے میرے وہاں کی کیفیت نہ بتائی جائے حباب ہماری خبریں لیکر کامیابی کے ساتھ واپس چلے آئے اور حضور میں یہ عرض کیا کہ قریشوں کی تعداد کم و بیش تین ہزار ہوگی ان کے ساتھ دو سو گھوڑے ہیں اور میں نے زرہیں بھی رہی ہوئی دیکھیں مگر وہ سات سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی نہیں حضور نے ارشاد کیا کیا تو نے وہاں عورتوں کو بھی دیکھا حباب نے عرض کیا کہ ہاں عورتوں کو بھی دیکھا عورتوں کے پاس دف۔ باجے اور ڈھول وغیرہ تھے اس پر حضور انور نے بڑے پرجوش لہجہ میں یہ فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل یعنی حق تعالیٰ ہم کو کفایت کرتا ہے اور وہ بہترین کفیل ہے۔ پھر آپ نے یہ فرمایا اللھم بک احول وبک اسول یعنی اے پروردگار تیری اعانت سے میری توانائی ہے اور تیری مدد سے میں اپنے مقصد کو پہنچوں گا۔

اسی اثنا میں جمعہ کو سلمہ بن سلامہ بن وقش اپنی کھیتی میں جانے کے لئے باہر نکلے کہ یکایک قریشوں کے دس سوار نمودار ہوئے انہوں نے سلمہ کو دیکھتے ہی ان کے پیچھے گھوڑے ڈالدئے سلمہ فوراً ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے اور انہوں نے اس ٹیلہ پر سے ان قریشی سواروں کو تیر بھی مارے اور ان کی طرف پتھر بھی پھینکے سواروں پر جب برابر تیر اور پتھر پڑنے لگے تو وہ سب ہٹ گئے جب یہ سوار بہت دور نکل گئے تو سلمہ اپنے کھیت پر آئے اور اپنی ایک تلوار اور لوہے کی زرہ جو انہوں نے کھیت کے کسی کونے میں دفن کر دی تھی کھود کے نکالی اور وہیں کھڑے کھڑے زرہ کو پہن لیا اور تلوار کو ہاتھ میں لے کر بنی عبدالاشہل کے ہاں آئے اور ساری کیفیت اپنے احباب اور قوم کے لوگوں سے بیان کر دی پھر اوس و خزرج کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ اور ان کے علاوہ اور چند آدمی مسلح ہو کے رات ہی کو مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور قریشوں کے شبخون کے مارے مسجد ہی میں رات بسر کی اور تمام شب مدینہ کی حراست کرتے رہے اسی شب حضور انور نے ایک خواب دیکھا تھا اور صبح کو مسجد میں آکے مسلمانوں کے آگے وہ خواب بیان کیا آپ نے فرمایا کہ میں ایک زرہ پہنے ہوئے ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار نامی نوک کے پاس سے ٹوٹ گئی اور میں نے

ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی تعبیر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ زرہ تو مدینہ ہے تم لوگ یہاں قیام رکھو اور تلوار کی نوک ٹوٹنے سے ایک مصیبت کی خبر ہے جو خاص میری ذات تک محدود رہیگی اور گائے کا ذبح ہونا یہ دلالت کرتا ہے کہ میرے اصحاب میں سے بعض مقتول ہوں گے پھر آپ نے خواب کا ایک اور حصہ بیان کیا جس کی تعبیر یہ تھی کہ مشرکین کے سردار قتل کئے جائیں گے۔ پھر حضور انور نے اپنے اصحاب سے اس کے متعلق رائے دریافت کی اس پر عبداللہ بن ابی پہلے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ ایام جاہلیت میں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے اور وہ دشمن ہم میں گھر لیتا تھا تو عورتوں اور لڑکوں کو مدینہ کے قلعہ میں بٹھا دیتے تھے اور ان کے پاس بہت سے پتھر رکھ دیتے تھے خدا کی قسم وہ عورتیں اور لڑکے جہینہ جہینہ بھر تک اُن پتھروں سے دشمن کو پاس نہیں آنے دیتے تھے اور ہم لوگ شہر کے گرد مٹی کے ایسے ٹیلے بنا دیتے تھے کہ دشمن اندر نہ آسکتا تھا پس یہ شہر مثل قلعہ کے ہو جاتا تھا کہ ٹیلوں پر سے تو عورتیں اور لڑکے پتھر مارتے تھے اور ہم تلوار سے شاہراہوں میں دشمن کا مقابلہ کرتے تھے یا رسول اللہ ہمارا یہ شہر مدینہ ابھی تک مثل کواری لڑکی کے ہے جس تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ ہرقلیم نے جس نے مدینہ کا محاصرہ کیا شکست کھائی اور کوئی سرسبز ہو کے یہاں سے نہیں گیا یا رسول اللہ اس باب میں میری عرض پذیرا فرمائے اور یقین جانئے کہ میں اس رائے اور تدبیر کا وارث ہوں اور مجھے یہ تدبیر میرے اکابر قوم سے بطور میراث کے پہنچی ہے وہ لوگ اہل رائے بھی تھے۔ اہل حرب بھی تھے اور اہل تجربہ بھی تھے حضور کو یہ رائے پسند آئی آپ نے حکم دیا کہ مدینہ میں قیام کریں رہو اور عورتوں اور بچوں کو ٹیلوں پر چڑھا دو کیونکہ اگر قریشوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم مدینہ کی شاہراہوں میں ان سے مقابلہ کریں گے اور جبکہ ہم مدینہ کے کوچوں اور بازاروں سے اُن سے زیادہ واقف ہیں اس لئے ہم ہر حالت میں ان پر قابو پالیں گے مگر نوجوانوں کا دوسرا گروہ تھا جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا اور اب قریشوں کے حملہ سے ان میں سخت جوش پیدا ہو رہا تھا انہوں نے عبداللہ بن ابی کی رائے سے مخالفت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ حضور اجازت دیں کہ ہم قریشوں پر مدینہ سے نکل کے حملہ کریں اس نوجوان گروہ کی طرف سے حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب سعد بن عبادہ۔ نعمان بن مالک بن ثعلبہ وغیرہ تھے اور بہت سے آدمی اوس اور خزرج کے بھی یہی کہہ رہے تھے کہ ہمیں ضرور باہر نکل کے حملہ کرنا چاہیئے۔ ان کا بیان تھا کہ ہم مدینہ سے باہر نکل کے حملہ

نہ کریں گے تو قریشوں کو جرأت ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم ان سے ڈر گئے حالانکہ ہم ہی وہ لوگ ہیں کہ جنگ بدر میں حالانکہ ہماری تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی خدا کے فضل سے ہم نے قریشوں کو شکست دی تھی ہم تو خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری زد پر لے آچنانچہ وہ دن ہم نے دیکھ لیا اور ہماری دعا قبول ہوئی۔ اب ہم کسی طرح بھی گھر میں بیٹھ کے مصور ہو جانا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ سب ہتھیار بند تھے مارے جوش کے وہ حضور انور کی خدمت میں بڑھے چلے جاتے تھے اور اپنی تلواریں آگے کر کر کے حضور سے اجازت چاہتے تھے مگر حضور انور نے سوائے سکوت کے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا اس وقت مالک بن سنان نے آگے بڑھ کے حضور انور سے عرض کیا کہ اس وقت ہم لوگ دو خوبیوں کے بیچ میں ہیں ایک فتح اور ایک شہادت اگر ہماری فتح ہوئی تو ہماری دلی مرادیں بر آئیں گی اور اگر ہمیں شہادت نصیب ہوئی تو ہم اس پر بھی اپنی مراد کو پہنچیں گے کیونکہ شہادت میں ہمیں خیر و خوبی دکھائی دیتی ہے یا رسول اللہ ہم اس کی پروا نہیں کرتے کہ دونوں میں سے ہمیں کون سی چیز ملے گی حضور انور اسی طرح خاموش کھڑے ہوئے تھے اس کے بعد حمزہ بن عبد المطلب آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں قسم کھاتا ہوں اس خدا کی جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے میں ہرگز کھانا نہیں کھانے کا جب تک مدینہ کے باہر نکل کے قریشوں کے ساتھ جنگ نہ کروں۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جمعہ کے روز حضرت امیر حمزہ نے روزہ رکھا تھا اور ہفتہ کو بھی آپ روزہ سے رہے اور آپ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ روزہ اس وقت کھولوں گا جب مدینہ کے باہر جا کے قریشوں سے لڑوں گا۔

حمزہ کے بعد نعمان بن مالک بن ثعلبہ نے نہایت پر جوش لہجہ میں یہ عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے گائے کے ذبح ہونے کی جو یہ تعبیر بیان فرمائی کہ میرے اصحاب میں سے بعض شہید ہوں گے تو ان شہیدوں میں حضور مجھے بھی تصور فرمالیں پھر جنت سے حضور مجھے کیوں محروم رکھتے ہیں قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یقیناً وہ مجھے جنت میں داخل کرے گا حضور نے ارشاد کیا کہ میں تمہیں کیوں محروم کرنے لگا اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے گا اور تمہیں جنت نصیب ہوگی اسی طرح ہر شخص بہت جوش سے حضور انور سے جنگ کی پروانگی مانگتا تھا۔ اور آپ بالکل خاموش تھے۔ اس سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک گروہ کی تو یہ رائے تھی کہ مصور ہو کے جنگ کرنی چاہئے اور دوسرے گروہ کی

یہ رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکلکے جنگ کیجائے۔ یہ وقت فی الحقیقت بہت ہی نازک تھا۔ قریشوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اُن میں ماہرین جنگ بہت تھے تیسرے انتقام کے جوش سے اُن کی قوت چوگنی بڑھ گئی تھی اُن کے خلاف مسلمانوں کی حالت بہت ہی کمزور تھی۔ اور بڑی کمزوری یہ تھی کہ مدینہ ہی میں یہودی آپ کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور قبائل عرب کا بڑا حصہ حضور انور کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور ہتھیاروں گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد بھی بہت کم تھی حقیقت میں یہ سخت وقت تھا اور اسپر سنجیدگی اور استقلال سے نظر کرنا یہ حضور انور جیسے اولوالعزم پیغمبری کے لئے کچھ زیادہ مناسب تھا۔

اس جو تجویز کہ ہم مدینہ سے باہر جاکے حملہ آوروں سے جنگ کریں گے ایسی شدت ہوئی اور اُن لوگوں نے اس سختی سے اس پر اصرار کیا کہ اخیر حضور انور نے ایک خطبہ پڑھ کے انہیں اس امر کی رخصت دیدی حضور نے فرمایا کہ اگر تم لوگ صبر اور استقامت سے کام لوگے تو یقیناً تمہاری فتح ہوگی اب بھی تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم حسب منشار مدینہ سے باہر جنگ کرو وہ گروہ جو مدینہ میں محصور ہوکے لڑنے کا موید تھا کسیقدر شکستہ دل ہوا مگر تو بھی اس نے حضور انور کی بہت زور سے متابعت کی۔ اس بات کے فیصلہ ہونے کے بعد یک لخت حضور انور نے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا پھر حضور انور نے مسلمانوں کو عصر کی نماز پڑھائی اس وقت بلندی مدینہ کے رہنے والے بھی حاضر ہوئے۔ عورتیں اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھادی گئیں۔ بنو عمرو بن عوف اور جو لوگ اُن کے شریک تھے قبیلہ بنیت اور اُن کے شرکا کو باریابی کا شرف حاصل ہوا اُس وقت حضور انور کے ساتھ صرف حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ تھے۔ آپ مسجد سے اپنی دولت سرائے پر تشریف فرما ہوئے اُس وقت بھی دونوں جلیل القدر صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے جب آپ مکان پر تشریف لائے تو حضرت فاروق اور حضرت صدیق نے سر پر عمامہ باندھا اور پورا لباس پہنایا حجرہ منورہ سے مسجد تک برابر مسلمان صف بستہ حاضر تھے کہ حضور باہر برآمد ہوں تو پھر حملہ کی غرض سے آگے بڑھا جائے یہ لوگ حضور انور کا انتظار کر رہے تھے کہ اتنے میں سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر اور اُسید بن نضیر آپہنچے اور انہوں نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ جو کچھ جنگ کے متعلق گفتگو ہو چکی ہے وہ تو ہو چکی اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم اپنی رائے کو مطلق دخل نہ دو جو

کچھ حضور انور ارشاد کریں اور جو کچھ حضور کی مرضی ہو اسی کی پیروی کرو پھر لوگوں میں گفتگو شروع ہوگئی بعض نے کہا بیشک سعد سچ کہتا ہے بعض نے کہا کہ آزادانہ طور پر رائے دینا کوئی جرم نہیں ہے ہم جو کچھ کہتے ہیں اپنے علم اور یقین سے اپنے لئے اور حضور انور کے لئے بہتر سمجھتے ہیں باہم یہ گفتگو ہو ہی تھی کہ حضور صدیق اور فاروق کے ساتھ حجرہ منورہ سے برآمد ہوئے آپ کے گلے میں تلوار پڑی ہوئی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ حضور جنگ کے لئے آمادہ ہیں جب حضور کو ایسا تیار دیکھا تو جو لوگ مدینہ میں محصور ہو کے جنگ کرنا چاہتے تھے اور اسی پر زور دے رہے تھے۔ وہ بہت ہی شرمندہ ہوئے اور انہوں نے دست بستہ حضور کی خدمت میں التماس کیا کہ ہم نے صرف اپنا پر رائے دی تھی کہ گویا جنگ کے متعلق حضور نے ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا اگر میں یہ معلوم ہو جاتا کہ حضور کی رائے مدینہ سے باہر نکل کے جنگ کرنے کی ہے تو ہم کبھی بھی یہ رائے نہ دیتے ہم بہت ذلیل اور شرمندہ ہیں اور ہم پشیمان ہیں کہ ہمیں کیا ہو گیا تھا کہ ہم اپنی رائے پر اتنا اصرار کر رہے تھے حضور ہماری خطا معاف فرمائیں جو کچھ حضور کی رائے ہوگی وہی ہماری ہے حضور انور نے ارشاد کیا کہ میں نے زرہ پہن لی ہے تم جانتے ہو کہ نبی جہاد سے فسخ عزیمت نہیں کیا کرتا جب حق تعالیٰ نے اس کے اور اس کے اعداء کے درمیان مناسب حکم کر دیا ہے وہ حکم کسی صورت سے ٹل نہیں سکتا پھر حضور نے ارشاد کیا کہ جس بات کا میں تم کو حکم کرتا ہوں اس کی اطاعت کرو اور اسے مانو اور بسم اللہ کہہ کے کھڑے ہو جاؤ چنانچہ یہ سنتے ہی تمام حاضرین میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور سب اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے آمادہ پیکار ہو گئے رسول خدا نے پہلے فوج کی ترتیب دی آپ نے فوج کو تین حصوں پر تقسیم کیا ایک حصہ فوج کا سپہ سالار اسید بن حضیر بنایا یہ حصہ فوج قبیلہ اوس کے آدمیوں کا تھا اور ایک حصہ فوج پر حباب بن المنذر جھنڈا بردار کیا گیا اور یہ مہاجرین کی فوج کا سپہ سالار مصعب بن عمیر کو بنایا گیا۔ بعضوں نے حضرت علی کا نام لکھا ہے مگر کثرت رائے مصعب کی طرف ہے۔ پھر حضور نے اپنے لئے گھوڑا طلب فرمایا اور آپ اس پر سوار ہوئے گھوڑے پر بیٹھ کے دوش مبارک پر کمان لگائی اور نیزہ ہاتھ میں لیا آپ کے نیزہ کی نوک برچھی تھی۔ کل مسلمان ہتھیار بند تھے زرہ پوشوں کی قطار باقاعدہ الگ لگی تھی کل سو زرہ پوش تھے۔ اسی طرح گھوڑوں کی علیحدہ۔ حضور انور نے کل فوج کو ترتیب دیکے

گھوڑے کی باگیں اٹھائیں جس وقت حضور انور کا گھوڑا چلا تو سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ دونوں گھوڑے کے آگے آگے دوڑتے ہوئے چلے یہ دونوں زرہ پوش تھے اور کل آدمی حضور کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جا رہے تھے پہلے حضور انور نے مقام بدائع میں منزل کی پھر وہاں سے زقاق حنی اور وہاں سے شیخین میں پہنچے (شیخین دو ٹیلوں کا نام ہے) پھر وہاں سے ثنیہ میں پہنچے ابھی آپ کو چند لمحے یہاں پہنچ کر گزرے تھے کہ سامنے گرد اڑتی ہوئی معلوم ہوئی اور کچھ شور بھی سنائی دیا حضور نے ارشاد کیا کہ یہ کیسا شور ہے اور کون ہتیار بند آرہے ہیں عرض کیا گیا کہ یہود یوں کا گروہ ہماری مدد کو آیا ہے حضور نے ارشاد کیا کہ مشرکوں کو مشرکوں کے مقابلہ میں ہم شریکوں سے مدد لینا نہیں چاہتے۔ پھر آپ نے مقام شیخین میں مراجعت فرمائی اور شب کو یہیں قیام کیا مغرب کے وقت بلال نے اذان دی آپ نے نہایت استقامت سے اپنے صحابہ کو مغرب کی نماز پڑھائی پھر عشا کی نماز بھی اسی استقامت سے ادا کی گئی پھر حضور نے فوج کا ریویو کیا اور محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ شب کے وقت نگرانی کے لئے مقرر کیا قریشوں کی فوج بھی مقابلہ میں پڑی ہوئی تھی بیچ میں ایک ہی پشتہ حائل تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل قریشوں کی فوج کا پہرہ دے رہا تھا قریشوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں مسلمانوں کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب حملہ ہوا اب حملہ ہوا مگر ٹیلے کی وجہ سے کوئی حملہ نہ ہو سکا۔

وہ یہودی جو حضور انور کو مدد دینے کے لئے آئے تھے عبداللہ بن ابی کے قبیلہ کے تھے جب انہیں یہ جواب دیا گیا کہ مشرکوں کے مقابلہ میں ہم مشرکوں کی مدد نہیں چاہتے تو عبداللہ کو یہ بات ناگوار گزری وہ حضور انور کا کیمپ چھوڑ کے یہودیوں کے پاس جا کے شب باش ہوا۔ علی الصباح حضور انور نے نماز پڑھائی اور پھر کوچ کیا اور احد میں پہنچ کے آپ نے دوسری زرہ اوپر پہنی اطراف آپ موقع قفطر میں قیام فرما ہوئے کیونکہ یہاں سے مشرکوں کی صفیں صاف صاف نظر آرہی تھیں نماز بہت دھوم سے ادا کی گئی بلال نے بلندی پر چڑھ کر بہت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا عبداللہ بن ابی نے سخت دھوکہ دیکے حضور انور سے علیحدگی اختیار کی اور جسقدر اس کے قبیلہ کے آدمی تھے انہیں ساتھ لے کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا عبداللہ کے آدمیوں کی تعداد پوری تین سو تھی ایسی نازک حالت میں اتنی بڑی تعداد کا علیحدہ ہو جانا واقعی سخت خطرناک امر تھا مگر حضور انور نے مطلق پروا نہیں کی کیونکہ جو لوگ اسوقت

موجود تھے وہ انتہا درجہ قوی۔ زبردست اور مستقل مزاج تھے حضور انور کو ان پر پورا بھروسہ تھا ابی یہ نظارہ ایک رنج دہ ہے۔ اُبی کا بیٹا شتر مرغ کی طرح سر اونچا کئے ہوئے اپنے آدمیوں کے آگے آگے جا رہا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام سے نہ رہا گیا وہ اس کے پیچھے دوڑے اور کہا کہ یہ غداری ٹھیک نہیں ہے ایسے موقع پر تجھے حضور انور سے علحدہ ہونا نہیں چاہئے تھا۔ اُبی والے نے جواب دیا تم عجب بیوقوف ہو ہمارا وعدہ حضور انور سے مدد دینے کا ہے نہ کہ مدینہ کے باہر جتنے عقلمند اور ہوشیار ہیں وہ سب مدینہ واپس چلے گئے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہماری مخالفت اتنی نہیں کرنی چاہیئے تھی ہم نے ان سے کہا تھا کہ تم مدینہ کے باہر نہ نکلو مگر انہوں نے نہ مانا اور وہ باہر نکل آئے مجھے تو اس بات سے زیادہ غصہ ہے کہ انہوں نے ہمارے مقابلہ پر چھوکروں کا کہنا تو مان لیا مگر ہماری باپ کا نہیں یہ کھایا چوکرے جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ابھار کے جہاد کے لئے لائے ہیں محض ناتجربہ کار اور بے عقل ہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حقیقت کھل جائے گی کہ کہنا نہ ماننا کیسا ہوتا ہے ابی یہ سن کے بہت خفا ہوئے اور انہوں نے ابن اُبی پر لعنت بھیجی اور کہا کہ دیکھ لیجو مومنین کی اور پیغمبر کی تو فتح ہوگی اور تم پر ہمیشہ لعنت پڑی گی۔

غرض حضور انور نے جنگ کی تیاری شروع کی اور اپنے صحابہ کی باقاعدہ صف بندی کی پچاس صحابہ کو مقام عینین پر کھڑا کیا اور عبداللہ بن جبیر کو ان کا افسر مقرر کیا۔ حضور نے اپنی فوج کو اس طرح کھڑا کیا کہ احد پشت پر رہا اور مدینہ سامنے اور عینین بائیں طرف مشرکین نے اپنے لشکر کی ترتیب اس سے بالکل برعکس دی۔

احد کی پہاڑی مدینہ سے تین میل دور تھی یہ پہاڑوں کا ایک طولانی سلسلہ ہے جس سے تین یا چار میل جانب شرق میدان شروع ہوگیا ہے یہاں ایک ندی بہتی تھی جس پر سے آنحضرت نے عبور کیا تھا اور یہ ندی بعض وقت برسات میں اُبل پڑتی تھی اور اس کے اُبلنے سے پہاڑ کا نشیبی حصہ آب برد ہو جاتا تھا۔ حضور انور نے اس پہاڑی سلسلہ اور نشیب و فراز کی مناسبت سے اپنے لشکر کی ترتیب دی تھی آپ نے قریشوں کا ایک دستہ اپنے بازو پر متعین کیا اور اُسے سخت حکم دیدیا کہ تم عقب کی حفاظت کرنے کے لئے یہاں کھڑے کئے گئے ہو ہرگز ایک قدم نہ سرکانا اگر تم دیکھو کہ ہم دشمن کا تعاقب کر رہے ہیں اور اُسے لوٹ رہے ہیں اس حالت میں بھی تم ہمارے ساتھ نہ آؤ اور اگر

دیکھو کہ ہم بہادر لڑے ہوئے اور دشمن ہمارا تعاقب کر رہے ہیں تو بھی تم ہماری مدد کے لئے یہاں سے نہ سرکو یہ کہہ کر حضور انور مدینہ کی طرف رخ کئے ہوئے اپنی کمین میں تشریف لے آئے۔ مصعب مہتر ان کا سپہ سالار اپنے دستہ کو لیکے قلب میں کھڑا ہوا اور اوس اور خزرج والے یمین و یسار قائم ہوئے حضور انور نے تمام فوج سے یہ ارشاد کر دیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں تم جنگ شروع نہ کرنا یہ سارے احکام دے کے حضور انور اپنی جگہ پر آکھڑے ہوئے اور اب مخالف کی فوج کی نقل و حرکت ملاحظہ فرمانے لگے۔ اتنے میں ابوسفیان کی ماتحتی میں مکہ کا لشکر حرکت میں آیا اور نہایت فوجی شان کے ساتھ احد کی طرف رخ کرتا ہوا آگے بڑھا طلحہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا اور خالد بازوئے راست کی کمان کر رہا تھا اور بازوئے چپ کی کمان عکرمہ ابوجہل کے ہاتھ میں تھی لشکر نے جب تک حرکت نہیں کی تھی تو عورتیں آگے کی طرف نہیں جو دف بجا رہی تھیں اور جوشیلے اشعار پڑھ کے سپاہیوں کو گرما رہی تھیں لیکن جوں ہی فوج حرکت میں آئی کل عورتیں پیچھے رہ گئیں۔

لشکروں کی طرف سے جنگ کا آغاز ہوا سب سے پہلے جو شخص میدان میں آیا وہ ابوعامر تھا پچاس آدمی اوس کے قبیلہ کے اس کے ساتھ تھے یہ سمجھا کہ جس وقت میں صف میں جا کے پکاروں گا تو میرے قبیلہ کے لوگ میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس خیال سے جب اُس نے غل مچا کے کہا کہ میں ہوں ابوعامر تم میرے پاس چلے آؤ مسلمانوں نے اس کا یہ جواب دیا دور ہو اے فاسق ہمیں تجھ سے کچھ تعلق نہیں ہے وہ چاہتا تھا کہ اپنے پچاس آدمیوں کو لیکے ان پر حملہ کرے کہ مسلمانوں نے پتھر مارنے شروع کئے اوپر سے انہوں نے پتھر مارے دونوں طرف سے خوب پتھراؤ ہوا آخر ابوعامر کا آدمی بھاگے طلحہ نے جب دیکھا کہ یہ پچاس سوار بھاگے چلے جاتے ہیں تو اُس نے غل مچا کے کہا کہ تمہاری کم حوصلگی پر لعنت ہے مت بھاگو یہ کیا غضب کرتے ہو آخر مرد ہو جم کے لڑو انہوں نے جواب دیا کہ ہم غلام لوگ ہیں غلام کبھی نہیں لڑا کرتے آخر طلحہ نے بطور پاسبانوں کے انہیں مقرر کر دیا۔ اس کے بعد طلحہ بڑے جوش سے آگے بڑھا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آکے للکارا کہ کوئی شخص مجھ سے جنگ کرنے کے لئے نکلے یہ سنتے ہی حضرت علی صف سے نکل کے باہر آئے اور جھپٹ کے ایک ایسا تلوار کا ہاتھ مارا کہ اُس کی گردن پیروں میں آپڑی حضور انور نہایت توجہ اور اضطرابی سے اس لڑائی کو ملاحظہ فرما رہے تھے جس وقت آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ طلحہ کی گردن کس طرح اُڑ کے زمین

پر آپڑی آپ نے بہت جوش سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا ہی تھا کہ کل صحابہ نے نہایت بلند آواز سے اور جوش کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ مارا جس سے تمام پہاڑی گونج اٹھی طلحہ کے بھائی عثمان نے جب سپر دعوتیں تھیں جب اپنے بھائی کا یہ خونی نظارہ دیکھا اور علم کو سرنگوں پایا تو وہ فوراً جھپٹا اور اُس نے اپنے مقتول بھائی کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا ادھر عورتوں نے دف بجا کے یہ گانا شروع کیا۔

ہم شجاعان دہر کی لڑکیاں ہیں ہم غالیچوں پر نہایت نزاکت سے قدم رکھتی ہیں تم تندی و جوش سے آگے بڑھو ہم تمہیں اپنے گلے سے لگائیں گے اور اگر تم نے جنگ سے پیٹھ پھیری تو ہم تمہارے مونہ پر تھوک دیں گے اور تمہیں سخت ذلیل کریں گے

حضرت حمزہ نے جب عثمان طلحہ کے بھائی کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ شیر غراں کی طرح صف سے نکلے اور اُس کے مقابل ہوئے دو تین ہاتھ ہونے پائے تھے کہ حضرت حمزہ نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ عثمان زمین پر آرہا اور اُس کی گردن بھٹا سی اُڑ کے دُور جا پڑی۔

پھر حضرت امیر حمزہ نہایت جوش اور خوشی سے یہ کہتے ہوئے واپس پھرے کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو حاجیوں کو پانی پلایا کرتا تھا۔ طلحہ کے دو بھائیوں اور تین بیٹوں نے یکے بعد دیگرے فوج کا جھنڈا ہاتھ میں لیا اور مردانگی کی داد دے کے میدان جنگ میں قتل ہوگئے۔

علم برداروں کے پے در پے مارے جانے سے قریش میں ایک پریشانی سی پیدا ہوگئی اخیر عام جنگ کا آغاز ہوا مسلمانوں نے نہایت جوش اور مردانگی سے قریشوں پر حملہ کیا اور ایسی تلواریں ماریں کہ ان کی صفیں پراگندہ ہوگئیں اور وہ پیچھے قدم ہٹانے لگے قریشی سواروں نے کئی کئی بار حضور انور کی طرف باروئے چپ پر حملہ کیا مگر اس مٹھی بھر جماعت کے تیروں سے جو بلندی پر قائم کی گئی تھی وہ ہر بار پسپا ہو گئے اور جس طرح جنگ بدر میں ان پر بدحواسی چھا گئی تھی اسی طرح یہاں بھی ان پر بدحواسی کا آغاز ہوا اگرچہ عورتوں نے دف بجا بجا کے اور جوشیلے اشعار پڑھ پڑھ کے انھیں بھاگنے سے روکنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا گھبراہٹ بڑھتی گئی یہاں تک کہ عورتیں بھی پریشان ہوگئیں اور وہ بھی اسی طرح مردوں کے ساتھ بدحواس ہو کے بھاگیں۔

حضرت امیر حمزہ جو شتر مرغ کے پروں سے پہچانے جاتے تھے اور حضرت علی اور حضرت زبیر جو سفید

اور زرہ بکتروں سے شناخت ہوتے تھے جس پریشان پرے کی طرف حملہ کرتے تھے وہاں اور بھاگڑ پڑ جاتی تھی۔ اسلامی فوج قریشوں کو دباتی چلی جاتی تھی مگر اس تعاقب نے مسلمانوں میں بے ترتیبی پیدا کر دی فوج کا ایک حصہ قریشوں کے کیمپ پر سامان کو لوٹنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور وہ دستہ فوج کا جو حضور انور نے چوٹی پر کھڑا کیا تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ دشمن بھاگا جاتا ہے اس نے بھی غلطی سے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور لوٹ میں پڑ گیا۔ خالد جو باگیں اٹھائے ہوئے سنگ کی طرف جانا چاہتا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے بارو ئے چپ سے قریشی سواروں کو جمع کر کے مسلمانوں کی بائیں جانب حملہ آور ہوا اس نے چند تیر اندازوں کو جو ابھی تک چوٹی پر قائم تھے مار کے ہٹا دیا، اور یکایک مسلمانوں کے عقب میں نمودار ہو گیا۔ اس کا نمودار ہونا تھا کہ سخت پریشانی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی۔ مہاجرین کا جھنڈا بردار مصعب میدان میں شہید ہوا ایک حبشی جس کا نام وحشی تھا حضرت امیر حمزہ پر جو بالکل بے خبری میں کھڑے تھے جھپٹا اور انہیں فوراً شہید کر دیا اب قریشوں نے اپنے بتوں کے نام لیلے کے غل مچانا شروع کیا مسلمانوں کے سارے پرلے پرلے پراگندہ ہو گئے اور ان کے قدم پیچھے ہٹنے لگے اور جب تک انہوں نے احد کی بلندیوں پر پناہ نہ لے لی وہ برابر پیچھے ہٹتے چلے گئے اور قریشوں نے بہت سختی سے دبانا شروع کیا۔

اس وقت حضور انور کی حالت بہت ہی نازک تھی آپ نے جو انتظام کیا تھا وہ بالکل درہم برہم ہو چکا تھا جب خالد کا رسالہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا تو آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو ساتھ لیکے ایک مقام پر قیام کیا سب سے پہلے جس شخص نے آپ پر حملہ کیا تھا اُسے آپ کے ساتھیوں نے تیروں سے زخمی کر دیا مگر بعد ازاں وہ قتل کر دیا گیا۔ اب بھی مسلمان برابر دبے چلے جا رہے تھے آپ نے چاہا مسلمانوں کو پیچھے نہ ہٹنے دیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر دشمن خود حضور انور پر حملہ آور ہوا اگر آپ کے صحابہ آپ کے گرد حلقہ نہ کر لیتے اور نہایت شجاعت سے دشمن کے حملہ کو نہ روک لیتے تو فی الواقع سخت مشکل و پیش آجاتی صرف چودہ آدمی حضور انور کے ساتھ تھے جن میں سات مہاجرین اور سات انصار شمار ہوتے ہیں۔ مخالفوں نے قریب آکے حضور کی طرف پتھر پھینکنے شروع کئے ایک پتھر آپ کے لب مبارک میں لگا جس سے ایک دانت شہید ہو گیا۔ ایک پتھر آپ کے خود پر پڑا جس سے آپ کی مقدس پیشانی لہولہان ہو گئی۔ ایک شخص نے آپ

پر تلوار کا وار کیا مگر طلحہ عبداللہ کے بیٹے نے اپنا ہاتھ اس تلوار کے آگے کر دیا جس سے حضور انور بچ گئے مگر طلحہ کی انگلیاں اڑ گئیں آپ زمین پر گر پڑے حملہ آور یہ سمجھ کر حضرت شہید ہو گئے۔ احد کی ساری پہاڑی میں غل مچ گیا کہ حضور انور شہید کر دئے گئے جب یہ آواز مسلمانوں کے کانوں میں پڑی تو وہ سخت پریشان ہو کے آپ کی تلاش کرنے لگے طلحہ جو کہ خود سخت مجروح ہوئے تھے آگے بڑھے اور نہایت آہستگی سے حضور انور کو اٹھایا اور دو تین آدمیوں کی مدد سے آپ کو ایک چٹان پر چڑھا دیا جہاں مسلمانوں کی فوج کا ایک حصہ دشمن کے تعاقب سے پناہ گزیں ہوا تھا جس وقت مسلمانوں نے انور کو دیکھا مارے خوشی کے باغ باغ ہو گئے۔ کعب نے اس خوشی کی خبر کو عام طور پر سنانا مگر حضور انور نے کعب کو روکا کہ ابھی خاموشی مناسب ہے مگر جب آپ نے کچھ سپاہ کے ساتھ ایک پشتہ کے پیچھے پناہ لی اور آپ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب ہم سب خطرے سے نکل آئے ہیں تو مسلمانوں نے آپ کے خود کو آپ کے سر سے اٹھایا اس خود نے آپ کے تمام چہرے کو مجروح کیا تھا اس خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسارے میں اس طرح گڑ گئی تھیں کہ جب ابو عبیدہ نے ان کڑیوں کو کھینچا ہے تو آپ کے دو دانت ان کے ساتھ باہر نکل آئے اور اب بہت سا تازے سے خون بہنا شروع ہوا۔ حضرت علی ایک طرف چٹان کے اندر دوڑے ہوئے گئے اور اپنی ڈھال میں تھوڑا سا پانی لائے حضور انور نے اس پانی کو پیا نہیں صرف اپنے زخموں کو اس پانی سے دھویا جب خون دھل گیا تو حضور نے نہایت ہی درد سے یہ ارشاد فرمایا وہ لوگ کیونکر سرسبز ہو سکتے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے وہ پیغمبر جو انہیں خدا کی پرستش کی طرف بلاتا ہے اس کے بعد آپ نے کعب کا زرد خود پہن لیا اور اپنا ٹوٹا ہوا خود اتار کے رکھ دیا اور پھر قریشوں کی نقل و حرکت کی نگرانی فرمانے لگے بہت سے جنگ جو اس جنگ میں تھک گئے تھے وہ اطمینان سے سو گئے اور انہیں ایسی گہری نیند آئی کہ وہ دوپہر تک سوتے رہے اس جنگ اور نیند کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے چنانچہ حسب ذیل بیان ہوا ہے۔

OSMANIA UNIVERSITY
COLLEGE LIBRARY

تمام شد